وید اور قرآن

لکھشمن

معذرت و گذارش

وید اور قرآن کے ہردو حصص کی پہلی پہلی جلد ناظرین کے ہاتھوں میں پہونچ رہی ہے۔ اگلی جلد تیار ہو رہی ہے ہندی ایڈیشن بھی جلد نکلے گا۔

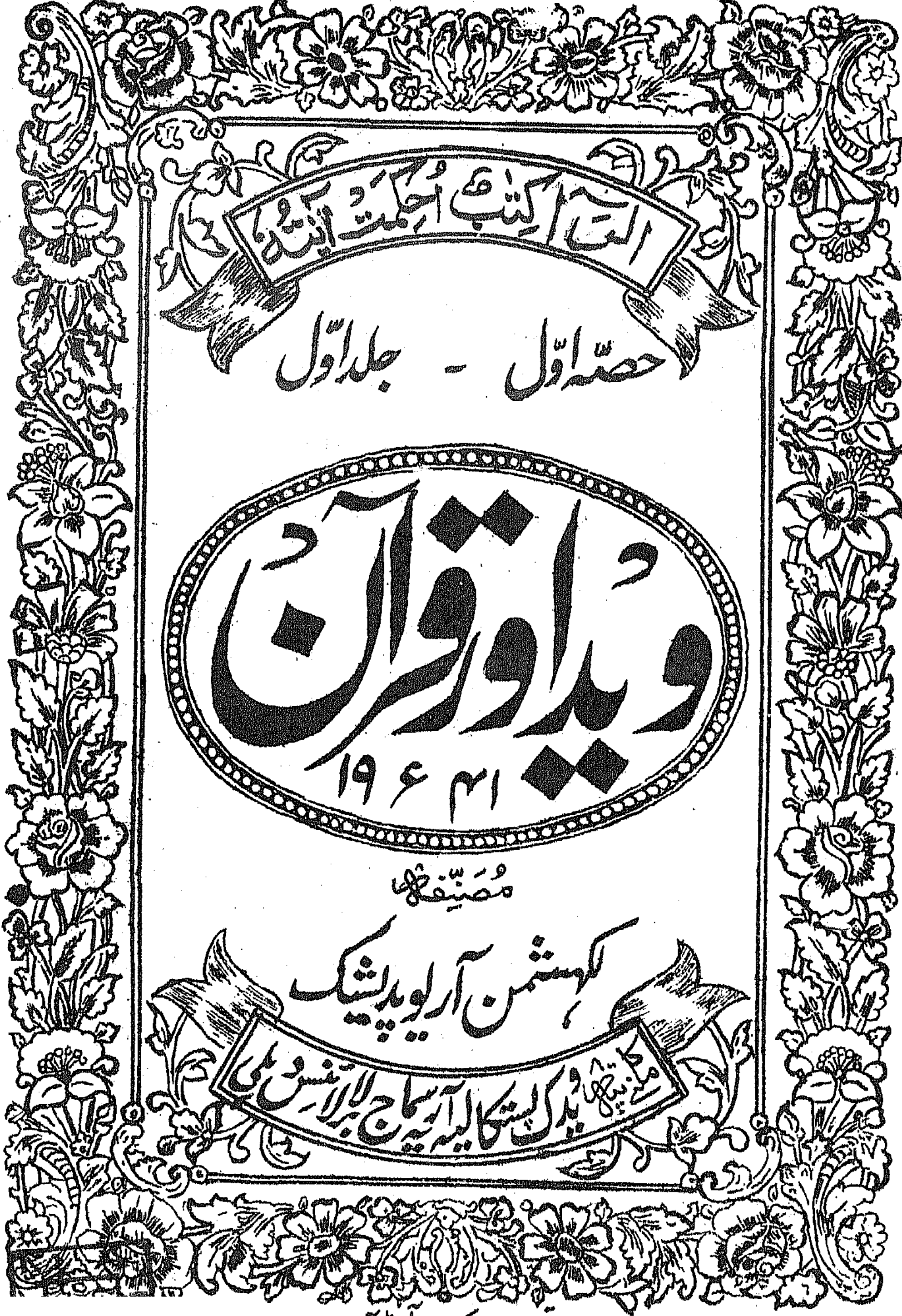
اس جلد کی کتابت و طباعت کے ہر ممکن نقص کے لئے راقم معذور ہے۔ اور ہر طرح کی خامیوں کے لئے مجبور۔ سوائے تلافی و ترقی کی خواہش اور ناموافق حالات ومشکلات کی دوری کی دعا کے اس کے اختیار میں کچھ نہیں ہاں معزز اور حق پسند ناظرین اگر اپنی فطرتی اور خداداد حق پرستی سے مصنف کے ساتھ مخلصانہ تعاون فرماویں اور پیشگی گراہکوں کی تعداد کافی ہوجاوے تو نہ صرف شکایت کی گنجائش نہ رہے — چند ماہ میں ہی یہ بڑا بھاری کام تکمیل تک پہونچ جاوے۔ اور اتحاد کا بویا ہوا بیج ایک بڑے ثمر دار درخت کی صورت میں برومند ہوجاوے۔

دنیوی اغراض مصنوعی اسباب۔ انسانی دماغ اور تخیلات پر مبنی اتحاد درحقیقت ہر ممکن نفاق اور فساد سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اس لئے اس قدرتی اور بے خطا نسخۂ اکسیر کا استعمال از بس ضروری ہے۔

کاش کہ ہماری گذارش سچے دیکھنے والوں کی آنکھوں سے گذرے اور سچے سننے والوں کے کانوں تک پہونچے جس سے ناظرین کے دلوں میں ادائے فرض کا احساس پیدا ہو اور ان کی متفقہ کوششوں سے نہ صرف حضرت محمد صاحب اور مہرشی دیانند کا سچی توحید اور عالمگیر اتحاد کا مشن کامیاب ہو۔ انسانی جماعت وید اور قرآن کی تعلیم سے مستفیض ہوکر اپنے مالک حقیقی کی رضا اور خوشنودی کو حاصل کرسکے۔ اور ہر قسم کی ترقی اور راحت کی مستحق ہو۔ اوم شم

"مصنف"

देवस्य पश्य काव्यं न ममार न जीर्यति



الشا کتب احمت اینڈ

حصہ اول - جلد اول

ویدا اور قرآن

۱۹۶۳۱

مصنفہ

لکھشمن آریو پدیشک

ملنے کا پتہ ویدک پستکالیہ آریہ سماج برلا لائنس دہلی

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

سمرپن

انسانی قالب دیا۔ تو دیا لو بھگوان نے۔ عقل عطا فرمائی۔ اور اسے علمی روشنی بخشی۔ تو اسی سروشکتیمان نے دینی تحقیق و تجسس اور حق و باطل کے فیصلے کی تحریک کا مبدا ہے۔ تو وہی اور بڑے سے بڑے ریفارمروں کا بھی رہنما اور مشکل کشا ہے تو وہی۔ رشیوں کو گیان ملا۔ تو اسی کے درشن سے۔ رسولوں کو نور ملا۔ تو اسی کی قربت سے اطمینان قلب اور راحت کا مدار ہے۔ تو اسی کی سچی عبادت پر۔ اور رنج و آلام کا انحصار ہے۔ تو اسی کے متعلقہ بے علمی اور جہالت پر۔ اتحاد ہوا یا ہوگا تو اسی کی کلام پاک کی تبلیغ سے اور نفاق اور مذہبی تفریق کا ظہور ہوا یا ہوگا۔ تو احکام الہی کی عدم تلقین سے غرضیکہ وید اور قرآن نامی تصنیف کے متعلق ہر قابل غور پہلو کا بنیادی تعلق محض اس خدائے واحد سے ہے۔ اس لئے اسی کا کام یا اسی کی رحمت اور عنایت کا نتیجہ اسی کے ارپن ہے۔

برہمن گرنتھوں اور دیگر شاستروں کی مقبولیت ہوئی۔ تو اسی کے کلام پاک کی ویاکھیا ہونے سے دیانند کے وید کو سوتہ پرمان اور تر بھرانت کہنے میں معقولیت ہوئی۔ تو اسی کا الہامی علم ہونے سے اور قرآن مجید نے خدا سے تعلق جوڑا۔ اور مومنوں نے انسانی مذاہب سے ناطہ توڑا۔ تو محض اس لئے کہ قدرت الہی یا نیچر میں موجود صداقتوں کی تصدیق اور رب العالمین سے ظہور یافتہ منزہ من الخطا الہامی کتاب کی تفصیل کی دونوں خوبیوں کے متعلق اطمینان ہوا۔

تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ لَارَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (یونس ۔ ٣٦)

انقلاب زمانہ سے قرآن مجید کے یہ دونوں تعلق منقطع ہو چکے تھے۔ ان کے بحال کرنے کا موقعہ جو اس ناچیز خادم کو ملا ہے۔ اس کے لئے اسی سچے معبود اور منبع سخا وجود کا خلوص عقیدت سے شکر بجا لاتا ہوا میں اس کے چرنوں میں یہ بھینٹ دھرتا ہوں۔

ع۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف



لکھشمن

فہرست مضامین وید اور قرآن حصہ اول

نوٹ :- کاتب کی غلطی سے ساتویں باب کا سلسلہ مضامین بجائے ۶۸ کے ا سے شروع ہوکر ۴۴ نمبر تک ویسے ہی لکھا گیا ہے اور درست نہیں کیا گیا۔ اس لئے فہرست مضامین میں بھی مطابقت کے لئے اسے ۴۴ نمبر لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ۱۱۲ سے صحیح نمبر شروع ہوا ہے۔

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۵	[illegible]	[illegible]
۱	۱۰	درول	دُرونِ
۱	۱۷	جلود	غاود
۱۷	۱	بجز	بخیر
۱۷	۶	امردینی	امروہی
۱۷	۱۲	مس	اس
۱۷	۱۹	گل .. فعہ	اگلی دفعہ
۱۷	۲۱	دلی تبہ	دلی رغبت
۱۷	۲۹	آر	آریہ
۱۹	۱	مالوی	حازی
۱۹	۲۷	ربیتوں	زبیتوں
۲۰	۱۴	نسیجہ	نتیجہ
۲۰	۱۵	تفسیر	تفسیر
۲۰	۱۶	توہین	توہین
۲۰	۲۲	سہرط	شرط
۲۰	۲۸	راسخون	والراسخونَ
۲۱	۱	کنز	کنز
۲۲	۱۰	جر	جڑ
۲۴	۱۷	ان	دن
۲۲	۳	تشمل	متحمل
۲۴	۱۴	بولنا	بولنا
۲۴	۱۵	سے	سننے
۲۴	۲۰	ہی	بھی
۲۵	۲۸	خاص	خاص
۲۶	۲۵	الس بجلی	ایسی بجلی
۲۷	۲۵	ولو	وَ لَوْ

چھپائی کی ایسی غلطیوں کی پہچان ناظرین کو خود بھی آسانی سے ہوسکتی ہے۔

ادم
ستتی پرارتھنا (حمد و مناجات)

अग्ने व्रतपते व्रतं चरिष्यामि तच्छकेयं तन्मे राध्यताम् ।
इदमहम नृतात्सत्यमुपैमि ॥ یجروید ۱-۵-۱۱
असतो मा सद्गमय। तमसो मा ज्योतिर्गमय ।
मृत्यो र्मा ऽ मृतं गमय ॥ (اپنشد)

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُہُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْآ اَوْلِیٰٓـئُہُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَہُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ہُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ۝

نظم

اے ضابط القلوب وہم اے کاشف القلوب — اے منبع طلوع وہم اے مسکن غروب
محبوب حقیقی ما اے منزل مقصود — معبود حقیقی تو ئی بحر سخا وجود
کن غرب جہل ما را مبدل بہ شرق علم — کہنہ دروں قلب مبدل شود بہ علم
پر نور کن دروں ما عقل سلیم بخش — ہم قرب حق و بعد کذب اے کریم بخش
ما بر صراط مستقیم گامزن شویم! — گم گشتگان راہ را ہم راہ نما ئیم
قاران راہ راست را ما دور افگنیم — سفر نجات روح را آسان تر کنیم
صد حیف عالماں کہ خود گمراہ شدہ اند — ہر بندۂ توحید را مشرک ہمے کنند
نے فرق حق و باطل و نے مرگ وہم حیات — طوق غلامی در لغات شاں شدہ نجات
سیٔے تبلیغ کرد سوا میٔ دیانند — ایں طوق را بتو دیہ وعظ وید بسند
تبلیغ حق حضرت صلعم در سے گشود! — تو ہم با فتا دقل تا در جنت شود
صد حیف و لیکن کہ خود علمائے مذاہب — خود غرضی و تعصب و کلائے مذاہب
استاد و مثل گرہ شدہ در راہ حیرتیا — زحمت شدہ و حسن تا خویئے ظلمتیت
توفیق حق عطا بکن مشکل راہم کشا! — تو ہم کرد منتشر ابر سیاہ را
جلوہ فروز ہر صداقت شود عیاں — اسرار نہاں بر ہمہ عالم شود عیاں
با عجز و انکسار نکہتشن دعا کنند! — فصل مذہب بہ وصل دہرم منتقل شود

اے ہمارے خالق۔ ہمارے مالک اور ہمارے سچے رازق۔ تمام سچے علوم اور طاقتوں کے خزان! ہمارے عہد (یا دبرتوں) کے محافظ! ہم آپ سے عہد کرتے ہیں۔ کہ ہم روشنی زندگی اور حق کے ہی طالب رہینگے۔ اور آپ کی دی ہوئی تمام طاقتوں کو اشاعت حق میں لگا دیں گے۔ ایسی عنایت کیجئے۔ کہ ہم اس عہد کو پورا کر سکیں۔ (ادم شمم)

وید اور قرآن

دیباچہ

تمہیدی اعلان

قدرت الٰہی کا کیا ہی عجیب کرشمہ ہے۔ کہ لگاتار پینتالیس سال تک دین اسلام قرآن مجید اور حضرت محمد صاحب کے خلاف تحریر اور تقریر دونوں طرح سے جہاد جاری رکھنے کے بعد آج ہم یہ اعلان کرتے ہیں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ کہ اصل اسلام پر ہماری رائے میں اسی طرح کوئی معقول اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ویدک دھرم پر نہیں ہو سکتا۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ دین اسلام کو ویدک دھرم سے جدا یا اس کا مخالف سمجھنے والے خود غلطی پر ہیں۔ فی الحقیقت

ویدک دھرم کا ہی نام اسلام ہے

کاش کہ آریہ اور مسلم بھائی اپنے عمل سے ثابت کر دکھائیں۔ کہ وہ ترک باطل و قبول حق کے لئے ہر وقت مستعد ہیں

۲۔ قرآن مجید اور ستیارتھ پرکاش

مہرشی دیانند نے ستیارتھ پرکاش باب ۱۴ میں قرآن مجید پر نکتہ چینی کی۔ اور دیگر آریہ پرشوں کے ساتھ ہم نے بھی ان کی تقلید کی۔ لیکن آج ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ قرآن مجید

چودہ صدی پہلے کا ستیارتھ پرکاش

ہے۔ آنحضرت نے اس وقت عرب میں وہی کام کیا تھا۔ جو فی زمانہ مہرشی دیانند نے بھارت ورش میں کیا ہے۔ اگر سوامی دیانند اور قرآن مجید میں اختلاف زبان کا پردہ حائل نہ ہوتا۔ تو یقیناً سوامی جی کو قرآن مجید میں اپنے ہی پاک مشن کا جلوہ نظر آتا۔ مہرشی کے دل میں مولوی صاحبان کے ترجمے کھٹکتے ضرور تھے۔ لیکن انہیں کوئی عالم نہ ملا۔ جو اصل اسلام کا منور چہرہ انہیں دکھا سکتا۔ لہذا آپ نے اپنی نیک نیتی حق پسندی اور غیر جانبداری کے الفاظ لکھ دینے پر ہی اکتفا کیا۔ کہ "قرآن مجید عربی میں ہے۔ اس کا جو ترجمہ اردو میں مولویوں نے کیا ہے۔ اس ترجمے کو بہ حروف دیوناگری بزبان آریہ بھاشا عربی کے بڑے بڑے عالموں سے صحیح کرانے کے بعد لکھ دیا گیا ہے۔ اگر کوئی کہے۔ کہ یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔ تو اس کو لازم ہے۔ کہ مولوی صاحبان کے ترجمے کی پہلے تردید کرے۔" (دیباچہ ضمنی۔ باب ۱۴)

اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنے اصل مدعائے تحقیق حق و اتحاد کو بھی صاف لفظوں میں بیان کر دیا

کہ" اس میں اگر کچھ خلاف لکھا گیا ہو۔ تو شریف آدمی ظاہر کر دیں۔ اس کے بعد اگر مناسب ہوگا۔ تو وہ مانا جائیگا۔ یہ تحریر ضد۔ تعصب۔ حسد۔ بغض۔ جھگڑا فساد اور مخالفت گھٹانے کے لئے ہے۔ نہ کہ ان کو بڑھانے کے لئے۔ کیونکہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے سے باز رہ کر ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانا ہمارا خاص کام ہے"۔

۳۔ مہرشی دیانند کا عمل

سوامی دیانند دنیوی دولت۔ حیثیت۔ حکومت وغیرہ کی بجائے ترقی اور کامیابی کے لئے علم حق کو ہی واحد ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور اس لئے حق کے بے خوف اظہار کرنے کو ہی وہ اپنا فرض سمجھتے تھے وہ پالیسی پروپیگنڈا وغیرہ سے اوپر تھے۔ لاہور جیسے شہر میں ان کی وہ مخالفت ہوئی۔ کہ ان کو سر چھپانے کے لئے مکان کا ملنا بھی مشکل ہو گیا۔ اس وقت مسلمان ڈاکٹر رحیم خاں صاحب نے اپنی کوٹھی پیش کی۔۔ چنانچہ اسی کوٹھی میں سوامی جی نے پرچار کیا۔ اور اسی میں پہلے پہل آریہ سماج لاہور قائم ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اسلام کے خلاف لیکچر سن کر بُرا تو کیا مناتے۔ اُلٹا آپ کی بے خوفی اور صاف بیانی کی تعریف کرتے رہے۔ دوسری دفعہ ڈیرہ نواب نوازش علی خاں صاحب کی کوٹھی میں ہوا۔ وہاں بھی اسلام کے خلاف لیکچر ہوا۔ تو معاونین نے کہا "مہاراج آگے ہی کوئی مکان نہیں دیتا۔ کیا یہاں سے بھی اب جواب لینا ہے"۔ سوامی جی نے فرمایا۔ کیا ایسے صادق شخص کو سچائی جیسی نعمت نہ دوں۔ میں نے انہیں موجود پایا۔ اور جان بوجھ کر سچا اُپدیش سنایا ہے۔ کہ ان کا کلیان ہو"۔ الغرض نواب صاحب بھی خوش تھے۔ کہ انہوں نے ایک عالم بندۂ خدا کو راستباز سمجھنے میں غلطی نہیں کھائی۔

انوپ شہر میں سید محمد صاحب تحصیلدار اس امر پر مستعد تھے۔ کہ انہیں زہر دینے والے شخص کو اس کے جرم کا مزہ چکھائیں۔ مگر سوامی جی یہ کہہ کر اسے چھڑاتے ہیں کہ

"میں دنیا کو قید کرانے نہیں۔ قید سے آزاد کرانے آیا ہوں"۔

ایک اور عالم بزرگ بابا اپنے وقت کا بڑا اسلامی لیڈر سر سید احمد خاں آپ پر غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ لیکن دہلی دربار کے موقعہ پر اس وقت کے تمام ملکی لیڈروں کی جو کانفرنس ہوئی۔ اس میں سر سید صاحب کو وید کے متعلق قائل پا کر آپ نے ایسے بھگت کے تعاون سے اصول کو ہی ترجیح دی۔

سچائی کی خاطر آپ نے اپنے ماں باپ اور پیارے وطن تک کو خیر باد کہا۔ تھیوسافیکل سوسائٹی کو محض حق سے انحراف کرنے پر آپ نے علی الاعلان آریہ سماج سے الگ کر دیا۔ اور سنیاسی کے دل میں انسانوں کے لئے جو پریم ہونا چاہیئے۔ اس کا ثبوت اپنے ہی قاتل کی جان بچا کر دیا۔ اسے روپیہ دے کر کہا کہ جلد یہاں سے چلے جاؤ۔ اور اپنے آپ کو بچاؤ۔ پس سوامی جی کا عمل اپنے پرائے کی تمیز نہیں کرتا۔ اور اسلام کے خلاف بھی آپ نے تعصب یا عداوت سے نہیں۔ بلکہ اپنے پورے علم اور یقین کے مطابق مسلمانوں کے بھلے کے لئے لکھا۔

۴۔ خونریزی میں بھی انصاف الٰہی

موجودہ مکدر فضا میں ہندو مسلم کشیدگی ضرب المثل ہے۔ آئے دن جھگڑے فساد اور کشت و خون ہوتے ہیں۔ ایک طرف محمود غزنوی۔ محمد غوری۔ امیر تیمور۔ احمد شاہ

ابدالی۔ نادرشاہ درانی۔ اورنگ زیب وغیرہ کی مدح ہے۔ تو دوسری طرف پرتھوی راج مہارانا پرتاپ۔ بہادر درگا داس۔ سیواجی۔ گورو گوبند سنگھ جی۔ ویر بندا بیراگی۔ ہری سنگھ نلوہ وغیرہ کے کارنامے ہیں۔ لیکن مہرشی دیانند ایسی تاریخ کو معرض بحث میں ہی نہیں لاتا۔ وہ ان تمام باہمی مخالفانہ عملوں کو اعمال اور قانون الٰہی سے منسوب کرتا ہے۔ حتیٰ کہ مسلمان حملہ آوروں کی خونریزی وغیرہ کو بھی بت پرستی کے گناہ کی لازمی سزا قرار دیتا ہے۔ بقول شاعر ؏

شامت اعمال ما صورت نادر گرفت!

آپ کے الفاظ قابل غور ہیں۔

"بھلا جس زمانے میں یہ (رام کرشن وغیرہ) موجود تھے۔ اس وقت سیتا۔ رکمنی۔ لکشمی اور پاربتی کو سڑک پر یا کسی مکان میں کھڑا کر پجاری کہتے۔ کہ آؤ ان کے درشن کرو۔ اور کچھ بھینٹ پوجا دھرو۔ تو سیتا رام وغیرہ ان بے عقلوں کے کہنے سے ایسا کام کبھی نہ کرتے۔ اور نہ کرنے دیتے۔ جو کوئی ایسا تمسخر کرتا۔ کیا ان کو بدون سزا دیئے کبھی چھوڑتے۔ ہاں جب ان سے سزا نہ مل سکی۔ تو ان کے کرموں نے پجاریوں کو بہت سا بتوں کے مخالفوں سے انعام دلایا۔ اور اب بھی ملتا ہے۔ اور جب تک اس عمل بد کو نہ چھوڑیں گے۔ تب تک ملیگا۔ اس میں کیا شک ہے۔ کہ آریہ ورت کی روز مرّہ سخت تنزّلی اور پتھر وغیرہ بتوں کی پرستش کرنے والوں کی شکست انہی کرموں کے باعث ہوتی ہے۔ کیونکہ گناہ کا پھل تکلیف ہے۔ انہی پتھر وغیرہ بتوں سے بہت سا نقصان ہوگیا۔ جو نہ چھوڑیں گے۔ تو روزمرہ زیادہ زیادہ ہوتا جاویگا۔" (ستیارتھ پرکاش اردو چھوٹی ایم۔ اے صفحہ ۴۸۷)

فارسی شاعر نے کیا معقول کہا ہے۔ کہ ؎

گرچہ تیر از کمان ہمیگزرد — از کماندار بیند اہل خرد

اگرچہ تیر بظاہر کمان سے گذرتا ہے۔ مگر اہل عقل سمجھتے ہیں۔ کہ تیر وہ چلاتا ہے جس کے ہاتھ میں کمان ہے۔ صحیح مطلب اس کا یہ ہے۔ کہ انسانوں کا ایک گروہ دوسرے کو اذیت دیتا ہے۔ تو اسے اپنے اعمال کے بدلے اسے خدا کی طرف سے سمجھنا چاہیئے۔

قرآن سورۃ الانعام آیت ۶۴ میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا ہے۔ کہ۔

"خدا ہی کی طاقت یا خدا ہی کا کام ہے۔ کہ تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے کوئی عذاب تمہارے لئے نکال کھڑا کرے۔ یا تم کو باہم مخالف گروہوں کی شکل میں بھڑا مارے۔ اور ایک دوسرے کی جنگ کا مزہ چکھائے۔"

واقعی دکھ سکھ کا بیگانے یا اپنے موجب نہیں۔ ہمارے ہی اعمال اس کا موجب ہیں۔ باپ اور ماں تک جب بیٹوں سے اذیتیں پاتے دیکھے جاتے ہیں۔ جب خاوند اپنی بیویوں تک کو جذبۂ غیرت کے زیر اثر موت کے گھاٹ اتارتے پائے جاتے ہیں۔ تو اوروں کا شکوہ کیسا!

۵۔ ویداورقرآن کی ایک ہی تقدیر

پس قرآن مجید کے خلاف لکھا جانے کی ذمہ داری قرآن کے مترجم صاحبان پر ہے۔ اور یہ تقدیر قرآن کے ہی پیش

نہیں آئی۔ وید بھی اسی غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں۔ساین اور مہیدہر کے بھاشیہ ہی تو تھے جنہوں نے بودھوں کی زبان سے یہ فتوے نکلوایا کہ

"تینوں ویدوں کے مصنف بھانڈ دھورت اور نشاچر ہیں۔"

اگر سوامی دیانند نے غلط تفسیروں کے ذریعے وید پر چھائی ہوئی تاریکی کو اپنی صحیح تفسیر سے دور نہ کیا ہوتا۔تو ہمارے لئے ناممکن تھا۔کہ ہم صداقت قرآن کا جلوہ دیکھ پاتے یا دکھا سکتے۔

۶۔مرض میں پیچیدگی! سوامی جی کے بعد پنڈت لیکھرام جی نے اسلام اور قرآن کے متعلق پوری دلچسپی لی۔آپ کی غیر معمولی قابلیت اس امر کی مقتضی تھی۔کہ آپ بے رو رعایت تحقیق حق سے ویدک دھرم اور دین اسلام کی یگانگت کو بہ آسانی بھانپ لیتے۔اور ایسا ہوتا۔تو ہمارا موجودہ مشن کب کا پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہوتا۔لیکن شامت اعمال نے پیچھا نہ چھوڑا۔مرزا غلام احمد صاحب کا مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ اور اس میں کامیاب ہونے کے لئے آپ کا پروپیگنڈا صحیح تحقیقات کے راستے میں پہاڑ بن کر کھڑا ہو گیا۔اور کیا پنڈت جی اور کیا علمائے اسلام پیچیدہ غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے۔اس کے علاوہ بعض صورتوں میں مناظر اور مبلغ لوگوں کی قابلیت کی کمی بھی منافرت کی خلیج کو وسیع کرنے کا موجب بنی۔حتےٰ کہ ایسے ایسے واقعات ظہور میں آئے۔جو آئندہ نسلوں کو تاریخ کے ذریعے متحد ہونے سے روکتے رہیں گے۔

۷۔انت بھلا سو بھلا مگر (All is well that ends well)کی مشہور ضرب المثل کے مطابق ہم سمجھتے ہیں۔جو ہوا ٹھیک ہوا۔اس ساری کشمکش کا ہی نتیجہ ہے۔کہ آخر

قرآن مجید اور دین اسلام کی اصل پوزیشن

صاف ہوئی ہے۔ہماری یہ تصنیف گویا ایک طرف مشرق اور مغرب کے کل معترضین قرآن کے لئے چیلنج ہے۔اور دوسری طرف ویدک دھرمی اور مسلمان بھائیوں کے سامنے زخموں کیلئے مرہم اکسیر یا مہرشی دیانند اور حضرت محمد صاحب کے خوابوں کی صحیح تعبیر۔

۸۔تراجم و تفاسیر قرآن میں قرآن مجید کے گذشتہ یا حال کے مترجمین و مفسرین کی نیت۔دینی محبت۔علمی قابلیت بالخصوص عربی زبان دانی وغیرہ کے متعلق اعتراض نہیں کر سکتا۔اپنے اپنے حالات وعلم اور یقین کے مطابق سب نے اشاعت حق میں حصہ دار بننے کی ہی کوشش کی ہے۔لیکن نتیجہ چونکہ اصل حقیقت پر تاریکی پھیلنے کا ہوا ہے۔اس لئے میں علماء اسلام اور دیگر محققین کا بنیز اپنا فرض سمجھتا ہوں۔کہ ان وجوہات کی تحقیق کی جاوے۔جن سے اس قدر کوششوں کا پھل الٹا قرآن مجید اور آنحضرتؐ کیخلاف رائے قائم ہونے کی صورت میں ملا ہے۔ممکن ہے۔فاضل علماء اور وجوہات بھی پیش کر سکیں۔میں سالہا سال کے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔کہ فی الحقیقت قرآن کا صحیح ترجمہ و تفسیر علمائے اسلام سے ہونا ہی ناممکن نہیں۔تو مشکل ضرور تھا۔اول تو کسی بھی کلام کا متکلم کے سوا کسی اور سے

الٰہی یا دوسری زبان میں کامل صحیح ترجمہ ہونا ہی ناممکن ہے۔ اس پر ملک عرب اور بیروان اسلام کے حالات نے اس امر کو قطعاً ناممکن بنا رکھا تھا۔ اس لئے مفسرین معذور اور مجبور تھے اور تراجم و تفاسیر کے نقائص سے قرآن مجید کی اصل حقیقت پر تاریکی کا چھا جانا ایک ایسٹ تقدیر تھی۔ جیسا کہ آئندہ چند دفعات سے واضح ہوگا۔

۵۔ علم اور زبان کا تعلق

ترجمہ و تفسیر ہر تصنیف کی اصل حقیقت کو اسی یا دوسری زبان میں دوسرے لوگوں پر واضح کرنے کے لئے مقصود ہے۔ مگر فی زمانہ اس اصل حقیقت کی طرف توجہ نہیں۔ آج لغات یا گرامر (قواعد زبان) کے مطابق الفاظ کے بدلے میں الفاظ رکھ دینا ترجمہ ہے۔ اور اپنے خیال کے مطابق الفاظ ترجمہ کو کسی خاص مفہوم پر چسپاں کر دینا تفسیر مانا جاتا ہے۔ راقم کی سپرٹ یا روح کا احساس بالکل پس پشت ڈال دیا جا رہا ہے۔ لغات کیا ہے۔ ان الفاظ اور ان کے معانیوں کا مجموعہ جو کوئی بھی شخص اپنی سمجھ اور علمی قابلیت کی بنا پر نہیں۔ دوسروں کے ترجموں کو دیکھ کر خاص ترتیب سے جمع کر دیتا ہے۔ بغیر اس تمیز کے کہ مترجم نے اصل لفظ کے مفہوم کو صحیح سمجھا بھی ہے یا نہیں۔ ویدوں کے کوش جو قدیم زمانہ میں تیار ہوئے۔ وہ کبھی اسی طرح لکھے گئے کہ آج بھی موجودہ لغاتوں کے نقص سے وہ پاک تھے۔ اس لئے کہ جن رشیوں کی تفسیر وغیرہ کی بنیاد پر وہ کوش تیار ہوئے۔ انہوں نے ویدک الفاظ کے حقیقی معانی کا سمادھی یا خاص پرشور کی روحانی حضوری میں انکشاف پایا تھا۔ علم کا اصل سرچشمہ درحقیقت علیم کل خدا ہے۔ جیسے مادی سورج کی روشنی سے مادی شکل کا دیدار ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس روحانی سورج کی حضوری میں انکشاف روح پر ہوتا ہے۔ الفاظ کو علم ماننا صحیح نہیں۔ کیونکہ پانی کو آب یا واٹر یا جل کہہ دینے سے پانی کی اندرونی خصوصیتوں وغیرہ پر کوئی روشنی نہیں پڑتی ہے۔ الفاظ دیگر ہر کلمے کے مخصوص معانی اور تعلقات کو روح سے محسوس کئے بغیر رشی لوگ سمرتیوں کے الفاظ میں انہیں ادا کرنے کی کوشش نہ کرتے تھے۔ پس زبان بیرونی غلاف ہے۔ اور حقیقت یا اصل معنی اور تعلقات صحیح علم ہیں۔ عربی زبان میں علماء نے اس صحیح علم کو قدیم رشیوں کی طرح لدنی علم کہا تھا۔ جو بغیر مدد انسان استاد کے خدا کی حضوری میں منکشف ہو۔ اور اسی حقیقت کو رسول صلعم نے قرآن مجید میں ظاہر فرمایا تھا کہ گو رو یا استاد تو زیادہ سے زیادہ کان میں الفاظ سنا کر دل پر بیرونی حقیقت کو نقش کرتا ہے۔ اور اس نقش کی کشش سمادھی یا مراقبہ میں اندرونی حقیقت جاننے کی تحریک کرتی ہے۔

سورۃ الشعراء میں قرآن فرماتا ہے "تحقیق (قرآن) رب العالمین سے ہی ظاہر ہوا ہے۔ کیونکہ روح الامین (جبرئیل) کے ذریعے یہ تیرے دل پر صاف عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ تو (گناہ کے خلاف) ڈر سنا دے۔ اور واقعی یہ آغاز عالم والوں کی کتابوں میں ہے۔" (۱)

؎ مطلب یہ کہ مصنف اور مترجم کا علم زبان، علم بیان، علم معانی، طریق بیان، طریق استدلال وغیرہ کامل طور پر ایک ہی ہوتے بغیر ترجمہ صحیح ہونا مشکل ہے۔ اسی لئے کہا ہے۔ تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔

(۱) وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝

روح الامین گورو یا آچاریہ کو کہتے ہیں۔ جو ایشور کی طرف سے روح سے محسوس شدہ علم کی امانت کو شاگردوں تک پہنچاتا ہے۔ وید کی رو سے آچاریہ کو اصل علم سکھانے والا نہیں مانا جاتا۔ بلکہ سچا علم پرمیشور کی اس کے پاس امانت ہے۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں بتا سکتا۔ اسی امانت کی عظمت کو دوسروں کے دلوں پر نقش کرتا ہے۔ چنانچہ یہی کچھ حضرت جبرئیل اور آنحضرت کے درمیان واقعہ ہوا۔ پھر رسول صلعم بھی اپنے دلی خیالات کو قرآن میں پیش کرنے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ وہ خود پرمیشور کے حضور میں اصل معانی کا انکشاف پاتے ہیں۔ اور یہی حالت معراج کا اصل مفہوم تھی۔ جیسا کہ تفسیر میں واضح ہوگا۔

سورہ ہود کی پہلی آیت میں ہے۔

"روشن کردہ۔ اس کتاب کے جس کی آیتیں محکم ہیں۔ اب ان کی اس عقل کل و علم کل کی قربت* میں تفصیل کی جاتی ہے۔ (۲)

گویا جبرئیل کے ذریعے کتاب الہی کے حاصل شدہ علم کو دل سے گذر کر آپ نے روح سے محسوس کیا۔ اور اس کی ودیا کھیتا کی لغات پر بھروسہ نہیں کیا۔

یہی قواعد عربی۔ سو گرامر کا تعلق محض لفظوں کی بناوٹ اور گردان وغیرہ سے یا محض زبان والے بیرونی غلاف سے ہے۔ اس کا معانی سے تعلق ہی نہیں۔ خاص زبان کے الفاظ کا تلفظ پہلے ماں باپ وغیرہ سکھاتے ہیں۔ اور بعد میں استاد لوگ۔ اصل علمی حقیقت کے احساس میں گرامر امر غیر متعلق ہے۔ اس کا پتہ اسی امر سے لگ سکتا ہے۔ کہ گرامر میں تین زمانوں کا بیان ہے۔ ماضی۔ حال اور مستقبل۔ مگر علمی حیثیت سے تینوں زمانے ایک ہیں۔ اگر قانون بنایا جاوے۔ کہ چوری کرنے والا قید کیا جاتا ہے۔ تو باوجود زمانہ حال کا فعل آنے کے اس کا مطلب وہی ہوگا۔ جو اس فقرے کا ہے۔ کہ چوری کرنے والا قید کیا جاوے گا۔ یا جس نے چوری کی قید ہوا۔ اسی طرح واحد اور جمع کی تمیز بھی علمی اصول میں غیر متعلق ہے۔ شراب پینے والے کی عقل ماری جاتی ہے۔ اس کا مفہوم وہی ہے۔ جو اس کہنے کا کہ شراب پینے والوں کی عقل ماری جاتی ہے۔

غرضیکہ علمی تحقیق میں اصل حقیقت کی ضرورت ہے۔ اور اس کا مدار عقل سے غور و فکر کرنے پر ہے۔ یا روح سے علم بالاشافہ پانے پر۔ اس خوبی کو لغات اور گرامر کے ساتھ شامل نہ کرنے یا ان سے ادنے درجہ دینے سے سوائے تاریکی یا جہالت کے نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ سنسکرت کے عالموں نے جب سے ارتھ یا اندرونی مفہوم کے سمجھنے میں کوتاہی کرنی شروع کی۔ ان کے باہمی بحث مباحثے میں حق کے متعلق فیصلہ ہونا ہی بند ہو گیا۔ ایک نے تقریر کی۔ دوسرے نے اس کی لفظی غلطی پکڑنے میں اپنی علمی فتح سمجھی۔ اور جھٹ کہہ دیا "ونی اشدھم" یعنی یہ غلط بولا۔ دیکھو فلاں سوتر وغیرہ قرآن کے ترجموں میں بھی یہی نقص آنے سے کل دنیا کو متحد کرنے کا دعویدار اسلام تو صدہا فرقوں میں منقسم ہو رہا ہے۔

پس زبان کو اصل حقیقت سے وابستہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ہر شخص کی کلام اس کے اندرونی

*قربت سے مراد یہاں مراقبہ ہے جس میں لدنی علم حاصل ہوتا ہے۔

(۲) الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ۙ

خیالات کی ترجمان ہے۔ مگر سچا علم محض الہامی زبان میں ادا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سوائے خدا کے سچا علم کسی کی صفت نہیں۔ اور اس کے علم کی طرف سوائے الہامی زبان کے کسی انسانی زبان میں اشارہ نہیں ہو سکتا۔ زبان اگر انسان کی ایجاد ہو۔ تو وہ محدود علم کی حد سے تجاوز نہ کر سکیگی۔ اور صحیح علم کا مفہوم اس کی رسائی سے باہر ہوگا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قدیم رشیوں کی طرح رسول صلعم نے بھی سورۃ الرحمان میں فرمایا کہ (۱ــ)

خدا نے انسان کو پیدا کرتے ہی علم کا بیان کرنا اسے سکھایا۔* یعنی الہامی زبان بھی عطا فرمائی۔

اس بات کو سمجھ لینے پر ہر شخص آسانی سے استدلال کر سکتا ہے۔ کہ مذہبی کتب مقدسہ کے ترجمے یا تفسیر کے لئے سب سے پہلی ضرورت حقیقت کو سمجھنے کی ہے۔ اگر دل یا روح سے سچائی کا احساس نہ ہو۔ تو الفاظ کے اندر وہ سچائی نظر ہی نہیں آسکتی۔ پروفیسر میکس مولر اپنی تصنیف سائنس آف لنگویج میں اس تعلق کو اٹوٹ مانتے ہیں۔ پنڈت ستیہ برت سام اشرمی ترئی چتشٹیہ نامی کتاب میں فرماتے ہیں۔ کہ فرض کرو ایک کتاب میں (FORK اور SPOON) کا ذکر ہے۔ اس کا ترجمہ ایک ایسے ملک کا آدمی کرنے لگے۔ جس میں سپون اور فورک کا نہ رواج ہے۔ نہ کسی نے یہ لفظ سنے ہیں۔ تو وہ اس کا ترجمہ کرہی نہیں سکیگا۔ یا محض لال بجھکڑ کی طرح کچھ جھوٹی اختراع کرے گا۔ علم حق کی اشاعت نہ رہنے سے یہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔

یہی تقدیر قرآن مجید کے پیش آنی لازمی تھی۔ کیونکہ مفسرین کو اصل علمی اصولوں کا روحانی احساس نہ تھا۔ لہذا محض عربی زبان دانی سے وہ کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ انگریزی میں کہاوت ہے۔ (The world is a reflex of our mind) دنیا ہمارے دل کا عکس ہے۔ اس کے مطابق ان کو الفاظ قرآن میں اپنے خیالات یا رسم و رواج ہی نظر آ سکتے تھے۔ اور عام لوگ علمی کمی سے آمنّا و صدقنا کہنے کے بغیر چارہ نہ رکھتے تھے۔ کہا بھی ہے۔ کہ

Man judges the writings of others by his own wisdom and the less he knows, the more ready is he with an opinion.

انسان دوسروں کی تحریروں کی اپنی عقل سے جانچ کرتا ہے۔ اور جتنا اس میں علم کم ہوتا ہے۔ اتنا ہی وہ ہر رائے سے اتفاق کرنے کو تیار رہتا ہے۔

غرضیکہ مترجمین اور مفسرین کے دلوں میں آنحضرت کا علمی احساس ویسا ہی نہ ہونے سے وہ الفاظ قرآن کی صحیح تاویل و تفسیر نہ کر سکتے تھے۔

۱۰۔ ہر دو زبانوں کی کامل مطابقت

ترجمہ و تفسیر میں جہاں ایک ہی زبان کی صورت میں مصنف و مترجم میں یکساں علمی احساس ہونا ضروری ہے۔ وہاں اصل تصنیف اور ترجمہ کی زبان مختلف ہونے کی صورت میں دونوں زبانوں کی کامل مطابقت بھی لازمی ہے۔ اگر ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے والے لفظ دونوں میں موجود

(۱ــ) اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

*"بیان کرنا سکھایا" کا مطلب وہی ہے جو عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کا سورۃ بقر میں ہے۔

نہیں۔ تو بھی ترجمہ و تفسیر کا صحیح ہونا محال ہے۔

قدیم ویدک لٹریچر والی کتب کو جب اکٹھا کرکے ان کا ہیبرو (عبرانی) میں ترجمہ کیا گیا۔ تو ویدا در ویدک تعلیمات کی صداقتوں کے متعلق بہت غلط فہمی ہوئی۔ اور جب عبرانی سے انہیں لاطینی وغیرہ میں پیش کیا گیا۔ تو اور بھی گڑبڑ ہوئی۔ اور ترجمہ در ترجمہ ہونے کی وجہ سے موجودہ بائبل قدیم ویدک لٹریچر سے بالکل جدا ہو رہی ہے۔ وجہ یہ کہ ویدک زبان کے الفاظ کثیر المعانی تھے۔ اور عبرانی وغیرہ میں یہ وصف نہ تھا نہیں۔ اس لئے ترجمہ میں کوئی سا لفظ اہی (अहि) تھا جس کے معنے سانپ۔ بادل۔ جہالت۔ برا آدمی وغیرہ تھے۔ پہلی کتب میں جہاں یہ لفظ تھا۔ ترجموں میں اس کی جگہ کہیں سانپ لکھ دیا۔ بلا لحاظ موقع و محل کے۔ بالخصوص کتاب پیدائش میں ذکر ہے۔ کہ سانپ نے آدم اور حوا کو بہکایا۔ کہ اس درخت کا پھل بڑا اچھا اور لذیذ ہے۔ اور تم اس سے ہمیشہ قائم رہو گے۔ خدا نے محض تمہیں اس وجہ سے منع کیا ہے۔ کہ تم بھی کہیں ہمیشگی میں اس کے شریک نہ ہو جاؤ۔ اب تھے تو یہ انسانی جہالت کے خیال۔ سانپ نہ ایسا وچار کر سکتا ہے۔ نہ اس طرح بہکا سکتا ہے۔ وہ تو سوائے حوا کو ڈنگ مارنے کے کچھ کر ہی نہ سکتا تھا۔ پس سانپ کا لفظ خلاف موقع تھا۔ اسی طرح مکاشفات باب ۱۲ میں میکائیل نام سورج کا رکھا ہے۔ اور اس کا جنگ بڑے اژدہا یا اجگر سے لکھا ہے۔ اور اخیر میں کہا ہے۔ کہ اژدہا نیچے گرا دیا گیا۔ اسی جنگ میں بجلی کو ایک عورت کہا ہے۔ اور بجلی کی کڑک کو بچہ جننے کی تکلیف یا درد زہ کہا ہے۔ سانپ نے اس عورت کے پیچھے ندی کی طرح اپنے منہ سے پانی بہایا۔ کہ ندی اسے بہا لے جائے۔ مگر پانی کو زمین نے پی لیا وغیرہ۔

معمولی سے غور پر پتہ لگتا ہے۔ کہ بجائے بادل کے معنے لینے کے یہاں "اہی" کو اژدہا یا سانپ کہہ دیا ہے۔ اور اس طرح ساری بات غیر معقول ہو گئی ہے۔ درحقیقت بادل کی گرج بجلی کی کڑک سورج سے جنگ کے معنے دیتے ہیں۔ اور سورج کا بادل کو بیندھ کر پانی یا مینہ برسانا اور زمین کا اس پانی سے فائدہ پانا ہی یہاں مقصود ہے۔ اندر اور اہی کے اور بھی بہت معنے ہیں۔ مگر یہاں محض یہ بتانا ہے۔ کہ مکاشفات نے اس غلطی کو خود ہی واضح کر دیا ہے۔ یہ لکھ کر کہ

"وہ بڑا اژدہا یعنی وہ پرانا سانپ جو ابلیس اور شیطان کہلاتا ہے۔ اور سارے جہاں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ زمین پر گرا دیا گیا" واضح ہو کہ ابلیس لفظ وید میں (व्लि विश) ہے جو اہی کا مترادف بھی ہے۔

یہ لفظ صاف بتاتے ہیں۔ کہ سانپ اژدہا ابلیس شیطان وغیرہ سب ایک ہی لفظ کے معنے ہیں۔ اگر اہی کے لئے دوسری زبان میں بھی ایک ہی لفظ ہوتا۔ تو مغالطہ نہ ہوتا۔

نظر بریں حالات عربی اور اردو وغیرہ زبانوں میں الفاظ اور ان کے معانی کے لحاظ سے کامل مطابقت نہ ہونے سے بھی صحیح ترجمہ کا عدم امکان ہی ماننا پڑتا ہے۔

۱۱۔ چند اور مثالیں

ایک بار اینگلو ورنیکلر مڈل کے انگریزی سے اردو ترجمہ والے پرچہ امتحان میں یہ فقرہ تھا۔

His Highness, the Maharaja of Kapurthala was pleased to walk for a while in the garden.

بقیہ ان دس یا بیس معنوں میں سے مترجم نے لے لیا جو پہلی لغاتوں میں ان کے لکھے تھے۔ مثال کے لئے وید کا ایک لفظ

انگریزی زبان میں بادشاہ کے لئے ہز میجسٹی۔ وائسرائے یا گورنر جنرل کے لئے ہز ایکسیلینسی۔ لفٹننٹ گورنر کے لئے ہز آنر اور مہاراجہ کے لئے ہز ہائی نس کا خطاب ہے۔ مگر اردو میں ان الفاظ کے مقابلے پر ہو بہو کوئی لفظ مقرر نہیں۔ اور نہ اکثر لڑکوں کو ان خطابوں کا علم تھا۔ اس لئے لڑکوں نے ترجمہ کر دیا وہز۔ اسکی اور ہائی نس بمعنے بزرگی) اس کی بزرگی مہاراجہ صاحب کپورتھلہ کچھ دیر کے لئے باغ میں سیر کرتے پرخوش ہوئے۔ اب یہ لفظی ترجمہ تو ٹھیک تھا۔ مگر انگریزی محاورہ کے مطابق صحیح ترجمہ یہ تھا۔ کہ مہاراجہ صاحب کپورتھلہ کچھ دیر باغ میں ٹہلتے رہے۔ اس کی بجائے وہ بھدا ترجمہ ہوتا۔ اور طلبا کو اس کا نمبر زیرو (صفر) ملنا محض انگریزی اور اردو زبانوں میں کامل مطابقت لفظی نہ ہونے کا نتیجہ تھا۔ ایسے ہی عربی اور اردو زبان کی کامل مطابقت نہ ہونے کا اثر تفاسیر قرآن پر پڑا۔

ویدکا آکاش لفظ خلا۔ فضا۔ آسمان وغیرہ سے اردو میں تعبیر کیا جاتا ہے۔ مگر آکاش کا صحیح مفہوم درحقیقت ان میں سے کوئی لفظ پیش نہیں کرتا۔ خلا کمرہ کے فرش سے چھت تک دیواروں کے اندر قید ہے۔ مگر آکاش دیواروں اور چھتوں میں اور ان کے اردگرد میں بھی موجود ہے۔ فضا اور آسمان کے الفاظ جہاں خود بھی مترادف نہیں۔ وہاں آکاش کا صحیح مفہوم بھی پیش نہیں کر سکتے۔ فضا سامنے کا کھلا خلا ہے۔ صحیح معنے میں خلا خالی بھی نہیں۔ ذرات۔ لطیف مادی اجسام ہوا وغیرہ اس میں موجود ہیں۔ اور آسمان کہیں چھت کی شکل میں دور سے نظر آنے والا مجموعہ بخارات ہے۔ اور سورج وغیرہ روشن کرے بھی کرہ سماوی کہلا سکتے ہیں لیکن آکاش کی وسعت اوپر یا سامنے سے ہی وابستہ نہیں۔ اس لئے بائیبل کے ترجموں میں آکاش کا مفہوم ادا کرنا نہایت مشکل ہے۔ اور اسی لئے بائیبل قدیم صداقتوں کے ساتھ وفادار ثابت نہیں ہو سکی۔ اور اردو وغیرہ کا قرآن کے لئے وفادار ہونا مشکل تھا۔

۳۔ وید میں تین لوک کہے ہیں۔ دیُولوک جس میں سورج وغیرہ روشن کرے ہیں۔ پرتھوی لوک یعنی زمین اور انترکھش یعنی دیُولوک اور پرتھوی کے اندر کا لوک۔ عربی میں دیُو کے لئے سما یا سموات کا لفظ تھا۔ مگر مترجموں کو یہ آسمان ہی نظر آتا تھا۔ اس لئے جہاں خالق ارض وسما یا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کا بیان ہوا۔ انہوں نے آسمان و زمین ہی ترجمہ میں لکھ دیا۔ اور دیُولوک کی حقیقت سمجھ میں نہ آئی۔ مگر انترکھش کے لئے عربی میں آنحضرت کو لفظ نہیں ملا۔ اس لئے انہوں نے کمال عقل سے لکھا۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا یعنی روشن کرہ (دیُولوک) اور زمین اور جو ان کے بیچ میں ہے"۔ واقعی اس سے درمیانی کرہ کی تشریح بھی ہو گئی۔ اور انترکھش لفظ کا موزوں قائمقام بھی بنا دیا گیا۔ لیکن انترکھش لفظ علماء و پیروان اسلام کے علم میں نہ تھا۔ اس لئے نہ تو اس مطابقت کو جان سکے۔ نہ مَا بَيْنَهُمَا کے معانی کا تعلق دیُولوک تک پہنچا سکے۔ محض دو تین میل پر واقعہ آسمان تک ہی ان کا زاویہ نگاہ کام کرتا رہا۔

۴۔ وید میں گو لفظ گتی یا حرکت کے لحاظ سے گائے۔ زمین۔ اندریوں۔ دل اور نرم مزاج انسان کے لئے بھی آتا ہے۔ مگر عربی میں کوئی لفظ ان تمام معانی کے لئے استعمال ہونے والا اس وقت ہمارے علم میں نہیں۔ اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ آج سے چودہ صدی پہلے عربی کا لفظ بقر گائے کے علاوہ مذکورہ بالا معنوں میں عام طور پر استعمال ہوتا تھا یا نہیں۔ تاہم رسول صلعم نے وید کے گو لفظ کے جانشین کے طور پر ہی بقر لفظ کو لیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقر کی تفسیر میں واضح کیا گیا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ دیگر عربی علماء اس کو گائے کے لئے ہی مخصوص سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ آیت ۶۸ سورۃ البقر کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ :-

"موسیٰ نے اپنے لوگوں کو کہا۔ کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے۔ کہ گائے کو ذبح کرو (۴)
مگر عقلمند کو معمولی سے غور پر ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن یہاں گائے کے معنے میں بقر کو نہیں لیتا۔ کیونکہ اسی ۶۸ آیت کے ہی اگلے حصے میں اس کی تردید موجود ہے۔ جب موسیٰ نے کہا۔ تو حسب معمول لوگوں نے بقر کو گائے کے معنے میں لیا۔ اور بے اختیار جھنجلا کر یوں بولے۔ کہ کیا تو ہم کو رنج دیتا (ہمارے جذبات کو ٹھیس پہنچاتا ہے) مطلب یہ کہ سامعین گائے کے ذبح کرنے کے خیال تک کو برداشت نہیں کر سکے۔ دوسری طرف موسیٰ کی یہ پوزیشن کہ وہ معافی مانگتا ہے۔ یہ کہکر کہ پناہ بخدا! میں ایسا جاہل نہیں ہوں۔ (۵)
پس موسیٰ اور اس کی قوم دونوں کے الفاظ سے ثابت ہے۔ کہ یہاں بقر سے گائے مراد نہیں۔ پھر اس کے بعد کی آیات میں جس طرح آنحضرت نے اس مضمون کو صاف کیا ہے۔ وہ شاید ایسی دُور اندیشی اور باریک بینی کا نتیجہ ہے۔ کہ کم ہی انسانوں کے حصے میں آ سکتی ہے۔ اب سوال ہوتا ہے۔ قوم سے۔ کہ اے موسیٰ خدا سے ہمارے لئے دعا کر وہ ہم پر واضح کرے۔ کہ "ما ہی" یعنی وہ بقر ہے کیا۔ اگر بقر سے گائے مراد ہوتی۔ تو نہ پہلا غصہ اور معافی مذکور ہوتے۔ نہ تحقیق کی ضرورت رہتی۔ کہ بقر کیا ہے۔ گائے کو سب جانتے تھے۔ اور ایسا ذکر نہ قرآن میں ہے۔ نہ کسی حدیث میں۔ کہ گائے کو فلاں عمر میں یا قد یا رنگ کے اطمینان کے بعد ذبح کرو۔ قرآن حیوانات کے سواری۔ باربرداری وغیرہ کے فوائد کا خیال دلا دلا کر بار بار تاکید کرتا ہے۔ کہ خدا کا خوف کرو۔ اس کی نشانیوں کو برباد نہ کرو۔ خدا کو تمہارے گوشت وغیرہ کی قربانی نہیں چاہئے۔ بلکہ وہ تمہاری پرہیزگاری کا طالب ہے۔ وغیرہ ایسی صورت میں قرآن اور رسول کے کسی دانشمند دوست سے توقع نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ خواہ مخواہ بقر کے معنے یہاں گائے ہی لیوے۔ جب لوگ بار بار یہ استدعا کرتے ہیں۔ کہ خدا اپنی عنایت سے ان پر یہ آشکارا کرے۔ کہ بقر ہے کیا۔ ہمیں ابھی ٹھیک سمجھ نہیں آئی وغیرہ۔ تب بقر کا ترجمہ بقر ہی ہوگا۔ گائے نہیں۔ اس کے علاوہ موسیٰ جو پتے بقر کے منجانب اللہ دیتا ہے۔ وہ سب من و عن نفس پر معقولیت سے چسپاں ہوتے ہیں۔ اور جب آخر میں یہ ذکر آتا ہے۔ کہ انہوں نے اس کو ذبح کیا۔ تو ساتھ ہی آیت ۷۲ میں یہ مذکور ہے۔ کہ جب تم نے نفس کو قتل کیا۔ تو تم نے اور اک (گیان) حاصل کیا۔ اس سے ہی خدا اسے نکال ظاہر کرتا ہے۔ جو تم اپنے اندر نہاں رکھتے ہو۔ (۶) پس گائے نہیں بلکہ نفس پر بحث ہے۔
مسلمانوں میں بقر عید کا تہوار محض ہندوؤں کے گومیدھ یگیہ کی بازگشت ہے۔ جو گومیدھ کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے سے وجود میں آیا۔ قرآن مجید سے اس کا تعلق ماننا خلاف واقعہ اور بالکل غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ کیا گائے اور کیا دوسرے حیوان قرآن سب کی حفاظت کرنے۔ اُن سے مقررہ فوائد پانے۔ اور ان کے لئے خدا کا شکر گذار رہنے پر زور دیتا ہے۔" آیت ۷۲ کو اگر آیت ۳۵ کے مفہوم سے ملا یا جاوے۔ تو نفس مضمون بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

۴۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖٓ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً ؕ
۵۔ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا ھُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ ؕ
۶۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْھَا ؕ وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ؕ

اور ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ جب ہم اس مکالمہ کے اندر اُنشا بکر رشی کے کمال روحانی کا مفہوم پاتے ہیں۔ جس نے راجہ جنک کو بڑے عجیب طریق پر سمجھایا تھا۔ کہ برہم گیان من کو ضبط میں لانے کا ہی نام ہے۔

اس سے بھی بڑھکر خوشی ہم اس بات سے پاتے ہیں کہ حمائل التفسیر مؤلفہ جناب مولوی ڈاکٹر محمد عبد الحکیم خانصاحب ایم۔ بی مصنف مفتاح القرآن۔ مفتاح العرب۔ تذکرۃ القرآن۔ الذکر۔ الحکیم ۱-۲-۳ وغیرہ وغیرہ مطبوعہ ۱۹۰۴ء مطبع عزیزی تراوڑی ضلع کرنال میں بھی اس آیت کا یہی ترجمہ کیا گیا ہے۔

اور جب تم نے ایک نفس کو مارا۔ پس اس (نفس کشی) میں تم نے نور حاصل کیا۔ اور اللہ تمہارے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنے والا ہے۔

واقعی آنحضرت نے ایک نہایت قیمتی ہدایت دی تھی۔ کہ انسان میں بڑی بڑی خوبیاں ہیں۔ جنہیں نفس امارہ کا غلبہ پنپنے نہیں دیتا۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے۔ کہ موسیٰ اور اس کی قوم کا یہ مکالمہ درحقیقت آیت ۵۳ سے شروع ہوا تھا۔ موسیٰ کے لوگوں نے ہارون کی پرواہ نہ کر کے موسیٰ کی غیر حاضری میں بچھڑے کا بت بنا کر پوجا تو موسیٰ واپسی پر اس سے ازحد برافروختہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ

اے میری قوم تو نے یہ بچھڑا بنا کر اپنا ہی نقصان کیا۔ یا اپنے آپ .. پر ہی ظلم کیا ہے۔ پس تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ اپنے خالق کے حضور میں اپنے نفسوں کو قتل کرو۔ کہ وہ تم پر توجہ کرے۔ واقعی وہی خدا ئے رحیم ہے۔ جس کی طرف ہمیں لوٹنا چاہیئے۔ (۷) (مفصل بیان کے لئے تفسیر میں دیکھو)

پس ظاہر ہے۔ کہ مضمون کا آغاز بھی نفس کشی سے ہوا تھا۔ اور انجام بھی نفس کشی پر ہے۔ کلے کا کوئی تعلق نہیں۔ محض ویدک لفظ گو اور بقر میں کامل مطابقت کا علم نہ ہونے سے ایک بالکل صاف امر میں بھی رسول صلعم کے بڑے سے بڑے معتقد اور ثناخوان تک ان کے اصل مدعا کے خلاف مفہوم لے رہے ہیں۔

۵۔ ویدک ساہتیہ میں آغاز عالم میں پیدا ہونے والی انسانی جماعت کو آدِم یعنی آغاز والی کہا۔ مگر بجائے آدِم بہ دال مکسور کے آدَم بہ دال مفتوح بولا جا رہا ہے۔ اور گو بائبل میں بھی ابتدا میں پیدا ہونے والے بہت سے مرد عورتوں کو آدم کہا گیا ہے۔ اور قرآن میں بھی رِجَالاً کَثِیْراً وَّ نِسَآءً کے الفاظ ہیں تاہم زیر کی جگہ زبر ہونے سے آدم کا مفہوم واحد شخص لیا جاتا ہے۔ اور اس فرق کی وجہ سے مترجم اور مفسر لوگ کئی غلط فہمیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

۶۔ وید میں لفظ تھا۔ رتھی۔ کہا جاتا تھا۔ کہ جسم رتھ ہے۔ یعنی گاڑی۔ اندریاں گھوڑے ہیں۔ من کی لگام ہے۔ بدھی کوچوان ہے۔ اور آتما یا روح رتھ والا یا سوار ہے۔* وید میں روح کو پکھشی یا پرندہ بھی کہا ہے۔ کیونکہ

۷۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

* آتمانم رتھنم ودّھی شریرم رتھمیو تو وغیرہ

اس میں گیان اور کرم کی دو صفات (پکھش یا پر) ہیں۔ وید منتر میں ہدایت تھی۔ کہ جو لوگ نرتیئے نسل انسانی کے بچے کو پختہ یا عین صحیح طریق پر کرتے ہیں۔ یم یعنی ضبط یا غالب اٹھو اسی کے وصف سے ان کا ویریہ ضائع نہیں ہوتا۔ وہ رتھی ہو کر منزل یا رتھ کے مارگ کو طے کرتے ہیں۔ اور پکھشی ہو کر انتہائی روشن کرے میں پہنچتے ہیں۔ (۸)

گویا ریاضت یا نفس کشی کی صفت سے انسان سچا رتھی ہوتا ہے یعنی انسانی جسم والی گاڑی کے ذریعے اپنی منزل مقصود پر کامیابی سے پہنچتا ہے۔ گیان اور کرم کے دونوں پہلوؤں سے کامیابی حاصل کر کے نہایت روشن یا جلال مجسم درجہ گیان یا نجات کو حاصل کرتا ہے۔ یہی معراج روحانی ہے۔ مگر علما کی ناواقفیت اور ساتھ ہی رتھی اور پکھشی کے بالکل مطابق عربی الفاظ کا رواج نہ ہونے سے اس اصولی مطابقت کو کبھی نہیں سمجھا گیا۔ جو حدیث میں یوں بیان ہوئی۔ کہ حضرت بُراق پر سوار ہو کر انتہائی تجلّی کے مقام کے پاس پہنچے۔ اور بُراق سے اتر کر خدا کے حضور میں پہنچے۔ انسان اور گھوڑے کی مرکب شکل کے ساتھ دو پروں کا لگنا وہی مفہوم رکھتا ہے۔ جو رتھ والے گھوڑے اور دو پروں (گیان اور کرم) والے پکھشوں کے ذریعے عروج روحانی کی منزل پر پہنچنے کا ہے۔ جن تجلیات کا معراج میں ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ سب وید کے آتی دِوَہ کے ایک لفظ کا مفہوم ہے۔ لیکن ویدک سنسکرت اور عربی زبان کی کامل مطابقت نہ ہونے سے اندرونی مماثلت کا ادراک کرنا محال ہو رہا ہے۔

۷۔ اسی طرح وید میں ابتدائی پھیلی ہوئی غیر مرکب پرکرتی کو سلِل کہا تھا جس کے اندر علم بالذات قادر مطلق خدا موجود تھا۔ مگر بائیبل نے آج کل کی سنسکرت میں جو سلِل کے معنے پانی کے لئے جاتے ہیں۔ اسی کے مطابق یوں کہا۔ کہ خدا کی رُوح پانیوں پہ ڈولتی یا جنبش کرتی تھی۔ آنحضرت نے وید کے لفظ کو قائم رکھا۔ لیکن پھر بھی آیات کو نوٹ کرنے والے اصلیت کو قائم نہیں رکھ سکے۔ چنانچہ کہیں لفظ سلال لکھا ہے۔ اور کہیں صلصال۔ اور اختلاف زبان سے پیدا شدہ دوری نے معمولی سے فرق کو کبھی دور نہیں ہونے دیا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ مترجم ومفسر صاحبان سلال یا صلصال کا سلِل والا مفہوم پیش نہیں کر سکے۔

اس طرح کی صدہا باتیں قابل غور ہیں۔ جن کا بیان موقعہ مناسب پر ساتھ کے ساتھ ہوگا۔ یہاں محض یہ بتانا ہے۔ کہ انسانوں کے باہمی علم کی عدم مطابقت کے ساتھ۔ زبانوں میں پوری مطابقت نہ ہونے سے بھی صحیح ترجمہ ہو نہیں سکتا۔ اور اس لئے اگر مفسران قرآن اردو وغیرہ میں اصل حقیقت آیات قرآن کی ادا نہیں کر سکے۔ تو وہ اس کے لئے فی الحقیقت معذور تھے۔

۱۲۔ قرآن کے لئے ایک اور مشکل!

لیکن جہاں اختلافات زبان وغیرہ سے قرآن کے اصل مدعا کی اشاعت میں ہرج ہوا۔ وہاں سب سے بھاری مشکل، احادیث نے پیدا کر رکھی ہے۔

विषारिणमोदनं ये पचन्ति नैनान यमः परि मुष्णाति रेतः ।
रथी ह भूत्वा रथ यान ईयते पक्षी ह भूत्वाति दिवःसमेति ॥

اتھرو وید کانڈ ۴۔ سوکت ۳۴ منتر ۴۔

آنحضرت کے عین حیات میں قرآن مجید کی تزئین وغیرہ کا کام نہیں ہوا تھا۔ اسے تو صحابی کی جماعت نے خوش اسلوبی سے پورا کیا۔ لیکن صحیح ترجمہ نہ آپ کی موجودگی میں ہوا۔ نہ حدیثوں کے دور سے پہلے۔ اور چونکہ علمی ترقی میں کمال یافتہ ملکوں میں بھی عام فہم بیان یا ترجمے وغیرہ کا مطالبہ عام ہے۔ اس لئے عرب جیسے پس افتادہ ملک میں ایسا ہونا بالکل معمولی بات تھی۔ مفسرین اس مطالبے کے آگے جھک گئے۔ اور احادیث کی رہنمائی میں شان نزول اور ترجموں کا ظہور ہوا۔

۱۳۔ رسول صلعم اور احادیث

مگر اسلامی لٹریچر سے رسول صاحب کی پوزیشن محض یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ قرآن مجید کو سوائے احکام الہی ام الکتاب یا لوح محفوظ یا کتاب مبین وغیرہ ناموں والی الہامی کتاب کی مطابقت کے کسی بھی انسانی بیان کے ماتحت نہیں کرتے۔ احادیث کو آیات کے مفہوم پر حاوی کرنے کا نتیجہ سوائے قرآن کی عظمت کو کم کرنے کے ہو نہیں سکتا۔ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۶۵ پر حضرت عمر روایت کرتے ہیں۔

"ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مل کر بیٹھے تھے۔ کہ میں نے آپ کے چہرہ مبارک پر غم و حزن کے آثار دیکھے۔ اسی حالت میں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ (البقرہ ۱۰۶) کے الفاظ سن کر میں نے عرض کیا حضور نے کیوں یہ الفاظ پڑھے ہیں۔ فرمایا۔ میرے پاس جبرئیل آیا۔ اس نے یہی کلمہ پڑھا۔ میں نے وجہ پوچھی۔ تو کہا۔ کہ تیری امت تیرے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں فتنہ میں مبتلا ہوگی۔ میں نے کہا۔ کہ کفر کا فتنہ ہوگا۔ یا ضلالت کا۔ اس نے کہا۔ سب باتیں ہوں گی۔ میں نے کہا۔ یہ سب باتیں کہاں سے پیدا ہوں گی۔ جب کہ میں قرآن شریف چھوڑ جاؤنگا۔" کہا۔ کہ قرآن شریف کے ذریعے گمراہ ہوں گے۔ یعنی

"اپنی من گھڑت تفسیریں بنائیں گے۔ اور لوگوں کو گمراہ کریں گے۔"

کیونکہ سب سے پہلے قرآن پڑھنے والوں اور امیروں کی طرف سے یہ ناشائستہ کام وقوع میں آئے گا۔ وجہ یہ کہ امیر لوگوں کے حقوق تلف کریں گے۔ بلکہ ان کو قتل کر دیا کریں گے۔ اور قرآن کو جاننے والے علماء امیروں کی خواہش کی پیروی کریں گے۔ اور باز نہیں آئیں گے۔ واقعی جبرئیل جیسے مخبر یہ کارستری کو عربوں کی علمی کمزوریوں سے ایسے خدشات کا لگا رہنا معمولی بات تھی۔

رسول صلعم کتاب الہی کو آخری سند سمجھتے تھے۔ وہ کتاب الہی کو ہی عربوں کے لئے کافی سمجھتے تھے۔ اور دین الہی کی کھیتی کے نشوونما میں انسانی تخیلات پر مبنی حدیث وغیرہ کو بطور خود رو بیدگی کے نقصان رساں کہتے تھے۔ مترجم صحیح بخاری اپنے دیباچہ کے صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں۔

خدا کا کلام جو آپ پر نازل ہوتا تھا۔ وہ قرآن ہے۔ اور آپ کے ذاتی اقوال و افعال حدیث ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا۔ کہ قرآن مجید جس قدر نازل ہو۔ وہ فوراً لکھ لیا جائے۔ اور آپ خود بنفس نفیس اس کی کتابت کا اہتمام فرماتے تھے۔ وحی نازل ہوتے ہی کاتب کو بلا کر اپنے سامنے لکھوا دیا کرتے تھے۔ مگر احادیث کے لئے آپ نے کتابت کی ممانعت فرما دی۔ یہ حکم دے دیا تھا۔ کہ سوائے قرآن کے اور کوئی چیز میری طرف سے نہ لکھی جائے۔"

بزار اور امام نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے۔ کہ "فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کہ ہر ایک شرط جو قرآن میں نہ ہو۔ خواہ وہ سو ہی شرطیں کیوں نہ ہوں۔ سب کی سب باطل اور مردود ہیں۔ طبرانی نے اور سمویہ نے ثوبان سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اسلام کی چکی پھرنے والی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت ہم کیا کریں۔ فرمایا۔ کہ میری حدیث کو کتاب پر عارض کرو۔ جس کو موافق پاؤ۔ مان لو۔ کہ میری حدیث ہے۔

ابن عساکر بہ روایت حضرت علی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ عنقریب راوی پیدا ہوں گے۔ جو میری طرف سے حدیث بیان کریں گے۔ تم ان حدیثوں کو قرآن پر عارض کیا کرنا۔ اگر وہ قرآن کے موافق ہوں۔ لے لو۔ ورنہ ترک کرو۔ (کنز العمال جلد ۱)

امام کلینی باب الاخذ بالسنۃ و شواہد الکتاب میں ابو عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے فرمایا۔ کہ ہر ایک حق بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اور ہر نیکی پر نور ملتا ہے۔ لیکن جو حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو۔ اسے لے لو۔ اور مخالف کو چھوڑ دو۔ (کافی کلینی صفحہ ۴۳)

امام کلینی باب الفرق بین الرسول و النبی و المحدث میں ایوب بن حر سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ابو عبد اللہ کہتے ہیں۔ کہ ہر ایک چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر رد کی جائے۔ اور ہر ایک چیز جو کتاب اللہ سے موافقت نہ کرے۔ وہ لغو اور فضول ہے۔ (کلینی صفحہ ۸۲)

ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۴۔ حضرت عمر کی رائے ہوئی۔ کہ احادیث سب لکھ لی جائیں۔ اور قرآن کی طرح ان کی اشاعت بھی عام مسلمانوں میں کی جائے۔ مگر ایک خاص مصلحت سے انہوں نے اپنی اس رائے کو ملتوی کیا۔ وہ مصلحت یہ تھی۔ کہ اگر احادیث لکھ لی جائیں۔ تو آئندہ نسلوں کے لئے سخت اشتباہ ہو جاتا۔ اور بعض حدیثیں قرآن مجید کے ساتھ مختلط ہو جاتیں۔

(بحوالہ تنویر الحوالک) ہروی نے علم کلام کی مذمت میں زہری کی سند سے روایت کیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی۔ کہ عمر بن خطاب نے احادیث کی کتاب کا ارادہ کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مشورہ کیا۔ اور اکثر صحابہ نے ان کو اس بات کا مشورہ دیدیا۔ پھر ایک مہینہ تک عمر اللہ سے اس بارے میں استخارہ کرتے رہے۔ ان کو اس میں پس و پیش تھا۔ ایک دن اللہ نے ان کو یکسوئی عنایت فرمائی۔ اور انہوں نے لوگوں سے کہا۔ کہ میں نے احادیث کے لکھنے کا تم سے ذکر کیا تھا۔ جو تمہیں معلوم ہے۔ مگر اب مجھے خیال آیا۔ کہ تم سے اگلے اہل کتاب نے کچھ باتیں کتاب اللہ کے ساتھ لکھ لی تھیں۔ پھر وہ اسی پر جھک پڑے۔ اور خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ اور میں خدا کی قسم کتاب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو مختلط نہیں کروں گا۔ پس لوگوں نے کہا۔ تب حدیث کو چھوڑ دیا۔ قرآنی تفاسیر میں ان حدیثوں کا بیان موجود ہے۔ اور ان سے بہت سی دلائل ثبوت اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ کہ قرآن کا مفہوم حدیثوں کی روشنی میں ڈھونڈنا بالکل غیر معقول اور خلاف شان رسول صلعم ہے۔ حدیث وغیرہ کتاب الہی کے موافق ہونے سے ہی قابل قبول ہے۔ نہ یہ کہ حدیث کے بغیر قرآن کا مطلب ہی نہیں کھلتا

۱۴۔ احادیث وغیرہ کے دخل کا نتیجہ

ہم نے احادیث سے ہی حدیث کی تردید کے اصولی ثبوت پیش کرنا مناسب سمجھا ہے۔ اسلام میں اس کے متعلق بڑی بھاری جد و جہد جاری چلی آتی ہے

اور گو ہم انتہائی مخالفانہ اقتباسات کو ترک کرنا ہی موزوں سمجھتے ہیں۔ تو بھی یہ واضح کرنا ضروری ہے۔ کہ حفاظت دین کے لئے علمائے اسلام نے حدیث کی مخالفت کرنے سے کبھی پہلو تہی نہیں کی جمائل التفسیر کی تمہید میں لکھا ہے۔

"میں اس بات کو درد دل کے ساتھ ظاہر کرتا ہوں۔ کہ عام تفاسیر میں بہت سا رطب و یابس داخل ہو گیا ہے۔ (اول) قرآن میں جو سابقہ انبیاء کے قصے تھے۔ وہ محض اسی قدر تھے۔ جس قدر کسی خاص نتیجہ کے متعلق تھے۔ مگر مفسرین نے وہ قصے تمام کے تمام تفسیروں میں داخل کر دیئے ہیں۔ حالانکہ ان کے اکثر حصوں کی تصدیق قرآن سے نہ ہوتی تھی بسا اوقات ہی مشرکین عرب کی پشت در پشت کی افواہی روائتیں بھی شامل ہو گئیں۔ بجائے غیر متعلقہ قصوں اور روایتوں کو چھوڑ دینے کے انہیں کھینچ تان کر کے صحیح سمجھنے کی کوشش ہوئی۔ جس سے حق پسند مفسروں کو عقل اور قرآن کی رو سے اختلاف کرنا پڑا۔

دوم۔ مختلف ذریعوں سے جو مختلف لوگوں کو روایات پہنچیں۔ وہ مختلف تفاسیر میں درج ہوتی رہیں۔ پھر مفسرین میں علیحدہ علیحدہ روایتوں میں اختلاف اور بحث شروع ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ قرآن مجید کی تفاسیر بے سند۔ خلاف عقل اور لغو قصہ جات کا مجموعہ بن گئیں۔ اور ان پر مباحثہ جات کا غیر مقطوع سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس طرح پر خود قرآن کریم اندرونی اور بیرونی ناظرین کی نظر میں مزخرفات اور لغویات کا مجموعہ متصور ہو کر تنازعات لاحاصل کا مجموعہ ٹھہر گیا۔ اس لئے مسلمانوں میں تو اس کا با معنے پڑھنا اور پڑھانا متروک ہوا۔ مخالفین کو واہیات نکتہ چینیوں اور بے معنی اعتراضات کا بے حد سامان ملا۔ اور منصفین کے واسطے ہزارہا حجاب پڑ گئے۔ کہ اصل حقیقت کو سمجھنا محال ہو گیا۔ الغرض بجائے اس کے کہ قرآن مجید دنیا کے راستی پسند لوگوں پر ایک عظیم الشان صداقت ثابت ہوتا۔ لغو افواہوں اور بے معنے قصوں کا مجموعہ ٹھہر گیا۔ اور ہر طرف سے کیا موافقین اور کیا مخالفین میں خفیہ یا علانیہ طور پر مضحکہ ہونے لگا۔۔۔۔۔"

۱۵۔ حفاظت دین کیلئے علم حدیث کی ضرورت

دفعہ ۱۳ والا خوفناک نتیجہ آنحضرت اور علمائے اسلام کو پہلے سے ہی کھٹکتا تھا۔ اس لئے وہ دور اندیشی سے اس کی مذمت حفاظت دین کے لئے ضروری سمجھتے رہے ہیں۔

۱۔ مسلم صفحہ ۲۳ پر رسول صاحب کی بیان کردہ اور تمام محدثوں سے بطور صحیح نقل شدہ حدیث ہے۔ کہ جو شخص یہ جانتا ہو۔ کہ فلاں حدیث غلط ہے۔ اور پھر بھی وہ مجھ سے نقل کرتا ہے۔ وہ خود جھوٹا ہے۔ چاہیئے یہ تھا۔ کہ وہ اس کا عیب ظاہر کرتا۔

۲۔ مسلم صفحہ ۲۵۔ ہر بات کو جو سنی جاوے۔ بغیر تحقیق حق و باطل کے اشاعت دینا جھوٹوں کا کام ہے۔ اور غلط جانتے ہوئے اشاعت دینا گنہگاروں کا۔

۳۔ مسلم صفحہ ۴۳ پر ثابت کرتا ہے۔ کہ حدیث کے راویوں کا عیب بیان کرنا درست ہے۔ وہ غیبت میں داخل نہیں۔ کیونکہ دین کی ضرورت ہے جیسے گواہوں کا حال بیان کرنا درست ہے۔ اور حدیث کے اماموں نے ایسا کیا ہے۔

۴۔ مسلم صفحہ ۴۴۔ یحییٰ ابن سعید نے سفیان وغیرہ سے پوچھا۔ کہ غیر معتبر راوی کے متعلق سوال ہونے پر اس کا عیب ظاہر کروں یا نہیں۔ سب نے کہا۔ کہ بیان کر دے۔ کہ وہ معتبر نہیں۔ اور اس بیان کرنے میں گناہ غیبت۔۔

نہیں۔ بلکہ اجر ہوگا۔ کیونکہ نیت بخیر ہے دین کی حفاظت منظور ہے۔ نہ توہین اس شخص کی۔

۵۔ مسلم صفحہ ۴۵۔ عفان بن مسلم اسمعیل بن علیہ کے پاس بیٹھے تھے۔ ایک شخص نے دوسرے سے ایک حدیث کہی۔ عفان نے کہا۔ وہ معتبر نہیں۔ وہ بولا۔ تو نے اس کی غیبت کی۔ اسمعیل نے کہا غیبت نہیں کی۔ بلکہ حکم لگایا اس پر کہ وہ معتبر نہیں

۶۔ مسلم صفحہ ۵۹" حدیث کے اماموں نے راویوں کا عیب کھول دینا ضرور سمجھا۔ کیونکہ اس سے حرام حلال یا امر دینی کے دینی اصول کا تعلق ہے۔ پس اگر کوئی جانتا ہوا راوی سے محتاط نہ کریگا۔ تو گنہگار اور دھوکے کا مرتکب ہوگا۔" آگے لکھا ہے۔ کہ جو لوگ علمی نمائش کے لئے بہت سی حدیثوں کو ضعیف جانتے ہوئے بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ عالم کی بجائے جاہل کہلانے کے مستحق ہیں۔ کیونکہ عالم وہ ہے۔ جس کو عالم لوگ تسلیم کریں۔ جاہل ناواقف لوگوں کا کیا اعتبار ہے۔ وہ کسی ایسے کو عالم قرار دیں گے۔ تو حدیث کے امام اسے جاہل قرار دیں گے۔

۷۔ مسلم صفحہ ۶۔ امام نووی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے۔ کہ راویوں کا عیب بیان کرنا جائز ہے۔ بلکہ واجب ہے۔ باجماع علما اس واسطے کہ شریعت کی حفاظت ضروری امر ہے۔ اور یہ غیبت میں داخل نہیں۔ بلکہ نصیحت ہے۔ اللہ رسول اللہ اور مسلمانوں (سب) کی خیر خواہی کے لئے۔

۸۔ مسلم صفحہ ۴۶۔ امام مسلم کہتے ہیں "ہمارے زمانے میں کئی لوگ جھوٹ موٹ اپنے آپ کو محدث قرار دیتے ہیں۔ ان پر التفات نہ کرنا۔ ان کو بیٹھے یا جاہلوں کو اس سے ناواقف رکھنے کا ذریعہ ہے۔ مگر دوسری طرف یہ اندیشہ ہے۔ کہ جاہل نئی بات پر فریفتہ ہوتے اور علماء کے لئے جو ساقط الاعتبار ہے۔ اسے فوراً قبول کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی تردید کرنا ہی لوگوں کے لئے بہتر اور مفید معلوم ہوتا ہے

آخری الفاظ تجربہ پر مبنی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ باوجود ہر ممکن احتیاط کے احادیث کا زور بڑھتا چلا آتا ہے جیسا کہ گل... فقرے سے واضح ہو۔

۱۶۔ احادیث کا دور دورہ

حضرت محمد صاحب کے اقوال۔ ان کے افعال اور احوال کے متعلق ہر بیان کا نام حدیث ہے۔ عوام الناس کی دلی[illegible] اصولی تعلیم کی طرف نہیں ہوتی۔ یہ ان کے لئے خشک اور غیر دلچسپ مضمون ہے۔ اور مبلغ لوگ بھی عموماً اس اصول پر عمل نہیں کرتے۔ کہ ان کے مذاق کو اونچا کریں۔ اس لئے ہر جماعت میں کچھ عرصے کے بعد دلیل یا ثبوت کی جگہ قصہ کہانی وغیرہ لے لیتی ہے۔ آنحضرت کے بعد صحابہ نے احادیث کے ذریعے ہی نزدیکی ممالک میں اسلام کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ موجودہ آریہ سماج میں ستیارتھ پرکاش کی اشاعت وید وغیرہ سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن عام لوگوں میں ستیارتھ پرکاش کے مضامین سے بھی وہ دلچسپی نہیں۔ جو سوامی جی کے زندگی کے واقعات سے ہے۔ پر وہ واقعات بھی پہلے سے مختلف صورتوں میں بیا[illegible] ہونے لگے ہیں۔ اور اگر ویدک لٹریچر یا سنسکرت زبان کا علم ادب اپنی پوری طاقت کے ساتھ آریہ سماجیوں پر حاوی نہ ہوتا۔ تو نہ معلوم سوامی دیانند کے متعلق اب تک کیا کیا کہا جا چکا ہوتا بہرحال آنحضرت کا اثر جو اس ملک پر پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ آپ کی وفات کے بعد ہر کہیں آپ کے

اوصاف کا چرچا تھا۔ اور آپ کے متعلقہ حالات سنانے والے بڑے بڑے پنڈتوں اور لیڈروں کی سی عزت پاتے تھے۔ اور اس طریق سے حدیثوں کے گھڑنے میں شوق اور جرأت اس انتہا تک پہنچے۔ کہ امام بخاری کہتے ہیں۔

"میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے اپنی کتاب کو انتخاب کیا ہے"۔

امام مسلم مصنف صحیح مسلم فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اپنی کتاب کو تین لاکھ حدیثوں میں سے منتخب کیا ہے"۔

صحیح بخاری دیباچہ صفحہ ۵ پر لکھا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت میں سنہ ۱۰۰ھ کے بعد مسلمانوں میں عام طور پر حدیث کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ وجہ یہ کہ اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ اور کچھ عجیب بابرکت زمانہ تھا۔ کہ قریب قریب ہر مسلمان میں دینی علوم کے حاصل کرنے کا شوق کوٹ کوٹ کر بھر گیا تھا۔ احادیث کے حاصل کرنے اور ان کے محفوظ رکھنے کا جوش نہایت تیزی کے ساتھ ہر مسلمان کی رگوں میں مثل خون کے دوڑنے لگا تھا۔ اس لئے کہ صحابہ کی وفات سے نفس پرستوں اور شریروں کو جھوٹی احادیث کے گھڑنے کا موقعہ مل جاتا تھا"

مترجم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ من گھڑت حدیثیں بنانے کی قباحت کو روکنے کے لئے حدیثوں کو لکھ لینا ضروری سمجھا گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ تحریر میں لانے پر یہ مرض کم نہیں ہوا۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ حدیثیں لکھنا زیادہ سے زیادہ محبت دین کا ثبوت تھا۔ سلطنت کی طرف سے بھی احادیث کی کتابت کا اہتمام ہوا۔ نامور علما جو اسلامی بلاد میں تھے۔ اس خدمت پر تعینات ہوئے۔ بطور خود بھی اکثر علماء اس خدمت کی انجام دہی کرنے لگے۔ جتنے علما اور آئمہ اس زمانے میں تھے۔ سب نے اپنے اپنے حوصلے کے موافق اس کام میں کوشش کی۔ اور ہزارہا کتابیں حدیث کی تصنیف ہو گئیں۔

اس کے ساتھ ہی پہلے اور دوسرے طبقے کی احادیث میں اور نقصوں کے علاوہ یہ نقص تھا۔ کہ موقوف۔ مرفوع۔ مسند منقطع ہر طرح کی حدیث بلا امتیاز یکجا کی گئی۔ تیسرے طبقہ کی تصانیف زیادہ کامل اور جامع تھیں۔ انہی میں صحیح بخاری اور مسلم کا شمار ہے۔"

لیکن ان کے بعد اور بے شمار کتب لکھی گئیں۔ اور آخر یہ کوشش ہوئی۔ کہ رسول کے متعلق غلط یا درست تمام امور جمع کر دیئے جائیں۔ تاکہ کوئی صحیح حدیث تلف نہ ہونے پائے۔

اس طرح صحیح حدیث کے تلف ہونے کا احتمال نہ رہے۔ اس غرض سے تمام غلط امور کو بھی اسلامی لٹریچر کے گلے کا مستقل ہار بنا دیا گیا۔ اور حسب قول صحیح بخاری بعد میں احادیث کی صحت اور سقم وغیرہ کی جانچ کے لئے اصول حدیث کے نام سے قوانین بنے۔

یہ اصول حدیث ایک مستقل فن بن گیا۔ اس کی سو سے زائد شاخیں ہو گئیں۔ اور ہزارہا راویوں کے نام۔ ان کے نسب۔ ان کے متعلق آئمہ حدیث کے اقوال۔ ان کی معتبری یا نامعتبری کو ظاہر کرنے والے حالات سب کا چرچا چھڑ گیا۔ کہیں اسماء الرجال تصنیف ہوئی۔ کہیں سو سے زیادہ شاخوں میں سے ہر شاخ کے متعلق کتابیں تصنیف ہوئیں اور ان حدیثوں کے متعلق ہر چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ بڑی بڑی بحثوں اور تصانیف کا مضمون بنا۔ علامہ سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں۔

علوم حدیث کے انواع بہت بے شمار ہیں۔

علامہ حازمی نے کتاب العجالہ میں لکھا ہے۔ کہ علم حدیث میں بہت سے انواع ہیں۔ جو سو تک پہنچتے ہیں ہر نوع ان میں سے مستقل فن ہے۔ اگر طالب علم اپنی تمام عمر اس میں خرچ کر دے۔ تو اس کی انتہا کو نہ پائے ابن صلاح نے اپنی کتاب مقدمہ ابن صلاح میں ۶۵ فن لکھے ہیں۔

شیخ الاسلام (ابن حجر) کا فرمان ہے۔ کہ سب سے پہلے جس نے اصطلاح (اصول حدیث) میں تصنیف کی۔ وہ قاضی ابو محمد رامہرمزی ہیں۔ انہوں نے کتاب المحدث الفاصل بنائی۔ لیکن انہوں نے تمام مسائل نہیں لکھے۔ اور حاکم ابو عبد اللہ نیشا پوری نے تصنیف کی۔ مگر انہوں نے اپنی کتاب کو مہذب اور مرتب نہیں کیا۔ انہوں نے بھی ان کی کتاب پر ایک مستخرج بنایا۔ مگر انہوں نے بھی آئندہ نسل کے لئے بہت سی باتیں چھوڑ دیں۔ پھر ان کے بعد خطیب بغدادی ہوئے۔ انہوں نے قوانین روائت میں ایک کتاب تصنیف کی۔ اس کا نام الکفایہ رکھا۔ اور ایک ادائت میں ایک کتاب لکھی۔ اس کا نام الجامع الآداب الشیخ والسامع رکھا۔ اور حدیث کے فنون میں کم کوئی فن ہوگا۔ جس میں خطیب نے تصنیف نہ کی ہو۔ حافظ ابو بکر بن نقطہ نے کہا ہے۔ کہ اہل انصاف کے نزدیک تمام محدثین کا اعتماد خطیب کے بعد ان کی تصانیف پر ہے۔ خطیب کے بعد قاضی عیاض نے کتاب الماع لکھی۔ اور ابو حفص میانجی نے کتاب بالا یسع المحدث جہلہ تصنیف کی۔ یہاں تک کہ حافظ امام تقی الدین ابو عمر عثمان بن الصلاح شہر زوری مقیم دمشق پیدا ہوئے۔ اور جب مدرسہ اشرفیہ میں تدریس حدیث ان کے متعلق ہوئی۔ تو انہوں نے اپنی کتاب (مقدمہ ابن صلاح) تصنیف کی۔

غرضیکہ احادیث اور ان کے متعلقہ تصانیف نیز ان کے اردو۔ فارسی وغیرہ کے تراجم وغیرہ کا سلسلہ نہایت وسیع ہے۔ اور اس نہائت پیچیدہ بھنور سے اسلام کی کشتی کو محفوظ کرنا علما کی طاقت سے باہر ہے۔ بلکہ خود علما کو اس بہر کے ساتھ بہے بغیر چارہ کار نہیں۔ بعض پیروان اسلام تو احادیث کے سننے سنانے کو ہی سعادت دارین سمجھتے ہیں۔ موجودہ وقت میں تو کتب احادیث کی مطبوعہ صورت گواہ ہے۔ اور پہلے وقتوں کے متعلق بخاری کی شہادت ہے کہ مسلمانوں میں آنحضرت کے بعد حدیث کے حاصل کرنے کا شوق اس قدر بڑھ گیا تھا۔ کہ اگر کسی صحابی کو یہ معلوم ہو جاتا۔ کہ فلاں صحابی کو ایسی حدیث کا علم ہے۔ جو میں نہیں جانتا۔ تو وہ اس کے حاصل کرنے کے لئے ایک ایک مہینے کا سفر اختیار کر لیتے۔ اور اس حدیث کو اس صحابی سے حاصل کر کے دم لیتے۔ جیسا کہ حضرت جابر صحابی نے عبد اللہ بن انیس صحابی کے پاس ایک مہینہ بھر سفر کرنے کے بعد پہنچ کر حدیث حاصل کی!

۱۷- اصولی فیصلہ

اب سوال یہ ہے۔ کہ حدیث کے متعلق اصول کیا قائم کیا جاوے۔ اس کا جواب صاف ہے۔ کہ رسول صاحب کے فرمان کے مطابق عالم لوگ قرآن مجید کو قید حدیث سے آزاد سمجھیں۔ اور سمجھا دیں۔ اس یقین پر کہ آخر حق کی ہی فتح ہوگی۔ کلام الٰہی خود بخود روشن ہے۔ جیسے کہ سورت النور میں فرمایا ہے۔ کہ علم الٰہی (الشجر زیتون) نہ شرقی ہے۔ نہ مغربی۔ اور نہ آگ سے روشن کیا جانے کا محتاج ہے۔ (۹) بھلا سورج کو چراغ سے دکھانا بھی کسی عقلمند

(۹) شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ

سکا کام ہوسکتا ہے۔

وید کے متعلق قدیم سے کہا جاتا ہے۔ کہ اس کا ارتھ نہیں ہوسکتا۔ اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ کوئی زبان ایسی نہیں۔ جس میں اس کے مدعا کو صحیح اور کامل طور پر واضح کیا جاسکے۔ اس کی اندرونی سپرٹ خدا کے حضور میں روح ہی محسوس کرسکتا ہے۔

مہرشی دیانند شاستر ارتھ کے موقعہ پر سوائے وید کے کسی کتاب کو مستند نہ مانتے۔ تو فریق مخالف کہتا کہ ایسی صورت میں وید کا ارتھ کس طرح کرو گے۔ سوامی جی فرماتے۔

وید کا ارتھ خود وید بتائے گا۔

کاش کہ علماء اسلام متفق اللفظ ہو کر اس اصولی فیصلہ کو قبول فرمادیں۔ کہ قرآن اپنے مفہوم کو آپ بتاتا ہے۔ وہ کسی دوسری کتاب کا محتاج نہیں۔ جو اس کے بعد لکھی گئی۔

جو لوگ قرآن مجید کو کلام الٰہی مانتے ہیں۔ ان کا فرض ہے۔ کہ جس طرح خدا بے نیاز اور مستغنی ہے اسی طرح کلام الٰہی کو احادیث کا محتاج ماننا چھوڑ دیں۔ اور ہم اس امر کے قائل ہیں۔ کہ واقعی کوئی بھی اصولی تعلیم قرآن میں ایسی نہیں۔ جس کی صداقت کی شہادت خود قرآن میں موجود نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے۔ کہ سوائے ام الکتاب یا لوح محفوظ کے قرآن کو اس کے اپنے بیان کو سمجھانے کے لئے کسی بیرونی مدد کا محتاج سمجھنا اس کی حقیقی عظمت کو مٹانے کے بغیر کوئی نتیجہ نہیں لاسکتا۔

قرآن میں جابجا ام الکتاب کا ذکر آتا ہے۔ اور اس کی آیات کی عربی تفسیر کو اشاعت حق کے لئے آسانی کرنے والی بتاتا ہے۔ (۱۰)

ایک جگہ فرمایا ہے کہ اس کتاب میں محکم اور متشابہ دو طرح کی آیتیں ہیں۔ محکم تو ہیں ام الکتاب کی اور متشابہ ہیں۔ نظایر یا تفصیل وغیرہ کی کم سمجھ لوگ ان متشابہ آیتوں کی مختلف تاویلیں کرکے اختلافات پیدا کرتے ہیں۔ حالانکہ متشابہ آیات یا فروعی اور مقامی یا زمانی امور کی اصل حقیقت کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ ہاں راسخ العلم لوگ محض اس اصولی نصیحت کو اختیار کرتے ہیں جس کے لئے یہ تفصیل ہے۔ (۱۱)

اس حوالہ کے اصل مفہوم پر غور کرکے ہمیں بڑا تعجب ہوتا ہے۔ کہ جب آں حضرت نے قرآن کے بیان میں اصول کو بھی درج کیا۔ اور اس کی تفصیل بھی ساتھ ہی واضح کردی تو پھر اس کے معتقدوں کا اسی پر غور و فکر نہ کرنا اور اس کے مفہوم کے لئے باہر تجسس کرتے پھرنا کس طرح سے عقل ہو سکتا ہے۔

مہاراجہ رام سنگھ نے سوامی ورجانند کو کہا۔ کہ مجھے اشٹا دھیائی کا کوئی آسان گرنتھ بنا کر پڑھا دو۔ رشی ورنے جواب دیا۔ جس طرح اس سورج کا کوئی اور سورج نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اشٹا دھیائی کا کوئی اس

(۱۰) فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ (۱۱) هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ

سے آسان گرنتھ نہیں بن سکتا۔ کنز العمال صفحہ ۴۵ پر کیا خوب کہا ہے۔ کہ:۔

"برپا ہونے والے فتنے سے نجات یا مخلصی ملنا کتاب اللہ سے وابستہ ہے۔ کیونکہ اس میں تم سے پہلی امتوں کے قصے۔ اور آنے والے زمانے کی خبریں ہیں۔ اور یہی کتاب تمہارا حکم ہے۔ کل نزاعوں کا فیصلہ کرے گی۔ اور وہ قول فیصل ہے۔ جس میں ذرہ بھی ہزل نہیں جو ظالم زبردست اس کو ترک کرے گا۔ خدا اس کو کاٹ ڈالیگا۔ اور جو اس کو چھوڑ کر کسی چیز کو ذریعہ ہدایت سمجھیگا۔ وہ ضلالت کے کنوئیں میں گریگا۔ یہی اللہ کی طرف سے ایک مضبوط رسی ہے۔ جس کے سہارے سے انسان کنارہ دین و عافیت پر پہنچ سکتا ہے۔ اور حکمت کی بھری ہوئی نصیحت ہے۔ جس سے آدمی فوائد کثیر حاصل کر سکتا ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ جس پر چلنے سے بشر اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور یہی ایک کتاب ہے۔ جس کی پیروی کرنے سے انسانی خواہشوں میں کجی نہیں آسکتی۔ اور وہ نعمائے الٰہی کا ایسا خوان نعمت ہے۔ کہ حقیقی علماء اس سے سیر نہیں ہو سکتے۔ اور نہ زبانیں اس کے ذریعے دھوکا کھا سکتی ہیں۔ اور نہ وہ بار بار کی تکرار سے کہنہ ہو سکتی ہے۔ اور نہ عجائبات اس کے کبھی ختم ہو سکتے ہیں"۔

مسند امام احمد بن محمد حنبل میں حضرت علی سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت کے پوچھنے پر جبرئیل نے کہا۔ کہ فتنے سے بچنے کے لئے "قرآن کریم ہی مخلصی کی راہ ہوگی"۔ جس میں پہلے او پچھلوں کی خبریں ہیں۔ اور قرآن ہی تمہارا پیش یا افتادہ کے لئے حکم ہے۔ وہ اللہ تعالے کی مضبوط رسی ہے۔ اور اللہ تک پہنچانے کی سیدھی سڑک ہے۔ وہ فیصلہ کی کلام ہے۔ جس میں کوئی تلبیات نہیں۔ قرآن وہ کتاب ہے۔ کہ اگر کوئی زبردست بھی اس کو چھوڑ کر اور چیز پر عمل کرے گا۔ تو اللہ تعالے اس کو پاش پاش کر دے گا۔ . . . جو شخص قرآن کے مطابق کہے گا۔ سچ اور صحیح کہے گا۔ اور جو اس کی رو سے حکم کرے گا۔ تو اس کا حکم عدل و انصاف پر مبنی ہوگا۔ اور جو اس کی تعلیم کے مطابق عمل کریگا۔ اجر پائے گا۔ اور جو اس کے قواعد کے ماتحت تقسیم کریگا۔ وہ سب ٹھیک و درست ہوگا۔

ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۴۲ میں ہے۔ کہ ابو جحیفہ نے علی سے کہا۔ کہ تمہارے پاس قرآن کے سوا اور کوئی کتاب بھی ہے۔ وہ بولے کہ نہیں۔ مگر خدا کی کتاب ہے۔ یا وہ سمجھ جو ایک مرد مسلمان کو دی جاتی ہے۔ یا وہ چند مسائل ہیں۔ جو اس صحیفے میں لکھے ہوتے ہیں۔

اسی ترجمہ کے صفحہ ۲۵ پر ایک اور حدیث ہے۔ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض سخت ہو گیا۔ تو آپ نے ابن عباس کو لکھنے کا سامان لانے کو کہا تاکہ وہ ایسا نوشتہ لکھیں۔ کہ پھر گمراہی نہ ہو۔ اس وقت عمر نے کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ پر مرض غالب ہے۔ اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے۔ وہ ہمارے لئے کافی ہے۔

حضرت عمر کا یہ قول عام حدیثوں میں ہے۔ کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ یعنی ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۰ سے ہے حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ وفات نبی صلعم، تمہارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ ان بیانوں میں قدیم کتاب الٰہی یا قرآن کو ہی کافی مانا گیا ہے۔ اور اوپر پیش شدہ اصولی فیصلہ کی ہی تائید

کی گئی ہے۔

۱۸- ویدک تفسیر قرآن کی خصوصیت

اوپر کی دفعہ کو پڑھنے کے بعد یہ سمجھ لینا بالکل آسان ہے۔ کہ ہماری ویدک تفسیر قرآن کی سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ ہوگی۔ کہ وہ احادیث کی قید سے آزاد ہونے کے نکتہ نگاہ سے سب سے پہلی صحیح تفسیر ہے۔ اسلامی لٹریچر کی اجمالی تاریخ پر غور کیا جاوے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی سب سے پہلی تفسیر ۲۰۴ ہجری میں احکام القرآن کے نام سے لکھی گئی۔ تفسیر اسحاق بن راہویہ اس کے ۴۳ سال بعد لکھی گئی۔ اور دیگر تمام تفاسیر بھی ان کے بعد کے زمانوں میں ہی تیار ہوتی آئی ہیں۔ مگر حدیثوں میں امام مالک کی تصنیف موطا ۱۷۹ھ یعنی پہلی تفسیر سے ۲۵ سال پہلے تیار ہو چکی تھی۔ اور اس سے پہلے بھی زہری وغیرہ کتنے ہی مصنف احادیث لکھ چکے تھے۔ جن کا زمانہ تصنیف ۱۵۰ ہجری سے بھی پہلے کا ہے۔ گویا تفسیر کا کام حدیث کے جڑ پکڑ چکنے کے بھی زائد از پچاس سال بعد شروع ہوا۔ اور عام کم علموں کے مطالبے کے مطابق آیات قرآن کو حدیث کے ترازو پر تول دکھانا ہی اس وقت کی علمیت کا مول متر تھا۔ کاش کہ کوئی صحیح تفسیر حدیث سے پہلے تیار ہوتی۔ اور بڑے عالم اور کم علم سب لوگوں کی اس سے صحیح رہنمائی ہوتی۔ لیکن امر واقعہ ایسا نہیں۔ اس لئے ہماری یہی دعا ہے کہ خدا کی عنایت سے ہماری یہ تفسیر احادیث کے مہلک اثر سے قرآن مجید کو جدا اور اصل اسلام کو محفوظ کرنے میں کامیاب ہو۔

۱۹- شانِ نزول

(۱) قرآن کا سرسری مطالعہ بھی ہر شخص کو جو عقل سے کام لے۔ یقین دلاتا ہے۔ کہ قرآن میں نزول کا لفظ نہایت وسیع معنے میں آتا ہے ان کا طلوع کیا ہے روشنی جیسی نعمت کا نزول۔ رات کا ہونا کیا ہے۔ تاریکی کا نزول۔ خوشی غمی سکھ۔ صحت۔ بیماری جو کچھ ہو۔ سب کے لئے نازل ہونا کا لفظ عائد ہوتا ہے۔ علم جو انسان کسی بھی ذریعے سے حاصل کرتا ہے۔ اس کے لئے بھی نازل ہونا کا ہی لفظ آتا ہے۔ بارش۔ وعظ یا ہدایت۔ سردی گرمی کچھ بھی ہو۔ اس کے لئے یہی لفظ ہے۔

(۲) قرآن ہر امر سے خدا کے قانون انصاف یا علم کا تعلق مانتا ہے۔ کچھ بھی نازل ہو۔ اللہ سے ہی نازل ہوتا ہے۔ استاد۔ شاگرد کو مارے۔ یا باپ بیٹے کو۔ دشمن کسی کو قتل کرے۔ یا دوست کوئی گزند پہنچا دے۔ درحقیقت وہ خدا کے قانون کے مطابق مختلف ذریعوں سے ملی ہوئی سزا ہے۔ اس لئے یہ بھی خدا کے غضب کا نازل ہونا ہے۔ آنحضرت کو بمصداق بنا حکم نہ تھو لے پاتا۔ دنیا کی ہر حرکت میں خدا کا ہاتھ کام کرتا نظر آتا ہے۔ اور اسی لئے قرآن یہ ہدایت ذہن نشین کرتا ہے۔ کہ یہ نہ کہو۔ میں نے یہ کیا ہے یا وہ۔ بلکہ یہ کہو۔ کہ خدا نے کیا ہے۔ اسی طرح یہ نہ کہو۔ کہ میں اس کو کرونگا۔ بلکہ یوں کہو۔ کہ انشاءاللہ میں کرونگا۔ غرضیکہ خدا کے ساتھ سارا بیان وابستہ ہے۔ اور اسی لئے اگرچہ جبرئیل سے درس و تدریس کا سلسلہ واضح طور پر قرآن میں مذکور ہے۔ تاہم اس کی پوزیشن یہی ہے۔ کہ خدا نے آنحضرت پر ہدایت یا وحی نازل ہوئی۔ وحی کیا ہے۔ دل میں نقش شدہ صداقت۔ اور وہ حسب

فرمان قرآن حضرت جبرئیل نے آنحضرت کے قلب پر نقش کی۔ اور حسب قول حدیث جبرئیل نے آنحضرت کا سینہ چاک کرکے اسے علم حق کے آب زمزم سے دھویا۔ اور اس میں حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا سونے کا تھال (علم الہی) انڈیلا۔ یہ سب امور سچے گورو اور شاگرد کے ہمیشہ کے تعلق عمل پر دال ہیں۔ اور اصل اصول کے مطابق ان واقعات کے اندر ایک سچے موحد کو خدا سے ہی وحی کا نازل ہونا ماننا چاہیئے۔ واقعی عجب ہی زمانہ تھا۔ جب کہ عرب جیسے پس افتادہ ملک میں سچے گورو اور ایک صادق شش کا یہ جوڑا علم الہی کی تجسس اور اشاعت کی لگن میں مگن تھا۔

حصہ اول کے باب ۳ میں کتنی ہی آیات میں قرآن نہایت واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ کہ قدیم کتاب یا الکتاب ام الکتاب۔ کتاب مبین۔ کتاب منیر۔ کتاب محکم لوح محفوظ۔ ذکر۔ زبر۔ ام القرآن فرقان۔ قدیم وغیرہ نام والی الہامی کتابوں کی آیتوں کو ان ہر دو مبارک ہستیوں نے خدائے جل شانہ کی رحمت و فضل سے عربی میں عربیوں پر واضح کیا۔ تاکہ ان کے لئے علم حق کو حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ ورنہ عربی زبان والوں کو عجمی (سنسکرت) میں کتاب الہی کا سنانا بھینس کے آگے بین بجانا ہی ہوتا۔ بھارت ورش میں زمانہ حال کے مشہور ریفارمر دیانند نے ہرچند سنسکرت زبان میں تبلیغ حق کی کوشش کی۔ آخر اسے مجبور ہوکر ہندی سیکھنا اور اسی میڈیم سے لیکچر دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ اور یہی صداقت باب سوم حصہ اول میں کتنی ہی آیات قرآن مجید کے حوالہ جات سے آیات قرآن کے شان نزول کو واضح کرتی ہے۔

۲۰۔ قدیم طریق پر درس و تدریس قرآن

احادیث میں دفعہ ۱۸ کا بدعا و مفہوم موجود ہوتے پر بھی ابہام یا توہم قطعاً غیر موجود نہیں ہے۔ ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۲ پر آنحضرت کے الفاظ ہیں۔

"کبھی فرشتہ میرے آگے آدمی کی صورت بن کر آ جاتا ہے۔ اور مجھ سے کلام کرتا ہے۔ تو جو کچھ وہ کہتا ہے اس کو میں حفظ کر لیتا ہوں"۔ اسی صفحہ پر حدیث نمبر ۳ میں ہے۔

(غار حرا میں) فرشتہ آپ کے پاس آیا۔ اور اس نے کہا۔ پڑھو۔ حضرت نے کہا " میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"

فرشتے نے آپ کو پکڑ لیا۔ اور زور سے دبایا۔ یہاں تک کہ آپ کو تکلیف ہوئی۔ پھر آپ کو چھوڑ دیا۔ اور کہا کہ پڑھو۔ آنحضرت نے وہی جواب دیا۔ اور فرشتے نے اسی طرح آپ کو پکڑا۔ تین دفعہ یہی عمل ہوا۔ چوتھی دفعہ فرشتے نے کہا۔ اِقرا باسم ربک یعنی اپنے رب کا نام لے کر یا اپنے پروردگار کے نام کی برکت سے پڑھو۔ اس کے آگے ذکر ہے۔ کہ محمد صاحب بہت خوفزدہ ہوئے۔ اور گھر میں آ کر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔ پھر یہ ذکر ہے۔ کہ حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جنہوں نے آپ کو ڈھارس بندھایا۔ اور آپ کی مستقبل نبوت کی پیش گوئی کی۔ اس کے بعد آپ نے ایک مرتبہ چلتے چلتے آسمان سے ایک آواز سنی۔ اور نظر اٹھا کر اسی غار حرا والے فرشتے کو دیکھا کہ آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر معلق بیٹھے ہیں۔ آپ خوفزدہ ہوئے۔ اور گھر میں آ کر کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے اس حالت میں اللہ تعالے کی طرف سے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھ کھڑا ہو۔ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا۔ اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی کو چھوڑ دے۔" (۱۲)

آیات قرآن حدیث والے واقعہ کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ تو بھی یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ نازل ہوا حضرت جبرئیل کے ذریعے ہوا۔ اور جو کچھ حضرت جبرئیل نے سنایا۔ انسان کی شکل میں سنایا۔ انہوں نے زبان سے کہا۔ آپ نے کان سے سنا۔ چنانچہ آیت مذکورہ بالا میں سرشٹ کے لحاظ سے جبرئیل کا آنحضرت سے وہی خطاب ہے۔ جو قائمۂ تعلیم پر گورو ورجانند نے اپنے ہونہار شاگرد دیانند کو کہا تھا کہ:۔

"جاؤ دنیا میں علم اور دھرم کی اشاعت کرو۔ جہالت اور جھوٹ کا ناش کرو۔"

ترجمہ صحیح بخاری حدیث نمبر ۴ میں ذکر ہے کہ نزول قرآن میں آنحضرت اپنے دونوں ہونٹ جلد جلد ہلاتے تھے۔ کہ وحی یاد ہو جائے۔ اس لئے آیت نازل ہوئی کہ:۔

اے محمد! قرآن کو یاد کرنے کے لئے اس کے ساتھ تم اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کرو۔ یقیناً اس کا جمع کر دینا اور پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ یعنی تمہارے سینے میں جمع کر دینا۔ اور اس کو تمہارا پڑھانا۔ جس وقت ہم پڑھ چکیں۔ تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ یعنی اس کو سنو اور چپ رہو۔ پھر یقیناً اس کے مطلب کا سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر بے شک ہمارے ذمے ہے۔ کہ (تمہیں یاد ہو جائے تاکہ) تم اس کو پڑھو۔"

ان الفاظ میں حضرت جبرئیل کا خود کتاب الٰہی کا آنحضرت کو پڑھانا۔ اول خود لو لنا آنحضرت کو چپ چاپ سننے کی ہدایت دینا۔ پھر آیات الٰہی کا مطلب و مفہوم ان کے ذہن نشین کرنا وغیرہ سب کچھ ظاہر ہے۔ جو گورو اور شش کے درمیان روز عمل میں آتا دیکھا جاتا ہے۔ اس حدیث کے آخری حصے میں صاف لکھا ہے

"پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی اس کے بعد یہ حالت رہی۔ کہ جب آپ کے پاس جبرئیل کلام الٰہی لے کر آتے تھے۔ تو آپ سنتے تھے۔ پھر جب جبرئیل چلے جاتے۔ تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح پڑھتے تھے۔ جس طرح جبرئیل نے اس کو آپ کے سامنے پڑھا تھا۔" اس طرح حدیث سے ہی جبرئیل کے آنحضرت کا سینہ چاک کر کے اسے آب زمزم سے دھوتے۔ اور اس میں حکمت و ایمان کا بھرا ہوا تھال انڈیلنے کی حقیقت ظاہر ہے۔

قدیم کتاب الٰہی وید کو شرتی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ پہلے سلسلہ تعلیم ہی اس طرح چلا آیا۔ کہ سننے سنانے سے تعلق رکھتا تھا۔ جبرئیل کا سنانا آپ کا سننا۔ اور بعد میں خود پاٹھ کو صحیح و پختہ و حفظ کرنا۔ اسی طریق کی یادگشت ہے۔ ترجمہ صحیح بخاری حدیث نمبر ۹۷ صفحہ ۲۳ پر علمی ترقی و تنزل کا ایک اچھا گر بتایا ہے۔ لکھا ہے۔ کہ:۔

"اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھاتا۔ کہ بندوں کے سینوں سے نکال لے۔ بلکہ علما کو موت دے کر علم کو اٹھاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہ جائے گا۔ تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیں گے۔ اور ان سے دینی مسائل پوچھے جائیں گے۔ اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

یہ مہرشی دیانند کے اس کہنے کی صداقت کا ثبوت ہے کہ

مہابھارت کی جنگ کے بعد عالموں کی موت ہو جانے کی وجہ سے علم اٹھ گیا۔ جاہل لوگ برہمن و لیڈر بنے۔ جنہوں نے بغیر علم کے فتوے دے کر تمام سچی مریاداؤں کا ناش کیا۔ خود بھی گمراہ ہوئے۔ اور اپنے پیروؤں کا بھی بیڑا غرق کیا۔ اس مسلمہ اصول کی روشنی میں علما کی موت سے علم کا زوال سمجھنے پر ہر شخص بجا طریق پر استدلال کر سکتا ہے۔ کہ خدا نہ سینے سے علم کو نکال کر علمی زوال کرتا ہے۔ نہ سینے میں علم کو ڈال کر اس کی ترقی کرتا ہے۔ کیونکہ علم کوئی مادی شئے نہیں۔ ہاں علمی ترقی کے لئے وہ اپنی عنایت سے عالم آدمیوں کو پیدا کرتا اور ان کی مساعی جمیلہ سے علم کی اشاعت بطریق احسن ہوتی ہے۔ پس یہ نہایت مبارک امر تھا۔ کہ جبرئیل جیسے عالم شخص کا عرب جیسے ملک میں قیام ہوا۔ اور حضرت محمد صاحب جیسے اولوالعزم اور فنا فی الحق انسان کو وہ سچا علم ملا۔ کہ نہ صرف عرب خود گمراہی سے نکلا۔ دوسرے ممالک کی رہنمائی کی جرأت کرنے لگا۔

۲۱۔ خاص شہادت

قرآنی آیات اوپر کی حدیثوں میں بھی مذکور ہیں۔ اور ان کے علاوہ دیگر آیات کا بھی ویدک تفسیر قرآن میں واضح بیان آئے گا۔ یہاں ایک مشہور اسلامی مصنف خواجہ حسن نظامی صاحب کے الفاظ پیش کرنا کافی ہوگا۔ "آپ قرآن آسان قاعدہ" میں لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے جب پہلی دفعہ قرآن نازل کیا۔ تو حضرت جبرئیل پڑھتے جاتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دہراتے جاتے تھے۔ اس کے بعد بھی قرآن کی وحی اسی طرح نازل ہوتی رہی۔ یعنی قرآن لکھا ہوا نازل نہ ہوتا تھا۔ بلکہ منہ زبانی پڑھایا جاتا تھا۔" آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔

"قرآن شریف پہلے تو منہ زبانی یاد کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد لوگ لکھ کر اسے پڑھتے تھے۔"

ذرا اور آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔

"لکھنے کی ایجاد سے پہلے انسان کی قابلیت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ حکیم ارسطو کے بعد یونان میں کوئی اور حکیم نہیں ہوا۔ اور مشہور ہے کہ لکھنا اسی کی ایجاد ہے۔ اس سے پہلے لوگ علم کو زبانی پڑھتے تھے۔ اور زبانی پڑھنے کے سبب بڑے بڑے نامی حکیم و فلاسفر بن جاتے تھے۔ جب سے لکھا ہوا دیکھ کر پڑھنے کا رواج ہوا۔ انسان کی علمی قابلیت کم ہو گئی۔" ان عبارتوں سے نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ (۱) آنحضرت نے حضرت جبرئیل سے علم الٰہی کی تعلیم پائی۔ (۲) یہ تعلیم قدیم طریق پر ہوئی۔ (۳) قدیم طریق ہی علمی ترقی کے لئے حقیقی طور پر موزوں ہے۔ (۴) فن تحریر بعد میں رائج ہوا رشیوں کا علم الٰہی کو شرتی ماننا بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ اس کو سن کر جاننا بہت مفید ہوا ہے۔ اور آنحضرت کو باوجود تحریر کا رواج ہونے کے طریق سماعت پر علم ملنا غیبی نعمت تھی۔

گویا قدیم رشیوں کے علمی کمال اور ان کی تصنیفات کی عظمت ہی اس طریق کی گواہ نہیں۔ حضرت محمد صاحب کی قابلیت بھی اسی کی فضیلت کی شاہد ہے۔

عادت کی غلامی سے بے شک تحریر نے خاص قابلیت کو کم کیا۔ لیکن حافظہ کی کمزوری کے نتائج کے دفعیہ کے طور پر اس علم کو استعمال میں لایا گیا۔ جو ارسطو کی ایجاد نہیں بلکہ آغاز دانے الہام کا جزو تھا۔ اور جس کے استعمال کی پہلے چنداں ضرورت نہ پڑتی تھی۔ اسی مضمون میں خواجہ صاحب نے کان کے کام کو آنکھ کے کام سے مقدم ثابت کیا ہے۔ اس سے شرتی کی

عظمت اور بھی دوبالا ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت آنکھ اور کان دونوں کا کام ایک ہی درجہ پر ہے۔ انسان کے سر والے حصے میں یہ دونوں ایک سی بلندی پر ہیں۔ بلکہ آنکھ فرنٹ میں ہے۔ اور اگر کان کا ٹیلیفون ہر جگہ موجود ہے۔ جس میں ہزاروں میل کی آواز سنائی دیتی ہے۔ تو دوربین بھی تو ہے۔ جو سورج کے نظارے دکھاتی ہے۔ وہ سورج جس کی روشنی کی کرن فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی رفتار سے چلتی ہوئی ۸ سال میں زمین پر پہنچتی ہے۔ اور جہاں ایسے آلے ایجاد ہو رہے ہیں جو ہزاروں میلوں کی آواز سناتے ہیں۔ تو ایسے بھی تو آلے بن چکے یا بن سکتے ہیں۔ جو ہزاروں میلوں کی شکلیں بھی آنکھ کے سامنے کھڑی کرتے یا کر سکتے ہیں۔

مگر قطع نظر ایسے فروعی اختلاف کے ہم سمجھتے ہیں۔ قرآن شریف کے شان نزول کے متعلق خواجہ صاحب نے جو اصول واضح کیا ہے۔ وہ منشائے قرآن کے عین مطابق ہے۔ اور ہم ان سے پورا اتفاق کرتے ہیں۔ کہ قرآن بتوسط جبرئیل سے آنحضرت کو پڑھایا گیا۔

۲۳۔ آیات و فرشتے کا نزول

صحیح طریق تعلیم کے علاوہ آیات کا نازل ہونا یا فرشتے کا اترنا قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں۔ ایسے خیال محض غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ خود قرآن علی الاعلان اس کے خلاف پوزیشن لیتا ہے۔

سورہ یونس آیت ۲۰ میں ہے۔

اور کہتے ہیں۔ کیوں اس کے خدا سے اس پر آیت نازل نہیں ہوئی۔ کہہ دو کہ تحقیق اللہ کے لئے غیب (اصل علم یا معانی) ہے۔ (نہ کہ زبان والے الفاظ) (۱) اس سے پہلے یہ ذکر تھا۔ کہ سب انسانوں کا پہلے ایک ہی دھرم تھا۔ بعد میں اختلاف ہوگئے۔ اور بغیر خدا والی سابقہ کلاموں کے ان کے درمیان فیصلہ نہ ہوگا۔ اس پر اعتراض ہوا۔ کہ رسول کی کیا پوزیشن ہوئی۔ اگر اس پر آیتیں نازل ہوتیں۔ تو بات بھی ہوتی۔ جب پہلی کلاموں پر ہی انحصار ہے۔ تو رسول کو کیوں مانیں۔ اس کا جواب دیا کہ اصل علم یا معانی کا تعلق خدا سے ہی ہمیشہ ہے۔ وہی عالم الغیب ہے۔ اگر مجھ پر آیت آتی ہی۔ تو بھی الفاظ سے بنتا کیا۔ خالی الفاظ تو زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہذا آیت نازل ہونے کا مطالبہ صحیح نہیں۔ آیات کے معانی پر نظر کرو۔ میں بھی اس میں تمہارے ساتھ ہوں۔ سورۃ النسا آیت ۱۵۳ میں ہے۔ (۲)

اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں۔ کہ تم ان پر کوئی کتاب آسمان سے اتارو۔ موسیٰ سے انہوں نے اس سے بھی بڑی درخواست کی تھی۔ کہ ہمیں اللہ کے (مادی آنکھ سے) درشن کراؤ۔ انکی اس جہالت بھرے مطالبہ انہیں بجلی نے آپکڑا۔ گویا اس قسم کے مطالبات ظلم یعنی گناہ میں داخل ہیں۔

سورۃ الانعام آیت ۷۔۸۔۹ میں کہا ہے۔

(۱) وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ

(۲) يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِن ذَٰلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ

اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بھی تم پر نازل کریں۔ اور یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے اُسے چھو بھی لیں۔ تو بھی منکر یہی کہیں گے۔ یہ محض کوئی دھوکا ہے۔ اور کہتے اس پر فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوا۔ اور اگر ہم فرشتہ بھیجیں۔ کہ معاملہ کا فیصلہ ہو جاوے۔ تو یہ اسے دیکھ نہ پاویں۔ اور اگر ہم اسے نظر آنے والا فرشتہ بنائیں۔ تو وہ ایک شخص کی صورت میں ہوگا۔ اور جو شبہ اب کرتے ہیں۔ وہی پھر کریں گے (۱) کیا اس سے زیادہ کوئی صاف مضمون ہو سکتا ہے۔ نظر نہ آنے والے فرشتے آسمانوں سے اترتے ہیں۔ اس بناء پر فرشتے یا ان کے ذریعے آیتیں رسول پر اتریں۔ اور استاد سے باقاعدہ پڑھائی نہ ہو۔ تو بے علم لوگ رسول کو مان لیں۔ اس سے پہلے قرآن میں کہا ہے۔ کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ جیسا ہم کھاتے پھرتے ہیں۔ ویسا ہی رسول کھاتا اور پھرتا ہو۔ تو اس کی خصوصیت کیا ہوئی تھی ان باتوں کی غیر معقولیت دکھائی گئی ہے۔ کہ فرشتے و آیتیں تو کیا لکھی ہوئی کتاب بھی آسمان سے اترے اور وہ ہاتھ سے اسے ٹٹول بھی لیویں۔ تو بھی حجت باز لوگ نہ مانیں گے۔ یہی کہیں گے۔ ہمیں کوئی چالاکی یا دھوکہ معلوم ہوتا ہے۔ کوئی فرشتہ اترے۔ تو تسلی ہو۔ لیکن اگر فرشتہ بھیجیں۔ جیسا یہ چاہتے ہیں۔ تو ان کو نظر نہ آئیگا اور اگر نظر آنے والا بھیجیں۔ تو وہ انسان کی شکل میں ہی ہوگا۔ اور یہ پھر کہیں گے۔ کہ یہ تو ہماری ہی طرح چلتا پھرتا ہے۔ غرضیکہ ایسے مطالبات و اعتراضات نہ سنجیدہ ہیں۔ نہ معقول۔

سورہ ھود آیت ۱۲ میں کہا ہے

جو کچھ تم پر وحی ہوا ہے۔ اس میں سے تو کچھ چھوڑ بیٹھے۔ اور تجھے دل میں ان کے اس کہنے سے رنج پہنچے۔ کہ کیوں اس پر خزانہ یعنی سارا علم نازل نہیں ہوا۔ یا اس کے ساتھ فرشتہ نہیں آیا۔ اس کے لئے سمجھ لے۔ کہ تو بس ڈرانے والا ہے۔ اور کل امور کا وکیل اللہ ہی ہے۔ (۲)

گویا رسول یا اپدیشک کے لئے کامل علم کی ذمہ داری سمجھنا بھی غلط ہے۔

سورۃ الحجر آیت ۶ تا ۱۰ میں کہا ہے۔

کہتے ہیں۔ اے ذکر (الہامی علم) کے ظاہر یا منکشف ہونے کے دعویدار تو دیوانہ ہے۔ ۱۔ اگر سچا ہے۔ تو کیوں ہمارے پاس فرشتے نہیں لے آتا۔ ۷۔ ہم بھی فرشتے (رشی) ظاہر کرتے ہیں۔ علم حق کے ساتھ ہی کرتے ہیں۔ مگر وہ ایک دم علم بالمشافہ نہیں پا جاتے۔ تحقیق ہم نے ہی ذکر (الہامی علم) نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ ۹۔ اور تحقیق آغاز عالم والے گروہ میں تجھ سے پہلے ہم نے ایسے رشی بھیجے تھے۔ ۱۰۔ (۳)

ان آیات میں الہام الہی اور رشیوں کے متعلق انتہائی صداقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ

---

(۱) وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۔

(۲) فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَاۗءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۔ (۳) وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۔ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰۗىِٕكَةِ ... مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۔

ایسے رشی جو ایک ساتھ آیات اور ان کے معانی کا علم بالمشافہ پا دیں۔ آغاز عالم میں ہی ہوتے ہیں۔ خدا ہی ان پر اپنے پیچھے علم کا انکشاف کرتا ہے۔ اور وہی ابتدا میں اس کی حفاظت دوسرے عالموں کے ذریعے کرتا ہے۔ آیات تو پہلے والی ہی رہتی ہیں۔ مگر ان کے مفہوم کے متعلق غلطی وغیرہ کا تدارک۔ رشیوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۃ الفرقان آیت ۹ میں ان لوگوں کو بہکے ہوئے اور گمراہ کہا ہے۔ جو فرشتے خزانے یا باغ کا مطالبہ کرتے یا رسول کو مجنوں یا جادو کا معمول سمجھتے ہیں۔

اس قسم کی تمام آیتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید یا رسول کہیں اس امر کے علاوہ کوئی پوزیشن نہیں لیتے۔ کہ حضرت جبرئیل کے ذریعے قدیم الہامی کتاب کا علم آنحضرت کو ملا۔ اور دعوے کرنا تو کہاں۔ اس کے ماسوائے کی ہر کہیں تردید ہی تردید ہے۔

۲۳۔ اصل حقیقت پر پردہ

اوپر کی دفعات میں جو کچھ بیان ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ قرآن مجید کی اصل حقیقت پر پردہ پڑ گیا ہے۔ احادیث کے زیر اثر تراجم و تفاسیر نے علماء اسلام کو صحیح لائن پر قرآن سمجھنے کے ناقابل کر دیا ہے۔ چنانچہ چند مثالوں سے یہ امر عیاں ہو جائے گا۔

اوّل۔ تحویل قبلہ

سورہ البقر آیت ۱۴۲ میں کہا ہے۔

"بے عقل لوگ کہیں گے۔ کہ جس قبلے پر وہ تھے۔ اس سے کس وجہ سے منحرف ہوئے۔ کہدو کہ مشرق مغرب سب اللہ کے لئے ہے۔ وہ جسے چاہے۔ راہ راست دکھائے۔" (۱)

یہ الفاظ بلا احتیاج غیرے اپنا مطلب صاف واضح کر رہے ہیں۔ کہ (۱) پہلے لوگ ایک خاص قبلے کی طرف دھیان کرتے تھے۔ (۲) اس سے انہیں ہٹایا گیا تھا۔ ۳۔ نیا قبلہ یہ تھا۔ کہ خدا سب طرف ہے۔ مشرق مغرب جدھر چاہو۔ اس کا دھیان کرو۔ ۴۔ یہ تبدیلی قابل شکر یہ تھی۔ کہ خدا نے عنایت کر کے سیدھا راستہ دکھایا یعنی بالفاظ دیگر صراط مستقیم یہی ہے۔ کہ کسی خاص سمت کی طرف عبادت کی پابندی نہ لگائی جاوے۔

اس پر محض ایک سوال ہو سکتا ہے۔ کہ خاص قبلے سے انحراف ہونے کا ثبوت کیا۔ اگر یہ حدیث یا تاریخ کا واقعہ ہے۔ تو قرآن کے مفہوم کی تصدیق محتاج ہو گی۔ اس حدیث یا تاریخ کی۔ لیکن ہمارا جواب یہ ہے۔ کہ یہ تبدیلی خود قرآن میں اور جگہ مذکور ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ آیت نمبر ۱۱۶ سورۃ البقرہ (۲)

اور کیا مشرق اور کیا مغرب سب سمتیں اللہ ہی کی ہیں۔ اس لئے جس طرف بھی منہ کرو۔ اُدھر ہی اللہ کا

(۱) سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

(۲) وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

سامنا ہے بتحقیق اللہ وسعت کل (سرو ویاپک) اور علم کل (سروگیہ) ہے۔

۳۔ کیا معقول اور صحیح تعلیم تھی۔ ہمیشہ موحد کو عبادت کے لئے سمت کی پابندی چہ معنے۔ جب وہ ہر طرف۔ ہر کہیں موجود اور ظاہر باطن کا جاننے والا ہے۔ تو نمائشی سمت کی پابندی ہٹانا رسول صلعم جیسے حق پسند کا فرض تھا یہی کچھ انہوں نے کیا۔ اور اسی کی تائید و توضیح آیت زیر بحث میں ہوئی۔ لہذا سوال کا جواب قرآن میں پہلے موجود ہے۔

اب حدیث کے زیر اثر آیت ۱۴۴ کا تعلق آیت ۱۱۶ سے منقطع کر کے کہا گیا ہے۔ کہ

جب حضرت مکہ سے مدینہ میں آئے۔ تو سولہ سال تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے۔ پھر حکم آیا۔ پڑھو کعبہ کی طرف۔ تب یہود اور بعضے کچے مسلمان ان کے بہکانے سے لگے شبہے ڈالنے کہ وہ قبلہ تھا۔ سب نبیوں کا اس کو چھوڑنا نشان نبیوں کا نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آگے ہی فرمایا۔ کہ لوگ یوں کہیں گے!

یہ سارا بیان صریحاً محدث کی افترا پردازی ہے۔ کیونکہ قرآن میں کہیں بیت المقدس اور خانہ کعبہ کی باہمی تبدیلی یا اس کے متعلق اوپر کی قسم کے شبہات کا ذکر تک نہیں۔ اس بیرونی مسالہ کو وقعت دی جاوے۔ تو ایک تو اس توجیہہ پہ حرف آتا ہے۔ جس کے شیدائی آنحضرت تھے۔ دوسرے قرآن میں اجتماع ضدین کا نقص واقعہ ہوتا ہے۔ کہ آیت ۱۱۶ میں تو ہر طرف کی آزادی دی۔ اور آیت ۱۴۴ میں خانہ کعبہ کی طرف کی پابندی لگائی۔

مختلف تراجم و تفاسیر میں ایسی غیر متعلقہ حدیث کے سہارے پر جو کچھ غیر معقول لکھا گیا ہے۔ ویدک تفسیر قرآن میں اس پر وضاحت سے بحث کی گئی ہے۔ یہاں صرف محض اصولی اشارہ دیا گیا ہے۔ کہ اس طرح کے دخل در معقولات نے رسول کی اعلیٰ تعلیم کی جگہ اسلام کو قابل اعتراض رواج کا شکار بنا رکھا ہے۔

دوم۔ انفال

انفال جمع ہے نفل کی۔ روزانہ فرائض سے زائد عبادت نفل ہے۔ اور ضروریات سے زیادہ مال خواہ وہ مال غنیمت ہو۔ خواہ کمایا ہوا۔ خواہ جمع شدہ عطیہ۔ سب نفل ہے۔ اور سورۃ الانفال میں اس کے متعلق قانع اور بے غرض لوگوں سے سوال ہوتا ہے۔ کہ اس کا بہترین استعمال کیا ہو۔ اس کا جواب پہلی آیت میں دیا ہے۔ کہ اَلْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ یعنی یہ فاضلہ مال اللہ اور رسول کے لئے ہے۔

مہرشی دیانند نے اصول بتایا ہے۔ کہ وید منو وغیرہ کے شاستروں کے مطابق تارک الدنیا سنیاسی وغیرہ کو مالی مدد دی جاوے۔ کیونکہ وہی بے غرض طور پر اس دولت کو رفاہ عام میں لگا سکتے ہیں۔ دنیا دار لوگ اپنی اغراض وغیرہ کے غلام ہونے سے اس پہلو میں قابل اعتبار نہیں ہو سکتے۔ یہی کچھ سورۃ الانفال کی پہلی آیت کا منشا ہے۔ لیکن مفسرین اس حدیث کے زیر اثر اسے مال غنیمت یا جنگ بدر سے حاصل شدہ لوٹ کے مال پر عائد کرتے ہیں۔ کہ سورۃ الانفال جنگ بدر کے بعد اتری۔ جب ہجرت کے بعد جہاد کا حکم ہوا۔ اول جہاد تھا۔ قریش سے۔ جن کے ظلم سے وطن چھوڑا گیا مکے کے ادب سے ان پر چڑھ نہ سکتے تھے۔ مگر راہ باٹ پر مسلمان دوڑے دو تین بار۔ پھر دوسرے برس قریش کا قافلہ تجارت کو گیا۔ جب شام کو پھرنے لگا۔ حضرت رسول نے خود ان پر قصد کیا۔ مکے والے قافلے کی مدد کو آئے۔ قافلہ بچ نکلا۔ اور دو فوجیں ٹھہر گئیں۔ حق تعالےٰ نے فتح دی۔ ستر شریر کا فر مارے گئے۔ اور ستر قید ہوئے۔ جنگ میں اچھے آگے

بڑھے۔ اور بعض پشت پر رہے۔ مال غنیمت جمع ہوا۔ تو آگے بڑھنے والوں نے کہا۔ یہ ہمارا حق ہے۔ کہ فتح ہم نے کی۔ اور پیچھے والوں نے کہا۔ تم ہماری قوت سے لڑے۔ اس کا فیصلہ حق تعالیٰ نے اس آیت سے کیا۔ کہ یہ اللہ اور رسول کا مال ہے۔ کیونکہ فتح اسی کی ہے۔ ورنہ کسی کی پیش نہیں جاتی۔

لیکن اگر آیتوں کا شانِ نزول اس طرح مانا جاوے۔ کہ کسی خاص اُلجھن پر کوئی خاص آیت اُتری۔ تو اوّل تو یہ قرآن کے فرمان کے خلاف ہے۔ کیونکہ آیت یا فرشتے کا اترنا رسول پر اسے قبول نہیں۔ دوم اس سے قرآن کی تعلیم عالمگیر یا وسیع نہیں ہو سکتی۔ ہر آیت محض خاص واقعہ سے متعلق ہوگی۔ اور اس واقعہ کے بعد آیت کا عدم اور وجود برابر ہوگا۔ ہر امر کا فیصلہ اس کی اپنی مخصوص نوعیت سے ہوتا ہے۔ بقول

Each case must be determined by its own merits.

سوم۔ یہاں مال غنیمت کا تعلق ہی نہیں۔ نہ جنگ بدر کا کوئی بھی اشارہ اس آیت یا کل سورت میں ہے۔ اگر مال غنیمت کا ذکر ہوتا۔ تو تقسیم اور ہی ہوتی . . . . جو دوسری جگہ رسول اور خدا کے لئے اس کا پانچواں حصہ ہے۔ اور تضاد بیان کا نقص تقاضا کرتا ہے۔ کہ یہاں انفال کو فاضلہ دولت کے ہی معنی میں لیا جاوے۔ اور فیاض طبع فارغ لوگوں کا فاضلہ مال اشاعت حق کے لئے خدا اور رسول کے وقف ہو۔ مال غنیمت میں تو کئی حصہ دار ہیں۔ اور یہاں محض ایک ہی حصہ دہرم ارتھ کا ہے۔ فوجیوں کا کوئی حصہ مذکور نہیں۔

سورۃ الانفال کا سارا مضمون اشاعت حق یا حق و باطل کے فیصلے پر عائد ہوتا ہے۔ اس لئے انفال کو اسی کام کے لئے صرف کرنے کا قانون بتایا ہے۔ آیت ۲ نیز آیت ۳ میں کہا ہے۔ کہ مومن وہی ہے جن کا دل اللہ کا ذکر سنتے ہی پگھلتا اور آیات الٰہی سے ایمان میں ترقی کرتا ہے۔ عبادت کرنا۔ خیرات دینا ان کا کام ہے[1] آیت ۴ میں انہیں بخشش اور عزت کا مستحق بتایا ہے۔ آیت ۵ میں ہجرت سے گھر سے نکالا جانا۔ اور فساد سے بچنا بھی مومنوں کے لئے موجب فخر بتایا ہے۔ آیت ۶ میں کہا ہے۔ کہ لوگ حق کے متعلق تم سے بحث کرتے ہیں۔ حالانکہ حق کے بغیر موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ اسی طرح دو فریقوں کا ذکر ہے۔ یعنی ایک حق پر دوسرا جھوٹ پر۔ ساتھ ہی یہ کہ خدا کو یہ منظور ہے۔ کہ اس کی کلاموں سے حق کی حقانیت ظاہر ہو جاوے۔ اور کافروں کی بنیاد ہی قطع ہو۔ تا کہ حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا واضح ہو جاوے۔ پھر اس کے بعد بھی مباحثہ وغیرہ مذکور ہے۔ پس سارا مضمون جنگ سے قطعاً الگ ہے۔ اور اشاعت حق یا کلام الٰہی سے مخصوص۔ اور اسی کے لئے اپنی طاقتیں اور دولت فاضلہ وقف کرنے کی یہاں ہدایت ہے۔

سوم۔ حُوت

سورۃ الکہف میں ایک دلچسپ قصہ حضرت موسیٰ کے متعلق مذکور ہے۔ موسیٰ علمی تجسس میں لگے رہتے تھے۔

---

[1] اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

انہیں ایک مشہور عالم کا پتہ چلا۔ کہ وہ سمادھی میں رشیوں کا سا کشٹ کرتے ہیں۔ ان کی رہائش کے مقام کا پتہ لیا۔ تو معلوم ہوا۔ دو دریاؤں کے سنگم پر وہ رہتے ہیں۔ رستہ یا سڑک یا سواری کا انتظام نہ تھا۔ آپ اپنے نوجوان نوکر کے ساتھ دریا کے کنارے کنارے چل دیئے۔ مشتری ستارہ جو برج حوت میں ہے۔ اس کی رہنمائی میں وہ سفر کرتے گئے۔ نوکر گھبرایا۔ تو انہوں نے کہا۔ کچھ ہی ہو۔ خواہ سالوں ہی کیوں نہ لگیں۔ میں تو وہاں پہنچے بغیر دم نہ لوں گا۔ وہ مقام اتصال پر پہنچے۔ تو ستارے کو بھول کر ایک طرف چل دیئے۔ کچھ دور جا کر موسےٰ نے ناشتہ مانگا۔ تب نوکر نے کہا۔ ستارے کا تو اب پتہ نہیں لگتا۔ اٹکل سے آ رہے ہیں۔ اس پر وہ اپنے قدموں کے نشانوں پر الٹے چلے۔ اور سنگم مقام پر اس مہاں پرش سے ملے۔ موسےٰ نے اپنے تئیں اس کا شاگرد بننے کے لئے پیش کیا۔ کہ مجھے بھی وہ علم سکھائیے وغیرہ۔ یہ قصہ اصحاب کہف کے عمل کے سلسلے میں ہے۔ اور اصحاب کہف جیسا کہ آیات سے معلوم ہوتا ہے گپھا میں رہ کر عبادت الٰہی یا دھیان میں مگن رہنے والے لوگ تھے۔ انہی کے عمل کی دوسری مثال اس عالم کی دی ہے۔ اور اس پر خدا کی خاص رحمت کا ذکر کر کے کہا ہے۔ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا یعنی خدا نے اسے اپنی قربت (سمادھی) میں علم دیا تھا۔ لدنی علم کہتے ہی اسے ہیں۔ جو روح میں خدا کی حضوری میں منکشف ہوتا ہے۔ اور بارہ برجوں میں سے مچھلی کی شکل والا برج حوت ہے۔ جسے سنسکرت میں مین راشی کہا جاتا ہے۔

اب اس بیان کو مفسرین نے کیا صورت دی ہے۔ قابل غور ہے۔ لفظ حوت کے معنے مچھلی ہیں۔ اور سفر کرتے ہوئے پہلے ستاروں کی رہنمائی میں چلنے کا دستور تھا۔ مشتری ستارہ اسی برج میں ہے۔ اس کو بھول کر قرآن کے لفظ حوت کے معنے مچھلی کے لئے گئے۔ اور حدیث بنی کہ موسےٰ نے خدا سے دعا کی۔ کہ اس بزرگ کو ملنے کا طریق مجھے معلوم ہو۔ تو خدا نے وحی کی۔ کہ ایک مچھلی ساتھ لے لو۔ اور اسے زنبیل میں رکھ لو۔ جہاں وہ مچھلی گم ہو گی۔ وہیں وہ ہوگا۔"

اگر مان لیا جاوے۔ کہ مچھلی اس غرض کے لئے تھی۔ تو مفسرین کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ کہ غذا کے لئے اس نے مچھلی مانگی۔ اور نوکر نے کہا۔ کہ وہ تو فلاں مقام پر بھول گئی۔ یہ مچھلی غذا کے لئے مقصود ہی نہ تھی۔ پھر یہ پتہ ہی صحیح نہیں۔ کہ جہاں مچھلی گم ہو گی۔ وہاں وہ ہوگا۔ گم ہونے کا مفہوم پتہ نہ ہونا ہے۔ اور جب اس کے گم ہونے کا علم نہ ہوا۔ تو اس شخص کا پتہ کیا چلا۔ اگر چار دن تک انہیں گم ہونے کا علم نہ ملے۔ تو وہ تو چلتے ہی جائیں۔ اور گم ہونے کا علم ہو۔ اور وہ سمجھ نہ سکیں۔ کہ کس وقت اور کہاں گم ہوئی۔ تو اور بھی مشکل۔ مچھلی نے خود بتانا نہیں۔ کہ میں گم ہو رہی ہوں۔ اور اگر وہ بتائے۔ تو وہ اسے گم نہ ہونے دیں۔ پھر یہ بات بھی معقول نہیں۔ کہ کوئی بھی ایک مچھلی ہو۔ وہ اس عالم کی جگہ کے پاس جا کر گم ہو جاوے۔ اگر اس خاص واقعہ کے متعلق پیشگوئی مانی جاوے۔ تو وقت یا فاصلہ یا رستہ یا سمت نہ بتا کر مچھلی کی نشانی دینا۔ اور موسیٰ کو اصل مقام سے آگے نکل جانے اور پھر لوٹ کر آنے کی تکلیف دینا اچھا یا صحیح کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن خیر حوت کا ترجمہ مچھلی کر کے جو اور اختراع کی گئی ہیں۔ وہ محض اس امر کا ثبوت ہیں۔ کہ ایک غلطی کس قدر اور غلطیاں کراتی ہے۔ کسی کو خیال آیا۔ کہ مچھلی اگر غذا کے لئے تھی۔ اور وہ گھر سے لے کر چلے تھے۔ تو وہ ضرور تلی ہوئی ہو گی۔ یا غذا کے قابل۔ کسی نے کہا۔ مری ہوئی تھی۔ کسی نے کہا۔ تلی ہوئی۔ کسی نے کہا۔ بھنی ہوئی۔ کسی نے کہا۔ نمکین۔ مگر آیت ۶۰ کا ترجمہ یہ کیا جا رہا ہے۔ کہ وہ مچھلی بھول گئے۔ تو اس نے چلتے چلتے اپنا رستہ دریا میں لیا۔ اس سے مردہ ہونے کی تردید ہوئی۔ اور اگر واقعی وہ مردہ ہوتی۔ تو ان کے

لوٹنے پر وہیں پڑی ملتی۔ اور گم ہو جانے کی بات غلط ہوتی۔ لیکن زندہ ماننے پر اعتراض ہوتا ہے۔ کہ پانی سے باہر زنبیل میں رکھی ہوئی مچھلی زندہ رہ نہیں سکتی۔ اور نہ دریا میں اپنا رستہ بنا سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ سوچا گیا۔ کہ تھی تو مردہ۔ مگر انہوں نے جب چٹان کے پاس زنبیل کو رکھا۔ تو وہاں آبِ حیات کا چشمہ تھا۔ یوشع نے وضو کیا۔ اس کے وضو کے قطرے مچھلی پر پڑے۔ تو وہ زندہ ہو گئی۔ لیکن اگر ایسا ہو۔ تو وہ بھولی کیسے۔ اور اگر زندہ ہو کر کود پڑتی۔ تو موسیٰ اور اس کا نوکر دونوں کو پتہ لگتا۔ سو راوی صاحب ہیں۔ خوب زندہ دل۔ وہ پہلے ہی فرماتے ہیں۔ کہ ہاں مچھلی بھاگی۔ موسے اس کے پیچھے دوڑے۔ وہ آگے آگے دریا میں جا رہی تھی۔ موسے پیچھے پیچھے اپنے عصا سے دریا کو چیرتے جاتے تھے۔ حتے کہ ایک جزیرے میں پہنچے۔ اور وہاں انہیں خضر سے ملاقات ہوئی۔ لیکن اس صورت میں مچھلی کے بھولنے والی بات رد ہوتی ہے۔ اور یوشع کے وضو اور آبِ حیات کے قطروں سے مچھلی کے زندہ ہونے کی بات بھی غلط ہوئی۔ کیونکہ چشمہ آبِ حیات تو اس جزیرے میں ہونا چاہیئے۔ جہاں خواجہ خضر رہتے ہیں۔ اور اگر دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر آبِ حیات تھا۔ تو یہ اس مشہور بیان کے خلاف ہے۔ کہ نہایت دشوار گذار اور پیچیدہ رستوں سے سکندر وہاں پہنچا۔ اور پھر بھی پیاسا لوٹا۔ غرضیکہ حوت لفظ کو خلاف مضمون معنے میں لینے سے کتنی ہی غلط بیانیاں ہوئیں۔ اور ان غلط بیانیوں کا اثر قرآن مجید کی تفسیر پر پڑنے سے اصل حقیقت پر بھی پردہ پڑا۔

چہارم۔ راز کی بات

سورۃ التحریم آیت ۳ میں یہ لفظ ہیں۔ "وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا یعنی" نبی نے اپنی ایک عورت کو ایک بات بطور راز کے کہی۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ نہ چاہتے تھے۔ کہ وہ بات ابھی باہر نکلے۔ لیکن اس نے وہ بات کسی قدر یا اشارۃً دوسری عورت کو کہدی۔ اگر بغیر کسی بیرونی خیال یا برے مذاق کے غور کیا جاوے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ بات محض یہ تھی۔ کہ رسول صلعم دنیاداری یا بیویوں کے تعلقات کو اپنے مشن میں کچھ روک محسوس کر کے اس سے اوپر اٹھنا چاہتے تھے۔ پہلی ہی آیت میں یہ لفظ ہیں۔ کہ تو کیوں اپنے آپ پر حرام کرتا ہے۔ اس کو جو خدا نے تم پر حلال کیا ہے۔ دوسری بات یہ کہی ہے۔ کہ تو اپنی بیویوں کی رضا چاہتا ہے۔ اور اللہ غفور اور رحیم ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ علیحدگی کی وجہ کیا۔ جو شخص عورتوں پر ظلم یا سختی روا رکھتا ہو۔ اس کا طلاق دینا تو کچھ معنے بھی رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے عمل سے گھر میں ناچاقی رہ سکتی ہے۔ لیکن جو شخص رضاجوئی کا عادی ہو۔ یا ان کی عزت کرتا ہو۔ اس کا جدائی کا خیال چہ معنے۔ اور اگر تنگی کا خیال ہو۔ تو خدا کی مغفرت اور رحمت سے مایوس ہونا بھی ٹھیک نہیں۔

راقم کا ذاتی تجربہ ہے۔ کہ ایک بار ایک مشہور آریہ پرش نے سنیاس لینے کا نشچے کیا۔ تو حالات کے تقاضا سے اس نے راقم کو کہا۔ کہ جب تک یہ ارادہ عمل میں نہ آوے۔ تب تک کسی اور کے پاس اس کا ذکر نہ ہو۔ سنیاس لینا کوئی برا کام نہیں تھا۔ کہ اسے چھپایا جاوے۔ تاہم حالات کا تقاضا اسی مصلحت کا متقاضی تھا۔ سو اگر رسول صلعم نے خانہ داری کے متعلق اپنے دلی خیال کو صیغہ راز میں رکھنا چاہا۔ تو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی۔ جب دوسری بی بی کے پاس ذکر ہو گیا۔ تو دونوں کو آپ نے کہا۔ کہ اگر اللہ کی طرف ہی تمہیں رجحان ہو۔ تو کوئی جھگڑا ہی نہیں۔ تم ادھر مائل تھی ہو۔ لیکن اگر رسول پر کوئی غلبہ یعنی مالی مطالبات وغیرہ کا بوجھ ڈالو۔ تو میں آپ کی مدد کے بغیر ہی اچھا۔ خدا جبرئیل۔ مومن اور

عالم لوگ مجھے مدد دینے کو کافی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ آپ یہی چاہتے تھے۔ کہ ان کی بیویاں بھی اشاعت دین میں ان کی معاون ہوں۔ ورنہ باہم قطع تعلق ہو۔

آیت ۵ میں بھی اس کی تائید ہے۔ کہ اگر تجھے طلاق دینا ہو۔ اور خدا جبرئیل وغیرہ کی مدد کے علاوہ بیویوں کا تعاون حاصل کرائے۔ تو وہ بہتر بیویاں دے سکتا ہے۔ ان بیویوں کے جو وصف بتائے ہیں۔ وہ قابل غور ہیں۔

مسلم (خدا کی فرمانبردار) مومن۔ فنا فی اللہ۔ گناہ سے تائب۔ روزہ دار۔ نیک چلن اور بیاہ میں بھی برہمچریہ کی پابند۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ آپ دینی تعاون کے لئے ہی بیویوں کو ذخن رکھنا چاہتے تھے۔ نہ کہ نفسانیت کے لئے۔ اسی سورت میں آپ نیک اور بد عورتوں کی دو دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ لوط اور نوح کی عورتیں خدا کے صالح بندوں یعنی نیک اور عالم خاوندوں کی خیانت کر کے نرک کی مستحق ہوئیں۔ اور فرعون جیسے ناستک کی بیوی آسیہ خدا کی یاد اور اپنے نیک اعمال کی وجہ سے سورگ کی مستحق ہوئی۔ تو مریم نے خالص برہمچریہ کو پالا جس سے اس میں علم حق کا پاک روح پھونکا گیا۔ اور وہ خدا کی کلاموں اور کتابوں کی مصدق ہوئی۔

پس کل سورت کا مفہوم سورت کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اور اس کی تصدیق سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۸ و ۲۹ سے ہوتی ہے۔ وہاں بھی آپ نے اپنی بیویوں کو صاف کہا ہے۔ کہ اگر دنیوی زندگی کی زینت کی خواہاں ہو۔ تو میں تمہیں خوش اسلوبی سے رخصت کرنے کو تیار ہوں۔ اور اگر خدا اور رسول کی ہدایت یا آخرت کی بہتری چاہو۔ تو ایسی نیک بخت عورتوں کو اللہ اجر عظیم دے گا۔

لیکن اس صاف اور صریح مطلب کو جو آیات خود واضح کرتی ہیں چھوڑ کر مفسرین اور محدثین کہیں کے کہیں بھٹک رہے ہیں۔ آیت ۲ میں کہا ہے۔ کہ خدا نے اپنی قسموں یا قول کا پورا کرنا تم پر فرض ٹھہرایا ہے۔ مفسرین سوچتے ہیں۔ کہ وہ قسمیں کونسی ہیں۔ لیکن کیا یہ صحیح نہیں۔ کہ شادی یا نکاح قول و قرار کا ہی نام ہے۔ جس کا نباہنا دونوں کا فرض ہے۔ اسی طرح وہ راز کی بات کیا تھی۔ وہ بیویاں کون ہیں۔ اس قسم کے سوالات کے متعلق کیا جواب دیئے جاتے ہیں سن لیجئے۔

ا۔ صحیحین کی روایت ہے۔ کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے حج کے موقعہ پر حضرت عمر سے پوچھا۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ حضرت عائشہ اور حفصہ کا یہاں ذکر ہے۔ احسن التفاسیر میں ہے۔ کہ اس امر کے متعلق صحابہ کے زمانہ سے اختلاف تھا۔ اسی لئے اس دریافت کی ضرورت ہوئی۔ اور صحیحین کی روایت میں ایک بات ثابت ہونے سے اب بحث ضروری نہیں۔

۲۔ صحیحین میں شہد کا قصہ ہے جس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت زینب کے حجرے میں بیٹھتے۔ اور حضرت زینب شہد سے آپ کی خاطر تواضع کرتیں۔ حضرت عائشہ اور حفصہ کو یہ ناگوار لگتا۔ انہوں نے باہم صلاح کر کے آنحضرت کو کہا۔ کہ آپ کے منہ سے اوپری بو آتی ہے۔ کیا آپ نے مغافیر (بدبودار گوند) کھایا ہے۔ انہوں نے کہا۔ مغافیر نہیں۔ ہاں حضرت زینب کا دیا ہوا شہد چاٹا ہے۔ اس کے بعد آپ نے شہد کو نہ چاٹنے کی قسم کھالی۔ اور حضرت حفصہ کو منع کیا۔ کہ زینب سے ذکر نہ کرنا۔ کہ انہیں رنج نہ ہو۔

بعض روایتوں میں بجائے زینب کے حفصہ کا نام ہے۔ اور صفیہ سودہ بنت زمعہ کو حضرت عائشہ کا ہم صلاح کہا ہے۔

۳۔ حرم کے چھوڑنے کا قصہ مختصر یہ ہے۔ کہ یہ حرم ماریہ قبطیہ بنت شمعون آنحضرت کی وہ حرم تھیں۔ جن کو مقوقس

والئے مصر و سکندریہ نے آنحضرت کے پاس بطور تحفہ کے بھیجا تھا۔ انہی کے پیٹ سے آنحضرت کے صاحبزادے ابراہیم تھے۔ ایک دن حضرت حفصہ اپنے والد بزرگوار حضرت عمر سے ملنے گئی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے ان کے حجرہ میں ماریہ قبطیہ آنحضرت کے پاس آئیں۔ اور واپسی پر اسے اپنے حجرہ میں دیکھ کر حضرت حفصہ رنجیدہ ہوئیں۔ اس پر آنحضرت نے ان کی دلداری کے لئے عہد کیا۔ کہ آئندہ ماریہ قبطیہ سے صحبت کا واسطہ نہ رکھیں گے۔ اور حضرت حفصہ کو اس کا کسی سے ذکر نہ کرنے کو کہا۔ احسن التفاسیر میں ہے۔ کہ اللہ غفور رحیم کا یہ مطلب ہے۔ کہ اے نبی اللہ کے تم نے اپنی بیویوں کی خاطر سے اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو چھوڑ دینے میں جو ترک اولی کیا۔ اللہ تعالے نے اپنی رحمت سے اس کو معاف کر دیا۔

۴۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہہ بیٹھا۔ کہ میں نے تم کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا۔ تو یہ قسم ہے۔ کفر کا کفارہ ادا کر کے وہ شخص اپنی بیوی سے میل جول کر سکتا ہے۔ ماریہ قبطیہ سے صحبت نہ رکھنے کا عہد جو اوپر مذکور ہوا۔ اس کا کفارہ سورۃ مائدہ کے مطابق ایک غلام کا آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑا دینا یا بصورت عدم معذرت تین روزے رکھنا ہے۔

۵۔ راز والی بات کے متعلق زینب کی شہد کا چھوڑنا اور ماریہ قبطیہ سے الگ رہنے کے قصے کے علاوہ ایک روایت یہ ہے۔ کہ آنحضرت نے حضرت ابوبکر اور عمر کی خلافت کا ذکر حضرت حفصہ سے راز کے طور پر کیا تھا۔ جس کا ذکر انہوں نے حضرت عائشہ سے کر دیا۔

۶۔ احسن التفاسیر قد سمع اللہ صفحہ ۳۷ پر لکھتا ہے۔ کہ اوپر کی دونوں آیتوں کی سند قابل اعتراض ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ اللہ کے رسول کا یہ ایک راز تھا۔ جس کا چرچا صحابہ کے عہد میں بھی نہیں ہوا۔ پھر بعد کے لوگوں کو ان کی کوئی صحیح روایت کس طرح پہنچ سکتی ہے۔ اتنی بات ضرور ہے۔ کہ یہ دین کی کوئی بات نہ تھی۔ کیونکہ دین کی کسی بات کو صیغہ راز میں رکھنا نبی کا کام نہیں ہے۔

۷۔ بیان القرآن لکھتا ہے۔ کہ ان الفاظ میں کسی چیز کی تحریم کا ذکر ہے۔ ایک لچر قصہ ماریہ قبطیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ جس کے متعلق اسی قدر کہ دینا کافی ہے۔ کہ یہ واقعہ کسی صحیح طریق پر ہوا ہی نہیں۔ دیکھو روح المعانی۔ رہا شہد کو چھوڑنے کا قصہ یہ بھی بیان القرآن کی رائے میں محفوظ نہیں۔ کیونکہ قرآن میں شہد کی تعریف ہے۔ اگر آنحضرت کسی خاص قسم کی شہد کو چھوڑ دیتے۔ تو کچھ بات بھی ہوتی۔ مگر مطلق شہد کو چھوڑ دینا ناقابل قبول ہے۔ ایسا ہی حضرت عائشہ و حفصہ کا باہمی مشورہ سے غلط بات کہنا بھی بالکل فضول بات ہے۔

۸۔ بخاری کے حوالہ سے بیان القرآن دونوں عورتوں کے نام کے متعلق اور حضرت عمر کی اس معاملے کی تحقیقات کے متعلق ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ حضرت عمر کسی طرح حضرت حفصہ رض کے پاس اور پھر ام سلمہ کے پاس گئے۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ تم ہر بات میں دخل دیتے ہو۔ یہاں تک کہ رسول اور اس کی بیویوں میں جو معاملہ ہو۔ تم اس میں بھی دخل دینے لگے۔ اس جواب پر آپ چپ چاپ واپس ہوئے۔ اور جلد بعد ان کے ہمسایہ نے خبر دی۔ کہ رسول اللہ صلعم اپنی بیویوں سے الگ ہو گئے۔ تب انہوں نے سمجھا۔ اب حفصہ اور عائشہ کو خفت اٹھانی پڑی۔ اس کے بعد حضرت عمر مدینہ میں آنحضرت کو بالاخانہ میں ملے۔ تو دریافت کرنے پر جواب ملا۔ کہ ہم نے طلاق نہیں دی۔ ہاں رسول اللہ صلعم نے قسم کھا لی تھی۔ کہ ایک ماہ تک بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے۔

۹۔ اسی طرح واقعہ ایلا کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ اور آیت ۵ کے الفاظ ان طلقکن سے تمام بیویوں کے شامل

ذکر بھی مانا جاتا ہے۔ اور نسائی میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے۔ کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا میں نے اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ تو جھوٹ کہتا ہے۔ وہ تم پر حرام نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی لم تحرم ما احل اللہ لک۔

۱۰۔ کہاں تک لکھا جاوے۔ قریباً ہر لفظ اور ہر آیت کے متعلق جداگانہ اور طویل تاویلات ہیں۔ مرضات ازواجک کے لفظ پر بھی اس امر کا ابہام ہے۔ کہ کونسی بات یہاں عورتوں کی رضامندی نہ الٰہی مقصود ہے۔ ان تمام سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے بیرونی امداد حاصل کرتے ہیں دین حق کے نیز آنحضرت کے متعلق غلط فہمی اور اختلاف ہی پھیل رہا ہے۔

پنجم۔ جھوٹھی تہمت یا افواہ

سورۃ النور آیت ۱۱تا ۲۶ میں مومنوں کے متعلق جھوٹھی افواہیں اڑانے یا تہمت لگانے کی مذمت کی گئی ہے۔ ایک طرف تو ایسی باتیں اڑانے اور بلا مزاحمت اسے مان لینے والوں کو ڈانٹ بتائی ہے۔ دوسری طرف ان لوگوں کو جن کی بدنامی کی جاتی ہے۔ آیت ۱۱ میں سمجھایا ہے۔ کہ یہ باتیں اڑانے والے بھی باہر کے نہیں۔ تمہارے اپنے ہی لوگوں میں سے ہیں۔ غیر واقفوں کا یہ کام نہیں۔ اس لئے ان کے اس عمل کو برا مان کر پھوٹ اور فساد کی ترقی کا موجب نہ ہو۔ بلکہ اسے اپنے حق میں بہتر سمجھو۔ کیونکہ آخر اس کے متعلق تمہاری پوزیشن صاف ہو گی۔ اور تمہیں سرخروئی ملے گی۔ اور جس نے شرارتاً جتنا حصہ تمہارے خلاف لیا ہے۔ حکومت وقت یا قانون الٰہی سے اسے اتنا ہی عذاب ملیگا۔ آیت ۱۴ میں بلا ذاتی علم یا تحقیق کئے کسی بات کو مان لینا یا اسے نقل در نقل کرتے ہوئے شہرت دینا نامناسب کہا ہے۔ چاہیے۔ کہ اسے وہیں کا وہیں روک دیا جائے۔ ان آیات سے عام اصول کا ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اور قرآن کا ہر بیان محض اصول سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن مفسرین نے اس مفہوم کو ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کی زندگی کے ایک واقعہ پر چسپاں کیا ہے۔ ہماری رائے میں یہ ایک سنگین غلطی ہے۔ اور یہ امر کہ یہاں آنحضرت کو حضرت عائشہ کے متعلق کسی واقعہ کا خیال تک نہیں۔ اس امر سے ظاہر ہے۔ کہ آیت ۳۴ میں صاف لفظ ہیں۔ کہ تم پر یہ حق کو بیان کرنے والی آیتیں ظاہر کی گئی ہیں۔ نیز مثلاً من الذین خلوا من قبلکم ان لوگوں کی تمہارے تئیں جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ گویا آیات زیر غور کا تعلق یا تو آیات الٰہی سے ہے۔ یا گذشتہ لوگوں کے متعلقہ بیانوں سے اور سیج سچ جنسی تعلقات کے متعلق جو پُر احتیاط بیان پہلے رشیوں نے قلمبند کئے۔ وہی ان آیات میں ہیں۔ لہذا حضرت عائشہ پر ان کو لگانا محدثین و مفسرین کی غلطی ہے۔

لیکن باوجود اس غلطی کے ہم اعتراف کرتے ہیں۔ کہ اس مضمون کے متعلقہ حدیث کا مضمون قابل اعتراض نہیں۔ بلکہ اسے

اسلام میں جنسی طہارت کے زبردست احساس کا ثبوت

سمجھ کر ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری و مسلم وغیرہ محدثین نے لکھا ہے۔

"عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرت جب باہر جاتے۔ تو جس بیوی کا نام قرعہ میں نکلتا۔ اسے ساتھ لے

جاتے۔ اس کے مطابق ایک جہاد میں میں آنحضرت کے ساتھ گئی۔ اور اونٹ پر ہودہ میں سوار ہو کر سفر کیا۔ واپسی پر مدینہ کے قریب قیام ہوا۔ اور رات کے وقت ہی کوچ پکارا گیا۔ میں اس عرصہ میں رفع حاجت کو گئی۔ لوٹ کر آئی۔ تو گلے کا ہار دیکھو بند نہ پایا۔ چنانچہ میں اس کی تلاش میں گئی لیکن میرا ہودہ اسی طرح اونٹ پر رکھ دیا گیا۔ ان دنوں تنگدستی کی وجہ سے کھانا کم میسر آتا تھا۔ اور عورتیں ہلکی پھلکی تھیں۔ اس لیئے بوجھ کا تفاوت معلوم بھی نہ ہوا۔ سمجھ لیا گیا۔ میں ہودہ میں ہوں۔ قافلہ چلدیا۔ میں لوٹ کر آئی۔ تو کسی کو نہ پایا۔ میں نے خیال کیا۔ کہ معلوم ہونے پر میری تلاش ہوگی۔ اور وہ یہیں آئیں گے۔ اس لئے وہیں بیٹھ گئی۔ اتنے میں نیند آگئی۔ صفوان بن معطل اس لئے پیچھے چھوڑا گیا تھا۔ کہ پیچھے سے گری پڑی چیز یا بھولے بھٹکے آدمی کا خیال رکھے۔ صبح ہونے پر وہ میرے قریب ہوا۔ اس نے مجھے پہچان کر انا للّٰہ کہا۔ آیت حجاب کے نزول سے پہلے اس نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ میں اس کی آواز سے بیدار ہوگئی۔ اس نے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر مجھے اپنے اونٹ پر چڑھا لیا۔ اور نہ میں نے اس سے بات کی۔ نہ اس نے مجھ سے۔ دوپہر کے قریب تک مجھے فرودگاہ لشکر میں لے آیا۔ عبداللہ بن ابی منافق نے جو بظاہر مسلمان تھا۔ یہ طوفان اٹھایا۔ اور مجھ پر تہمت لگائی۔ اور حسان بن ثابت اور مسطح و حمنہ بنت جحش اس کی ہاں میں ہاں ملانے والے اور اس بات کو مشہور کرنے والے ہو گئے۔ جب مجھے مسطح (حضرت ابوبکر کی خالہ یا ہمشیرہ کا بیٹا) کے ذریعے سے یہ خبر پہنچی۔ تو میری آنکھوں سے آنسو نکلتے تھے۔ مہینہ بھر یہی حال رہا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس التفات سے پیش نہ آتے تھے۔ میں نے آنحضرت سے میکے میں جانے کی اجازت چاہی۔ آنحضرت نے اسامہ اور علی سے مشورہ کیا۔ اسامہ نے کہا۔ ہم نے سوائے بھلائی کے کوئی بات نہیں دیکھی۔ حضرت علی نے بریرہ لونڈی سے پوچھا۔ اس نے کہا۔ سوائے اس کے میں نے عیب نہیں دیکھا۔ کہ کم سن لڑکی ہے۔ آٹا گندھا چھوڑ کر سو جاتی ہے۔ تو بکری کھا جاتی ہے۔ خیر مجھے دو راتیں اور ایک دن روتے گذر گئے۔ آنحضرت نے مجھ سے دریافت کیا۔ تو میں نے یہ جواب دیا۔ کہ اگر میں بریت کا اظہار کروں۔ تو کون مانیگا۔ اگر جھوٹ اقرار کروں۔ تو اللہ جانتا ہے۔ کہ سچ نہیں۔ پس میرے حضرت یعقوب والے ہی لفظ تھے۔ کہ صَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ چنانچہ اللہ نے مجھے مدد دی۔ اور میری سرخروئی ہوئی"۔

غیر شخص کا غیر عورت کے جسم کو چھونا۔ غیر مرد اور عورت کا باہم کلام کرنا ممنوع ہے۔ اکیلی عورت کا غیر مرد کے ساتھ ہونا شبہات کو پیدا کرتا ہے۔ آنحضرت کا تہمت کے متعلق تحقیقات نہ کرنا۔ اور اس دوران میں التفات نہ کرنا۔ اور حضرت عائشہ رض کا صبر جمیل اور خدا کے بھروسے پر اس مصیبت کے بعد سرخروئی پانا وغیرہ جملہ امور کیا قدیم سچی مذہبی طبیعت کی طرف ہی مائل نہیں کرتے۔ ساتھ ہی حضرت عائشہ کا تنگدستی اور عورتوں کے ہلکے پھلکے جسم کا بیان جہاں دنیوی نمود کے جذبہ کی تردید کرتا ہے۔ وہاں آنحضرت کے ایثار اور تبلیغی مشن کی نوعیت کا بھی صحیح پتہ دیتا ہے۔ بطور جملہ معترضہ یہ سبق آموز داستان پیش کر کے اخیر میں ہمیں پھر کہنا پڑتا ہے۔ کہ ام المومنین کو ان آیات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر قرآن کا مفہوم قرآن سے سمجھنے کی عادت نہ رہنے سے یہی نتیجہ ہو سکتا تھا۔

۲۴۔ وید اور قرآن کے تعلق کی لاعلمی

تراجم و تفاسیر کا اصل قرآن کے مطابق نہ ہو سکنا اس خاص وجہ پر بھی منحصر ہے۔ کہ معتقدان و پیروان اسلام کو وید اور قرآن کے باہمی تعلق کا علم نہیں رہا۔ حصہ اول کے باب سوم میں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچایا گیا ہے۔ کہ عربی قرآن آغاز عالم سے ملے ہوئے الہام وید کا ہی معتقد اور اسی

ہاں محض اسی کی تعلیمات کی وجہ سے اپنی صداقت وغیرہ کا دعوے کرتا ہے۔ عالمان وید کے ساتھ علماء اسلام کا تعلق نہ رہنے سے اختلافات کا ہونا معمولی بات ہے۔ مگر ویدک تفسیر قرآن میں اس ٹوٹے ہوئے تعلق کو نئے سرے سے قایم کر دیا گیا ہے۔ الکتاب کے لفظ سے وہ کتاب یا علم الہی مراد ہے جو آغاز سے الہام میں ملا ہے۔ قرآن اس کو جا بجا بے بدل کامل نسرہ من الخطا کہتا ہے۔ اور مسلمانوں کو ہدایت دیتا ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ (یونس۔۹۴)

پس اگر تم کو کسی بات میں کوئی شک ہو۔ جو تمہاری طرف نازل ہوئی ہے۔ تو تم ان لوگوں سے جا کر پوچھ لو۔ جو تم سے پہلے کتاب الہی کو پڑھتے ہیں۔

منجملہ اور بہت سے ناموں کے وید کا نام ذکر بھی ہے۔ اور سورۃ النحل آیت ۴۲ و ۴۳ میں اوپر کی ہدایت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔ کہ

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ

پس اگر کوئی بات معلوم نہ ہو۔ تو مسلمہ صداقتوں اور کتابوں والے اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو۔

اس کے ساتھ ہی سورۃ عنکبوت آیت ۴۶ میں فرمایا ہے۔ کہ

اہل کتاب سے جھگڑا انکار نہ کرو۔ ہاں بات کرو۔ تو شائستہ طریق سے کرو۔

ایسی اعلیٰ ہدایتوں کے خلاف جب اہل کتاب سے نفرت ہو۔ اور خود اہل کتاب اپنے فرض سے غافل ہو کر قرآن کو ہی غیر سمجھتے ہوں۔ تو حقیقت تک رسائی ہونے کا محال ہونا اور فریقین کو ایک دوسرے کے ذریعے ان بنیادی غلطیوں پر مبنی تکالیف کا ملنا کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔

۲۵۔ مقطعات

اوپر کے بیان کی تصدیق کرنے کو وہ کلمات قرآن مجید کافی ہیں۔ جنھیں مفسرین حروف مقطعات قرار دیتے رہے ہیں۔ الٓمٓ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ صٓ۔ طٰہٰ۔ طٰسٓ۔ طٰسٓمٓ وغیرہ دراصل سب وید کے الفاظ ہیں۔ اور آنحضرت نے وید کے ساتھ اپنے اگاد پریم کا ثبوت دیتے ہوئے کئی سورتوں کو وید کے لفظوں سے شروع کیا ہے۔ ہر لفظ کی حقیقت ہم نے موقعہ مناسب پر واضح کر دی ہے۔ لیکن مفسرین وید کے تعلق کا علم نہ ہونے سے ان الفاظ کے معنے بیان نہیں کر سکتے۔ کہہ دیتے ہیں۔ ان کا علم خدا نے اپنے پاس رکھا ہے۔ لیکن ان کا کیا کل شبدوں کا صحیح علم خدا کے پاس ہے۔ سوچنا یہ ہے۔ کہ جو خدا تمام کلمات کا علم دیتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ وہ چند الفاظ کا علم اپنے پاس رکھ لے۔ انسان کو نہ دے۔ اس کی وجہ کیا۔ یہ پوزیشن قرآن پر تضاد بیان کا نقص عائد کرتی ہے۔ قطع تعلق اس کے زبان اور علم یا لفظ اور اس کے معنے کا تعلق ٹوٹ نہیں سکتا۔ اور مہمل یا بے معنے الفاظ یا آوازیں انسان یا حیوان یا پرند نکال سکتے ہیں۔ کلمات الہی معنے و مفہوم سے جدا نہیں رہ سکتے۔ پس مقطعات کا لفظ محض طفل تسلی ہے۔ اور یہ الفاظ وید کے تعلق کو اصل قرآن میں اٹوٹ بتلاتے ہیں۔ اور تراجم و تفاسیر اس کو توڑ رہے ہیں۔

۲۶۔ غیر معقولیت

منبع سے تعلق ٹوٹنے پر دریا کی روانی قایم نہیں رہ سکتی۔ انضباط اوقات اور قابلیت کے مطابق کام کی تقسیم کے بغیر۔۔ محنت کا صحیح استعمال نہیں ہو سکتا۔ قرآن کے فرمان کے مطابق سورج سے جتنا دور رہوں۔ سایہ اتنا ہی زیادہ لمبا ہوتا ہے۔ نمازی اوقات

کے بغیر مقدمات کے فیصلہ جات انصاف کے متعلق صحیح رہنمائی نہیں کر سکتے۔ بعینہٖ سچے اصولوں کا علم نہ ہونے سے مذہبی کتب مقدسہ کا غیر معقولیت سے تعلق ہونا لازمی ہے۔

مثال کے لئے دیکھئے (۱) علم الٰہی کو منترہ بن الخطا یا نرہیرانت کہنا بالکل بجا ہے۔ لیکن مفسرین کو اس کا علم نہیں۔ یا کم سے کم انہیں موقعہ مناسب پر اس اصطلاح کا تعلق جاننے یا جتلانے کی عادت نہیں۔ تو نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔ یہی کہ کتاب الٰہی کے ساتھ لَا رَيْبَ فِيهِ (جس میں ریب یعنی بھرانتی نہ ہو) کے لفظ دیکھ کر یہی یہ کہدیا جاتا ہے۔ کہ اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک نہیں۔ گویا بجائے کلام الٰہی کی خوبی بتانے کے محض حسن ظن یا پروپیگنڈا کا پارٹ ادا کیا جاتا ہے۔

۲۔ پھر تبلیغ حق کی غرض یہ ہے۔ کہ اختلافات دور کر کے وہ زمانہ لایا جاوے۔ کہ سب لوگ حق میں متحد ہو جائیں۔ ایسے زمانے کو بھی يَوْمٌ لَا رَيْبَ فِيهِ اختلاف یا شکوک کے عدم والا زمانہ کہا جاتا ہے۔ لیکن مفسرین کہدیتے ہیں۔ وہ دن جس کے آنے میں شک نہیں۔ یعنی موہومہ قیامت کا دن۔

۳۔ سورۃ البقر آیت ۲۳۰ میں کہا ہے۔

"پھر اگر طلاق بھی دی جاوے۔ تو وہ اس پر حلال نہیں رہتی۔ حتیٰ کہ بذریعہ نکاح اس کے علاوہ اور شخص کی زوجہ بن جاتی ہے۔ اب تو وہ دوسرا خاوند ہی طلاق دے۔ تو اس کے پہلے خاوند کی طرف رجوع کرنے میں گناہ نہیں۔ بشرطیکہ اللہ کی حدوں پر قائم رہنے کی امید ہو۔ اور یہ حدیں اللہ سمجھداروں کے لئے بیان فرماتا ہے"۔

یہ مضمون طلاق کا ہے۔ آنحضرت کا مدعا یہ ہے۔ کہ نکاح مستقل عہد ہے۔ یہ ٹوٹنے نہ پاوے۔ اس لئے اگر میاں بیوی میں ناچاقی ہو۔ اور میاں کو بیوی کی علیحدگی کا خیال ہو۔ تو قرآن فرماتا ہے۔ جلد بازی سے کام نہ لو۔ نہ تنگ مزاجی سے۔ مثل سابق باہم نباہ کرنے کی ہی سوچو۔ لیکن جذبات نے عقل پر غلبہ پایا ہو۔ تو زبان سے ہی طلاق کہدو۔ اور میل جول بھی بند کر دو۔ لیکن اپنی پوزیشن پر غور کرتے رہو۔ ایک دو دن نہیں۔ مہینہ بھر۔ جب بھی دل تمہارے صاف ہو جاویں۔ اور غصہ وغیرہ فرو ہوتے پر تم ایک دوسرے کی قدر کرنے لگو۔ تم بدستور میاں بیوی ہو۔ لیکن اگر پورے مہینے میں بھی دل نہ بدلیں۔ تو بے شک پھر بھی طلاق کا ہی اظہار کر دو۔ لیکن پھر بھی نہ سمجھو۔ کہ تمہارا مکمل قطع تعلق ہو چکا۔ مہینہ بھر اور غور کرو۔ اور جب دل کو پلٹا ملے۔ دونوں طلاقوں کو بھول جاؤ۔ لیکن اگر تیسری بار بھی طلاق کا ہی نتیجہ ہو۔ تو بے شک مستقل طلاق دے دو۔ لیکن اس اجازت کے ساتھ شرع پھر اس سے اپیل کرتی۔ اور اسے نفع نقصان سمجھاتی۔ بلکہ غیرت دلاتی ہے۔ کہ اس امر کو سمجھ لو۔ کہ تیسری بار کے طلاق کا نتیجہ ہوگا۔ کہ تمہارا بیوی پر پہلے دو طلاقوں والا اختیار نہ رہے گا۔ اب وہ مختار ہے۔ اور شخص سے نکاح کرنے کے لئے۔ اگر تم بعد میں محسوس کرو۔ کہ غلطی ہوئی۔ تو اس کی تلافی نہ تمہارے ہاتھ رہے گی۔ نہ بیوی کے۔ تمہاری بیوی اب غیر کی بیوی ہے۔ وہ طلاق دے۔ تو تب تم اس سے پھر نکاح کر سکتے ہو۔ پس آیت ۲۳۰ میں جو غیر سے نکاح ہونے کا لفظ ہے۔ وہ نہایت معقول ہے غیرت سے اپیل کرتا ہے۔ اور خاوند کو مآل کار سے آگاہ کرتا ہے۔ گویا شرع کی اس انتہائی تحریک کا پتہ دیتا ہے۔ کہ وہ جیسے بھی بنے طلاق سے باز آجاوے۔ اور منکوحہ بیوی سے بدستور نباہ کرے۔ انتظام خانہ داری کے لئے یہ نہایت قیمتی ہدایت ہے۔ لیکن چونکہ قدیم تہذیب یا اصول کا مفسرین کا دماغ احساس نہیں کر سکتا۔ اس لئے محض وہ اس امر کو مانتے ہیں۔ کہ تیسری طلاق کے بعد عورت

حرام ہے۔ اور جب تک نئے خاوند سے نکاح نہ ہو۔ اور اس سے طلاق نہ ملے۔ تب تک پہلا خاوند اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ اس بناء پر حلالہ جیسی شرمناک رسم ایجاد ہوئی۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ پختہ طلاق کے بعد اگر میاں بیوی پھر رجوع کریں۔ تو بیوی کا کسی غیر سے نکاح کرا دیا۔ اور ان کے جماع کے بعد طلاق دلا کر بیوی کو پہلے خاوند کے لئے حلال سمجھ لیا۔

معمولی سے غور پر اس کی غیر معقولیت سمجھ میں آسکتی ہے۔ کیونکہ شرع جس عفت و عصمت کو محفوظ کرنے کے لئے طلاق پر پابندیاں عائد کرتی تھی۔ اور جس غیرت سے اپیل کرتی تھی۔ حلالہ سے اس کا ناش ہوتا ہے۔ اگر ایک پاک دامن عورت طلاق میں خاوند کو غلط فہمی کا شکار سمجھتی۔ اور خود صبر سے خدا کی یاد میں لگتی۔ اور کسی غیر سے بوجہ غیرت نکاح نہیں کرتی۔ اور کچھ عرصہ بعد غلط فہمی دور ہو کر خاوند بھی پچھتاتا۔ اور اس کی بے گناہی کا اعتراف کر کے اس کی تکلیف کے لئے معافی مانگتا ہے۔ تو بھی میاں بیوی رسم حلالہ کے زیر اثر مل نہیں سکتے۔ جب تک اس کے جذبۂ عفت کو غیر شخص سے ٹھکرایا نہ جاوے۔

۴۔ سورۃ البقر آیت ۲۲۲ و ۲۲۳ میں عورت مرد کے باہمی میل کے لئے بالکل ویدک طریق کی ہدایت کی ہے۔ کہا ہے۔ کہ حیض کی حالت میں عورت سے صحبت نہ کرو۔ جب وہ حیض سے پاک ہو۔ تب ان کے پاس اس طریق سے جاؤ۔ جس کا کہ خدا نے حکم دے رکھا ہے۔ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ کے لفظ صاف قدیم طریق گرہستھ دھرم کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔ اور اگلے الفاظ میں بھی کہا ہے۔ کہ خدا انہی سے پیار کرتا ہے۔ جو اس کی طرف رجوع کرنے والے اور طہارت مجسم ہیں۔ یعنی پاک۔ نیک چلن۔ پس جنسی تعلقات کے متعلق خدا کا فرمودہ طریق کہنے میں سب کچھ آجاتا ہے اس کے بعد سمجھایا ہے۔ کہ تمہاری عورتیں کھیتیاں ہیں۔ پس جاؤ۔ ان میں اس طریق پر جو تمہیں شایاں ہے۔ اپنے لئے عاقبت کا بھی بندوبست کرو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور جان رکھو۔ کہ تم نے اسی کے حضور جانا ہے۔ پس بشارت ہے مومنوں کے لئے

ان الفاظ میں بیچار کر کے عاقبت بگاڑنے کی بھی ممانعت ہے۔ اور اولاد پیدا کر کے عاقبت سدھارنے کی بھی ہدایت ہے۔ نیز تقویٰ یا پرہیزگاری اور خدا کا خیال بھی دلایا ہے۔ کہ جو مومن یعنی ایمان والا ہو کر اس امر کی تعمیل کریگا وہی سکھ پائے گا۔ پھر آیت ۲۲۴ میں کھول کر کہا ہے۔ کہ نیکی اور پرہیزگاری لازمی ہے۔ یہ نہ سمجھو۔ کہ قول و اقرار سے کھلی اجازت عیاشی کی ملی ہے۔

اسی طرح سورۃ المایدہ میں حکم ہے کہ نکاح کے لئے ایسی مومن یا قدیم اہل کتاب کی لڑکیاں حلال ہیں جو محصن ہوں۔ یعنی کامل برہمچارنی۔ غرضیکہ وید اور قرآن دونوں میں ایک ہی ہدایت جنسی تعلقات کے متعلق ہے۔ لیکن انّی شئتم کے معنی کئے جاتے ہیں۔ جدھر سے چاہو۔ اور باقی تمام ہدایتوں کو بھول کر اکثر لوگ اس سے وہ بھدی تاویلیں پیش کر رہے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ تاہم واضح ہے کہ خدا کی طرف سے جو قانون ہے۔ اس کے مطابق انسان چلے۔ تو ٹھیک ہے۔ ورنہ وہ بدچلنی کا مرتکب ہے۔ وید میں دیریہ دان کرنے والے پرش اور گربھ دھارن کرنیوالی استری کو کئی مثالوں سے بیان کیا ہے۔ اور منو میں کھیت اور بیج کی مثال دی ہے۔ ادھیائے ۹ شلوک ۳۵ میں کہا ہے۔ عورت کو بمنزلہ کھیت اور مرد کو بمنزلہ بیج کے سمجھو۔ بہذا کھیت اور بیج ملنے سے تمام قسموں کی پیدائش ہوتی ہے۔ پس جو لوگ قرآن کے فرمان سے منکوحہ بیویوں کی صحبت کی کھلی اجازت منسوب کرتے۔ اور گندی ہدایتیں اخذ

کرتے ہیں۔ وہ ترجمہ تفسیر کی غیر معقولیت پر ہی مبنی ہیں۔

۵۔ سورۃ المایدہ آیت ۴ میں حلال چیزوں کا پتہ دیا ہے۔ یہ کہہ کر کہ

أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ

یعنی ایک تو کل پاک چیزیں یا کمائیاں حلال ہیں۔ اور دوسرے خدا سے جو علم تجھے ملا ہوا ہے۔ اس کے مطابق دنیوی تعلقات رکھنے والی قوتوں کے ذریعے جو تمہارے علم میں آتی ہیں۔ حلال ہیں۔

طیب وہ ہے جس سے نہ گناہ کا تعلق ہو۔ نہ ناپاکی کا۔ ویدک لفظ بھکشیہ (قابل خوردنی) بلکہ سدا چار کی جگہ طیب لفظ ہے۔ جوارح مکلبین کے معنے ہیں۔ دنیوی سامانوں یا بھوگوں کی حریص قوتیں۔ عقل۔ دل تو اس سب اس کے معنے میں ہیں۔ اسی کے ذریعے سے ہمیں دنیوی چیزوں کا علم ملتا ہے۔ اور خدا سے ملے ہوئے سچے علم کے نکتہ نگاہ سے کام لیتے ہیں۔ تو ان سے صحیح اور مفید علم اور عمل ہوتا ہے۔ ورنہ گناہ اور دکھ ہوتا ہے۔ اس لئے کہا ہے۔ کہ سچے علم کی رہنمائی میں اپنی جسمانی قوتوں سے حلال کا علم ملتا ہے۔ دل میں اگر جہالت یا برے خیال نہ ہوں۔ اور عقل کو علم الٰہی کی روشنی ملے۔ تو مفید اور غیر مفید کو صحیح طور پہچان کر انسان حلال کو قبول کرتا ہے۔ یجروید کے پہلے منتر کے پہلے حصے کا مضمون ہے۔

इषे त्वोर्ज्जे त्वा वायवस्थ देवो वः सविता
प्रार्पयतु श्रेष्ठतमाय कर्मण ।

اِش نام ہے کل اشیائے عالم کا اور اورج نام ہے۔ ان پدارتھوں سے ملنے والے حقیقی فوائد کا۔ وایوہ نام ہے۔ کل انسانی قوتوں کا جن سے دنیا میں کام ہوتا ہے۔ ان کو ایشور کے قانون کے مطابق انتہائی نیک کرموں میں لگا کر اشیاء کو حاصل کرنا اور ان سے سکھ پانا انسان کا فرض ہے۔ اور یہی قرآن کا اوپر کی آیت میں اصل مقصد ہے۔ لیکن قدیم سے مروج مذہبی اصطلاحات اور سچی ہدایتوں کو بھول کر اب ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔ کہ خدا نے جو تمہیں شکار کا طریقہ سکھا رکھا ہے۔ اس کے مطابق تم نے جو شکاری کتوں کو سدھا رکھا ہے۔ وہ جو شکار تمہارے لئے پکڑ رکھیں۔ وہ کھا لو۔ کیا انسان کو نیک عملوں کی بجائے درندگی کی تعلیم وہ کتاب مقدس دے سکتی ہے۔ جو مردار اور خون کو حرام کرتی۔ اور ہر امر میں پرہیزگاری اور خوف خدا کی طرف مائل کرتی ہے۔ گوشت کو قرآن غذائے طیب نہیں ٹھہراتا۔ حیوانوں کو باربرداری سواری کھیتی وغیرہ کے لئے مقصود بتاتا ہے شعائر اللہ کی حفاظت پر زور دیتا ہے۔ اور سورۃ المایدہ کی تفسیر میں اس مضمون پر مفصل بحث ہے۔ باوجود اس کے تراجم میں غیر معقولیت کا آنا۔ ... قدیم تعلیم سے مترجمین کی بے توجہی کا ثبوت ہے۔

اسی آیت میں قرآن کہتا ہے۔ کہ صحیح علم اور محنت سے حاصل کی گئی کمائی سے کھاؤ۔ مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ جس سے تمہیں تسکین ملے۔ اور ساتھ ہی غذائے طیب کو ہنسا یا ایذا رسانی سے بالکل پاک رکھنے کے لئے آیت ۵ میں اصل اصول یہ بتایا ہے۔ کہ

"آج تم پر پاک غذائیں حلال کی گئی ہیں۔ اور کتاب الٰہی والوں کا کھانا تم پر اور تمہارا ان پر حلال ہے"۔ اس سے قطعی فیصلہ ہے۔ کہ قدیم ویدک دھرمیوں والا اصول ہی قرآن میں مدنظر ہے۔ اور اس کے خلاف تاویلیں غیر معقول ہیں۔

۲۷۔ حاصل کلام

وید اور قرآن نام کی ہر دو کتب مقدسہ کے متعلق راقم نے گذشتہ ۴۵ سال میں شبانہ روز کی مذہبی جدوجہد سے جو علم اور تجربہ حاصل کیا ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے، کہ ویدک دہرمی یعنی آریہ (و غلط العام ہندو) لوگ اور مسلمان بھائی یعنی پیروان حضرت محمد صاحب حقیقت کے لحاظ سے ایک ہی دہرم یا دین کے پیرو ہیں۔ قانون الہی کے مطابق اپنے اعمال کی سزا بھوگنے کے لئے عقل اور ذہنیت میں مختلف ہو کر ایک دوسرے فریق کے ذریعے تکلیف یا دکھ پانے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اور بغیر خدا کی عنائت کے ان کا اپنے واحد دھرم پر متحد ہونا ناممکن ہے۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ خدا کی عنائت کیسے ہو یا اس نعمت کے مستحق ہم کیسے بنیں۔ اس کا جواب سوائے اس کے میری سمجھ میں کوئی نہیں آتا۔ کہ وہ یگانگت جو بنی نوع انسان کی فطرت میں ہے۔ یا وہ واحد سچی تعلیم جو فریقین کی کتب مقدسہ میں ہے۔ اپنی پوری عظمت کے ساتھ دلوں پر قبضہ کرے۔ اور عقلوں کو روشن۔

وید فرماتا ہے۔ اس کلیانی بانی کو مرد عورت ادنےٰ اعلےٰ تمام انسانوں تک پہنچاؤ۔ قرآن فرماتا ہے۔ رسول یا عالم لوگ تبلیغ حق کرتے جائیں۔ یہ فکر کوئی نہ کرے۔ کہ لوگ حق پر چلتے ہیں یا نہیں۔ بس حق ان تک پہنچادو۔ آگے وہ جانیں اور خدا۔ شاستر کا قول ہے۔ کہ وعظ حق کے سلسلے سے ہر کا میابی ہوتی ہے۔ ورنہ اندہ پرمپرا چلتی ہے۔ بس فرض اپنا ظاہر ہے۔ مگر کمزور زبان کی پکار موجودہ شور و شر میں سنی جانی محال ہے۔ نقارخانہ کہاں اور طوطی کی آواز کہاں۔ اس لئے حصول مطلب کے لئے تحریر کی لمبی اور ربڑ اور دور تک پکار کرنے والی زبان کو کام میں لاتا ہوں۔ اور اصول کے لحاظ سے فریقین کو کبیر کے اس عام فہم قول کی سپرٹ کا خیال دلاتا ہوں۔ کہ

سونا ایک کہن کو گہنا۔ ان میں بھید نہ دُوجا
کہن سنن کو دو کر راکھے اس نماز اس پُوجا

کاشکہ اختلاف زبان وید و قرآن کے اندر ہمارے مخاطب تعلیم کی یکسانیت کو سمجھ سکیں۔ اور زبانوں کی عدم مطابقت کے علاوہ مصنفوں اور مترجموں کے علمی عقلی ذہنی۔ اخلاقی اختلافات اور انقلاب حالات کے تمام پردوں کو دور کر کے اصل حقیقت کو پہچان سکیں۔

میرا یقین ہے۔ کہ لیٹر میں کتنا بھی اختلاف ہو۔ سپرٹ میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ اور اس لئے زبان اقوال اور ظاہری ارکان کو چھوڑ کر میں نے یکساں موجود سپرٹ کو ہی مقدم رکھا ہے۔ اور اگر آریہ اور مسلم علماء لفظ فروعات کے وسیع مفہوم کو سمجھ کر اصول کی عظمت کا ہی احساس کریں۔ تو ان کی متفقہ مساعی جمیلہ سے دنوں میں ہی انسانی جماعت کی کایا پلٹ سکتی ہے۔

۲۸۔ تیر نشانے پر

حضرت رسول صلعم نے کل انسانی جماعت کو متحد کرنے کا جو طریق سوچا۔ وہ قرآن میں موجود ہے۔ اور حصہ اوّل کے پہلے باب میں مذکور۔ آپ کے بعد صدیوں تک عرب کا مذہبی تعلق بھارت ورش سے جاری رہا۔ خلیفہ مامون وہارون رشید کے عہد میں ویدک ودوانوں کو بڑی عزت سے عرب میں بلا کر کتنی ہی علمی کتابوں کے سنسکرت سے عربی میں ترجمے ہوئے۔

بعد میں حالات بدلے۔ اور ایک ہزار سال سے عجیب و غریب انقلاب آرہے ہیں۔ تاہم تاریخ سے

واضح ہوتا ہے۔ کہ مختلف وقتوں میں کم و بیش احساس اتحاد کے لئے موجود رہا ہے۔ اور بھلا ہو سوامی دیانند کا جس نے فراموش شدہ وصل کے جذبہ کو زور سے تحریک دی۔ اور نکتہ چینی کے ذریعے اختلافات کو مٹا کر متحد ہونے کا خیال پیدا کیا۔ ہمارے ملک میں کئی اور شخصیتیں اور سوسائیٹیاں بھی ہیں۔ جو اتحاد کے جذبہ کے زیر اثر تحقیق حق و باطل سے بھی گریز کرتی ہیں۔ پولیٹکل اغراض کی ترغیب اسی اتحاد کے لئے پیش نظر ہے۔ نہ صرف ہندوؤں میں مسلمانوں میں بھی تبلیغی طاقت کو بھی بعض لوگ اتحاد کے لئے استعمال کرتے ہیں تیئیس چوبیس سال پہلے ہمیں رنگون سے نکلنے والے رسالہ اتحاد مذاہب عالم کے ایک دو پرچے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اس میں بھی قرآن کی تعلیم کو وید کے مطابق دکھانے کے اشارات تھے۔ اور تو اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بھی اس فانی جسم کو چھوڑنے سے کچھ دیر پہلے پیغام صلح میں اس اٹوٹ تعلق کو واضح کیا۔ رسالہ ادیب الہ آباد ستمبر ۱۹۱۳ء میں سید محمد علی ایم۔ آر۔ اے۔ ایس کے مضمون "ہندو مسلمانوں کی مماثلت" نے ہمارے دل پر خاص اثر کیا۔ اس میں آپ نے پہلے تو یہ واضح کیا۔ کہ

ہندوؤں کی بت پرستی محض صفات الٰہی کے بیان کے لئے کارٹونوں کی صورت میں جاری ہوئی تھی۔ مورتی کے ایک ہاتھ میں اناج کا خوشہ دے کر ظاہر کیا گیا۔ کہ رزق پرمیشور کے ہاتھ میں ہے۔ یا وہ سرو پالک ہے۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں تلوار دیکر ظاہر کیا گیا۔ کہ پاپیوں ظالموں کا ناش کرنے والا وہی ہے۔ اور پھول اس کے تیسرے ہاتھ میں دے کر بتایا گیا۔ کہ وہ نرمی یا دیا کا مجسمہ ہے۔ وغیرہ اخیر میں یہ مصرع دیتے ہیں۔

مع۔ دوئی را چوں بدر کردم یکے دیدم دو عالم را

اس کے بعد دونوں مذاہب کی تعلیم کو باہم مطابق ثابت کرتے ہیں۔ بدیں الفاظ ۱۔ منو کا پنج یگ شارع اسلام کی پنجگانہ نماز ۲۔ اہل ہنود کا آچمن اسپرش۔ مسلمانوں کا وضو و مسح (۳) ہندوؤں کا اشنان اہل اسلام کا غسل۔ ۴۔ اہل ہنود کا شودھ۔ مسلمانوں کا تیمم ۵۔ ہندوؤں کا لشکا۔ مسلمانوں کا استنجا ۶۔ ہندوؤں کا جپ۔ مسلمانوں کی تسبیح و تہلیل ۷۔ اہل ہنود کا پاٹھ۔ مسلمانوں کی تلاوت ۸۔ ہنود کا برت۔ مسلمانوں کا روزہ۔ ۹۔ ہندوؤں کا دان پن۔ مسلمانوں کی خیرات زکوٰۃ ۱۰۔ ہندوؤں کا بلیدان۔ مسلمانوں کا صدقہ۔ ۱۱۔ ہندوؤں کی تیرتھ یاترا۔ مسلمانوں کا حج۔ ۱۲۔ ہندوؤں کی پردکشنا مسلمانوں کا طواف ۱۳۔ ہندوؤں کا پرائشچت مسلمانوں کا کفارہ ۱۴۔ ہندوؤں کا شرادھ۔ مسلمانوں کی فاتحہ۔ ۱۵۔ ہندوؤں کا بیکنٹھ نرک۔ مسلمانوں کی جنت۔ دوزخ۔ ۱۶۔ ہندوؤں کا اچھے بٹ۔ مسلمانوں کا طوبےٰ ۱۷۔ ہندوؤں کی اپسرا۔ دھرم راج دگن۔ مسلمانوں کی حوریں۔ رضوان و ملائکہ ۱۸۔ ہندوؤں کی آکاش بانی۔ مسلمانوں کا الہام و القا۔ ۱۹۔ ہندوؤں کے چتر گپت۔ مسلمانوں کے کراماً کاتبین ۲۰۔ ہندوؤں کے جم راج۔ مسلمانوں کے عزرائیل ۲۱۔ ہندوؤں کی بیترنی۔ مسلمانوں کی پلصراط ۲۲۔ ہندوؤں کا مدھکر کنڈ۔ مسلمانوں کا حوض کوثر۔ ۲۳۔ ہندوؤں کا کلپ برکھش۔ مسلمانوں کا سدرہ۔ ۲۴۔ ہندوؤں کی بارنی۔ مسلمانوں کی شراب طہور ۲۵۔ ہندوؤں کا کیلاش۔ مسلمانوں کا عرش عظیم ۲۶۔ ہندوؤں کا بوان۔ مسلمانوں کی معراج۔ ۲۷۔ ان کا گیان۔ ان کا عرفان ۲۸۔ ان کا دھیان ان کا مراقبہ۔ ۲۹۔ ان کا گورو چیلا تھا۔ ان کے پیر فقیر۔ ۳۰۔ ان کے کلکی اوتار۔ ہمارے حضور

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے والد کا نام وشنو داس ہوا۔ وشنو کے معنے اللہ اور داس کے معنی عبد یعنی عبداللہ نام ہوا۔ ماں کا نام سومتی یعنی امانت والا ہوا۔ سو حضور کی والدہ محترمہ کا نام آمنہ تھا۔ حضرت نے غار حرا میں عبادت کی۔ پرشرام یعنی پرش کہتے ہیں۔ روح کو رام اللہ کو جبرئیل سے تعلیم پائی۔ حضرت جبرئیل سب سے پہلے وحی لے کر آئے وغیرہ

اس کے علاوہ مذہبی رسالہ جات اور دیگر آریہ مسلم ہندو لوگوں کی زبان اور قلم سے نکلے ہوئے الفاظ و مضامین بھی پڑھنے اور سننے آرہے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ خاص شخصیتوں کے جذبات کی شہادت تھی۔ ہم میل ہونے کے لئے ایک ہی قسم کی تعلیم لازمی امر ہے۔ یہ بات میرے خیال میں ناممکن تھی۔ اور دوسرے لوگوں کے لئے ہر پہلو سے اب بھی ناممکن ہے لیکن ہزار شکر ہے۔ اس پرمیشور کا جس کی عنایت سے ساری مشکل حل ہوتی ہے۔ اور غیر ممکن بھی ممکن اور امر واقعہ ثابت ہوتا ہے۔ تیر ٹھیک نشانہ پر لگتا ہے۔ اور اختلاف چکنا چور ہو جاتے ہیں۔

۲۹۔ مصنف کی پوزیشن

"آخری عمر میں لکھشمن کو کیا ہو گیا۔ ساری عمر تو قرآن کے خلاف ... اب اسے ایک دم وید کے مطابق کہتا ہے۔ یہ ہے وہ ریمارک جو ہم پر بعض اپنے احباب سے پاس ہوتا ہے۔ مگر ہماری شکایت ہے۔ کہ ان حضرات نے آریہ سماج کے اس اہم کو محض کاغذ کی زینت سمجھا ہے کہ

سچ کو قبول اور باطل کو ترک کرنے میں ہمیشہ مستعد رہنا چاہئے۔ اپنے سابقہ خیالات کی طرفداری سے بچ کر ایک ہم غلطی کو ترک کرنے کی جرأت کرنا مبارک ہے۔ لیکن ہم اس کریڈٹ کے مستحق نہیں ہیں ہم نے اپنے سابقہ خیالات کی طرفداری سے لگے قابو حق کو دل پر غلبہ پانے نہیں دیا۔ پچیس سال سے زیادہ عرصہ سے ہمیں قرآن میں ویدک صداقتوں کی موجودگی کا علم ہو رہا ہے۔ مہرشی دیانند کے مکمل جیون چرتر کے دیباچے میں جو ہم نے ۱۹۱۴ء میں لکھا۔ اس قسم کے حوالہ جات موجود ہیں۔ اس کے بعد ویدک سدھانتوں کی دیا پکتا۔ سارو جنک دہرم (ہندی) اسلام میں جلوہ وید میں بھی ہم نے کئی اوریس ویدک دھرم اور اسلام کی مطابقت واضح کی۔ مرحوم پنڈت دہرم بھکشو جیسے مشہور و معروف مناظر کو ۱۹۲۵ء میں بطور ایڈیٹر آریہ مسافر ہمارے پاس رہنے کا اتفاق ہوا۔ تو باہمی بات چیت کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انہوں نے ایک چھوٹی سی کتاب میں اس مطابقت کو واضح کیا۔ ویدوں کا عربی مبلغ یا کیا محمد صاحب آریہ تھے؟ اس کتاب کا نام تھا۔ مگر باوجود اس کے ہم اس مطابقت کو جزوی سمجھتے رہے۔ بحیثیت مجموعی ہماری رائے اسلام کے خلاف ہی رہی۔ ۱۹۳۲ء کی گرمیوں میں سوامی دیانند اور وید کے مضمون پر غور کرتے ہوئے ایک دن اندر یہ تحریک ہوئی۔ کہ اگر ویدوں پر صدہا اعتراضات ہوتے ہوئے مہرشی دیانند یہ ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ مول وید کی پوزیشن اور ہی ہے۔ تو کیا قرآن کو تراجم و تفاسیر کی بنا پر مخالفت کا نشانہ بنائے جانا معقول ہو سکتا ہے۔ جب بالخصوص یہ خیال آیا۔ کہ مطابقت کے اس قدر ثبوت اتفاقیہ نہیں ہو سکتے۔ اس پر ہم نے محض آیات قرآن پر موقعہ و محل کے لحاظ سے لغات وغیرہ کی مدد سے غور کرنا شروع کیا۔ اور جب دو تین امور میں مسلسل غور و فکر کے بعد عقدہ حل ہو گیا۔ تو حسن ظن اور بھی بڑھا۔ اور ہمیں قرآن مجید کے مطالعہ میں زیادہ سے زیادہ وقت دینے میں خوشی محسوس ہونے لگی۔ حتیٰ کہ تمام مشکلات اور پیچیدگیوں کو عبور کر کے ہم نے آخر اسلام کی وہ نورانی صورت دیکھی۔ جو ہو بہو اس نورٹو سے ملتی تھی۔ جو ویدک دہرم کا ہمارے دل پر کھچ رہا تھا۔ اور اس

نظارے نے ہمیں وہ اطمینان قلبی بخشا۔ جو عمر بھر کی مذہبی تحقیقات سے نصیب نہ ہوا تھا۔ اے کاش کہ ریمارک پاس کرنے والے بھائی بھی اب اس نظارے کو دیکھ سکیں۔

۳۰۔ طرفداری کا مرض

مہرشی دیانند کا طرز عمل اور آریہ سماج کے نیم تمام ہم سے مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ ہم تحقیق حق کے لئے بالکل غیر جانبدار رہیں۔ دہرم کا لکھشن ہی بے رو رعایت اور حق و انصاف پر مبنی رہیہ ہے۔ لیکن ہم آریہ لوگوں نے مہرشی دیانند کے بعد عیسائی مشنری سوسائٹیوں کی تقلید میں ویدک مشن کی کامیابی سمجھی۔ آریہ سماج کے گرد انسٹی ٹیوشنوں نے گھیرا ڈال لیا۔ مجلسی تعلقات اور مالی ضروریات نے ہمیں ہندو فریق کے ساتھ جکڑ دیا۔ ہر ہندو پردیش پتر پر دستخط کر کے آریہ سماج کا ممبر بنا۔ مگر مسلمان کے لئے علمی طور پر فضیلت رکھنے پر بھی خاص رسوم کی پابندی لازمی ہوئی۔ پولیٹیکل حقوق کے لئے بھی آریہ لوگ ہندوؤں میں شامل ہونے لگے۔ کہیں مسلمانوں کے مظالم کی یاد ہوئی۔ کہیں ہندو مندروں کا معاملہ پیش آیا۔ کہیں اردو اور ہندی کا جھگڑا اٹھا۔ اور اس طرح آریہ لوگ عموماً اپنی عالمگیر دھارمک پوزیشن کو چھوڑ کر انٹی محمڈن سے بننے لگے۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ جس جدائی کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے مہرشی دیانند نے اسلام پر نکتہ چینی کی جس وصل کی امید پر پنڈت لیکھرام نے انتہائی جدوجہد کی۔ آریوں کے دلوں سے وہ خیال دور ہو رہا ہے۔ پنڈت لیکھرام نے درد بھرے الفاظ میں اپیلیں کیں۔ کہ " اے محمدی بھائیو! ہمارے بچھڑے ہوئے دوستو! آریہ سنتان کے ٹکڑو اور بھارت کے لخت جگرو! ہندوستان کے پیارو!!! پرماتما نے آپ کو اور ہم کو ایک ہی قسم کے عناصر خمسہ سے پیدا کیا۔ ایک ہی دانہ پانی ہمارے لئے مشتعل ہے۔ ایک ہی ہوا پر ہماری گذران ہے۔ ایک ہی زمین ہماری استراحت کو ہے۔ مگر باوجود اس کے ہم کیوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ بھائیوں کو قصائیوں سے بدتر مخالف جانتے ہیں۔ باوجود قدرتی تعلقات کے ہم بعد المشرقین کی شامت میں پڑے ہوئے ہیں.....

اوہ! کہاں یہ اپیلیں۔ کہاں دھرم یا مذہب کی اصل بنیاد توحید پر ہمارا اتفاق۔ کہاں بت پرستی وغیرہ مشرکانہ عملوں کی بیخ کنی کے یکساں ذمہ وار آریہ اور مسلمان اور کہاں ہماری موجودہ خود فراموشی۔ اے کاش کہ آریہ لوگ طرفداری بھی کرتے۔ تو ہندوؤں کو بت پرستی کے عیب سے بے عیب کر کے سوامی دیانند صاف کہتا ہے کہ آریہ ورت کی روز مرہ سخت تنزلی اور بت پرستوں کی شکست ان کے ایسے ہی برے عملوں کی وجہ سے ہے۔ مورتی پوجا وغیرہ کو نہ چھوڑیں گے۔ تو زیادہ سے زیادہ نقصان اور سزا پائیں گے۔ پس آریوں کو دور اندیشی سے کام لینا چاہیئے۔ اور طرفداری کے مرض کا ہماری اس تصنیف کے نسخۂ اکسیر سے جلد از جلد دفعیہ کر کے اپنی عالمگیر محبت اور اخوت کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اور یہ جان کر خوش ہونا چاہیئے۔ کہ اسلام وہ نہیں جو قرآن کے تراجم تفاسیر و احادیث ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ دین اسلام وہ ہے۔ جو وید اور برہما وغیرہ رشیوں کے فرمودہ یا ان کے صحیح مانے ہوئے دھرم کے مطابق عربی قرآن میں مذکور ہے۔

۳۱۔ ویدک تفسیر ہی کیوں صحیح ہے

ایک اعتراض ہمارے سامنے یہ آتا ہے۔ کہ اگر کل تراجم اور تفاسیر ناقص ہیں۔ تو آپ کا ترجمہ و تفسیر صحیح ہونے کا ثبوت کیا ہے۔ اگر اور مفسرین حضرت محمد صاحب یا جبرئیل کے مطابق علم نہ رکھنے سے قرآن مجید کو سمجھ نہیں سکے۔ تو آپ کے اسے صحیح سمجھنے کا یقین ہم کیسے کریں۔ انس

کا جواب اس دیباچے میں موجود ہے۔ اور مصداق

ع
مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

یہ تفسیر خود اس کا جواب ہوگی۔ لیکن جو لوگ بات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرکے اعتراض کرنے کے عادی نہیں۔ ان کے اطمینان کے لئے حسب ذیل دلائل اشارۃً پیش کی جاتی ہیں۔

اول۔ صحیح ترجمے کے لئے پہلی لازمی شرط یہ ہے۔ کہ اصل مصنف کی صحیح پوزیشن کا مترجم کو احساس ہو۔ اور اس کی رہنمائی میں تبادلہ الفاظ ہو۔ نہ کہ خالی لفظی تبدیلی پر انحصار ہو۔ مثال کے لئے رسول صاحب کی عالمگیر اتحاد کی پوزیشن کو زیر نظر رکھ کر ترجمہ نہ کیا جاوے۔ تو جن آیات میں لوگوں کو جمع کرنیکا بیان ہوگا۔ ایک دھرم میں ان کے شامل ہونے کی بجائے اور کا اور مفہوم ان کا اپنے تخیلات کے مطابق مترجم لیگا۔ چنانچہ میدان محشر میں دنیا کے خاتمہ پر مردوں کا اکٹھا کیا جانا ایک ایسا ہی خیال ہے۔ جس کے خلاف ہمارا ترجمہ صریح اتحاد کا بیان کرتا ہے۔

دوم۔ خدا اور اس کے الہام کا قابل وعالم ریفارمر ہمیشہ عالمگیر اصولوں کی تبلیغ کرتا ہے۔ اور انسانی مذاہب کے نمائندے شخصی تذکروں سے مردم پرستی اور پھوٹ وغیرہ بڑھاتے ہیں۔ قرآن مجید سورۃ آل عمران آیت ۶ میں نہایت خوبی کے ساتھ بتاتا ہے۔ کہ اس میں ایک تو محکم آیتیں ہیں۔ اور دوسری متشابہ گمراہ یا کم علم لوگ متشابہ کی مختلف تاویلات سے دنیا میں فتنہ و فساد پیدا کرتے ہیں یا الفاظ دیگر یہ کہ محکم یا ہمیشہ ایک سا رہنے والے عالمگیر اصولوں کو بیان کرنے والی آیات کی مختلف تاویلیں ہو نہیں سکتیں۔ اور نہ ان سے نفاق بڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ عالمگیر اور ہر زمانے ہر ملک کے انسان سے بہ آسانی سمجھے جا سکتے ہیں۔ مثال کے لئے گذشتہ نبیوں کے متعلقہ قرآنی اشارات کو لیجئے۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ۔ عیسےٰ۔ ایوب۔ شعیب وغیرہ وغیرہ کے الفاظ جہاں آتے ہیں۔ کئی مفسر صاحبان ان شخصیتوں کے متعلق بحث لے بیٹھتے ہیں۔ کوئی توریت اور انجیل میں ان کے حالات ڈھونڈتا ہے۔ کوئی حدیثوں میں اور کوئی زبان زد خلائق روایتوں سے اور اس طرح مختلف تاویلات باہم نفاق پھیلاتی ہیں۔ لیکن اسی آیت میں قرآن فرماتا ہے۔ کہ تجربہ کار یا پختہ علم والے ان سے محض اس نصیحت کو اخذ کرتے ہیں۔ جس کے لئے متشابہ آیتیں مقصود ہیں۔ مثلاً یہ کہ نوح نے لوگوں کو حق کی طرف لانے کی انتہائی کوشش کی۔ لوگ حق پر نہ آئے۔ تب ان کا الہی عذاب سے صفایا ہوا۔ اسی طرح موسےٰ آئے عیسےٰ آئے اور دوسرے رسول ہر ایک نے اپنے وقت میں اپنے لوگوں کو راہِ راست پر لانا چاہا۔ مگر لوگوں نے اُلٹا ان کی مخالفت کی۔ اور انہیں اذیتیں دیں۔ لہذا ان پر عذاب نازل ہوئے۔ اور خدا نے ان کی جگہ دوسری قوموں کو برسرِ اقتدار و اقبال کیا۔ بہ الفاظ دیگر ایک اصول سمجھایا گیا۔ کہ مارا ہُوا دین یا دھرم مار دیتا ہے۔ اس اصول تک محدود رہنے میں سب کا اتفاق رہ سکتا ہے۔ ہم نے تمام فروعی تاویلات کے نقص جتا کر ہر کہیں عالمگیر اصولوں کو پیش کیا ہے۔ اور وہ اصول جو آنحضرت نے کل قرآن کی کلید کے طور پر محفوظ کیا ہے۔ اسی سے ہم نے قرآنی مطالب کو کھولا ہے۔

سوم۔ سچے عالموں یا آپت پرشوں کی تصنیفات میں متضاد بیان نہیں ہوسکتا۔ مگر مروجہ تراجم و تفاسیر سے یہ عیب بڑے زور سے قرآن مجید پر عائد ہوتا ہے۔ اور ویدک تفسیر اس عیب سے بالکل پاک ہے۔

چہارم۔ قرآن مجید خدا کی کلام کو ترمیم تنسیخ وغیرہ عوارضات سے پاک اور بے بدل مانتا ہے۔ اور آغاز عالم والے الہام کا مصدق نیز اسی کے مطابق ہونے اور اسی کی تلقین کرنے کا دعویدار ہے۔ اور ہمارے

اس وید کی حاشیہ میں کوئی ایسا بیان نہیں جو ازلی ابدی الہامی علم یا قانون نیچر کے خلاف ہو۔ بلکہ آیات کے متعلق ہر امر متنازعہ کا ہم نے قدیم الہام کی روشنی میں فیصلہ اور آنحضرت کی پوزیشن کی معقولیت کو واضح کر دیا ہے۔

پنجم۔ آنحضرت کا قرآن کے ذریعہ اختلافات کو مٹانا مسلمہ ہے۔ لیکن احادیث پر مبنی ترجموں نے خود قرآن مجید کو جھگڑے کا مضمون بنا دیا ہے۔ پس تفسیر ہذا ہی واحد تفسیر ہے جس نے قرآن کو احادیث وغیرہ پر حکمران بنایا۔ اور اس کی اصل پوزیشن کو انسانی خیالات کی غلامی سے آزاد ثابت کیا ہے۔

ششم۔ حصہ اول کے باب سوم میں الہام وید کے متعلق بہت سے حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ اور قرآن مجید کے کتنے ہی سورتوں کے شروع میں آنحضرت نے وید پرم کا ثبوت دیتے ہوئے الم۔ کھیعص۔ طہٰ۔ طٰس۔ طسم وغیرہ الفاظ رکھے ہیں۔ ان کو وید کی روشنی میں تفسیر کرنے والا ہی صحیح صورت میں واضح کر سکتا ہے۔

ہفتم۔ ہم نے ہر امر متنازعہ کے متعلق صاف صاف ناقابل تردید دلائل اور ثبوت بھی پیش کر دیئے ہیں۔ خالی دعوے سے کام نہیں لیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

۳۲۔ دو حصے

ہماری تحقیقات سے ثابت شدہ یگانگت دو طرح سے پبلک کے سامنے پیش ہو سکتی ہے۔ ایک تو وید کی تعلیمات کے مقابلے پر قرآنی آیات سے وہی اصول دکھا کر۔ سو حصہ اول میں اس طریق کو اختیار کیا گیا ہے۔ وہ عالمگیر اتحاد۔ ضرورت الہام۔ الہام وید صفات باری تعالےٰ۔ پیدائش عالم۔ ازلیات ثلاثہ۔ آواگون۔ برہمچریہ۔ اہنسا۔ بہشت دوزخ۔ ثمرۂ اعمال۔ طریق عبادت۔ ورن ویوستھا۔ تحقیق حق و باطل۔ تردید گوشت خوری۔ حفاظت گائے۔ ممانعت قربانیٔ حیوانات۔ جنسی تعلقات۔ مساوات۔ انتظام خانہ داری۔ اصول و فروع وغیرہ پر ہر دو کتب مقدسہ کی باہمی مطابقت کو روز روشن کی طرح عیاں کیا گیا ہے۔

دوسرا طریق یہ ہو سکتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی ہر آیت پیش کر کے ثابت کیا جاوے۔ کہ سارے قرآن میں کہیں کوئی بات خلاف وید نہیں ہے۔ محض حصہ اول پڑھنے سے گمان ہو سکتا ہے۔ کہ ممکن ہے۔ حوالہ جات پیش شدہ کے علاوہ باقی آیات میں اختلاف موجود ہو۔ اس لئے ہم نے حصہ دوم میں قرآن مجید کی مکمل ویدک تفسیر پیش کر دی ہے۔ اور دیگر مفسرین سے معنے و مفہوم کے اختلاف کے متعلق بحث کر کے واضح کیا گیا ہے۔ کہ رسول صاحب کے اصل منشا۔ الفاظ کے مصدری۔ لغوی اور یا محاورہ معنے اور موقعہ و محل کے لحاظ سے ہم سے مختلف معنے لینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

۳۳۔ فریقین کی مضحکہ خیز پوزیشن

کامل یکسانیت کی موجودگی میں فریقین کی باہمی کشمکش محض ایک سادھو کے دو چیلوں کی مشہور کہانی کے مطابق ہے۔ دونوں نے گورو کی ایک ایک ٹانگ کو دبانا اپنے ذمہ لیا۔ گورو جی نے لیٹے لیٹے بائیں ٹانگ کو دائیں پر رکھا۔ تو برخوردار چیلے نے اسے اپنی ٹانگ کی توہین سمجھ کر لاٹھی سے بائیں ٹانگ کی وہ گت بنائی۔ کہ گورو جی دہائی دینے لگے۔ اور ٹانگ سوج گئی۔ دوسرا برخوردار باہر سے آتا۔ اور اپنی ٹانگ کی اس حالت پر تعجب سے استفسار کرتا ہے۔ جواب میں سارا ماجرا سن کر اس کی بھی رگ حمیت بھڑک گئی ہے۔ آؤ دیکھتا ہے نہ تاؤ دائیں پر لاٹھی رسید کر کے بائیں ٹانگ کا بدلہ لیتا ہے۔ اور اپنی گورو بھگتی کا ثبوت

دنیا ہے۔ ایک فارسی کتاب میں ہم نے بہرہ دار بندر کا یہی حال پڑھا تھا۔ کہ سوئے ہوئے مالک کی چھاتی پر مکھی چلتے ہوئے دیکھ کر اسے غیرت آئی۔ اور مکھی کو اڑانے کے لیئے مالک کی چھاتی پر تلوار سے وار کرنے لگا۔ کاش کہ جہالت کی تاریکی دلوں سے دور ہو۔ اور ایک دوسرے کی اصل صورت ہمارے سامنے آوے۔ اور ہم باہم ایک ہوکر اپنے واحد مقصد یعنی اصول توحید کی عظمت کا سکہ کل عالم میں بٹھا سکیں۔

ہمارا چشم دید واقعہ ہے۔ کہ چور کو پکڑنے کے لیئے مخالف سمتوں میں دوڑتے ہوئے دو پہریدار باہم گتھم گتھا ہوگئے۔ ہر ایک اپنی بہادری اور کامیابی پر نازاں تھا۔ کہ میں نے چور کو پکڑ لیا ہے۔ طاقتور نے کمزور کو پیٹا اور زخمی بھی کر دیا۔ لیکن روشنی آتے ہی سخت نادم ہوکر دوسرے کی مرہم پٹی اور رضا جوئی کے لیئے منت سماجت کرنے لگا۔

پس اصل بات یہ ہے۔ کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی اگر کوئی ویدک دھرمی یا مسلم بھائی مذہبی تفریق کی حمایت کرے گا، تو وہ وید یا قرآن سے اپنے صریح باغی ہونے کا ثبوت دیگا۔

ایک اور قصہ ہمارے سامنے ہے۔

۴۳۔ ہماری دُعا

ایک شخص تجارت کی غرض سے دور دیش میں گیا۔ بیوی حاملہ تھی۔ وہ بیٹا جنی جو بڑا ہوا۔ اور پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد کی طرف روانہ ہوا۔ ایک منزل باقی تھی۔ کہ رات گذارنے کے لئے ایک سرائے میں ٹھہرا۔ آدھی رات کے قریب اس کے پیٹ میں سخت درد ہوا۔ جتنے کہ وہ تڑپنے اور زور سے کراہنے لگا۔ پاس کے کمرے میں ایک امیر ٹھہرا تھا۔ وہ اس کی ہائے ہائے سے بیزار ہوکر سرائے دار کو کہتا ہے۔ اس مریض کو کسی اور جگہ لے جاؤ۔ ہمارے آرام میں خلل ہوتا ہے۔ لڑکے نے ہرچند رحم طلب کیا۔ اس کی ایک نہ سنی گئی۔ حتے کہ امیر اور سرائے دار نے مل کر اس کو ایک علیحدہ جگہ میں پہنچا دیا۔ مگر جونہی وہ لوٹنے لگے مریض نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ کہ اگر میں گذر جاؤں۔ تو میرے والدصاحب کو اطلاع دے دیجئے گا۔ پوچھا گیا۔ وہ کہاں ہیں۔ کیا کرتے ہیں۔ اور ان کا نام کیا ہے۔ جواب ملا۔ اگلے پڑاؤ پر وہ بڑے بھاری سوداگر ہیں۔ راجچندر ......۔ "یہ نام اس کے منہ میں ہی تھا۔ کہ امیر فرط محبت سے اسے لپٹ گیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ سرائے دار کی مدد سے بڑی احتیاط کے ساتھ اسے اپنے کمرہ میں لایا۔ اب آرام کہاں۔ ڈاکٹروں اور دواؤں کی تلاش ہے زر کثیر خرچ ہو رہا ہے۔ لیکن پیش نہیں جاتی۔ بیٹا چل دیتا ہے۔ بدنصیب راجچندر اپنے کیئے پر پشیمان اور اپنی قسمت کو روتا ہے۔ اور اپنے بیٹے کا آپ قاتل بننے کا خیال اس کے دل پر بار بار وہ کاری چوٹ لگاتا ہے۔ کہ وہ خود بھی جانبر نہیں ہو سکتا۔ موجودہ کشمکش کو جہالت پر مبنی سمجھ کر ہمارے دل سے سوال اٹھتا ہے۔ کہ کیا فریقین کی کامل تباہی کے بغیر ہمارا کوئی اور انجام بھی ممکن ہے۔ جواب ملتا ہے۔ ہاں ہاں سوتا اگر کی نفرت پر کوئی عالمگیر اصول نہیں تاریخ ایسی مثالیں بھی پیش کرتی ہے۔ کہ

دو حکومتوں کے حکمران ایک دوسرے کو کچلنے کے لیئے میدان جنگ میں بالمقابل کھڑے ہیں۔ مگر جونہی انہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے باہم باپ اور بیٹے کا رشتہ ہے۔ ہتھیار پھینک کر باہم بغلگیر ہوتے ہیں۔

کاش کہ فریقین پر تاریخ کی یہ اپیل اثر کرے۔ اور وہ سب کا محافظ اور سچا مددگار خدا ہماری اس دُعا کو قبول فرمائے کہ :-

" اے علیم بالذات! ہماری اس تصنیف کو اپنا غیبی کرشمہ بنا دے۔ جہالت میں مبتلا اپنے بندوں کو اس کے ذریعے ان کا باہمی رشتہ جتا دے۔ اور ہم بچھڑوں کے باہم بغلگیر ہونے کا مسرت بخش نظارہ اہلِ عالم کو دکھا دے۔ "

(اوم شم)

۳۵۔ جمیع علماء کرام سے اپیل

دیباچہ کو ختم کرتے ہوئے مسلم غیر مسلم سب علماء سے ادب کے ساتھ میری گذارش ہے۔ کہ وہ تکلید فضا اور تعصبات کے اثر سے اپنے تئیں پاک کریں۔ اگر علم تحقیق حق کے اس سود مند کو ہی واضح نہیں کرتا۔ تو اس کو علم کہنا ہی غلط ہے۔ مسلم علماء قرآن رسولِ خدا کے تابع ہیں۔ نہ کہ مترجموں اور ان کے ترجموں۔ مفسروں اور ان کی تفسیروں یا محدثوں اور ان کی حدیثوں کے۔ دماغ اور عقل پر بیرونی غلامی کا بوجھ اصل دین سے ہو فائدے بغیر نتیجہ نہیں لا سکتا۔ دوسری طرف ویدک دھرمی علماء کو آیات قرآن کو چھوڑ کر احادیث وغیرہ کی بناء پر اسلام کو مُتّہم کرنے سے باز آنا چاہئے۔ آریہ عالم براہمن گرنتھ یا پُران وغیرہ کے بیان کو مستند بالغیر سمجھتے ہیں۔ تب قرآن کے علاوہ اور تحریروں کو اسلام کے متعلقہ نکتہ چینی کا میڈیم بنانا کسی سچے محقق کا کام نہیں ہو سکتا۔ مہرشی دیانند نے جہاں صاف لکھا ہے۔ کہ میں ترجمہ قرآن پر نکتہ چینی کرتا ہوں۔ وہاں یہ بھی قابل غور ہے۔ کہ انہوں نے آیات قرآن کا ہی ترجمہ لیا۔ احادیث کو چھوا تک نہیں۔

نہ صرف یہ اسلامی لٹریچر متفقہ طور پر یہ واضح کرتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی ترتیب آنحضرت کے بعد صحابی جماعت نے کی ہے۔ اور صحابی جماعت کے لئے کافی مشکلات درپیش تھیں۔ آنحضرت کی تقریریں عربی رسم الخط میں نہیں۔ کوئی زبان میں نوٹ ہوتی تھیں۔ اور اس زبان میں مہاجنی لپی یا لنڈوں کی طرح نہ اعراب تھے نہ نقاط۔ پھر آیات لاکھوں حدیثوں میں خلط ملط تھیں۔ پس جہاں صحابی جماعت ان مشکلوں کو عبور کرتے اور قرآن کو اس صورت میں ترتیب دینے کے لئے قابل تحسین ہے۔ وہاں اس کو پڑا احتیاط حفاظت سے جیوں کا تیوں ہم تک پہنچانا علماء اسلام کی ہمت اولوالعزمی دینی محبت اور ایثار کا ثبوت ہے۔ ممکن ہے۔ جو قرآن پہلے پیش ہوا۔ اس میں بعض زیادہ لطیف مضامین اس وقت کے علماء کی سمجھ میں نہ آتے ہوں۔ اور ایسے ہی یہ بھی ممکن ہے۔ کہ قابل اعتراض مصالحے سے پہلے ترتیب دہندگان اسے آزاد اور پاک نہ رکھ سکے ہوں۔ اور چونکہ حقیقت اور سپرٹ کے لحاظ سے موجودہ قرآن قدیم تعلیم کے عین مطابق ہے۔ اس لئے معترضوں کی پیش کردہ فروعی غلطیاں میرے لئے بالکل ناقابل غور ہیں۔ اول تو احتمال معترض کے خود مغالطہ کھانے کا ہے۔ کیونکہ آنحضرت کے زمانہ کے عربی محاورات اور طرز بیان سے موجودہ وقت کا کوئی غیر مسلم عالم کماحقہ واقف نہیں ہو سکتا۔ دوسرے میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ سپرٹ اور اصل حقیقت کے لحاظ سے موجودہ قرآن قدیم دھرم کے کہیں خلاف نہیں گیا۔ اس لئے مسلم اور آریہ علما کو متفقہ طور پر ازلی ابدی سچائیوں کی اشاعت میں کوشاں ہونا چاہیئے۔ تاکہ نہ صرف ہم دونوں فریق کُل اہلِ عالم خدائے جل شانہ کی عنایت سے صراطِ مستقیم کی ہدایت سے سچے معنوں میں کامیاب ہو سکیں۔

لکھشمن

حصہ اوّل ۔ مطابقت تعلیم وید و قرآن

باب اوّل ۔ اتحاد عالمگیر

۱۔ طریق خطاب

وید میں جہاں بھی ہدایت کے لئے مخاطب کیا گیا ہے۔ کہا ہے۔ اے منشیو (انسانو) اے ددوا ڈو! (عالم لوگو) ہے راجن۔ ہے سینا پتی۔ ہے امرت پتر و وغیرہ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ملک قوم زمانہ یا خاص شخصیتوں کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ ہر زمانہ ملک اور قوم کے انسانوں کو بہ لحاظ ان کے صفات و افعال کے یکساں طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ قرآن کا طریق خطاب بھی ہوبہو یہی ہے۔ یَاَیُّھَا النَّاسُ (اے انسانو) (اے ایمان لانے یا حق کو ماننے والے لوگو) یَاَیُّھَا النَّبِیُّ (اے نبی) وغیرہ۔

معترض کہتا ہے۔ کہ قرآن تو محض عرب کے لئے مقصود ہے۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۷ میں لکھا ہے (۱) "اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف عربی قرآن کو وحی کیا ہے۔ تاکہ تو مکہ اور گرد و نواح کے لوگوں کو ڈرا دے"۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ قرآن کی تعلیم مکہ والوں کے لئے ہی ہے۔ بلکہ عربی زبان میں عالمگیر تعلیم کو پیش کرتا ہے۔ کیونکہ اہل عرب سنسکرت وغیرہ کو جانتے نہ تھے۔ اسی مدعا کو کئی اور جگہوں میں بھی واضح کیا گیا ہے۔ سورت المریم آیت ۹۷ میں کہا ہے۔ "ہم نے اس (الہامی علم قدیم) کو تیری (عربی) زبان میں آسان کیا ہے۔ تاکہ تو اس سے متقی لوگوں کو خوشخبری سنا دے اور گمراہ مخالفوں کو ڈرا دے۔" (۲)

پس تعلیم کے لحاظ سے اس اعتراض میں کوئی وزن نہیں۔ فی الحقیقت قرآن کا عربی میں ہونا وہی بات ہے۔ جو مہرشی دیانند کے ستیارتھ پرکاش کا ہندی میں ہونا ہے۔ ملک۔ قوم۔ مذہب۔ زبان وغیرہ کے لحاظ سے تفریق کا ہونا قدرتی یا منجانب اللہ نہیں۔ محدود العلم انسان کی فعل مختاری پر مبنی جہالت یا تنگ خیالی کا نتیجہ ہے۔ پس زبان تو مقرر یا سامعین کی مقامی یا زمانی حسب ان کی مخصوص حالت کے ہو سکتی ہے۔ اور مقصود اس سے عالمگیر تعلیم کے متعلق اشارہ کرنا ہی ہوتا ہے۔

۲۔ اتحاد اور اس کا صحیح مفہوم

رگوید اشٹک ۸ ادھیائے ۸ ورگ ۴۹ منتر ۲ میں ہدایت ہے۔

(۱) وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

(۲) فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا

"تمہاری چال یعنی تمہارے اعمال اور تمام طریقے نیک نیز ایک سے یا مساوات پر مبنی ہوں۔ تمہاری گفتار یعنی تحریر اور تقریر سچی اور اختلافات سے بالاتر ہو۔ تمہارے دل سچے علم سے روشن رہیں۔ تعصب، طرفداری اور جہالت سے پاک لوگوں کی تقلید کرتے ہوئے تم سچے گیان کے نزدیک ہوتے جاؤ۔ (۱)

اس سے اگلے منتر میں کہا ہے۔

"تمہارے منتر یعنی وچار ایک سے ہوں۔ یعنی تم سچے علم کو ہی حاصل کرو۔ سب کچھ دیکھو و سنو۔ مگر قبول حق کو ہی کرو۔ تمہارے اندر اختلافات نہ ہوں۔ تمہارے من اور چت یعنی سوچنے اور علم کا احساس کرنے والی طاقتیں ایک سی ہوں۔ بہ الفاظ دیگر تمہارے خیالات۔ تمہاری خواہشات۔ تمہاری یادداشتیں یا سنسکار سب نیک اور باہم مطابق ہوں۔ میری یہی آشیرباد دیا آگیا ہے۔ کہ تمہارے دل اور عمل میں مطابقت ہو۔ تم باہمی تعلقات میں سچائی اور مساوات کو مقدم سمجھو۔ حق کے ساتھ تم رہو۔ اور تمہارے ساتھ سچائی رہے (۲)

اسی طرح کتنے ہی منتروں میں مختلف پیرایوں سے انسانی جماعت کو مساوات اور عالمگیر اتحاد کا خیال دلایا گیا ہے۔ گویا نہ صرف اصول اتحاد واضح کیا ہے۔ اس کا صحیح طریق بھی بتا دیا ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ انسانوں کی رفتار اور گفتار ایک ہو۔ یعنی عمل قول کے مطابق ہو۔ لیکن ان دونوں میں مطابقت تبھی ہو سکتی ہے۔ جب دلوں میں میل ہو۔ اور اس میل کا انحصار ہے۔ ایک ہی قسم کے خیالات و خواہشات یا تعلیم و تربیت پر گھر میں اگر بیوی اور خاوند کا آرام و راحت سے گذر ہو سکتا ہے۔ تو ان کے دلوں کے ملنے سے۔ اس لئے شادی کے قول کا لب لباب ہی یہ ہے۔ کہ ہمارے من اور چت ایک دوسرے کے مطابق ہوں۔ استاد اور شاگرد کا تعلق اگر نیک نتیجہ لا سکتا ہے۔ تو ان کے دلوں میں باہم و انسداس اور علمی ترقی کے متعلقہ شوق و لگن ہونے سے ہی اس لئے گورو اور شش کے تعلق کا مرکز بھی دلوں کے میل کو ہی ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور ان شخصی اور محدود تعلقات سے گذر کر جب انسانی جماعت سے ہر فرد کا وسیع تعلق زیر بحث آتا ہے۔ تو بھی اسی ذریعہ اتحاد پر کل انسانی جماعت کو متحد کیا جاتا ہے۔

۳۔ وید کا زاویہ نگاہ

پھر وید ادھیائے ۳ منتر ۱۸ میں عملی زاویہ نگاہ پیش کر کے دفعہ ۲ کے مضمون کا انتہائی وسیع مفہوم پیش کیا گیا ہے۔ دعا مانگی گئی ہے۔ کہ

"ہے پرمیشور! ایسی کرپا کرو۔ ہم باہمی عداوت اور تعصبات سے پاک ہو کر محبت اور دوستی کا برتاؤ کریں۔ سب پرانی مجھے اپنا مترجانیں۔ اور میں سب پرانیوں کو اپنا دوست جانوں۔ ہمارا نفع نقصان دکھ سکھ سب ایک ہو جاوے۔ (۳)

१ सं गच्छ ध्वं सं वद ध्वं सं वो मनांसि जानताम् ।
देवा भागं यथा पूर्वे संजानाना उपासते ॥

२ समानो मंत्रः समितिः समानी समानं मनः सह चित्त मेषाम ।
समानं मंत्र मभि मन्त्र येवः समानेन वो हविषा जुहोमि ॥

३ दृते दृंह मा मित्रस्य मा चक्षुषा सर्वाणि भूतानि समीक्षन्ताम्
मित्र स्या हं चक्षुषा सर्वा णि भूतानि समीक्षे । मित्र स्य चक्षुषा समीक्षामहे।

دلوں کے ملانے میں ہی زاویہ نگاہ مدنظر ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ یہ یگانگت رونما کیسے ہو۔ مختلف خیال اور حال والے لوگوں کے جدا جدا دلوں والے منکے کس ایک ہی تاگے میں پرو دیے جاویں۔ اس کا جواب اتھروید ۱۳-۴-۱۰ میں یہ دیا ہے۔

(گو انسانی دل جُدا جُدا یا باہم مختلف ہیں) تاہم سب کو دھارن کرنیوالا پرمیشور تمام اختلافات سے بالاتر ہے۔ وہ ہی ایک ہے۔ ایک ہی ہے۔ یقیناً ایک ہی ہے۔ اسی کی قدرت میں سب دیوتا ایک ورت دایک ہی حالت میں قائم) ہو سکتے ہیں۔ (۱)

گویا وید ڈھارس بندھاتا ہے۔ کہ باہمی نفاق کی وجہ سے مایوس ہونا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ایک قادر مطلق خدا سب دلوں اور روحوں میں موجود ہے۔ اور اسی میں اسی کا سچا علم تمام کو متحد کر سکتا یا بکھرے موتیوں کو ایک ہی رشتۂ اتحاد میں پرو سکتا ہے۔

۴۔ سوامی دیانند کا انتہائے مقصود

اپنی عالمانہ تصنیف ستیارتھ پرکاش کے خاتمے پر مہرشی لکھتے ہیں۔

"اس بات (اہل مذاہب کے باہمی دشمنی پھیلانے) کی تردید اور کامل سچائی کے پرچار سے سب کو طریق یگانگت پر لا کر دشمنی چھڑا کر آپس میں مستحکم محبت سے بہرہ مند کرا کر سب سے سب کو آرام پہنچانے کے لئے میری کوشش اور میرا مدعا ہے۔"

رشی نے دھرم کو ایشوری امانت بنایا۔ اور اس کی تعریف یہ کی کہ

"بے رو رعایت انصاف کا رویہ راستگوئی وغیرہ اوصاف سے موصوف ایشور کے احکام ویدوں کے مطابق ہی دہرم ہے۔" اپنی رائے یا کسی اور مت کو قابل قبول نہیں بنایا۔ نہ اپنے ملک کی طرفداری کی۔ نہ آریہ سماج کو آریوں کی ترقی کے لئے بنایا۔ بلکہ ایک خاص نیم میں سنسار کا اُپکار کرنا آریہ سماج کا مقدم فرض ٹھہرایا۔ اور انسانی جماعت کی ترقی و بہبود میں ہی اپنی بہتری سمجھنے کے لئے ایک نیم میں ہدایت دی۔ کہ اپنی ترقی پر قناعت نہ کرو۔ اپنی حقیقی ترقی اپنے ہمجنسوں کی ترقی میں سمجھو۔

ستیارتھ پرکاش کے دیباچے میں آپ نے اپنی پوزیشن کو ان الفاظ میں واضح کیا۔

"گو میں ملک آریہ ورت میں پیدا ہوا۔ اور اسی میں رہتا ہوں۔ مگر جس طرح کہ یہاں کے مختلف فرقوں کی جھوٹی طرفداری نہ کر کے جوں کا تیوں ظاہر کر دیتا ہوں۔ ویسے ہی دوسرے ملک والوں یا مذہب پھیلانے والوں کے ساتھ بہبودیٔ عامہ کے متعلق برتتا ہوں۔ ویسا ہی غیر ملک والوں کے ساتھ بھی۔ ایسا ہی سب حق پسند لوگوں کا فرض ہے۔ کیونکہ اگر میں بھی کسی ایک مت کا طرفدار ہوتا۔ تو جیسے آجکل اپنے اپنے مت کی تعریف تائید اور اشاعت کرتے ہیں۔ اور دوسرے مذہب کی برائی کر کے اس کو نقصان پہنچانے اور اس کی مزاحمت کرانے پر تیار ہوتے ہیں۔ ویسا ہی میں بھی کرتا۔ لیکن ایسی باتیں انسانیت سے بعید ہیں۔"

۱- तमिदं निगतं सहः स एव एक एव वृदेक एव सर्वे अस्मिन देवा एक वृन्तो भवन्ति ॥

غرضیکہ وید کے فرمان کے مطابق سوامی دیانند کو محض اختلافات کو مٹانا اور بنی نوع انسان کو حق پر متحد کرنا ہی مطلوب ہے۔

۵۔ قرآن مجید اور رسول صلعم کی پوزیشن

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اسلام کی اس پہلو میں کیا تعلیم ہے۔

دفعہ اسی جو طریق خطاب بیان ہوا۔ اس سے بنیادی اصول تو واضح ہی ہے۔ اس کے علاوہ اور حوالہ جات قابل غور ہیں۔

(۱) سورۃ آل عمران آیت ۸ میں آنحضرت کے دل کی تہ سے نکلی ہوئی دعا ہے۔

"اے ہمارے رب! تو ہی وہ وقت لا سکتا ہے۔ کہ ہمارے اختلافات دور ہوں۔ اور ہم متحد ہو جاویں تحقیق اللہ اپنے قانون کے خلاف نہیں کرتا" (۱)

اس میں وید اور سوامی دیانند کی طرح اختلافات کا دور ہونا اور دلوں کا ملنا اتحاد کا اصل اصول بتایا ہے۔ جو لوگ یوں ہی اتحاد کی پکار مچاتے ہیں۔ اور تبلیغ حق سے دلوں کو نہیں ملاتے۔ انہیں کہا گیا ہے۔ کہ ایشور محض اتحاد کے لفظی جھوٹ منتر سے اپنے قانون کو توڑ نہیں سکتا۔ یعنی اتحاد کے لئے محض دلوں کے ملنے کا ہی قانون ہے۔

فاضل مفسرین اس قیمتی اور معنے خیز مفہوم کی بجائے یوں ترجمہ کرتے ہیں۔ کہ

"اے ہمارے رب! تو ہی ہم کو اس دن میں جمع کرنے والا ہے۔ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں"۔ اور اگرچہ آیت میں موہوم قیامت کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ تو بھی اس دن کو قیامت کا دن ہی کہتے ہیں۔ یہ خیال کہاں تک وزن دار ہے۔ اس کے لئے سلسلۂ مضمون کا طے ہونا ضروری ہے۔

اس سورۃ کی پہلی آیت میں کتاب بالحق کے ظہور اور نیچر میں موجود عالمگیر صداقتوں کی تصدیق نیز توریت اور انجیل کے ظہور کا ذکر ہے۔ اور چونکہ یہ تبلیغی جدوجہد محض اتحاد کے لئے مقصود ہے۔ اس لئے سلسلہ مضمون ظاہر ہی ہے۔ آیت نمبر ۳ میں قرآن مجید توریت اور انجیل کے علاوہ فرقان کے ظہور کا بھی ذکر ہے۔ اور فرقان کہتے ہیں حق و باطل کی تمیز اور ان کے باہم۔ فیصلہ کرنے والی کتاب فیصل کو۔ پس آیت زیر بحث میں یَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ کا مفہوم صرف یہی ہے۔ کہ وہ زمانہ جس میں اختلافات نہ رہیں۔

آیت نمبر ۶ میں کہا ہے۔

خدا ہی (کی عنایت) سے تجھ پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ جس میں ایک تو محکم (بے بدل اصولوں کو ظاہر کرنیوالی) آیتیں ہیں۔ یہ ام الکتاب ہیں۔ اور دوسری متشابہ آیتیں ہیں۔ سو جن کے دلوں میں جہالت یا گمراہی ہے۔ وہ ان متشابہ آیتوں کے ہی چکر میں پڑے مختلف تاویلات سے اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی صحیح تاویل سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ اور صحیح دپختہ علم والے یوں کہتے ہیں۔ کہ ہم ان سب کو خدا سے ہی مانتے ہیں۔ واقعی اہل عقل کے بغیر نفس مضمون کو کوئی نہیں سمجھتا" (۲)

---

(۱) رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

(۲) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ

ویدک رشی پرا اور اپرا دو قسم کی ودیا کو مانتے ہیں۔ پرتیکش اور پروکھش یا کثیف اور لطیف میں بھی علم کی تقسیم ہے۔ عقل کی رسائی اور روح سے گرہن ہونے والا بھی دو طرح کا علم ہے۔ سمادھی میں جو علم یا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس کے ماسوا ہے۔ کو اپنشد کار سنشے یا شکوک یا بھرانتی والی حالت کہتے ہیں۔ ایشور کے دیدار ہونے پر ہردے کی گانٹھ کھل جاتی اور سب شکوک مٹ جاتے ہیں۔ اسی کے مطابق متشابہ آیات سنشے والا علم ہیں۔ اور ام الکتاب عالمگیر بے بدل اصولوں والا علم ہے۔ اسی کو اصول اور فروع پر بھی چسپاں کر سکتے ہیں۔ اور امر مسلمہ ہے۔ کہ اصول میں تو سب متفق ہوتے ہیں۔ لیکن فروع میں اختلاف ہوتا ہے۔ بقول

Agreement in main and difference in detail

تعزیرات کی دفعات تو اصل قانون ہیں۔ اور لا رپورٹوں والے مقدمات کی نظریں پیش کرتے ہیں۔ اور یہ آیت بطور دریا بکوزہ واضح کرتی ہے۔ کہ فرقہ وارانہ یا مذہبی تقسیم محض مقامی زمانی شخصی یا فروعی امور کی مختلف تاویلات پر مبنی ہے۔ اور ام الکتاب ہی وہ ذریعہ ہے۔ جس سے اختلافات مٹے رہتے ہیں۔

اس کے بعد آیت نمبر ۷ میں دعا کی گئی ہے۔ کہ

"اے ہمارے پروردگار! ایسی عنایت کر کہ ہم ہدائیت پا کر اس سے ڈولنے نہ پاویں۔ اپنے حضور سے ہم پر رحمت فرما۔ واقعی تو ہی سچا داتی ہے۔" (۱)

پس سلسلہ مضمون محض اتحاد کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور عالمگیر اتحاد کے مول منتر کا ان آیتوں میں بطریق احسن بیان کیا گیا ہے۔

۶۔ یوم القیامت

دفعہ ۵ میں قیامت کا ذکر ہے۔ متعلق اور گو مفسرین نے اس خیال کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اور ہر کہیں دنیا کے خاتمہ پر میدان محشر میں تمام مردوں کے قبروں سے نکل کر جمع ہونے اور ان کے اعمال کے مطابق بہشت دوزخ ملنے کے بیان کو قیامت کے دن سے منسوب کیا ہے۔ تاہم حقیقت کے لحاظ سے یوم القیامت کا قرآن مجید میں کہیں بھی یہ مفہوم نہیں۔

قیامت کے معنے ہیں۔ کھڑا ہونا۔ قائم اور برقرار رہنا۔ اور اس لحاظ سے یوم قیامت ایک تو مرنے کے بعد پھر کھڑا یا پیدا ہونے کا دن ہے۔ دوسرے دنیا کا زمانہ قیام۔ اور تیسرے معنے ہیں۔ انسانی جماعت کی پرسکون یا راحت اور ترقی کی حالت۔ افسوس ایسی ذو معنی کلام کے مفہوم اور موقعہ و محل وغیرہ کا لحاظ نہ کر کے حقیقت پر تاریکی ڈالی گئی ہے۔ سورہ الجاثیۃ آیت ۱۷ میں ایک اور آیت میں کہا ہے۔

"خدا ہی ہے۔ جو زمانہ امن و اتحاد میں ان کے مابین امور متنازعہ فیہ کا فیصلہ کرتا ہے۔ یا یوں کہو۔ کہ خدا کی ہی عنایت سے امور متنازعہ فیہ کا فیصلہ ہو کر امن و اتحاد قائم ہوتا ہے۔" (۲)

بقیہ ۵۷
قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ
يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝
(۱) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝
(۲) اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

اگر یہ مطلب لیں۔ کہ قیامت کے دن خدا ان کے باہم فیصلہ کریگا۔ تو یہ فعل عبث ہوگا۔ کیونکہ اس فیصلے کا فنا کے وقت اثر کیا؟ سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۵۸ میں کہا ہے۔

کوئی بھی بستی نہیں۔ جسے ہم قیامت سے پہلے فنا نہ کریں گے۔ یا اسے عذاب شدید نہ دیں گے۔ یہ بات کلام الہی میں لکھی ہے۔ (۱)

قریہ کے معنے بستی بھی ہے۔ قوم بھی اور جسم بھی جسم پیدا ہونے سے پہلے ہلاک کیا جا رہا ہے۔ ہر انسان دکھ اور عذاب پا کر ہی سکھ کو حاصل کرتا ہے۔ یہی تپ اور اس کا پھل ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم میں جنگ کے بعد شانتی یا امن قائم ہوتا دیکھا جاتا ہے۔ موہومہ قیامت کے خیال سے آیت بے معنی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے مطابق ہلاکت اور عذاب قیامت کے بعد ہوگا۔ مگر آیت میں قیامت سے پہلے مذکور ہے۔ پس پہلے اختلافات کا فیصلہ ہونا اور نتیجے کے طور پر امن و اتحاد کے قیام والا دور ہونا ہی صحیح مفہوم ہے۔

ویدک دہرمی لوگ مانتے ہیں۔ کہ دو دیوتا چتر اور گپت نام کے انسان کے اعمال لکھتے ہیں۔ اور ان کے اعمال نامے کے مطابق موت کے بعد پھل ملتا ہے۔ چتر کے معنے ہے لکھنا۔ اور گپت کے معنے ہے۔ پوشیدہ اور مراد یہ ہے۔ کہ تمام اعمال کی یادداشتیں یا سنسکار روح پر رہتے ہیں۔ موت کے وقت جو جو سنسکار زوروں میں ہوتے ہیں۔ انہی کے مطابق اعلٰے یا ادنےٰ قالبوں کی تحریک یا تقدیر ہوتی ہے۔

قرآن سورۃ الانفطار آیت ۱۰ تا ۱۲ میں اس فلاسفی کو یوں بیان کیا ہے۔ کہ

یقیناً تم پر محافظ تعینات ہیں۔ کراماً کاتبین جو کچھ تم کرتے ہو۔ وہ جانتے ہیں۔ (۲)

اور کراماً کاتبین والے اعمالنامے ہی قرآن میں آئیندہ تقدیر کے اصل موجب ہیں۔ چنانچہ سورۃ المجادلۃ میں ہے۔ کہ جب خدا ان سب کو پھر پیدا کرے گا۔ ان کے عمل ان کے سامنے رکھدیگا۔ اس نے انہیں محفوظ رکھا ہوا ہے۔ خواہ انسان انہیں بھولا ہوا ہے۔ واقعی خدا تمام امور کا ساکھشی ہے۔ (۳)

اس آیت میں جس لفظ کے معنے ہم پھر پیدا ہونے کا وقت کرتے ہیں۔ وہ ہے۔ یَوْمَ یَبْعَثُھُمُ اللّٰہُ جَمِیْعاً اور بعثت کے معنے پیدا کرنا دھیمیاً کے مسلمہ ہیں۔ اور چونکہ قرآن اس کے بعد اسی خیال کو یَوْمَ القیامت سے منسوب کرتا ہے۔ اس لئے یوم القیامت کا مفہوم پنرجنم والا بھی صاف ظاہر ہے۔ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

کوئی سے بھی تین مشورہ کرتے ہیں۔ تو چوتھا خدا ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی پانچ ہوں۔ تو وہ چھٹا ہے۔ غرضیکہ کم ہوں یا زیادہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ خواہ کہیں ہوں۔ پھر وہی قیامت کے دن ان کے عمل ان پر واضح کرتا ہے۔ (۴)

---

(۱) وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُورًا ۝

(۲) وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِينَ ۝ كِرَامًا كٰتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝

(۳) يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا أَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوهُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

(۴) مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

پس یہاں یوم بعثت اور قیامت دونوں پنرجنم کے واسطے ہیں۔ جب اعمال کا ثمرہ ملتا ہے۔
سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۴ میں ہے۔

اور جو کوئی میری عبادت یا میرے الہامی علم سے کنارہ کریگا۔ اس کے لئے وجہ معاش تنگ ہوگی۔ اور وہ قیامت (پنرجنم) کے دن اندھا پیدا کیا جاویگا۔ (۱)

اس آیت کو جتنا بھی غور سے دیکھیں گے۔ اتنا ہی یوم القیامت کی حقیقت اگلے جنم کی واضح ہوگی۔ رہا امن واتحاد کا زمانہ۔ اس کے لیے کئی جگہ لفظ آتا ہے۔ یَوْمَ الْجَمْعِ۔ اکٹھا ہونے کا وقت سورۃ التغابن میں ہے۔

جس دن خدا تمہیں اتحاد کا دور لانے کے لئے جمع کرے گا۔ وہ یوم التغابن ہے۔ (۲) اور سورۃ الشوریٰ آیت ۷ میں کہا ہے۔ (۲)

اور اسی طرح ہم نے عربی قرآن کو تیری طرف وحی کیا ہے۔ کہ تو مکہ اور گرد و نواح کے لوگوں کو ڈرا دے اور اس زمانہ اتحاد کی انہیں خبر سنا دے۔ جس میں جنت والا فریق بھی ہوگا۔ اور دوزخ والا بھی (۳)

مفسرین یوم التغابن اور یوم الجمع کو بھی روز قیامت کہہ دیتے ہیں۔ لیکن ان میں صریحاً جمع یا متحد کرنے کا مطلب ہے۔ کیونکہ سورۃ الشوریٰ کی اگلی آیت میں اتحاد ہی کا بیان ہے۔ کہ

اور اگر اللہ چاہے گا۔ تو تمہیں ایک ہی امت کر دے گا۔ مگر جس کو چاہے گا۔ اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ اور جو گنہگار ہوں گے۔ ان کا نہ کوئی ولی ہوگا۔ نہ معاون۔ (۴)

پہلی آیت میں بھی نیک اور بد سب کو عربی قرآن کے ذریعے سچے دین کی طرف آنے کے واسطے بیدینی سے یا کفر سے ڈرانا مذکور ہے۔ اور اس آیت میں بھی ایک ہی امت ہونے کا بیان ہے۔ اور سمجھایا گیا ہے۔ کہ اس میں یہ مطلب نہیں۔ کہ ایک امت ہو جانے سے خدا سب کو سکھ ہی دے گا۔ بلکہ جیسے پہلے سکھی دکھی موجود ہیں۔ ویسے ہی جو اس خدا کے حکموں پر چلیں گے۔ انہی پر اس کی رحمت ہوگی۔ اور جو دھرم کے خلاف عمل کریں گے۔ ان کو دکھ سے کوئی بچا نہ سکیگا۔

جو لوگ سبز باغ دکھا کر جنت اور نجات کے نام سے سادہ لوح لوگوں کو ٹھگتے ہیں۔ وہ آنحضرت کی مثال سے سبق لیں۔ اور دیکھیں کہ کس طرح بے لاگ لپیٹ اور صاف بات کہی جاتی ہے۔ کہ ایک تو عربی

---

(۱) وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ٥
(۲) يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ٥
(۳) وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ
فَرِيْقٌ مِنَ الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ٥
(۴) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ
مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ٥

قرآن کے ذریعے ہدایت پاکر سب ایک امت ہو جاؤ۔ اور دوسرے اچھے عمل کرو۔ تب سکھ ہوگا۔ خالی ایمان کا یا زبانی اتحاد سکھ نہیں دے گا۔

سورۃ الانعام آیت ۱۲ میں ہے۔

رحمت کرنا اس کا ذاتی و فطرتی خاصہ ہے۔ وہ ایسے زمانہ قیام امن میں متحد کرے گا۔ جس میں کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ مگر جو لوگ خود نقصان کرنے والے ہیں۔ وہ اس کو نہیں مانتے۔ (۱)

اس میں بھی یوم القیمۃ صریحاً زمانہ امن و اتحاد کے لئے ہی آیا ہے۔

سورۃ الاعراف آیت ۳۲ میں کہا ہے۔

"کہو کون حرام کہہ سکتا ہے۔ اللہ والی زینت کو۔ جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ نیز پاک اشیاء کے رزق کو کہو۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہیں۔ جو اس دنیا کی زندگی میں ایماندار رہتے ہیں۔ بالخصوص سکھ کے زمانے میں (۲)

سلسلہ مضمون سے پایا جاتا ہے۔ کہ اہل ایمان دنیوی زندگی میں تقویٰ اور اعتدال پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے لئے اللہ کے عطا کردہ سامان حرام نہیں ہو سکتے۔ خاص کر امن و عافیت کے زمانے میں ان کو حرام کرنا چہ معنے۔ مطلب یہ کہ امن و اتحاد کے زمانہ میں سارے سامانوں کو آرام و آسائش کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی مفہوم لیا جا سکتا ہے۔ کہ مفلسی میں تو عیاشی ہو نہیں سکتی۔ اصل امتحان تو ترقی اور مرفہ حالی میں ہی ہو سکتا ہے۔

یہاں صریح طور پر یوم القیامت امن و اتحاد اور ترقی کے زمانہ کے لئے ہے۔ موہومہ قیامت یا فنا کے وقت ان کا حلال ہونا چہ معنے۔ اس وقت تو دوزخ کا بھی زور ہوگا۔

۷۔ مشنری سپرٹ اور رواداری

سچے سنیاسی: ویدک دھرم کی تعلیم کے مطابق خوشی غمی۔ عزت ہتک۔ سکھ۔ دکھ وغیرہ کا خیال چھوڑ کر حق کی ہی تبلیغ کرنے کے ذمہ وار ہیں۔ جسمانی زندگی کا محفوظ رکھنا ان کے لئے فروعی امر ہے۔ مقدم خواہش ان کی روح کو جہالت سے محفوظ رکھنے۔ اور عوام الناس کو جھوٹ اور دکھ سے بچانے کی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں یہی کچھ رسول کے لئے ہے۔

(سورۃ المائدہ آیت ۹۸) رسول پر لوگوں تک حق پہنچانے کے سوا کوئی ذمہ واری نہیں (۳)

پھر دنیاوی حکومت کا تعلق بیرونی نگرانی سے ہے۔ اس کا ہتھیار ہے۔ سزا وہ قید وغیرہ سے سدھار کرتی ہے۔ اشاعت تعلیم کے کام میں سزا اور محبت دونوں کا تعلق ہے۔ گرو محبت سے سمجھا کر کبھی اپنے شاگرد

(۱) كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔

(۲) قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔

(۳) مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۔

کو سدھارتا ہے۔ اور سزا دے کر بھی۔ لیکن عام لوگوں کے سدھار کے لئے محض پریم کا جذبہ چاہئے۔ مشنری لوگ جان کے لالے پڑنے پر بھی دوسروں سے پریم بھرا سلوک کرتے ہیں۔ جیسا کہ سوامی دیانند کے کتنے ہی موقعوں کے عمل سے ظاہر ہے۔ اور جیسا کہ قرآن کی اس ہدایت سے آشکارا ہوتا ہے کہ

بدی کے بدلے بھی نیکی کرو۔ جیسا کہ مکہ میں بطور فاتح داخل ہونے پر بھی آپ نے یہی سمجھایا کہ

"خبردار! جن لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام میں جانے سے روکا تھا۔ ان سے عداوت یا انتقام کے جذبہ کے زیر اثر کوئی زیادتی نہ کر بیٹھنا۔" (۱)

اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا۔ کہ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تعاون کرو۔ گناہ یا ظلم کے کاموں میں کوئی کسی کی اعانت نہ کرے (۲) رسول صلعم کا یہ خاص مقولہ تھا۔ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (بقر۔ ۲۵۶) یعنی دین میں سختی یا نفرت وغیرہ کا کوئی تعلق نہیں۔ پریم ہی سچے مشنری کا زیور ہے۔

مخالفین اعتراض کرتے ہیں۔ کہ جب تک کمزوری رہی۔ تب تک آنحضرت نرمی کے حق میں رہے۔ لیکن طاقت ہونے پر تلوار یا سختی کو کام میں لایا گیا۔ پر جب مکہ میں بطور فاتح داخل ہونے پر مذکورہ بالا محبت بھرا اعلان موجود ہے۔ تو اعتراض محض جھوٹا بہتان ہے۔

سورۃ بقر آیت ۲۷۲ میں کہا ہے۔ کہ دان دیتے ہوئے مذہبی ہدائیت کا دخل نہ کرو۔ ان کو راہِ راست پر لانا دانیوں کے ذمے نہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے۔ راہِ راست پر لاتا ہے۔ اور جو کچھ بھی تم نیکی میں خرچ کرتے ہو۔ وہ اپنی ہی ذات کے واسطے کرتے ہو۔ (۳)

پس قرآن کی رو سے تو مشنری سوسائیٹیاں جس طرح مالی مدد وغیرہ کو تبدیل مذہب کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ سب کچھ معیوب ہے۔ اور جب خیرات سے بھی اس پہلو میں فائدہ اٹھانا ممنوع ہے۔ تو جبر اور تلوار سے دینی ترقی کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

۸۔ اتحاد کی لازمی شرائط

نہ صرف قرآن کل انسانی جماعت کے اتحاد کا ہادی ہے بلکہ عملی اور پائیدار اتحاد کے لئے شرطیں بھی وہ پیش کرتا ہے۔ جو بالکل معقول ہیں۔

سورۃ الانبیا آیت ۹۲ و سورۃ المومنون آیت ۵۲ میں کہا ہے۔

"تحقیق یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس میری ہی عبادت کرو۔ (۴)

اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو۔ ہاں بات کرو۔ تو نہائیت موزوں طریق سے مگر ادھر ہی اس سے مستثنیٰ ہیں انہیں

---

(۱) وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ

(۲) وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ

(۳) لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاۗءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

(۴) اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ڮ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝

یہ کہو۔ کہ ہم تو اسی کو مانتے ہیں۔ جو ہم پر نازل ہوا۔ اور تم پر بھی اور ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہے۔ اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ (۱) عنکبوت ۴۶

گویا آنحضرت اپنے پر اسی علم کا نازل ہونا مانتے ہیں۔ جو پہلے اہل کتاب پر نازل ہوا۔ اور خدا بھی دونوں فریق کا ایک ہی ہے۔ اور مسلمانوں کو یہی سنانا چاہیئے۔ کہ ہم اسی خدا اور اس کے الہام کے تابع ہیں۔ جو ہمارا اور آپ کا ایک ہی ہے۔

سورہ یونس آیت ۵۷ و ۵۸ میں کہا ہے۔

اے لوگو! یقیناً سچی ہدایت تمہیں تمہارے پروردگار سے ملی ہوئی ہے۔ وہ امراض قلبی کی دوا اور اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ کہہ دو۔ کہ اللہ کے فضل اور رحم کی بدولت وہ اسی پر خوش اور مطمئن رہیں وہی بہترین اندوختہ ہے۔ (۲)

سورۃ الجاثیۃ آیت ۱۶ تا ۱۸ میں ہے۔

ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت دی۔ اور پاک چیزوں والا رزق اور اہل عالم پر انہیں فضیلت دی۔ اور دین کے مسلمہ اصولوں کا علم۔ مگر ان لوگوں نے علم پاکر بھی باہمی کاوشوں سے علیحدہ علیحدہ مذہب بنالئے ہیں۔ تحقیق تیرا رب ان کے اختلاف مٹا کر انہیں متحد کریگا۔ ہم نے تم کو اپنے احکام کی شریعت پر قائم کر دیا ہے۔ پس اسی کی پیروی کر۔ بے علموں کے جذبات پر نہ چل۔ اللہ کے مقابلے میں یہ لوگ تمہارے کسی کام نہیں آسکتے۔" (۳)

اس آیت سے ظاہر ہے۔ کہ خدا نے آغاز عالم کے لوگوں کی نسل کو الہامی کتاب اور حکمت اور دنیا کی رہنمائی کی قابلیت اور آرام اور پرورش جسم وغیرہ کے لئے پاک وسائل اور اہل عالم پر برتری دی۔ ۲۔ بعد میں جہالت عداوت یا تعصب وغیرہ سے جدا جدا مذہب چلے۔ (۳) خدا کی عنایت سے یہ اختلافات دور ہو کر سب انسان ایک ہی دھرم میں پھر متحد ہوں۔ یہ رسول کی دعا اور خواہش ہے۔ (۴) رسول کو اسی قدیم علم والے احکام کی شرع پر خدا نے اپنی عنایت سے قائم کیا۔ (۵) عام بے علم لوگوں کے جذبات جہالت پر مبنی ہیں۔ اس لئے خدا کے علم کی اشاعت کے پاک فرض کی تکمیل میں انہیں کچھ وقعت نہ دینی چاہیئے۔

۱۔ وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ
اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

۲۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

(۳) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ
وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ
اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

سورۃ الشوریٰ آیات ۱۳ تا ۱۵ میں اس کو اور بھی واضح کیا ہے۔ کہ تمہارے لئے دین کی وہی شرع ہے جو نوح کو کہی گئی تھی اور جو تمہاری طرف دی گئی ہے اور جس پر چلنے کا نوح ابراہیم موسیٰ عیسیٰ کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ وہ اسی دھرم کو قائم رکھیں۔ فرقہ بندی نہ ہونے دیں۔ مگر مشرکوں کو اس کی دعوت دوبھر یا ناگوار ہے۔ خدا ہی جسے چاہے۔ اپنی طرف چنتا اور اپنی طرف رجوع کرنے والے کو ہدایت دیتا ہے۔ اور علم حق مل چکنے کے بعد جو بھی تفریق ہوئی۔ باہمی ضدوں پر مبنی تھی۔ اور وقت مقررہ تک تیرے رب والی کلام کی تعلیم ملے بغیر ان کے مابین فیصلہ نہ ہوگا۔ دیگر مشکل یہ ہے کہ ان کے بعد کے کتاب الٰہی کے وارث خود اس کے متعلق یقینی علم نہیں رکھتے۔ سو تو اسی کی طرف دعوت دے۔ اور اسی پر قائم رہ۔ جیسا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اور ان کے جذبات کی پیروی نہ کر۔ ہاں یہ کہو۔ میں اسی کو صحیح مانتا ہوں۔ جو خدا نے کتاب الٰہی میں ظاہر کیا ہوا ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے۔ کہ میں تمہارے درمیان فیصلہ با انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا رب ہے۔ اور تمہارا بھی۔ ہم نے اپنے کرموں کا پھل پانا ہے۔ تم نے اپنوں کا۔ ہم میں اور تم میں جھگڑا ہی کیا ہے۔ خدا ہمارے درمیان اتحاد لا دے۔ کیونکہ اللہ ہی کی طرف ہم نے پھرنا ہے۔ (۱)

المختصر یہ کہ آنحضرت کا نصب العین کامل طور پر وہی ہے۔ جو وید کا ہے۔ اور کسی نئے مذہب پر نہیں۔ بلکہ ازلی ابدی واحد خدائے عالم اور اس کی آغاز عالم سے ملی ہوئی الہامی تعلیم اور بے بدل عالمگیر اصولوں پر مبنی نوع انسان کا متحد ہونا ہی ان کا انتہائی مقصود ہے۔

سوامی دیانند ستیارتھ پرکاش میں اپنے اعتقاد کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ میں ان عالمگیر صداقتوں کو ماننا اور منوانا چاہتا ہوں۔ جنہیں برہما سے جیمنی تک سب رشی منی مانتے آئے ہیں۔ اور مانیں گے۔ برہما کی جگہ قرآن میں ابراہیم ہے منو وغیرہ کی جگہ نوح موسیٰ ہیں۔ اور سوامی جی جیسا سب رشیوں کو سچے اصولوں پر متفق مانتے ہیں۔ ویسا ہی سورۃ البقرہ آیت ۱۳۶ نیز آل عمران آیت ۸۴ میں کہا ہے۔

تم کہو ہم تو اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اس پر جو ہم پر ظاہر ہوا۔ نیز ابراہیم۔ اسماعیل۔ اسحاق۔ یعقوب آل یعقوب۔ موسیٰ۔ عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں پر ان کے پروردگار سے ظاہر ہوا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں اختلاف نہیں پاتے۔ اور ہم اسی کو تسلیم کرتے ہیں۔ (۲)

ایسا ہی بقرہ ۲۸۵ میں کہا ہے۔

۱۔ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ۔ وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ

(۲) قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۔

رسول اس پر ایمان لاتا ہے۔ جو اللہ کی طرف سے اس پر نازل ہوتا ہے۔ اور مومن بھی سب اللہ۔ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں۔ (کہ ان کا دین ایک ہی ہے) اور ان میں سے کسی میں اختلاف نہیں پاتے۔ (۱)

پس ایک خدا اور اس کے سچے دین کی لازمی شرطیں آنحضرت اتحاد کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اور سورہ آل عمران آیت ۶۳ میں کل اہل کتاب کو سچے اتحاد کے لئے یوں دعوت دیتے ہیں۔ کہ

اے اہل کتاب آؤ۔ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں برابر ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ خدا کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور اللہ کے سوائے کسی کو ہم میں سے کوئی اپنا رب نہ سمجھے۔ پھر بھی اگر انحراف کریں۔ تو کہدو۔ کہ تم اس بات کے گواہ ہو۔ کہ ہم (اصل اصول کو) مان رہے ہیں۔ (۲)

رسول صلعم نے جو سکیم اتحاد کا اس وقت کے علما کے سامنے عرب میں رکھا تھا۔ وہی سوامی دیانند نے بھارت ورش میں دہلی دربار کے موقعہ پر تمام لیڈروں کے سامنے رکھا تھا۔

منشی کنہیا لال الکھ دھاری۔ بابو نوین چندر رائے۔ بابو کیشب چندر سین۔ منشی اندرمن۔ آنریبل سید احمد خان۔ ہرسچندر چنتامنی وغیرہ اس کانفرنس میں شامل تھے سوامی جی نے ایشور اور وید پر متفق ہو کر ملک کا سدھار کرنے کی اپیل کی۔ اور بہت سمجھایا۔ مگر افسوس۔ باوجود سب باتوں کے صحیح ماننے کے نیتاؤں کا اتحاد نہ ہوا۔ تاہم قرآن کا فرمان صحیح ہے۔ کہ خدا کے اعتقاد اور اس کے الہامی علم کے پرچار سے ہی اختلافات مٹیں گے۔ اور سچا اتحاد ہوگا۔

۹۔ جہاد مانع اتحاد نہیں

قرآن میں کھشاتر دھرم کا بھی ذکر ہے۔ مگر رسول صاحب کا تعلق مذہبی جدوجہد تک ہی محدود رہا ہے۔ وعظ اور مذہبی مباحثہ جات کی آپ کو وہ لگن تھی۔ کہ وہ ہر وقت خود اسی کام میں لگے رہتے۔ اور اپنے پیروؤں کو بھی اسی طرف مائل کرتے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ اس جدوجہد والا جہاد اتحاد میں روک نہیں۔ بلکہ اس کا معاون ہے مفسرین نے سورۃ الانفال میں جہاد کا تعلق جنگ بدر سے جوڑا ہے سورۃ التوبہ کا جنگ تبوک سے۔ احزاب کا جنگ احزاب سے۔ لیکن درحقیقت ان سورتوں میں جنگ سیف کا کوئی تعلق نہیں۔

۱۰۔ جنگ بدر

سورۃ الانفال اشاعت حق کے لئے ہی ضروریات سے زائد دولت کو وقف کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ اور

۱۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۝

۲۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

داعی لوگوں کو وعظ حق اور مباحثہ جات کے یقینی اثر اور فوائد بتاتا ہے۔ چنانچہ آیت ۶ سے عظیم الشان مباحثہ کا ذکر چلایا گیا ہے۔ پہلے کہا ہے۔

تیرے ساتھ حق کے بارے میں جھگڑا ہے حالانکہ واضح ہو چکا ہے کہ (حق کے بغیر) لوگ خود موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔(۱) اس کے ساتھ ہی کئی امور قابل غور ہیں۔

۱۔ مذہبی دنیا کے واقفکاروں سے پوشیدہ نہیں۔ کہ مذہبی جنگ محض سچائی کی خاطر ہوتا ہے۔ جنگ سیف کا حق و باطل کی تمیز کرانے سے تعلق نہیں۔

۲۔ اس کے علاوہ موت کا مفہوم مرنا مارنا وغیرہ ہی نہیں۔ زندگی اور موت کا لفظ اہل مذہب عام استعمال میں لاتے ہیں۔ ایمان زندگی ہے کفر موت ہے۔ علم زندگی ہے۔ جہالت موت ہے۔ طاقت زندگی ہے۔ کمزوری موت ہے۔ اسی طرح سچ زندگی ہے۔ اور جھوٹ موت ہے۔

۳۔ حق سے انحراف کو بھی آیت میں موت کی طرف ہانکا یا موت کے منہ میں جانا کہا ہے۔ اور یہ لفظ مد حق کے متعلق جھگڑا ہونے کے خیال کے اس بیان کو خاص مذہبی مباحثہ سے منسوب بتاتا ہے۔ لیکن مفسرین کہتے ہیں یہاں جنگ بدر کا ذکر ہے۔

۴۔ آیت ۶ کے الفاظ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ کے متعلق وہ کہتے ہیں۔ کہ

"مکہ سے کفار کا لاؤ لشکر چل رہا تھا۔ اور آٹھ نو منزل چل کر بدر پہنچا تھا۔ اور رسول کو اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے موت گویا ان کے سامنے تھی" لیکن نہ سورۃ میں بدر کا لفظ ہے۔ نہ کفار کے لاؤ لشکر یا رسول کو اطلاع ملنے کا۔ نہ اس طریق استدلال سے رسول صلعم کی زندگی کے دوسرے واقعات جنگ سیف کے علاوہ کسی اور مفہوم پر لگ سکتے ہیں۔ نہ قرآن سے کوئی جواب مل سکتا ہے۔ کہ کیوں یہاں جنگ بدر کا لفظ نہ لکھ دیا گیا۔ اور نہ مفسرین کا دعوے ہے۔ کہ جنگ بدر کے سوائے آیات کا کوئی اور مفہوم نہیں ہو سکتا۔

۵۔ آیت ۷ میں کہا ہے۔ کہ خدا نے دو گروہوں میں سے ایک کے لئے مقدر کیا تھا۔ کہ وہ تمہارے لئے ہو۔ یہ دو گروہ قرآن میں عام طور پر برہمن اور کشتری ہیں۔ سچے اور جھوٹے دو گروہ بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن مذہبی متین کے لئے خدا کی طرف سے محض برہمن لوگ ہیں۔ اور آگے یہ کہا ہے۔ کہ رسول بھی چاہتا تھا۔ کہ غیر ذات الشوکت یعنی وہ لوگ جو ظاہری شان و شوکت کے لئے مقصود نہیں۔ میری طرف ہو جاویں۔ مفسرین اس کے معنے بے ہتھیار لوگ کرتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں بھی جنگ کا تعلق قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ بے ہتھیار لوگوں کو محض مباحثہ وغیرہ میں امن پسند لیڈر ساتھ لے سکتے ہیں جنگ سیف میں ایسوں کو کوئی چاہ نہیں سکتا۔

۶۔ کہا جاتا ہے۔ کہ دو گروہ سے مراد مسلح اور غیر مسلح لوگ ہیں۔ کفار مکہ مسلح تھے۔ اور ابوسفیان والا تجارتی قافلہ غیر مسلح تھا۔ لہذا رسول چاہتے تھے۔ کہ بے ہتھیار تجارتی قافلہ سے مقابلہ ہو۔ تو آسانی سے

(۱) يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ ه

لوٹ کا مال ملیگا۔ لیکن اس کا مطلب مومنوں کا ارتکاب جرم ہوگا۔ نیز بزدلی اور رسول صلعم جیسے بے غرض مذہبی مشنری کی اصل سپرٹ کے قطعاً خلاف اور اس صورت میں موت کی طرف ہانکا جانا بھی غلط ہوگا۔ کیونکہ لوٹ سے زندگی کا سامان پانے کا منصوبہ ہی مقصود ہو سکتا ہے۔ رسول کا دنیوی شوکت سے محروم لوگوں کے ملنے کے لئے دعا کرنا اس مفہوم میں لیا جائے۔ تو یہ سلسلہ مضمون کے بھی خلاف ہوگا۔ کیونکہ

(۷) آیت ۷ تا ۹ میں کہا ہے۔ کہ خدا کو یہی منظور تھا۔ کہ اس کی کلاموں سے حق کی حقانیت ظاہر ہو جاوے۔ اور کافروں کی جڑ کٹ جاوے۔ گو مجرم لوگوں کو برا لگے۔ تو بھی تمام لوگوں پر ظاہر ہو جاوے کہ حق حق ہے۔ اور باطل باطل ہے۔ (۱)

خدا کی کلاموں اور حق و باطل کے متعلق فیصلے اور کافروں کی جڑ یعنی جھوٹ کے کٹ جانے کے الفاظ تمام متفق الزبان ہوکر اس سورت کو عظیم الشان مباحثے سے وابستہ کرتے ہیں۔

۸۔ آیت ۹ میں بیان ہے۔ کہ رسول مدد کے لئے دعا مانگتے تھے۔ سو وہ منظور ہوئی۔ خدا نے ایک ہزار رہنما فرشتوں سے آپ کی مدد کی۔ (۲)

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا کی عنائیت اور اس کے الہامی کلاموں کی سند سے آنحضرت نے حق کا بول بالا اور جھوٹ کا منہ کالا کر دکھایا۔ اور ایک ہزار برہمن آپ کی طرف ہو گئے۔ مُردِفِین کے معنے آگے چلنے والے یا رہنما لوگوں کے ہیں۔ اور برہمنوں کو قرآن بھی رہنما کہتا ہے۔ مگر مفسرین کہتے ہیں۔ کہ آیت ۹ کے لفظ اَلْمَلٰئِکَۃ مُرْدِفِیْنَ کے معنے آگے چلنے والے فرشتے ہیں۔ اور یہ فرشتے بقول بعض غیر مرئی یعنی نظر نہ آنے والے تھے۔ اس پر اعتراض ہوا۔ کہ نظر نہ آنے والوں سے فائدہ کیا۔ تو آیت ۱۰ سے اس کا جواب نکالا گیا۔ کہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان ڈالتے تھے۔ اور آیت ۱۲ سے مخالفوں کے دلوں میں رعب ڈالتے تھے۔ لیکن جب یہ کام اطمینان اور رعب کا آنحضرت سے پہلے اور پیچھے ہمیشہ ہی بغیر لطیف فرشتوں کے بھی ہوتا آرہا ہے۔ تو محض اسی ایک وقت میں اس کے امر واقعہ ہونے کا ثبوت کیا۔ اور نظر نہ آنے والوں کے متعلق آگے چلنے کا علم کیسا۔

۹۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ فرشتوں نے درحقیقت جنگ کیا۔ ان کی روایتیں اس قسم کی ہیں۔ کہ ایک انصاری ایک کافر کا تعاقب کر رہا تھا۔ کہ اس نے ایک کوڑے کی آواز سنی۔ اور کافر گر گیا۔ رسول صاحب سے ذکر ہوا۔ تو انہوں نے کہا۔ یہ فرشتے کا کام ہے۔ ابوجہل نے ابن مسعود سے پوچھا۔ کہ یہ کیا بات تھی۔ کہ ہم آواز سنتے تھے۔ پر شکل نہ دیکھتے تھے۔ جواب ملا۔ یہ فرشتے تھے۔ بعض یہاں تک کہتے ہیں۔ کہ انہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور وہ انسان کی شکل میں لڑے۔ لیکن بیان القرآن بجا طور پر کہتا ہے۔ کہ قرآن کریم کی صراحت ان باتوں کے قطعاً خلاف ہے۔ اور امام رازی حضرت ابن عباس وغیرہ سب

۱۔ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

۲۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝

اس کی تردید کرتے ہیں۔ کہ نہ وہ لڑائی کے لئے مقصود تھے۔ نہ وہ لڑے۔ نہ صرف یہ تمام معتبر راوی متفقہ طور پر رائے دیتے ہیں۔ کہ کسی بھی اسلامی جنگ میں فرشتے نہیں لڑے۔ پس ایک ہزار رہنما فرشتے محض دنیوی مال و دولت سے بے پرواہ واعظ لوگ تھے۔ یا برہمن وغیرہ

۱۰۔ آیت ۱۱میں لفظ ہے۔(یُغَشِّیکُمُ النُّعَاسَ)۔ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے۔ کہ تمہیں سکھ کی نیند سلایا۔ یہ لازمی نتیجہ تھا۔ مباحثہ کی کامیابی کا۔ رسول نے تفکرات اشاعت مذہبی کے متعلق قرآن کے رو سے ان پر ہر وقت غالب رہتے تھے۔ اور مباحثے کی فتح یا ایک ہزار علم والے رہنما برہمنوں کا ملنا تفکرات کو دور کرنے اور سکھ کی نیند سلانے والا تھا۔ لیکن مفسرین نعاس کے معنے ہلکی نیند یا اونگھ لیتے اور کہتے ہیں۔ کہ گو جنگ بدر کے دن مسلمانوں پر نیند کے وارد ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ تاہم ممکن ہے۔ اس سے پہلی رات کو نیند آئی ہو۔ اور جس بارش کا ذکر ہے۔ وہ پہلے آئی ہو گی۔ اس سے بھی نیند کا میلان ہو سکتا ہے۔ یا ممکن ہے۔ نعاس سے مراد سکون ہو۔ اور عدت کا خوف اللہ تعالےٰ نے نیند میں ان سے دور کر دیا ہو۔ یا ممکن ہے۔ نبی کریم نے جو بہت دُعا کرتے کرتے فرش سے باہر تشریف لا کر اپنی زبان مبارک سے یہ لفظ نکالے تھے۔ کہ کافروں کی جمعیت بھاگ جائے گی۔ وہی یہاں مقصود ہو۔" ان الفاظ سے ہر بات مشکوک اور مشتبہ ثابت ہوتی۔ اور تحقیق حق سے ان بیانات کو بے تعلق کرتی ہے۔

۱۱۔ آیت ۱۲ کے یہ الفاظ جنگ کا مفہوم پیش کرتے ہیں۔ کہ

"گردنوں کے اوپر مارو۔ اور ان کی انگلیوں اور ان کے پوروں کو کاٹ ڈالو۔" (۱)

لیکن سوال یہ ہے۔ کہ مارے کاٹے کون۔ خطاب ہے تو فرشتوں سے وہ نہ نظر آویں۔ نہ ان کے ہاتھوں میں ہتھیار۔ نہ فرشتوں کی عادت مار کاٹ کی۔ اس پر کہا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان اور منافقوں کے دلوں میں رعب ڈالنا تو فرشتوں کا کام ہے۔ اور مارنا کاٹنا مسلمانوں کا۔ ثبوت یہ کہ فرشتوں کے ساتھ مُرْدِفِیْن کا لفظ ہے۔ یعنی آگے چلنے والے جس سے دلوں میں اطمینان ہوتا ہے۔ لیکن جب نہ فوج کا ذکر۔ نہ ہتھیاروں کا۔ نہ کسی سے عداوت اور جنگ کے اسباب کا تو فرشتوں کا آگے چلنا چہ معنے۔ پس آگے چلنا سے مُراد برہمنوں کا رہنمائی کرنا وغیرہ ہی ہے۔

مُرْدِفِیْن ردف سے ہے۔ جس سے ردیف بنتا ہے۔ اور ردیف کے معنے سوار کے پیچھے بیٹھنے والا ہیں۔ شعر کا آخری لفظ ردیف ہے۔ ریزرو فوج کو بھی ردیف کہتے ہیں۔ پس آگے چلنے والے نہیں۔ بلکہ مباحثہ کے نتیجے کے طور پر حق کی پیروی قبول کرنے والے نیک انسان فرشتے ہو سکتے ہیں۔ اور وہی پھر رہنما بن سکتے ہیں۔

اعناق کے معنے گردنیں ہیں۔ تو امت یا قوم کی گردنیں یا سر بزرگان قوم ہیں۔ اور فوق الاعناق کا لفظ ان لوگوں کی فوقیت یا فضیلت کے معنے موزونیت سے دیتا ہے۔

اضربو ضرب سے ہے۔ اس کے معنے مارنا لئے جاویں۔ تو ضرب پہنچانا کے معنے جان سے مارنا ہو گا۔

(۱) فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝

اور گردنوں پر مارنا یا پوروں کو کاٹنا کا حکم ہے ہتھیار ساتھیوں کو شانا رسول جیسے جہاں پُرش کو اعتراضات کا نشانہ بنائے گا۔ جو دشمن سے بھی بدلہ نہ لینے کی ہدائیت دیتا ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں۔ کونسا ہتھیار مارا جائے۔ اور اگر گردن کاٹ دی جائے۔ تو انگلیوں کے پور کاٹنے سے سوائے انتہائی بے رحمی کے جذبہ کے کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔

بنان کا لفظ انگلیوں کے پوروں کے لئے ہو سکتا ہے۔ نیز قومی بزرگوں کے ہاتھوں یا انگلیوں یعنی ان کے معاون پیروؤں کے لئے بھی آ سکتا ہے۔ بنان کا واحد بنن ہے۔ بمعنے بوئے خوش و ناخوش۔ اور اس کا مفہوم بیک وقت پھیلی ہوئی بھلی یا بری ساکھ ہو سکتا ہے۔ مقابلے کے دن پیٹھ دکھانے والوں کے لئے کہا ہے۔ (فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ) گویا ان لوگوں کا پیٹھ دکھانا ہی ان کی موت ہے۔ اسی طرح آیت ۱۲ میں مخالف فریق کے اعتقاد پر ضرب نیز اس کی قابلیت و شہرت پر کاری ضرب لگانا بھی اس کا مفہوم ہے۔ گردن پر مارنا وغیرہ نہیں۔

۱۲- آیت ۱۵ و ۱۶ میں کافروں سے مڈبھیڑ ہونے پر پیٹھ نہ دکھانے کی ہدائیت ہے۔ یہ کشتریوں اور جنگ سے منسوب ہو سکتا ہے۔ لیکن علماء کا مذہبی خدمت سے غافل ہونا یا گریز کرنا بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ اور مذہبی مشنریوں کے فرائض کا بیان کرتے ہوئے پیٹھ پھیرنے کا ذکر محض تبلیغی کوششوں کے نقص کے لئے ہی آتا ہے۔

۱۳- آیت ۱۶ میں دو صورتوں میں پیٹھ پھیرنے کو قابل درگذر بتایا ہے۔ ایک صورت ہے مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ یعنی جنگ کے لئے ایک طرف پھرنا۔ بارہا جنگ کا محاذ بدلنا یا نیا طریق اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ دوسری صورت ہے مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ یعنی جماعت کی طرف ملنا۔ جنگ میں فوج سے بچھڑا ہوا سپاہی فوج سے جا ملنے کے لئے پیٹھ دکھا کر بھاگتا ہے۔ تو یہ بھی قابل اعتراض نہیں۔ لیکن مذہبی جنگ میں بھی دو صورتیں قابل درگذر ہیں۔ ایک تو کوئی شریف عالم مبلغ اس خیال سے مباحثہ وغیرہ سے باز رہ سکتا ہے۔ کہ مخالف فریق مباحثہ کی آڑ میں فساد کرنے کا خیال رکھتا ہے۔ یا اس کی ناقابلیت سے امکان جھگڑے کا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے۔ کہ کوئی مبلغ ذاتی طور پر مباحثہ وغیرہ نہیں کرنا چاہتا سوسائٹی کا نمائندہ ہونے کی شرط لگاتا ہے۔ خود اپنی سبھا کی طرف سے مباحثہ کرتا۔ اور دوسرے کے لئے بھی یہی اصول ٹھہراتا ہے۔ سو یہ بھی ذاتیات سے بچنے کے لئے ضروری بات ہے۔ پس مشنریوں کے لئے مقصود ہونے سے جنگ سیف والی باتیں یہاں غیر متعلقہ ہیں۔

۱۴- آیت ۱۹ میں کہا۔ کہ اپنے ساتھی تھوڑی تعداد میں ہوں مضائقہ نہیں۔ خدا اہل ایمان کا مددگار ہے۔ آیت ۲۰ میں کہا۔ سُن کر انحراف نہ کرو۔ نہ یہ کہ ایک کان سن کر دوسرے سے نکال دو۔ بلکہ حق کو قبول کرو۔ آیت ۲۲ تا ۲۴ میں کہا۔ کہ سُنو اور اس پر عقل سے غور کرو۔

ان سب باتوں کا اور پہلے بیان شدہ امور یعنی اللہ کی کلاموں اور حق و باطل وغیرہ کے سب بیان جنگ سیف کو غلط اور تبلیغی جدوجہد کو ہی نفس مضمون سدہ کرتے ہیں۔

۱۱۔ مباحثہ کا پنڈال

سورۃ الانفال کی آیات ۴۱ تا ۴۳ جنگ بدر کے خیال کو محض مذہبی مباحثہ کی حقیقت پر قائم کرتی ہیں۔ یہاں ہے۔ جان لو۔ کہ جو بھی مال تم کو ملے۔ اس کے پانچ حصے اللہ کے لئے ہیں۔ یعنی رسول۔ قرابت دار۔ یتیم۔ مسکین اور مسافروں دا تحقیقوں کا حصہ اگر تم اللہ کو مانتے ہو۔ اور اس کو جو ہر دو فریق کے مباحثے کے دن حق و باطل کے فیصلے کے وقت اس نے اپنے بندے پر ظاہر کیا تھا۔ داقعی اللہ ہر بات پر قادر ہے۔ ۴۱
تم پنڈال کے پلیٹ فارم پر تھے۔ اور وہ دوسری طرف یا پرلے پلیٹ فارم پر اور مجمع تم سے نیچے تھا۔ اور اگر تم مقرر کرنے لگتے۔ تو وقت کے جھگڑے میں ہی رہتے۔ لیکن اللہ نے ایسا کیا۔ کہ کام ہی ہو گیا۔ سو جس نے اصول کے لحاظ سے مرنا تھا۔ مرا اور جس نے صداقت کے لحاظ سے زندہ رہنا تھا۔ زندہ رہا۔ بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ ۴۲۔ اس وقت اللہ نے انہیں تمہارے دل میں قلیل تعداد میں دکھایا۔ ورنہ اگر وہ زیادہ تعداد میں دکھاتا۔ تو حوصلہ توڑ دیتے۔ اور مباحثہ میں تنازعہ ہو جاتا۔ لیکن اللہ نے بچا لیا۔ بے شک وہ دلوں کی حقیقت کو جانتا ہے۔ ۴۳۔ (۱)

دیگر تفاسیر کے متعلق ان آیات کے ترجمے میں کچھ لکھنا موجب طوالت ہے۔ اس لئے پوری بحث تفسیر میں ہی آئے گی۔ یہاں محض یہ کہنا کافی ہے۔ کہ پنڈال مباحثہ کا جو نظارہ قرآن میں کھینچا گیا ہے۔ اس سے کوئی امر مبہم نہیں رہتا۔ باوجود اس کے اگر بدر کا کوئی تعلق ہو۔ تو محض مباحثہ کی جگہ بدر کا مقام ہو سکتا ہے۔ یا مباحثہ کا وقت بدر کی رات۔ لیکن یہ ناممکن ہے۔ کہ آیات کے الفاظ سے بدر کے مقام پر کوئی جنگ سیف ہوا ہو۔

۱۲۔ جنگ تبوک

جس طرح سورۃ الانفال کا تعلق جنگ بدر سے اور سورۃ الاحزاب کا تعلق جنگ احزاب سے ہو گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ التوبہ سے جنگ تبوک کو منسوب کیا گیا ہے۔

سورۃ التوبہ آیت ۳۸ کے الفاظ انفروا فی سبیل اللہ کا مفہوم ہے۔ کہ راہ حق میں مستعد ہو جاؤ یا نکل پڑو۔ سو راہ حق میں نکلنے کا مطلب تبلیغی کام کے لئے گھر چھوڑ کر چل دینا ہے۔ نہ کہ جنگ سیف کے لئے۔ نہ آیات میں تبوک کا لفظ ہے۔ نہ فوجی قواعد اور ہتھیار وغیرہ کا کوئی اشارہ ہے۔ نہ سلطنت روم یا اس سے حملہ ہونے کا۔ پھر بھی یہ اختراع کیا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت کو اس حملے کی خبریں پہنچیں۔ تو آپ نے جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا۔ اور باوجود ناموافق حالات کے تیس ہزار آدمی جمع ہو گئے۔

(۱) وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۴۱ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ بِالْعُدْوَۃِ الْقُصْوٰی وَالرَّکْبُ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ وَلٰکِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا لِّیَھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَۃٍ وَاِنَّ اللّٰہَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۴۲ اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلًا وَلَوْ اَرٰکَھُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۴۳

۲۔ آیت ۴۴ میں منافقوں والی معذوری کو بھی جنگ میں نہ جانے کی اجازت سے منسوب کیا ہے۔ لیکن واقعی جنگ سیف ہونا............

.... تو منافقوں جیسے خطرناک لوگوں کو شمولیت کے لئے کہا ہی نہ جاتا۔ کیونکہ ان سے نقصان کا ہی احتمال ہو سکتا تھا۔ ہاں مذہبی کام کے لئے ہر ایک کو ترغیب دینا اور ہمت دلانا معمولی بات ہے۔ آیت ۴۸ اور اوروں میں بھی منافقوں کے مخالفانہ منصوبوں اور سازشوں کا ذکر ہے۔ اس لئے جنگ میں ان کی شمولیت قرین قیاس یا مصلحت نہیں۔

۳۔ آیت ۴۹ میں اجازت مانگتے ہوئے جو لَا تَفْتِنِّيْ کا لفظ کہا ہے۔ اس کا صاف مفہوم یہ ہے۔ کہ مجھے امتحان میں نہ ڈالئے۔ یعنی تعمیل حکم بھی ضروری ہے۔ اور حالات ایسے ہیں کہ تعمیل کر نہیں سکتا۔ پس بڑی مصیبت ہے۔ کہ کیا جواب دوں۔ اس کی تاویل بعض لوگوں نے یہ کی ہے۔ کہ چونکہ جنگ عیسائیوں سے ہے۔ اور عیسائی عورتیں خوبصورت ہوتی ہیں۔ لہذا ان سے جنگ کرتے جائیں گے۔ تو فتنہ ... میں پڑیں گے دوسری تاویل یہ کی جاتی ہے۔ کہ آپ کے ساتھ جانے سے مال و عیال ہلاک ہو جائے گا۔ سو پہلی بات تو مضحکہ خیز ہے۔ خوبصورت عورتوں والا فتنہ منافقوں کے لئے کیا مومنوں کے لئے زیادہ خطرناک ہے۔ اور منافقوں جیسے لوگ تو ایسی ترغیب سے شمولیت کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔ اور دوسری بات اس لئے غیر معقول ہے۔ کہ جنگ مال و عیال کی حفاظت کے لئے ہوتا ہے۔ نہ کہ ہلاکت کے لئے۔

۴۔ آیت ۵۲ میں جو دو میں سے ایک بھلائی کی خواہش مذکور ہے۔ اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے۔ کہ جنگ میں مارا جانا بھی اچھا ہے۔ اس سے جنت ملتی ہے۔ اور فتح پانا بھی اچھا کہ حکومت ملتی ہے۔ لیکن اگر یہی مطلب ہو تو وہ خود کیوں پیچھے رہیں۔ اور کیوں دونوں ہاتھوں میں لڈو نہ لیں۔ پس دو بھلائیاں یہ ہیں تبلیغ کے لئے نکلنا اور کامیابی پانا۔ سو انہیں کامیابی سے غرض نہیں۔ وہ محض یہی چاہتے ہیں۔ کہ مومن نکل پڑیں۔

۵۔ آیت ۵۵ میں مال اولاد وغیرہ کی وجہ سے منافقوں کو دنیوی عذاب ملنے کا جو بیان ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ وہ مال اولاد کے غرور سے نیکی سے غافل ہوتے ہیں۔ اور ان کی اولاد بدچلن۔ بیمار یا موت کا شکار ہو کر انہیں عذاب دیتی ہے۔ یا چوری۔ ڈاکہ۔ آتشزدگی وغیرہ سے انہیں مصیبتوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ اس کی بجائے یہ تاویل کی جاتی ہے۔ کہ مال جنگ میں خرچ کرنے اور زکوٰۃ میں دینے سے انہیں دلی دکھ ملتا تھا لیکن اگر ایسا ہوتا۔ تو وہ اپنی اولاد کو قابو کرتے۔ نہ کہ رسول سے اپنے پیچھے رہنے کی اجازت چاہتے۔

۶۔ آیت ۷۲ میں کافروں اور منافقوں کے متعلق جو جہاد ہے۔ وہ بھی رسول سے تبلیغی سرگرمیوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ جھوٹ اور جہالت کے خلاف حق اور علم کی طاقت کا پُرزور استعمال سب سے بڑا اور پاک جہاد ہے۔ ویدک لفظ یُدھ ہی جہاد کی صورت اختیار کرتا ہے۔ جیسے یُدھ بھا کا اُدھیاتر ہا ہے۔ وید منتر میں الفاظ युयोध्य स्म ज्जुहु राणा میں جن کٹیتا والے لوگوں کا ذکر ہے۔ قرآن ان کو منافق کہتا ہے۔ اور ان سے جہاد نزدیہ باطل ہی ہے۔ شہوت غصہ لالچ وغیرہ کے اندرونی جذبات کو قابو کرنا شیطان نفس کو مغلوب کرنا ہے۔ اور سوسائٹی کے اندرونی دشمنوں یعنی منافق وغیرہ کو زیر کرنے کے لئے تبلیغی جنگ کا ہی فرمان خدا سے ہے۔ جنگ سیف سے کشتریوں کا تعلق ہے۔ اور وہ مذہبی مخالفین سے نہیں ملکی مخالفین

سے ہوتا ہے۔

۷۔ اسی آیت میں وَاغْلُظْ عَلَیْہِمْ کا لفظ ہے۔ اس کے معنے لئے جاتے ہیں۔ ان پر تشدد کرو۔ اس پر جنگ والی مارکاٹ کا تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ غلظ لفظ کے معنے یہ ہیں۔ کہ انسان مضبوط رہے یا ضبط سے کام لے۔ فوراً پگھل نہ جائے۔ یا نرم ہو کر درگذر نہ کرے۔ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ بعض نرم دل مبلغ صاف گوئی سے کام نہیں لیتے۔ کہ شاید فریق ثانی کو بُرا لگے۔ بھوسنجنہ ثبوت اور دلائل قاطع سے حالات کو پلٹا دے کر ہی دم لینا چاہیئے

۸۔ کل مسلمانوں کو نہیں۔ محض رسول کو مخاطب کرنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ جہاد محض علمی طاقت سے مخالف کو اپنی طرف کھینچنے کا نام ہے۔

۹۔ آیت ۹۱ میں کمزوروں مریضوں اور ناداروں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس سے بھی جنگ سیف کا تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ناداروں کا جنگ میں بھرتی ہونا آسان ہے۔ اور وہی بے فکری سے لڑ سکتے ہیں۔ نادار اگر مال سے جہاد نہیں کر سکتے۔ تو جان کی بازی لگا کر لڑ تو سکتے ہیں۔

۱۰۔ آیت ۹۲ میں جو نادار کا سواری کا خود انتظام نہ کر سکنا اور رسول کا بھی معذور ہونا مذکور ہے۔ اس سے بھی تبلیغی کام کا ہی تعلق ہے۔ عمر رسیدہ لوگ اس کام کے زیادہ قابل اور سواری کے محتاج ہیں۔ جنگ سیف میں تو پیادہ بھی کام دے سکتا ہے۔ سواری نہیں۔ پیادہ فوج بھی ہوتی ہے۔

۱۱۔ کل سورۃ میں جہاد کا تعلق قرب الٰہی۔ عبادت۔ زکوٰۃ کی عادت۔ نیکی کرنا اور رسول کی اثیر بادلینا ہی سے ہے۔ اور یہ سب تبلیغی مشن کے ارکان ہیں۔

۱۲۔ آیت ۱۱۱ میں یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے الفاظ ہیں۔ اور ان کے بعد فَیَقْتُلُوْنَ اور یُقْتَلُوْنَ کے ان سے راہِ حق میں جنگ کرنا۔ قتل ہونا۔ قتل کرنا کا سارا بیان کشت و خون والے جنگ کے متعلق ہی سمجھا جاتا ہے لیکن یہ الفاظ علمی جنگ پر بھی چسپاں ہوتے ہیں۔ تاش۔ شطرنج۔ کبڈی۔ کرکٹ کی ساری کھیلوں میں مرنا۔ مارا جانا وغیرہ کے الفاظ جو مفہوم رکھتے ہیں۔ نفس کو قتل کرنے کا جو مطلب ہے۔ وہی وعظ حق سے ظالم کو مار دینے کا ہے۔ اس معنے میں کہ اس نے حق کو قبول کر لیا۔ آیت ۱۲۳ میں کہا ہے۔ اے حق پرستو! قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ جو کافر تمہارے آس پاس ہیں۔ ان سے جنگ کرتے رہو۔ اب یہ جنگ محض تبلیغ حق والا ہے۔ نہ یہ کہ ان کو قتل کیا جاوے۔ اس جنگ سے غرض یہ بتائی ہے۔ کہ وہ تمہارے میں مضبوطی پائیں۔ یعنی تمہاری قابلیت اور مضبوطی یا علمی قابلیت کا سکہ ان پر بیٹھے۔ اگر قتل کرنا ہو۔ تو اس نتیجہ کا ذکر ہی نہ ہو۔ اس کے بعد سورۃ کا نازل ہونے کا ذکر لیکچر سنانے کا مفہوم رکھتا ہے۔ یس آیت ۱۱۱ والا جنگ بھی وعظ یا مباحثہ وغیرہ ہے۔ آیت ۱۱۲ میں بالخصوص مفصل توضیح موجود ہے۔ کہ ایسے جنگ کرنے والوں کی صفت محض یہ ہے۔ کہ گناہ سے باز آنے اور کھنانے والے۔ عبادت اور حمد کرنے اور روزہ رکھنے والے۔ رکوع اور سجدہ بجا لانے والے۔ معروف کی تائید اور منکر کی تردید کرنے والے سب مومنوں کو خوشخبری دو۔ ان میں سے کسی امر کا جنگ سے تعلق نہیں۔ سوائے وعظ حق کے۔

۳۱۔ جنگِ احزاب

سورۃ الاحزاب میں مذہبی لوگوں سے مخالفت اور جنگ کا نہائیت واضح بیان ہے۔ احزاب جمع ہے۔ حزب کی اور اس کے معنے ہیں گروہ یا فرقہ یا امت۔ آنحضرت کا ان مذاہب سے نہائیت سخت مقابلہ ہوا۔ اور مذہبی کشمکش جو اس وقت درپیش تھی۔ اس کا نقشہ اس سورۃ میں کھینچا گیا ہے۔ آیت ۱۰ میں کہا ہے۔

"تمہارے اعلےٰ ادنےٰ سب تمہارے مخالف ہو رہے تھے۔ تمہاری نظریں چکا چوند میں تھیں۔ تمہارے دل حلق میں آ رہے تھے۔ وغیرہ (۱)

اس قسم کے نازک موقعہ کے متعلق بہت کچھ بیان کر کے آخر خدا کے فضل اور رسول کی ہمت سے فتح ہونے کا بیان ہے۔ مخالفین جو دھمکیاں دیتے تھے۔ وہ کھنڈن یا تردید یا طل کرنے والوں کو دیتے تھے۔ انہیں اہل یثرب کے لفظ سے مخاطب کرتے تھے۔ کیونکہ یثرب مشتق ہے۔ ثرب سے اور تثریب کہتے ہیں۔ سرزنش یا سخت برائی کرنے کو۔ پس اہل یثرب برملا جھوٹے مذاہب کی مذمت کرنے والے تھے۔ لیکن مفسرین نے اہل یثرب سے مدینے کے لوگ مراد لیا ہے۔ اور اس مذہبی کشمکش کو بھی جنگِ احزاب کا نام دے کر جنگ سیف کا مفہوم پیش کیا ہے۔

فَوْقِکُمْ کا لفظ جو آیت نمبر ۱۰ میں ہے۔ اس کا ترجمہ کیا ہے۔ تمہارے اوپر کی طرف سے اور مِنْ اَسْفَلَ کے معنے کرتے ہیں۔ نیچے سے اور بعضے مشرق اور مغرب کے معنے لے کر ہر طرف کا مفہوم لیتے ہیں۔ کہ دشمن ہر طرف سے حملہ کر رہے تھے۔ حالانکہ مِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ کا لفظ صاف بتاتا ہے۔ کہ باہر کے دشمنوں کا حملہ مقصود نہیں۔ بلکہ تم سے جو ادنےٰ ہیں۔ ان کا ذکر ہے۔ خیر خیالی چڑھائی سے اس بیان کو بھی جنگ سمجھ کر شانِ نزول یوں بتایا ہے کہ

ہجرت کے پانچویں سال میں آنحضرت نے قبیلہ بنی نضیر کو بدعہدی کی وجہ سے نکال دیا۔ وہ خیبر میں جا رہے۔ بعد میں ان لوگوں نے مخالفین آنحضرت سے سازش کر کے قریش قبیلہ وغیرہ کو بھکایا۔ اور دس ہزار تک کا مجمع بنایا۔ تب آپ نے مدینہ کے مشرقی جانب میں خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودتے ہوئے ایک پہاڑی بیچ میں آ گئی۔ اور صحابہ کے عرض کرنے پر آنحضرت خود تشریف لے گئے۔ پہلی کدال مارنے پر جو پتھر سے روشنی ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا مجھ کو یہ دکھایا گیا۔ کہ فارس فتح ہوگا۔ دوسری کدال میں روم کا اور تیسری میں یمن کی فتح کا اشارہ بتایا گیا۔ مخالف کچھ تو مدینے کے مشرق کی طرف آ اترے۔ اور کچھ بلندی کے رُخ آ نز پڑے۔ یہ مطلب مخالفین کے اوپر اور نیچے سے اترنے کا کہا جاتا ہے۔ اور اس سے مسلمانوں کے گھبرانے ان کی آنکھیں پتھرانے دل حلق میں آنے اور قدم لڑکھڑانے وغیرہ کے نتائج منسوب ہوتے ہیں۔ محاصرہ ایک ماہ تک رہا۔ تیر بازی اور سنگساری بھی ہوئی۔ آخر اللہ نے آسمانی لشکر مسلمانوں کی مدد کو بھیجا۔ سخت آندھی چلی۔ سردی کا موسم تھا۔ مخالفین شدتِ طوفان و سردی سے پریشان ہوئے۔ رب الافواج نے اور لشکر بھیجے۔ جن سے مخالف بے حوصلہ ہو گئے۔ اور حواس باختہ ہو کر ایسے بھاگے۔ کہ ہر طرف گھوڑوں اور سواروں کی آہٹ معلوم ہوتی تھی۔ اور بھاگو بھاگو کے

(۱) اِذْ جَاءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ

سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔" قرآن کے الفاظ سے یہ قصہ نہ نکلتا ہے۔ نہ ان سے یہ منسوب ہو سکتا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے۔ کہ اس تمام بیان کو سورۃ کے مضمون کے مقابلہ پر رکھا جا دے۔ تو غیر معقولیت اس کی آپ سے آپ واضح ہو جاتی ہے۔ سورۃ میں مخالفین کے اعتراضوں اور انکے لگائے ہوئے الزاموں اور ان کے جوابات کا ذکر ہے۔ اور احزاب کا لفظ مذاہب یا مت منانتر کے معنے رکھتا ہے۔ پس جنگی خیالات محض غلط فہمی پر مبنی ہیں۔

۱۴۔ جہاد علمی جنگ ہی ہے

سورۃ التوبہ آیت ۵ میں ہے۔ کہ جب حرمت کے مہینے گذر جاویں۔ تو مشرکوں کو جہاں پاؤ۔ مار دو۔" (۱) آیت کے لفظ فاقتلو' کا ارتھ بظاہر قتل کرنا کے حق میں ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو اس کے معنے محض مذہبی جنگ سے زیر کرنا ہے۔ گردن کاٹنا یا جان سے مارنا نہیں۔ اسی طرح مشرکین کا قتل بھی اور مفہوم رکھتا ہے۔ مناظرین باری باری تقریر کے لئے اُٹھتے ہیں۔ تو بعض اوقات دوسرے کو بالکل لاجواب کرنے کے ارادہ کو یوں کہا جاتا ہے۔ کہ بس اب کے تو وہ ماروں گا۔ کہ اُٹھ ہی نہ سکے گا۔ آیت زیر بحث میں اس کے بغیر اور کوئی مطلب نہیں۔ اس کا ثبوت اگلے الفاظ سے ملتا ہے۔" ان کو ملو۔ ان کے گرد ہو جاؤ۔ ان کے لئے ہر گھات میں بیٹھو (ان کو پلٹا دینے کے لئے ہر ممکن تدبیر کرو) اگر وہ حق کی طرف لوٹیں۔ نماز کرتے اور زکوٰۃ دینے لگیں۔ تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ (۲)

اب سوچنا چاہیئے۔ کہ جہاں ملے انہیں قتل کر دیا۔ تو نماز زکوٰۃ وغیرہ کی نوبت ہی کہاں آئے گی۔ پس قتل کرنا کے معنے یہاں غلط اعتقادات کی بیخ کنی ہے۔ خواہ وہ کسی تدبیر سے ہو۔ سمجھانے سے۔ خدا کے اور سچائی کے نام پر اپیل کرنے سے یا دلیل اور ثبوت کی مضبوطی سے لاجواب کرنے سے۔ اگلی آیت میں کہا ہے۔ کہ "اگر مشرک مدد مانگے یعنی خود سمجھنے پر مائل ہو۔ تو اسے کلام الٰہی سناؤ۔ اور اسے اس کی جائے امن میں پہنچاؤ۔ مطلب یہ کہ اسے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ گویا حفاظت اور ہدایت دونوں کا مشتری لوگ خیال رکھیں۔ مہرشی دیانند ستیارتھ پرکاش سملاس ۱۱۔ برہمو سماج کے مضمون میں لکھتے ہیں۔ کہ عالم لوگ بمنزلہ ڈاکٹر ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ جاہلوں کی مدد کرتے ہوئے انہیں غلطیوں سے بچائیں۔ ورنہ وہ پاپ کے بھاگی ہیں۔ یہی کچھ یہاں مقصود ہے۔ سورۃ العنکبوت آیت ۴۶ میں کہا ہے۔ کہ "اہل کتاب سے جھگڑا یا بحث نہ کرو۔ ہاں کرو۔ تو ایسے طریق پر کہ شستہ ہو۔ ہاں ان میں سے جو لوگ ظالم یعنی دھرم سے منحرف یا مشرک ہیں۔ ان سے بے شک جھگڑو۔"

اس آیت میں تجادلو' لفظ جدل سے ہے جس کے معنے جنگ یا لڑائی ہے۔ اور یہ جنگ محض مذہبی بحث ہے۔ جو مشرک اہل کتاب سے ہو۔ وہی سورۃ التوبہ میں فاقتلوا لفظ کا مفہوم ہے۔ قتل کے معنے جنگ میں مار دینا ہے۔ لہٰذا مذہبی مباحثہ یا جنگ میں شکست دینا ہی قتل کرنا ہے۔ قتال کے معنے بعض مفسرین نے جنگ اور جہاد کے لئے ہیں۔ مگر کئی دور اندیش اصحاب نے واضح کر دیا ہے۔ کہ اس سے جنگ سیف مراد نہیں۔ اور اسی لئے ہم نے جہاد کی تائید گی جدوجہد سے کی ہے لفظ قتال کے لغوی

۱۔ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

معنے صراح جلد ۲ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ صفحہ ۴۶۴ پر یوں لکھے ہیں۔ قتال با کسے کشش کردن۔ قیتال با یکدیگر کشاکش کردن۔ مقاتلۃ بکسر التا کشش کنندگان۔ پس قتال مذہبی دنیا میں وہ تبلیغی جدوجہد ہے جس سے دوسروں کو حق کی طرف کھینچا جا سکے سورۃ البقرہ آیت ۱۹۰ میں کہا ہے۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ۔ اسکا ترجمہ سب مفسرین یہی کرتے ہیں۔ کہ جنگ کرو۔ راہ حق میں ان سے جو تم سے جنگ کریں۔ یہ راہِ حق کا جنگ مخالفوں سے علمی جنگ ہی ہے۔

آیات کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف پتہ لگتا ہے۔ کہ حج کے موقعہ پر مسلمانوں نے خاص سمجھوتہ کر لیا۔ وہ رسول صاحب کو سخت برا لگا۔ کہ دین کے معاملہ میں سمجھوتہ کیسا۔ اس لئے انہوں نے آئندہ کے لئے اس کی مناعی کر دی۔ اور کہا۔ کہ اگر اب مسلمان سمجھوتہ توڑ دیں۔ تو اخلاقی الزام عائد ہوگا۔ اس لئے اگر فریق ثانی عمل کرے۔ تو تم بھی عمل کرو۔ اگر توڑے تو تم بھی توڑ دو۔ لیکن حرمت کے مہینوں کے بعد کسر نکال دو۔ اور مشرکوں کو پورے طور پر قائل کرا کے ہی چھوڑو۔ گویا سمجھوتہ میں شرط ہو گئی تھی۔ کہ حرمت کے مہینوں میں مسلمان تکذیب باطل کا کام نہ کریں گے۔ سو رسول صلعم جیسے با اصول اور تبلیغ حق کے شیدائی کو اس کا برا لگنا ضروری ہی تھا۔ یہ مطلب جو ہر غور کرنے والے کی الفاظ آیات سے ہی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ نظر انداز کر کے بات یہ بتائی گئی ہے۔ کہ ابتدا میں کمزوری مجبوری اور مظلومیت سے ہجرت کرنی پڑی۔ پھر مدینے میں لڑائیاں چھڑ گئیں۔ پیغمبر صاحب کو اہل قریش نے حج عمرہ کے لئے بھی آگے نہ بڑھنے دیا۔ آخر صلح کر کے وہ حدیبیہ سے ہی لوٹ گئے۔ شرط یہ ہوئی۔ کہ مسلمان اگلے سال اس عمرے کی قضا کریں۔ تلواروں کو میان لئے ہوئے داخل ہوں۔ اور صرف تین دن رہیں۔ دس برس تک لڑائی موقوف رہے۔ مکے والوں میں سے کوئی مسلمانوں سے جا ملے۔ تو واپس کر دیں۔ اور مسلمان مکے والوں سے ملے۔ تو مسلمان مطالبہ نہ کریں۔ اور نہ اس کے دشمنوں کی مدد کریں۔ مگر اہل قریش کینے سے باز نہ آئے چپکے چپکے مخالفت کرتے رہے اسی طرح تین برس گذر گئے۔ اور آہستہ آہستہ مسلمانوں کی قوت بڑھ گئی۔ اور انہوں نے بہت سے قبیلوں کو مطیع کر لیا۔ ہجرت کے نویں برس پیغمبر صاحب نے مکہ میں حج اکبر کے دن حضرت ابوبکر اور حضرت علی کو بھیج کر یہ منادی کر دی۔ کہ آئندہ مسلمانوں کا مشرکوں سے قطع تعلق ہوتا ہے۔ انہیں چار ماہ کی مہلت ہے۔ کہ مطیع ہو جاویں یا لڑائی کے لئے آمادہ ہوں۔ وغیرہ۔ اس بیان کا کوئی اشارہ الفاظ قرآن میں نہیں۔ اور اس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت اور مسلمانوں کو تبلیغ کا نہیں۔ بلکہ پولیٹیکل کشمکش کا ہی کام رہتا تھا۔ نہ فوج نہ قواعد۔ نہ ہتھیار مگر محدثین اور مفسرین ہیں۔ کہ ان کے دل میں جنگ ہی جنگ بس رہا ہے۔ اور بالکل بیرونی اور اختراعی باتوں کو آیات کے مفہوم کا تہمان بنا رہے ہیں۔ سوامی دیانند کے لفظ بہت مشہور ہو رہے ہیں۔ کہ میں دنیا کو قید کرانے نہیں۔ بلکہ آزاد کرانے آیا ہوں۔ قرآن یہی پوزیشن رسول کی واضح کرتا ہے۔ سورۃ الانفال آیت ۶۷ میں صاف کہا ہے۔ نبی کے لئے یہ شایاں نہیں۔ کہ اس کے پاس قیدی ہوں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ دنیا میں کشت و خون کرے۔ دنیا کے ساز و سامان کو چاہتا ہوا۔ حالانکہ اللہ آخرت کو چاہتا ہے۔ اور اللہ ہی غالب اور صاحب حکمت ہے۔ (۱)

(۱) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُوْنَ لَهٗٓ أَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۔ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْآخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔

اس اصول کے مطابق فی الحقیقت نبی کا محمد ہو مہ جنگوں سے تعلق نہیں۔ نہ قرآن میں کہیں وہ جنگ ہیں۔
بیان القرآن صفحہ ۸۸۸ پر ہمارے اس خیال کی پوری تائید موجود ہے۔
"جہاد کسی وقت والا جنگ ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دشمنان دین کے مقابلے پر جو کام ہو۔ عبادت ہے۔ اور اعمال صالح میں ہے۔ اور بہترین اعمال صالح وہ ہیں۔ جو حق اور صداقت کو زندہ رکھنے کے لئے کئے جاویں"۔

اسی بحث میں لکھا ہے" سب سے بڑا مقابلہ علم اور دین کے رنگ میں ہے۔ سے مجاہدہ بالقلم یا باللسان یعنی تحریری اور تقریری جنگ کہتے ہیں"۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے۔ کہ
"قرآن میں الفاظ ایسے استعمال ہوتے ہیں۔ کہ مجاہدات سیف اور مجاہدات علمی دونوں پر حاوی ہیں بلکہ یہاں اصل مفہوم علمی مجاہدات کا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سورۃ کی آخری آیت میں صاف بتایا ہے۔ کہ جنگ سیف کے لئے نکلنا نہیں۔ بلکہ جہاد علمی کے لئے نکلنا ہی اصل غرض ہے۔ آیت ۱۲۲ کا مطلب کہ ہر گروہ سے کچھ آدمی نکلیں۔ اور وہ اپنی تعلیم میں مہارت حاصل کرنے پر تبلیغ کریں۔ اور اگرچہ کھشتری لوگوں کا جنگ بھی جہاد میں داخل ہو سکتا ہے۔ تو بھی آنحضرت اور دین اسلام کا جہاد محض مذہبی جنگ ہے۔ قرآن میں ہر کسی کا یہی فرض بیان کیا گیا ہے۔
۱۔ سورۃ المائدہ آیت ۹۹ میں کہا ہے۔ رسول پر سوائے تبلیغ کے کچھ فرض نہیں۔ باقی سب کچھ اللہ جانتا ہے۔ یعنی تمہارے ظاہر اور باطن کو۔
۲۔ سورۃ التوبہ آیت ۳۳۔ خدا ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنے رسول کو بھیجتا ہے۔ کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے۔ خواہ مشرک برا ہی مناتے رہیں۔
۳۔ سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸۔ تحقیق تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول آتے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان پر شاق گذرتی ہے۔ تمہاری بہبود کا ہی انہیں فکر دامنگیر رہتا ہے۔ مومنوں پر وہ نہایت مہربان اور شفیق ہیں۔
۴۔ آل عمران آیت ۱۰۴ تم۔ میں سے ایک ایسا گروہ یا درن ہونا چاہئے۔ جو نیکی کی طرف دعوت کرے جائز باتوں کا حکم اور ناجائز سے منع کرتا رہے۔ اور یہی ہیں۔ جو فلاح پانے والے ہیں۔
۵۔ آل عمران آیت ۱۰۹۔ تم ان میں سے بہترین امت ہو۔ جو لوگوں کی رہنمائی کے لئے پیدا ہوئیں جو معروف کی ہدایت دیتے منکر سے روکتے۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔
۶۔ آل عمران آیت ۱۱۴۔ اللہ پر ایمان رکھتے ونیز عاقبت پر معروف کا حکم دیتے۔ منکر سے ہٹاتے اور نیک کاموں میں سرعت سے سعی کرتے ہیں یہی لوگ صالح ہیں۔
۷۔ یہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب حکمت اور نبوت عطا کی۔ پس اگر لوگ انکار کریں تو کریں۔ ہم نے تو اس کام کے لئے ایک قوم کو متعین کر دیا ہے۔

۱۴۔ جہاد اور عالمگیر اتحاد

چونکہ وید اور قرآن مجید اختلافات کو مٹا کر متحد ہونے پر زور دیتے ہیں۔ اور رسول صاحب اسی کے لئے بار

بار خدا سے دعا مانگتے ہیں۔ اور چونکہ ہجرت اور جہاد کا اصل مدعا بھی یہی ہے۔ کہ سچے مبلغ گھر بار چھوڑ کر جہاں تہاں پہنچیں۔ پوری طاقت اور علمی قابلیت سے لوگوں کے غلط خیالات کو تکذیب باطل سے دور کریں۔ اور تمام سچے اصول ان کے ذہن نشین کریں۔ اور چونکہ ایک ہی قسم کی تعلیم سے سب کے دل مل سکتے ہیں۔ اور دلوں کا ملنا ہی اصل اتحاد ہے۔ اس لئے اگر رسول صلعم کے فرمودہ دقبول ہجرت وجہاد پر تمام خدا پرست عالم لوگ عمل کریں۔ تو اس کا وسیع ترین اثر ہی کل دنیا کے انسانوں کو ملکی مذہبی قومی ہر قسم کی تفریق یا پھوٹ سے بچا کر سچے معنوں میں عالمگیر اتحاد کا نظارہ دکھا سکتا ہے۔

باب دوم - ضرورت الہام

۱۔ ویدک سدھانت

رگوید کے پہلے منتر میں "اگنیم ایڑے" کا مفہوم جہاں ایشور کا نکشن بتاتا ہے۔ وہاں گیان یا سچے علم کی تعریف بھی اس کا مفہوم ہے۔ کیونکہ اگنی لفظ جس دھاتو سے بنا ہے۔ اس کے معنے گتی کے ہیں۔ اور گتی کے تین معنے ہیں۔ علم۔ حرکت اور وصال پس اگنی کا لفظ سب سے پہلے آنا۔ اور اس کی صحیح تعریف بتانا دلیل اس بات کی ہے۔ کہ علم کی ضرورت سب سے مقدم ہے۔ اگر پرمیشور میں سرشٹی کا علم نہ ہوتا۔ تو دنیا کی پیدائش نہ ہوتی۔ اور اگر انسان کو علم نہ ملتا۔ تو پیدا شدہ دنیا کا کوئی سامان استعمال میں نہ آتا۔ یا بہ الفاظ دیگر پیدائش عالم فعل عبث ہوتا۔ نہ روح کچھ کام کرتا۔ نہ اسے پھل ملتا۔ اور نہ دنیا کا سلسلہ چلتا۔

مہرشی دیانند ستیارتھ پرکاش باب ۷ میں دلائل دے کر ثابت کرتے ہیں۔ کہ

"اگر ابتدائے آفرینش میں پرماتما رشیوں پر علوم وید کا انکشاف نہ فرماتا۔ اور وہ ان علوم کی تلقین دیگر ابنائے جنس کو نہ کرتے۔ تو سب جاہل رہتے"

وید میں برہم کو گیان سروپ یا علم بالذات مانا جاتا ہے۔ اور تمام اگنی وایو وغیرہ جڑ دیوتاؤں اور تمام چرند۔ پرند۔ درند وغیرہ حیوانات کو برہم سے گیان پانے کے ناقابل کہا ہے۔ صرف انسانی قالب میں ہی روح علم الٰہی کے درشن کر سکتا ہے۔ علم یا گیان نہ حواس سے محسوس ہوتا ہے۔ نہ اور کسی مادی ذریعے سے۔ اس کا تعلق روح سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے سوامی دیانند کہتے ہیں۔ کہ

روح گیان کو حاصل کرنے کے لئے مثل آنکھ کے ہے۔

اتھروید ۱۰۔ ۲۔ ۳۲ میں مذکورہ برہم اور دیوتاؤں کا مکالمہ کین اپنشد کے تیسرے کھنڈ میں دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ اگنی وایو وغیرہ کے سامنے یکھشں (برہم) ہے۔ اور باوجود یکہ آگ سب کو جلا سکتی۔ اور ہوا میں سب کو اڑانے کی طاقت ہے۔ وہ برہم کی شکتی کے بغیر کچھ کر نہیں سکتے۔ حتے کہ ایک تنکے کو جلا و اڑا نہیں سکتے۔ نہ برہم سے علم پا سکتے ہیں۔ آخر میں اندر (جیو آتما) میدان میں آتا ہے۔ لیکن برہم اس سے بھی پوشیدہ رہا۔ آخر اسی آکاش میں وہ ایک اُما نام والی خوبصورت عورت کو ملا۔ تو اس نے اسے یکھشں یا برہم کا پتہ دیا۔ وہ کین اپنشد (ٹیکا نارائن سوامی جی) میں شنکر آچاریہ اور ودیا مارتنڈ آچاریہ کے پرمان سے

لکھا ہے۔ اور یہی اُپنشد کار کا منتویہ ہے۔ کہ استری ترُد پ اودیا وِدیا ہے۔ اور ساری کتھا کا آشایہ ہے۔ کہ علم ملنے پر ہی منش کچھ کرد جان سکتا ہے۔ اور علم نہ جڑ کو ملتا ہے۔ نہ پشو پکھشی آدمی کو

آریہ سماج کا پہلا اصول ہے۔

۱۶۔ آریہ سماج کا بنیادی اصول

"سب ست وِدیا اور جو پدارتھ وِدیا سے جانے جاتے ہیں۔ ان سب کا آدی مول پرمیشور ہے"

مطلب یہ کہ انسان کے لئے سب سے مقدم ضرورت سچے علم کی ہے۔ اسی علم سے اسے تمام پدارتھوں کا گیان ہوسکتا ہے۔ اور سچا علم ہے پرمیشور میں۔ اس لئے اسی سے انسان کو ملتا ہے۔ رُوح علم بالذات نہیں۔ ہاں علم کو حاصل کرنے کی صلاحیت اس میں ہے۔ جیسے آنکھ نور مجسم نہیں۔ لیکن نور کو گرہن یا قبول کرتی ہے۔ چیز ملتی وہیں سے ہے۔ جہاں ہوتی ہے۔ لہٰذا علم بھی علم بالذات پرمیشور سے مل سکتا ہے۔ اور رُوح کو اس طرح کا علم ملتا ہی الہام ہے۔ بعض لوگ علم کے اصل سرچشمے کا خیال نہ کر کے کہہ دیتے ہیں۔ کہ علم انسان نے رفتہ رفتہ ایجاد کیا ہے۔ اور وہی الہامی کتب کا مصنف ہے۔ لیکن مہرشی دیانند اس خیال کی مدلل تردید کرتے ہیں۔ کوئی انسان موجودہ دنیا یا تاریخ میں موجود نہیں۔ جس کے متعلق یہ کہا جا سکے۔ کہ اس نے اُستاد یا ماں باپ کی مدد کے بغیر کوئی بھی بات خود بخود جانی ہے۔ لہٰذا آغاز عالم کے انسانوں کو خدا ہی سچا گورو ملا۔ اور اسی سے علم پاکر انہوں نے سلسلۂ تعلیم و درس تدریس چلایا

۱۷۔ قرآن کا فرمان

اسی اصول کو قرآن سورۃ الرحمٰن کی پہلی چار آیتوں میں بیان کرتا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ۔ ۱۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۲۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۔ ۳۔ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۴۔

رحمان نے قرآن کا علم دیا۔ اس نے ہی انسان کو پیدا کر کے اسے علم بیان سکھایا۔

یہاں قرآن کا لفظ آغازِ عالم والے الہام کے لئے ہے۔ گویا واضح کیا گیا ہے۔ کہ انسان کی سب سے مقدم ضرورت الہامی علم کی ہے۔ اور اس کی وجہ سورۃ البقر میں وید اور اُپنشد والے اعلیٰ علمی استعارہ میں بیان کی گئی ہے۔

انسان کی پیدائش سے پہلے جو مادی اشیاء اور حیوانات وغیرہ مخلوق ہوئے۔ ان سب کو اس استعارہ میں ملائکہ کہا گیا ہے۔ خدا اور فرشتوں کے مابین ایک مکالمہ سا بیان کر کے الہام کی ضرورت کو واضح کیا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ میں اپنا خلیفہ یا نائب بنانے والا ہوں۔ واقعی خدا سے دوسرے درجے پر کل کائنات پر حکومت کرنے سے انسان خلیفہ یا نائب ہی ہے۔ اور اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ اس کے اس شرف کو واضح کرنے کے لئے فرشتوں کی زبانِ حال سے کہلایا گیا ہے۔ کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس میں مصروف ہیں ہم کو کیوں نہ خلافت دی جائے۔ چونکہ کل مخلوق اشیاء خدا کی ہی صنعت کاملہ و حکمت بالغہ کا مجسم ثبوت ہیں۔ اس لئے بجا طور پر انہیں خدا کی تسبیح و تقدیس کرنے والا کہا گیا ہے۔ لیکن خدا فرماتا ہے مجھے معلوم ہے۔ تم میں علم نہیں۔ جڑ چیزوں میں علم کہاں۔ اور حیوانات میں علم الٰہی کو قبول کرنے کی صلاحیت کہاں۔ اور بغیر اس علم کے خلافت کی ذمہ داری پوری کس طرح ہو۔ فرشتے زبان حال سے اعلان کرتے ہیں۔ کہ

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (بقرۃ ۳۳)
پاک ذات ہے تیری ہمیں علم نہیں آتا۔ سوائے اس کے جو تو سکھائے مطلب کہ بغیر خدا سے علم ملے دنیا میں علمی سلسلہ چل ہی نہیں سکتا۔ اسی اصول کو واضح کرنے کے لئے یہ اشارہ مقصود ہے۔

۱۸۔ دلائل

اوپر کا اشارہ کیا گیا بیان مہرشی دیانند اور آنحضرت کا اس مضمون پر کلی اتفاق ظاہر کرتا ہے۔ اور دونوں ہادیوں کی دلائل کا خلاصہ ہم فارسی کے ان اشعار میں قلمبند کرتے ہیں۔

نبودے اگر نیّرِ آفتاب ‖ نبُدے چشمِ انسان ظلمت مآب
بدیں نوع ہم روح و عقلِ بصیر ‖ بہ زندانِ ظلمات بودے اسیر
نداده بدے علمِ حق از خدائے ‖ کہ ہم رہنما ہست و مشکل کشائے
بہ سورۂ رحمٰن قرآن گفت ‖ خدا داد علم و بیانش نخست
بسا عالمان و شہان جہان ‖ بس تجربہ کردہ اند ایں بیان
جدا بچگان از ہمہ داشتیم ‖ خور و نوش شان را نگاہ داشتیم
قطع ربط و ضبط و گفت و شنید ‖ شدہ سالہا سال آمد پدید
کہ نتواں سخن کرد انسان زاد ‖ نہ از علم ہم چیزش ہیچ داد
ببیں طفلکے را کہ گرگے ربود ‖ بہ آواز و رفتار بس گرگ بود
غذائے بشر ہم نہ مرغوب ماند ‖ نہ دیدار انسان مطلوب ماند
نہ پس موجدِ علم بل ایں اصول ‖ نہ دیگران کند علم انساں حصول
ز تاریخ عالم ہویدا است راز ‖ کہ ہر ملک کش را بہ نہند بے ناز
ہمیداشت وحشی و جاہل خطاب ‖ نہ و نسبت تا صد شمارِ حساب
چو آمد بہ سایۂ قومے دِگر ‖ بہ علم و ہنر در جہاں نامور
بہ راہِ ترقی بشد گامزن ‖ شدہ زینتِ قومہائے زمین
بدیں نوع ہر فرد عالم شود ‖ چو شاگرد ہر مرد عالم بود
بگو ناظرِ ہوشمند و ذہین ‖ ز کہ علم آموختند اولین
نہ چوں سلسلۂ درس و تدریس بود ‖ نہ از درسگاہ ہیچ روئے نمود
ز مادۂ تاریک وہم بے شعور ‖ نہ امکاں کہ روح را دہد ہیچ نور
فقط بود یک ذاتِ پاکِ خدائے ‖ تواں کرد مر تو بہ علمش عطائے

ترجمہ:۔ اگر آفتاب سا منور کرہ نہ ہوتا۔ تو انسانی آنکھ تاریکی مجسم ہوتی۔ ایسے ہی اگر سچے رہنما اور مشکل کشا خدا نے علم حق عطا نہ کیا ہوتا۔ تو روح اور باریک بین عقل جہالت کے جیل خانہ میں ہی قید ہوتے۔ قرآن سورۂ رحمان میں فرماتا ہے۔ کہ خدا نے انسان کو پہلے علم دیا۔ اور زبان سکھائی۔ کئی عالم اور دنیا کے بادشاہ لوگ تجربہ کر کے بیان کر چکے ہیں۔ کہ ہم نے بچوں کو سب سے الگ رکھا۔ ان کے کھانے پینے پر نگاہ رکھی

نگران کے ربط ضبط اور بول چال کو بالکل منقطع رکھا۔ جب بہت سال اس طرح گذرے۔ تو ظاہر ہوا۔ کہ انسان کے بچے کلام تک نہیں کر سکتے تھے۔ اور نہ ہی نیچر نے بھی انہیں کوئی علم دیا۔ غور کرو اس ننھے بچے کی حالت پر جسے بھیڑیا اٹھا لے گیا۔ وہ آواز اور چال دونوں طرح سے بھیڑیا ہی ہو گیا۔ نہ انسانی غذا کی طرف اسے رغبت رہی۔ نہ انسان کی شکل دیکھنا اسے گوارا تھا۔ پس انسان علم کا موجد نہیں۔ بلکہ اصول یہ ہے۔ کہ وہ دوسرے لوگوں سے علم حاصل کرتا ہے۔ دنیا کی تاریخ سے یہ راز ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہر وہ ملک جسے آج تہذیب پر ناز ہے پہلے وحشی اور جاہل کا خطاب پائے تھا۔ سوتک گننا اسے نہ آتا تھا۔ مگر جب وہ کسی ایسی قوم کے سائے میں آیا۔ جسے علم و ہنر کی وجہ سے جہان میں شہرت حاصل تھی۔ تو وہ ترقی کے راستے میں قدم اٹھانے لگا۔ حتےٰ کہ اپنے زمانے کی قوموں کے لئے موجب زینت بنا۔ اسی طرح ہر فرد انسان عالم ہوتا ہے۔ جب عالم شخص کی شاگردی اختیار کرتا ہے۔ پس عقلمند اور سمجھدار ناظرین بتائیں۔ کہ آغاز والے لوگوں نے کس سے علم سیکھا۔ اس وقت نہ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ تھا۔ نہ کوئی تعلیمگاہ بنی ہوئی تھی۔ اور تاریک اور بے شعور مادہ سے ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ روح کو کوئی روشنی دے۔ لہذا محض خدا کی ہی پاک ذات تھی۔ جو انسان کو علم کی روشنی عطا کر سکتی تھی۔

۱۹۔ شہادت

اسی اصول کو مذاہب الاسلام مؤلفہ مولانا محمد نجم الغنی خاں صاحب رامپوری مطبوعہ ۱۹۰۱ء خادم التعلیم پنجاب لاہور فرقہ معتزلہ کے ہشیمیہ فرقہ کے اعتقاد میں صفحہ ۸۰ پر بدیں الفاظ پیش کرتا ہے۔

"اللہ پر کوئی چیز دنیا میں بندوں کے لئے واجب نہیں۔ جب تک ان کو شرع اور علم کے ساتھ تکلیف نہ فرماوے۔ اور جب ان کو اتنی سمجھ دیدے۔ کہ وہ واجب کے کرنے کو اور قبائح سے بچنے کو جاننے لگیں۔ اور ان میں برے کام کرنے کی خواہش اور اچھے کام کی نفرت پیدا کردے۔ اور اخلاق ذمیمہ ان میں ڈالدے۔ تو اس وقت اللہ پر واجب ہے۔ کہ ان کو قدرت اور استطاعت دے۔ اور برے کاموں سے بچنے اور اچھے کاموں کے کرنے کے لئے آلات بہم پہنچائے۔ اور ان پر اس چیز کا عطا کرنا ان کو واجب ہے۔ جو مامورات کی طرف لے جاتی ہو۔ اور منہیات سے بچاتی ہو"۔

اس سے پہلے صفحہ ۸ پر فرقہ ناجیہ کے بیان میں لکھا ہے۔

"بدا اللہ پر جائیز نہیں۔ اس لئے کہ محال ہے۔ کہ اللہ پر ظاہر ہووے۔ وہ چیز جو پہلے سے اس پر ظاہر نہ تھی۔ جس طرح کہ آدمی میں تبدیل رائے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالےٰ کا جہل ثابت ہوتا ہے"۔

پس فریقین ضرورت الہام میں متفق ہیں۔ اور وہ آغاز والے الہام کو ہی کامل اور بے بدل مانتے ہیں۔ انسانی عقل کی رہنمائی۔ انسان پر سزا جزا کی ذمہ داری یعنی مامورات و منہیات کی تمیز کا سوائے الہام الہیٰ کے کوئی ذریعہ نہیں۔

عـلـہ یہ بچہ آریہ یتیم خانہ بریلی میں لایا گیا۔ تو اس کی ہر حرکت بھیڑیئے کی سی ہو گئی تھی۔ بڑی مشکل سے اس میں آہستہ آہستہ تبدیلی کی گئی۔

۱۹ علم اور خدا

بعض قائلین خدا بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ علم انسان کی ایجاد ہے۔ اور منکرین خدا تو علمی الہام کو مان ہی نہیں سکتے۔ وہ تو نیچر کی کھلی کتاب کی ہی آڑ لیتے ہیں۔ لیکن دفعہ ۱۸ کی دلائل میں ان کا جواب موجود ہے۔ علاوہ اس کے یاد رکھنا چاہئے۔ کہ آج تک کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہوا۔ جس نے یہ دعوے کیا ہو۔ کہ فلاں علم میں نے ایجاد کیا ہے۔ نہ دنیا کے کسی بھی ملک کی تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ فلاں علم پہلے موجود نہ تھا۔ اور فلاں وقت سے وہ ایجاد ہوا۔ آم کے گرنے سے ایک فلاسفر اگر کشش زمین کا اصول پیش کرتا ہے۔ تو یہ علمی ایجاد نہیں۔ بلکہ اصول کشش کے پہلے سے معلوم علم کا زمین سے تعلق جوڑتا ہے۔ زمین پہلے سے موجود تھی۔ آم بھی ہمیشہ گرتے تھے۔ اور وہ فلاسفر جانتا تھا۔ کہ باپ اور بیٹا جو ایک دوسرے کی طرف کھچے آتے ہیں یا بھائی بھائی جو باہم بغلگیر ہوتے ہیں۔ ان کے مابین محبت کی کشش ہے۔ ایسے ہی اسے معلوم تھا۔ کہ فولاد کی طرف جو لوہا کھچا آتا ہے۔ اس میں طاقت کی کشش ہے۔ کسر تھی۔ تو فقط یہ کہ زمین پر پھل گرتے دیکھ کر اس نے کبھی کشش کے خیال کا تعلق نہ جوڑا تھا۔ اسی طرح جتنی کلائیں ایجاد ہوئیں۔ یہ مادی اشیاء پر اس علم کا عملی استعمال ہوا۔ جو موجد کو پہلے سے حاصل تھا۔ خواہ بذریعہ استاد۔ خواہ بذریعہ خدا۔ اور اگر استاد سے حاصل ہوا۔ تو اس کا بھی بنیادی تعلق خدا سے ہی تھا۔

رہی نیچر کی کھلی کتاب۔ یہ بھی فضول اور لایعنی سی حجت ہے۔ کتاب تو نیچر کو مان لو۔ لیکن اس کو علم دینے والی نہیں مانا جا سکتا۔ کتاب کو پڑھ وہی سکتا ہے۔ جس میں وہ علم ہو۔ کتاب خود استاد کا کام نہیں دے سکتی۔ کیا گھوڑا۔ گدھا وغیرہ سب حیوانات کے سامنے وہ کھلی کتاب موجود نہیں۔ اگر آغاز عالم سے اب تک ایک بھی جانور ایسا نہیں نکلا۔ جس نے نیچر کی کھلی کتاب سے سبق پایا ہو۔ نہ بینا یا نابینا آدمی نے سکول اور کالج وغیرہ کی بجائے نیچر کی شاگردی کی ہے۔ تو اس خیال میں وزن ہی کیا ہو سکتا ہے۔

درحقیقت نیچر جائے وقوع ہے۔ اس علم کی جو خدا میں ہے۔ جیسے جغرافیہ اور نقشہ کا تعلق ہے ویسا ہی علم اور نیچر کا ہے۔ جو جغرافیہ کو نہیں جانتا۔ نقشہ کو سمجھ نہیں سکتا۔ بعینہ بے علم انسان کے لئے نیچر بالکل گونگی۔ بہری اور نکمی ہے۔ پس بجائے اس کے کہ ناستک لوگ یہ اعتراض کر کے اپنی غیر معقولیت کا اظہار کریں اور خدا سے اس وجہ سے انکار کریں۔ انہیں اس معقول بات پر غور کرنا چاہئے۔ کہ دنیا میں جو علم موجود ہے۔ بہ طور امر واقعہ اور جس سے وہ بھی قائلین خدا کی طرح فیض پا رہے ہیں۔ یہ بذات خود ثبوت ہے۔ خدا کی ہستی کا۔ اگر خدا نہ ہوتا۔ تو علم کہاں سے آتا۔ اشیائے عالم کی صورت کو دیکھتا ہوا انسان اگر سورج کی روشنی یا اس کے وجود سے یا علیم کل سے انکار کرے۔ تو اسے خلل دماغ کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ انسان میں ذاتی طور پر علم کی عدم موجودگی ایک طرف ہو۔ اور جڑ یا بے جان نیچر جس کو اپنا بھی علم نہیں۔ دوسری طرف ہو۔ تو سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ

؎ باطل است آنکہ مدعی گوید خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

غرضیکہ اسلام اور ویدک دھرم دونوں کا ضرورت الہام پر متفق ہونا۔ وہ مبارک بنیاد ہے۔ جس پر ان کے باہمی اتحاد کی مضبوط عمارت بہ آسانی تعمیر ہو سکتی ہے۔

تیسرا باب۔ الہام وید

۲۰۔ وید کا دعوےٰ

اُس واجب الوجود یعنی علم وسرور وغیرہ صفات والے پُرش سے جو سروہتُت یعنی معبود کل۔ قادر مطلق اور بزرگ ترین خدا ہے رگ۔ یجو۔ سام اور چھند (اتھروید) نام چاروں ویدوں کا ظہور ہوا۔ (یجروید۔ ادھیائے ۳۱۔ منتر ۷) (۱)

جس قادر مطلق سے رگ وید ظاہر ہوا۔ جس بزرگ ترین خدا سے یجروید کا ظہور ہوا۔ ایسے ہی جس سے سام و اتھروید ظاہر ہوئے۔ نیز جس ایشور کا اتھروید مکھ (سب سے مقدم سر) اور سام بمنزلہ بالوں کے ہے۔ یجروید جس کے ہردے کی جگہ اور رگوید جس کے پران کی بجائے ہے۔

وہ سکنبھ یعنی تمام جہان کو قائم رکھنے والا پرمیشور کہاتا ہے۔ ایسا جانو یعنی یہ اعتقاد رکھو۔ کہ تمام جہان کے قیام کے موجب پرمیشور کے علاوہ کوئی بھی اور دیو وید کو بنانے والا نہیں ہے۔ (اتھروید۔ ۱۰۔ ۲۳۔ ۴۔ ۲۰)

(۲) اس منتر میں روپک النکار (استعارہ شکل) سے ویدوں کے مضامین کا بھی گیان دیا گیا ہے۔ چونکہ رگوید میں گیان کانڈ ہے۔ اور گیان سب میں مقدم ہے۔ بغیر گیان کے کوئی بھی کام صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ پران روپ ہے۔ یجروید میں کرم کانڈ ہے۔ اور اس کرم کانڈ کی کامیابی کے لئے ہردے کی اُدارتا یا کشادہ دلی ضروری ہے۔ جس کے بغیر انسان تنگ خیالی اور خود غرضی میں پڑ کر دُنیا سے کٹ جاتا ہے۔ اس لئے یجروید کو ہردے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ سام وید میں اپاسنا کانڈ ہے۔ یعنی قرب الٰہی کا مضمون۔ اور چونکہ اس میل کا تعلق پریم کے جذبات کی انتہائی منزل سے ہے۔ اور جذبات کے انتہا کی علامت انسانی جسم کے رونگھٹے کھڑے ہونے سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اس لئے سام وید کو لوم یا بالوں سے مشابہ بنایا ہے۔ اتھروید میں وگیان کانڈ ہے۔ اور علم کی مخصوص قابلیت ہی انسان کو تبلیغ حق کی ذمہ واری یا اس کا ادھیکار دیتی ہے۔ اور تبلیغ حق مکھ سے کیجاتی ہے۔ اس لئے اتھروانگرس کو مکھ کہا ہے۔

۲۱۔ قرآن مجید کی تائید

(۱) دفعہ ۱۲ میں بیان شدہ سورۃ الرحمٰن کی پہلی چار آیتیں صاف بتاتی ہیں۔ کہ جب آغاز عالم میں خدا نے انسان کو پیدا کیا۔ تبھی قرآن کا علم دیا۔ اور علم بیان (زبان) بھی عطا کیا

तस्मा यज्ञा त्सर्व हुत ऋचः सामानि जज्ञिरे ।
छंदा ॐ सि जज्ञिरे तस्मा यजु स्तस्माद जायत ॥ यजु० ३०, ७।
यस्माहृचो अपातक्षन् यजुर्यस्माद पाकषन् ।
सामानि यस्य लोमान्यथर्वाङ्गिरसो मुखम् ।
स्कम्भन्तं ब्रूहि कतमः स्विदेव सः ॥ ४-२٣-١٠ اتھرو ٢-٤-٢٣-١٠

ان الفاظ میں ہو بہو وہی بیان ہے۔ جو الہام وید کی نہ ہیں کام کرتا ہے۔ علم یا گیان میں تین ارکان ہیں۔ اوّل شبد یا الفاظ۔ دوم ارتھ یا معانی اور سوم سمبندھ یا تعلقات۔ معنیٰ یا تعلقات اصل علم ہیں۔ جس کا احساس روح ہی کرتا ہے۔ بہ قول مہرشی دیانند روح گیان کو گرہن کرنے کے لئے مثل آنکھ کے ہے یعنی جس طرح آنکھ سورج کی روشنی کو قبول کرتی ہے۔ کان یا زبان نہیں کرتے۔ اسی طرح اصل علم کو خود روح ہی محسوس کرسکتا ہے۔ کسی دوسری حس کا کام نہیں۔ کہ گیان کو جان سکے۔ رہے الفاظ ان کو زبان اور کان کے ذریعے بولا۔ اور سنایا جا سکتا ہے۔ اس غرض سے کہ ان کے ذریعے اشارہ کرکے معانی کے صحیح احساس کی تحریک کی جاسکے۔ اور چونکہ ہر انسان کی تقریر اس کے اندرونی خیالات کی قائم مقام ہے۔ اور صحیح علم جو خدا سے ملتا ہے۔ اس کو کوئی انسانی زبان بیان نہیں کرسکتی۔ اس لئے الفاظ یا علم بیان بھی خدا سے ملنا لازمی ہے۔ محض ویدوں کے الفاظ کا نام گیان نہیں۔ بلکہ خالی الفاظ تو اودیا میں ہی شمار ہوتے ہیں۔ ہاں معانی اور تعلقات کے ساتھ ہی شبد کو درجۂ الہام ملتا ہے۔ پس قرآن مجید نے ہو بہو یہی پوزیشن لی ہے۔ کہ خدا نے علم دیا۔ بہ صورت معنی و تعلقات اور الفاظ دیئے۔ کہ رشی دوسروں تک علمی تجسس کی تحریک پہنچا سکیں۔

۲۔ سب انسان ایک ہی جاتی یا ایک ہی دھرم والے ہیں۔ خدا نے نبی (رشی) پیدا کئے تھے۔ کہ (نیکوں کو) خوشخبری اور (بدوں کو) ڈراوا دیں۔ اور ان کے ساتھ ہی سچے علوم کی کتب کا ظہور فرمایا تھا۔ کہ انسانوں کے مابین امور متنازعہ فیہ کا فیصلہ ہوتا رہے۔ بقر۔ ۲۱۳۔ (۱)

اس میں بھی تائید اسی امر کی گئی ہے۔ کہ آغاز عالم میں جو نبی ہوئے۔ ان کے ظہور کے ساتھ ہی الہامی علم کا ظہور وابستہ تھا۔ اور اس کی غرض یہ تھی۔ کہ انسان باہمی اختلافات سے بچیں۔ اور متحد رہیں۔ ہر اختلاف کا فیصلہ الہامی کتب سے لے لیا کریں۔

۳۔ سورۃ یونس آیت ۱۹ میں کہا ہے۔ کہ

انسانوں کا ایک ہی دھرم تھا پھر اختلاف ہوگیا۔ اور جب تک تیرے رب سے ملی ہوئی کلاموں کو مقدم درجہ نہ دیا جائے گا۔ امور متنازعہ فیہ کا فیصلہ نہ ہوگا۔ اختلاف رہیگا۔ (۲)

۲۲ - قرآن بمعنے وید

یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ آنحضرت سورۃ الرحمن کے شروع میں جو قرآن کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ وہ عربی قرآن کے لئے جو تیرہ چودہ صدی سے ظہور پذیر ہوا۔ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ آغاز عالم والے الہامی علم کا ہی نام ہے۔ اور آج تک آغاز عالم الہام کا دعوے سوائے وید کے نہ کسی نے کیا ہے۔ اور نہ کسی نے وید کے سوا کسی کتاب کے آغاز میں ملنے یا وید سے پہلے موجود ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ہاں وید کو سب سے قدیم کتاب کل دنیا کے علما سے متفقہ طور پر تسلیم کیا جارہا ہے۔

(۱) كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ٥ (۲) وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ٥

۲۳۔ اسم با مسمیٰ

قرآن مصدر ہے۔ بمعنے پڑھنا۔ مگر مفعول کے معنے میں استعمال ہو کر کتاب کا نام ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اس پر قراءت کا فعل واقع ہوتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور قراءت وہ تلاوت یا پاٹھ ہے جس میں الفاظ و حروف اپنے صحیح تلفظ کے ساتھ بقید صحیح مخرج کے بولے جاویں۔ چونکہ آغاز عالم سے آنحضرت کے زمانے تک ویدوں کا سوسہنت پاٹھ ہوتا آرہا تھا اور شدھ اچارن (صحیح تلفظ) کی شرط وید پاٹھ سے مخصوص تھی۔ اس لئے آنحضرت نے قرآن کا لفظ وید کے لئے منتخب کرنے میں کمال کی باریک بینی کا ثبوت دیا ہے۔

۲۴۔ عجمی اور عربی قرآن

۴۔ اور اگر ہم اس کو عجمی قرآن بناتے تو کہتے۔ کہ کیوں اس کی آیتیں کھولی (ہماری زبان میں بیان) نہ کی جاویں۔ کہاں عجمی زبان اور کہاں (ہم) عربی یا عجمی کیا اور عربی کیا۔ کہدو۔ کہ ایمان لانے والوں کے لئے یہ ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں رکھتے۔ ان کے کانوں میں گرانی اور وہ ان کے حق میں نابینائی ہے۔ یہ لوگ بڑی دور کی جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔ کہ ان کو سنائی نہیں دیتا۔ حم السجدہ ۴۴ (۱)

اس آیت سے ظاہر ہے۔ کہ الہامی علم جس کے دوران بیان میں یہ آیت آئی ہے۔ غیر عربی یا عجمی زبان میں تھا۔ اگر آنحضرت اسے عجمی میں پیش کرتے یا اس کے منتخبات وغیرہ کو عجمی میں ادا کرتے۔ تو پھر بھی مطالبہ عربی زبان کا قائم رہتا۔ اس لئے آپ نے اسے عربی جامہ میں پیش کیا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ قرآن کا لفظ آپ نے آغاز عالم والے الہام کے لئے رکھا۔ اور اس کی تفصیل جو عربی میں لکھی۔ اس کو بھی قرآن نام دیا۔ تو عجمی اور عربی دو زبانوں کی نسبت سے اس کی تمیز کرا دی۔ جس طرح وید کی جو تفاسیر برہمن گرنتھوں میں ہوئیں۔ ان کو بھی وید ہی مانا اور کہا گیا۔ اسی طرح عجمی قرآن (وید) کے منتروں کو عربی جامہ میں پیش کرنے پر اسے قرآن کہنا عین موزوں ہی تھا۔ اس پر زیادہ روشنی اگلی دفعات میں پڑے گی۔

۲۶۔ الکتاب بمعنے وید

(۵) سورۃ البقر آیت ۱ و ۲۔ کامل ہے۔ وہ کتاب جو زبہر انت (منزہ من الخطا) ہے۔ وہ متقی لوگوں کو ہدایت دیتی ہے (۲)

یہ دونوں آیتیں نہایت معنے خیز ہیں۔ پوری وضاحت کے لئے دیکھو ویدک تفسیر۔ یہاں محض یہ جاننا چاہیئے۔ کہ ذالک کا لفظ بعید کے زمانہ گذشتہ والی کتاب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جسے کامل اور منزہ من الخطا کہا گیا ہے۔ سو کامل اور غلطی سے مبرا محض خدا ہے۔ اور اسی کے الہامی علم کے لئے الکتاب کا لفظ

(۱) وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ

(۲) الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝



ہے۔ وید کو آغاز عالم سے بھی مانا جاتا ہے۔ کامل بھی اور نر بھرانت بھی۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ کا مفہوم یہی ہے۔ کہ جس میں کوئی غلطی یا بھرانتی کی بات نہ ہو۔ لیکن نر بھرانت کی اصطلاح کا علم نہ رہنے سے اس کا صحیح ترجمہ ہو ہی نہ سکتا تھا کتاب اس وقت کاغذ پر سیاہی سے چھپی ہوئی ہی مانی جاتی ہے۔ لیکن یہ لفظ کتاب کتبت .... الشئ ازا جمعتہ سے ہے۔ جس کے لغوی معنے ہیں۔ فراہم آوردن و حکم کردن و... گرد کردن اور اس کا مفہوم علوم کو جمع کرنا ہے۔ چونکہ وید میں کل علوم کا خزانہ ہے۔ اس لئے اسے کتاب کہنا موزوں تھا۔ اور تمام دیگر کتب سے الہامی علم کی تمیز کرانے کے لئے اسے کامل اور نر بھرانت کہنا بالکل بجا اور معقول تھا۔ بیان القرآن صفحہ ۴۸ ۶ پر بھی کتاب کو خدا کا علم اور حکم ہی مانا گیا ہے۔ الفاظ بائیبل اور سنگھتا کا بھی یہی مفہوم ہے۔

۲۶۔ مستند بالذات

وید کو سوتہ پرمان (مستند بالذات) مانا جاتا ہے۔ اور مستند بالذات وہی ہے۔ جو کامل ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ البقر آیت ۲۱۳ میں جو الہامی کتاب کی غرض بتائی ہے۔ کہ اختلافات کے بارے میں وہ ناطق فیصلہ دے" اور سورۃ یونس آیت ۱۹ میں جو یہ کہا ہے۔ کہ بغیر خدا کی الہامی کتاب کی طرف رجوع کرنے کے مذاہب کے اختلافات دور نہ ہوں گے۔ یہ بھی کتاب الٰہی کے مستند بالذات ہونے کا ثبوت ہے۔ اور چونکہ اس وقت تک بھی آخری فیصلہ وید کا مانا جاتا ہے۔ آریہ سماج اور سناتن دھرم سبھا کے مباحثے میں ہر دو فریق ایک دوسرے سے وید منتر کا حوالہ مورتی پوجا وغیرہ کے متعلق طلب کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ تفسیر میں واضح ہوگا۔ آنحضرت کے وقت میں بھی یہی مطلب ہوتا تھا۔ اس لئے کامل کتاب کا لفظ وید پر ہی دلالت کرتا ہے۔

۲۷۔ وید والکتاب قرآن میں

الکتاب کا لفظ بقر۔ ۲ میں وید کے لئے ہی ہے۔ اس کا ثبوت بھی قرآن میں ساتھ والی آیت میں دیا ہے۔ (بقر۔ ۳) (متقی لوگوں کو ہدایت دیتی ہے) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ عبادت بلاناغہ کرتے ہیں۔ اور خدا سے ملے ہوئے رزق میں سے (راہ حق پر) خرچ کرتے ہیں۔ (۱)

یہ بیان رگوید اشٹک ۱۔ ادھیائے ۱۔ ورگ ۶ منتر ۱۱ کا لفظی ترجمہ ہے۔ اس وید منتر میں سرسوتی کی تعریف بتائی گئی ہے۔ اور سرسوتی نام ہے وید کا۔ تعریف کیا بتائی ہے۔ کہ

سرسوتی (وید) سنرت (متقی یا دھرماتما دوجوں) کو ہدایت دیتی ہے۔ اور سمتی (اعلےٰ عقل) والوں کو گیان پر قائم یا انہیں چیتائے رکھتی اور یگیہ کو دھارن کراتی ہے (۲)

وید منتر میں کہا سنرت لوگوں کو ہدایت دیتی ہے قرآن میں کہا متقی لوگوں کو ہدایت دیتی

(۱) اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝

चोदयित्री सूनृतानां चेतन्ती सुमतीनां यज्ञं दधे सरस्वती

ہے۔ وید منتر میں کہا۔ اعلےٰ عقل والوں کو چتنیائے رکھتی ہے۔ قرآن میں کہا۔ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کو اور غیب کیا ہے۔ پروکھش گیان یعنی وہ علم جو حواس سے محسوس نہیں ہوتا۔ شاستر کار دو طرح کا گیان مانتے ہیں۔ ایک تو ہے پرتیکھش جو آنکھ وغیرہ حواس سے روپ (شکل) وغیرہ کا ہوتا ہے۔ یہ معمولی بات ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق جاہلوں سے بھی ویسا ہی ہے۔ دوسرا ہے۔ پروکھش گیان شاستر میں کہا ہے۔ دیوتا لوگ پروکھش کے پیارے ہیں۔ پرتیکھش سے کنارہ کرتے ہیں۔ (۱)

یہی مطلب غیب پر ایمان لانے کا ہے۔

شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل۔ ایل۔ ڈی قرآن مجید مترجم مطبوعہ ۱۳۲۳ھ قاسمی پریس دہلی صفحہ ۴ کے حاشیے پر لکھتے ہیں

وَيُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔ غیب مصدر ہے۔ اور اس کے معنے ہیں۔ وہ چیز جو حاسے سے غائب ہو۔ پروکھش کی جگہ ہی غیب آیا ہے۔ یہ خیال ان الفاظ سے پورے طور پر مضبوط ہوتا ہے۔

وید منتر میں آگے کہا تھا۔ یگیہ کو دھارن کراتی ہے۔ اب یگیہ کے وسیع معنوں کو تین قسموں میں بیان کیا ہے۔

اول دیو پوجا۔ دوم سنگتی کرن۔ اور سوم دان۔

دیو پوجا ہے۔ اشیاء کا سچا علم پانا۔ اور اس علم کے مطابق ان کا استعمال کرنا۔ اور چونکہ مقدم معنے ہر لفظ کے پرمیشور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے سب دیووں میں بڑا دیو جو خدا یا پرمیشور ہے۔ اس کی عبادت یا اسی کی الہامی کتاب کا مطالعہ پوجا کا انتہائی لطیف مفہوم ہے۔ اور اس کے لئے قرآن میں فرمایا ہے يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ عبادت وغیرہ بلاناغہ کرنے والے۔ دوسرے معنے سنگتی کرن کا مطلب جمع کرنا کمانا وغیرہ ہے۔ اور دان کا مفہوم خرچ کرنا یا دینا ہے۔ ان دونوں کا مطلب مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں آیا ہے۔ خدا نے جو رزق دیا ہے۔ وہ ہے سنگتی کرن یا جمع یا کمائی اور اس میں سے راہِ حق پر خرچ کرنا ہے دان۔

غرضیکہ آنحضرت نے شروع میں ہی وید کو کامل اور نربھرانت کہا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کی وہی تعریف کر دی ہے۔ جو وید نے خود اپنا لکھشن بتایا تھا۔

۲۸۔ سوائے وید کے کچھ مقصود نہیں

مفسرین کہتے ہیں۔ کہ یہاں عربی قرآن کو کتاب کہا ہے۔ اور اکثر جگہ کتاب لفظ کو توریت انجیل سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن بقرہ ۲ میں کسی بھی ممکن طریق سے سوائے وید کے کسی طرف اشارہ نہیں جا سکتا۔ کیونکہ عربی قرآن اور دوسری کتب کا ذکر چوتھی آیت میں جدا موجود ہے۔ متقی لوگوں کے لئے اس کا ماننا بھی ضروری ہے۔ جو رسول صلعم پر نازل ہوا۔ اور ان سے پہلوں پر (بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ) پس کل رسولوں پر نازل شدہ کتابوں سے

१ परोक्षप्रिया हि देवः प्रत्यक्ष द्विषः।

الگ و کامل اور منزہ من الخطا اور مستند بالذات جو کتاب ہے۔ وہ وید ہی ہے۔ اور آیت ۴ میں جو قیمتی نکتہ کام کرتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جیسا منو ۲-۱۲ میں کہا ہے۔ کہ وید (الہامی علم) سمرتی (رشیوں کی تصنیفات) برگزیدہ اشخاص کا طرز عمل (سدا چار) اور ضمیر کے مطابق بانند۔ یہ چار ذریعے ہیں۔ جن سے دھرم کا صحیح گیان ملتا ہے۔ (۱)

اسی کو قرآن قابل تسلیم بتاتا ہے۔ جو تجھ سے پہلوں پر نازل ہوا۔ یہ ہیں قدیم رشی کرت تصنیفات اور جو تجھ پر نازل ہوا۔ یہ ہے قرآن اور آپکا نیک عمل اور ضمیر کا تعلق تو عام ہے۔

۲۹- اُمّ الکتاب بمعنے وید

اتھروید کانڈ ۱۹۔ سوکت ۷۱ منتر ۱ میں وید کو ماتا کہا۔ اور اس کی تعریف کی ہے۔ کہ وہ دوجوں کو پاک کرنے والی۔ سب کو ہدایت دینے والی۔ عمر۔ زندگی مال اولاد۔ شہرت۔ دولت و شوکت وغیرہ سب مرادوں کو پورا کرنے والی اور آخر میں روحانی جلال دے کر برہم لوک (نجات) تک پہنچانے والی ہے۔ (۲)

جس طرح دنیا میں نیک اور سچی ماتا اپنی اولاد کی بنیاد مضبوط کرکے اس کی طاقت وغیرہ کو کامیاب کرتی ہے۔ اسی طرح وید ماتا تمام جسمانی اور روحانی مرادوں کو بر لاتی ہے۔ اور اسی خوبی کے احساس سے قرآن میں جا بجا اس کا بیان کیا۔ اور اسے ام الکتاب کہا ہے۔ حتےٰ کہ عربی قرآن کا کلّیتہً انحصار ام الکتاب پر ہی رکھا ہے۔

۷۔ سورۃ الرعد آیت ۳۸ میں ہے۔ اللہ جسے چاہتا مٹاتا۔ اور جسے چاہتا قائم کرتا ہے۔ اور ام الکتاب اس کے ساتھ ہمیشہ ہے۔ اس سے پہلی آیتوں میں رسولوں کی مقامی یا زبانی تحریروں کے لئے خدا کے اذن کی شرط ہے۔ اور اس آیت میں فیصلہ دیا ہے۔ کہ دیگر کتب منسوخ بھی ہوتی ہیں۔ اور قائم بھی رہتی ہیں۔ مگر ام الکتاب بے بدل ہے۔ اور دائم۔

۸۔ سورۃ ھود آیت ۱۔ ورشن کرو۔ اس کتاب کے جس کی آیتیں محکم ہیں۔ اب اس کی عقل کل و علم کل خدا کی حضوری میں تفصیل کی جاتی ہے۔ (۳)

یہ محکم آیتوں والی کتاب اُمّ الکتاب ہی ہے۔ اس کا ثبوت آل عمران آیت ۶ میں ہے۔

۹۔ خدا ہی تم پر اس کتاب کو نازل کرنے والا ہے۔ اس میں دو طرح کی آیتیں ہیں۔ محکم یعنی عالمگیر اور بے بدل اصولوں کو بیان کرنے والی اور یہ ام الکتاب کی ہیں۔ اور دوسری نظریں یا متشابہ آیتیں ہیں۔ (۴)

---

१ वेदः स्मृतिः सदाचारः स्वस्य च प्रियमात्मनः। ۱
एतच्चतुर्विधं प्राहुः साक्षाद्धर्मस्य लक्षणम्॥

२ स्तुता मया वरदा वेद माता प्रचोदयन्ताम पावमानी द्विजानाम्। ۲
आयुं प्राणं प्रजां पशुं कीर्तिं द्रविणं ब्रह्मवर्चसं मह्यं दत्वा व्रजत ब्रह्मलोकम्।

۳ الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ

۳۰۔ عربی قرآن اور ام الکتاب

(۱۰) سورۃ زخرف آیت ۲ و ۳۔ (۱)
ہم نے گیان والی (علمی) کتاب کو ہی عربی قرآن بنا دیا ہے۔ کہ تمہیں عقل آوے۔ یہ ام الکتاب میں ہی ہے۔ جو ہمارے ہاں اعلےٰ پایہ کی پُر حکمت کتاب ہے۔

۳۱۔ عربی قرآن اور وید

(۱۱) سورۃ یوسف آیت ۱ و ۲ (۲)
روشن کردہ علمی کتاب کی ان کچھ آیتوں کے تحقیق انہیں عربی قرآن میں اتارا گیا ہے۔ کہ تمہیں عقل کی روشنی ملے۔

(۱۲) حٰم السجدہ آیت ۲ و ۳۔
رحمان اور رحیم خدا سے جو الہامی کتاب ظاہر ہوئی تھی۔ اس کی آیتوں کی عربی قرآن کی صورت میں تفصیل کی جاتی ہے۔ تاکہ یہاں کے لوگوں میں علم پھیلے۔ (۲)
چونکہ الکتاب نام ام الکتاب وید کا ہے۔ اور کتاب مبین بھی اسی کتاب الٰہی کے لئے ہے۔ اس لئے عربی قرآن اور وید کا تعلق ظاہر ہے۔
۱۳۔ سورۃ الواقعہ آیات ۷۷ تا ۸۰۔
"تحقیق یہ قرآن کریم اس کتاب الٰہی میں نہاں ہے۔ جسے نیک پاک لوگوں کے سوا کوئی چھو یا سمجھ نہیں سکتا۔ اور جو رب العالمین سے ظہور پذیر ہوئی ہے (۳)، وہ نیک پاک لوگ جن کی طرف ... یہ بیان منسوب ہے، وید بھگت آریہ لوگ تھے۔

۳۲۔ لوح محفوظ بمعنے وید

(۱۴) سورۃ البروج آیت ۲۱۔ ۲۲ میں ہے۔ (۴)
بے شک وہ قرآن مجید۔ لوح محفوظ میں موجود ہے۔
اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ لوح محفوظ سے کیا مراد ہے۔ سو چونکہ لوح محفوظ کے متعلق بیان محض وہی ہے۔ جو ام الکتاب۔ کتاب مبین وغیرہ کے ساتھ دیا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ قرآن ام الکتاب میں ہے۔ یا کتاب مبین کی آیتوں کی عربی تفصیل ہی قرآن ہے۔ تو لوح محفوظ بھی صریحاً وید کا ہی نام ہے۔ اور اس میں ایک خاص علمی نکتہ ہے۔ کہ الفاظ تو ہیں غلاف بیرونی اور معانی اور تعلقات ان کے اندر نہاں یا محفوظ ہیں۔ اور جب عربی قرآن کتاب الٰہی کی آیات کی ہی تفصیل ہے۔ تو یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ وید قرآن کے لئے لوح محفوظ ہے۔

۱۔ حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝
۲۔ حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝
۳۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
۴۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝

ایش اپنشد منتر ۱۵ میں اس راز سر بستہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔
"ہے پربھو! سنہری برتن (ظاہری الفاظ وید) نے اصل حقیقت کے چہرے کو ڈھانپ رکھا ہے۔ سو ہے پرمیشور! اس ڈھکنے یا غلاف کو اٹھا دو۔ کہ ہم سچے دھرم کے درشن کریں۔" (۱)

وید منتروں کے معانی کا سمادھی یا مراقبہ میں انکشاف پانے کے خواہشمند رشی جہاں غور و فکر سے کام لیتے تھے۔ وہاں سمادھی لگا کر آتما سے الفاظ کے اندر نہاں معانی کے درشن کرتے تھے۔

قرآن سورۃ ھود آیت ا میں جو یہ کہا۔ کہ درشن کرو۔ اس کتاب کے جس کی آیتیں محکم ہیں (۲) یہ وید منتر کے ان الفاظ کا ترجمہ ہیں۔ دیوسیہ پشیہ کاویم نہ ممارنہ جیرتی۔ اس پربھو کے کاویہ کے درشن کرو۔ جو بے بدل ہے۔ یعنی محکم نہ مرنے اور نہ پرانا ہونے والا۔ (۳) یہی مطلب آل عمران آیت ۶ میں ام الکتاب کی محکم آیات کا ہے۔

ایسے ہی رشیوں کے انکشاف علمی پر آنحضرت خود عمل کرنے ہوئے ظاہر ہوتے ہیں۔ جب وہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ میں علم کل اور واقف اسرار نہانی کی قربت میں معنے جان کر تفصیل کرتا ہوں۔ محفوظ رکھنے کے لئے استحکام کی ضرورت ہے۔ اس لئے محکم آیات والی ام الکتاب وید معقول طور پر لوح محفوظ کہی جا سکتی ہے۔

۳۳۔ ایک معنے خیز حدیث

احادیث سے اگرچہ ہم قرآنی تعلیم کو خلط ملط کرنا نہیں چاہتے۔ تو بھی ہم یہ قبول کرتے ہیں۔ کہ جیسے پرانوں میں کئی ویدک صداقتیں نہاں ہیں۔ اسی طرح احادیث میں بھی کئی معنے خیز بیانات موجود ہیں۔ جیسے الم لفظ کے معنے خیز معلوم ماننے پر بھی حدیث میں بیان ہے۔ کہ صوفی اس کے معنے "انا لی منی" بتاتے ہیں۔ اور یہ صحیح ہے۔ انا عربی لفظ معنے میں اور الم اِتی سنسکرت کا ہے۔ یعنی میں اللہ کا مل ہوں۔

اسی طرح ترجمہ اردو صحیح بخاری صفحہ ۵۵ حدیث نمبر ۳۴۳ میں معراج کی مختصر تفصیل میں ذکر ہے۔ کہ۔
"جبرئیل نے آنحضرت کا سینہ چاک کیا۔ اسے آب زمزم سے دھویا۔ اور حکمت و ایمان سے بھرا ہوا سونے کا طشت آپ کے سینے میں انڈیل دیا۔"

جبرئیل نام ہے۔ گورو یا آچاریہ کا جو زر دید باطل سے دل کی بیماری کا اپریشن کرتا ہے۔ یا یہ الفاظ دیگر سینے کو چاک کرتا اور آب زمزم یعنی سچے اپدیش کے امرت جل سے اسے دھوتا۔ اور پھر سچا علم جو سونے کے تھال میں بھر رہا ہے۔ انڈیل دیتا ہے۔ ایش اپنشد کے پندرھویں منتر میں جو ہرن مئین پاترین کا لفظ

۱۔ हिरण मयेन पात्रेण सत्यस्यापि हितं मुखम् ।
तत्त्वं पूषन्नपावृणु सत्यधर्माय दृष्टये ।

۲۔ الرٰ۔ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝

3- देवस्य पश्य काव्यं न ममार न जीर्यति ।

ہے۔ اسی کا ترجمہ سنہری تقال ہو رہا ہے۔

۴۳۔ ذکر یعنی وید

۱۵۔ سورۂ الصافات آیت ۱۶۷ و ۱۶۸ میں کہا ہے۔
یہ تو کہتے تھے۔ کہ اگر ہمارے پاس آغاز عالم والوں کی علمی کتاب (ذکر) آتے تو ہم خدا کے مخلص بندے بن جاویں۔ (۱)

سورۃ طٰہٰ۔ آیت ۱۴ میں اللہ ہوں۔ میرے سوائے کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کر اور میری کلام (ذکر) کے لئے جو عبادت ہے۔ وہ بھی کر۔ (۲)

قرآن میں صلوٰۃ لفظ درحقیقت یگیہ کے لئے ہے۔ ویدک دھرمیوں کے جو روزانہ پانچ یگیہ ہیں ان سب کے لئے قرآن میں صلوٰۃ کا لفظ ہے۔ محض نماز کے لئے نہیں۔ والدین کی عزت۔ عالموں اور داناؤں کی خدمت بھی صلوٰۃ ہے۔ اور برہم یگیہ میں جہاں سندھیا والی عبادت ہے۔ وہاں کتاب مقدس کا مطالعہ بھی ہے۔ جسے سوادھیائے کہتے ہیں۔ قرآن میں بھی یہ دونوں باتیں ہیں۔ اس لئے اس آیت میں پہلے تو عبادت کے لئے کہا پھر اپنے ذکر یعنی کتاب مقدس کے لئے جو عبادت ہے۔ اس کے لئے بھی فرمادیا ہے۔

عنکبوت آیت ۴۵ میں کہا ہے۔

۱۴۔ کتاب الٰہی میں سے جو تم پر وحی کیا گیا ہے۔ اس کو پڑھو۔ اور عبادت بلاناغہ کرو۔ (۳)

۱۵۔ سورۃ طٰہٰ آیت ۹۹ میں بھی الہام الٰہی کا ذکر کیا ہے۔ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا۔ تحقیق ہم نے اپنی جناب سے تمہیں ذکر دیا ہے۔

۱۶۔ اسی سورت کی آیت ۱۱۳۔ ہم نے جو اسے عربی قرآن کی صورت میں ظاہر کیا۔ اور اس میں طرح طرح کے ڈراوے لکھے ہیں۔ اس سے غرض یہ ہے۔ کہ وہ متقی بن جاویں۔ اور ان کو کتاب الٰہی (ذکر) کی طرف توجہ ہو۔ (۴)

۱۷۔ حٰم السجدہ ۴۱ تا ۴۳ ”ان لوگوں نے کتاب الٰہی (ذکر) سے انکار کیا۔ جب وہ ان کے پاس آئی حالانکہ وہ بڑے پائے کی کتاب ہے۔ کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے ہی پھٹکنے پاتا ہے۔ نہ اس کے پیچھے اس لئے کہ اس کا ظہور اس خدا سے ہوا ہے۔ جو علیم کل اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔ تم کو وہی کچھ کہا جاتا ہے۔ جو تم سے پہلے رسولوں کو کہا گیا تھا“ (۵)

۱۔ وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ۝ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝
۲۔ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي ۝
۳۔ اُتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ
۴۔ وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝
۵۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۚ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ
مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۚ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ
قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَّذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ۝

اس حوالہ میں ذکر کی صداقت کے لئے جو یہ دلیل دی ہے۔ کہ اس کا ظہور اس سرو گیہ پرشور سے ہوا ہے۔ یہ ہو بہو وہی دلیل ہے۔ جو ویدانت درشن وغیرہ میں وید کے متعلق دی ہے۔

۱۸۔ یہ آغاز والے لوگوں کے طریق کا ہی انتظار کرتے تھے۔ سو اللہ کے طریق میں تو کوئی تبدیلی نہ پائیگا۔ اور نہ اللہ کے طریق میں تو کوئی تحویل پائیگا۔" فاطر۔۴۳۔ (۱)

صاف ظاہر ہے۔ کہ لوگوں کو قدیم ازلی ابدی دھرم پر ہی اعتقاد تھا۔ اور وہ خواہش رکھتے۔ بلکہ یہی دعائیں مانگتے تھے۔ کہ آغاز والی کتابوں کا ہی علم ہم کو ملے۔ سو وہی کچھ آنحضرت نے کیا۔ ملت ابراہیم جس کی پیروی پر رسول صلعم فخر کرتے ہیں۔ اس کے مطابق سورۃ بقر آیت ۱۲۸ میں ابراہیم کی دعا ہے۔ کہ اے ہمارے پروردگار ان میں انہی میں سے رسول بھیج کہ ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنا دے۔ اور تیری کتاب اور عقل کی باتیں سکھائے اور ان کی اصلاح کرے۔ (۲)

سورۃ بقر آیت ۱۵۱ میں (۳) اس دعا کی قبولیت کے طور پر رسول کے آنے اور کتاب الٰہی سنانے اور اصلاح وغیرہ کرنے کا ذکر ہے۔ یہ رگوید ۱۰۔۱۰۔۹۔ سم کا ہی مشابہ کرتی ہیں۔ کہ ہمارے درمیان ایسا عالی شان ہدایت کنندہ عالم آئے۔ جو وید منتر ہمیں سنائے ان کا مطلب ہمارے ذہن نشین کرائے اور ہمیں اپنے زیر ہدایت رکھ کر ہمارے علم حکمت اور رفاہ عام کے کاموں کو ترقی دے۔

۳۵۔ زبر معنی وید

۱۹۔ سورۃ الشعرا آیت ۱۹۶ میں ہے۔ "إِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ" یعنی یہ عربی قرآن آغاز والوں کی کتابوں میں ہے یعنی ویدوں میں آیت ۱۹۲ تا ۱۹۵ میں پہلے قرآن پر بحث کی ہے۔ اور پھر کہا ہے۔ یہ آغاز عالم والے رشیوں کی کتابوں میں ہے۔ بائیبل میں جو زبور ہے۔ وہ بھی محض وید منتروں کے ہی بگڑے ہوئے ترجمے یا ویدک پرارتھناؤں کے متعلقہ گیت تھے جن کو منتر میں پیش کیا گیا تھا ہے۔

۳۶۔ وید کی بجائے "ود" لکھا ہے

۲۰۔ سورۃ المریم آیت ۹۶ تا ۹۷ تحقیق حق کو قبول اور نیک عمل کرنے والوں کے لئے ہی وہ رحمان "ود" کو واقف کرے گا۔ سو ہم نے اس کو تیری زبان میں آسان کر دیا ہے۔ تاکہ تو متقی لوگوں کو خوشخبری دے۔ اور گمراہ مخالفوں کو ڈرا دے (۵)

۱۔ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝

(۲) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(۳) كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

(۴) وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۔ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۝

۵۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ

چونکہ کئی دوسری جگہوں میں آچکا ہے۔ کہ قدیم کتاب الہی یا وید منتروں کو ہی عربی قرآن کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اور یہاں بھی یہی بیان ہے۔ کہ اس وّد کو عربی زبان میں آتارا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ وید کو ہی وّد لکھا جا رہا ہے۔ قرآن میں وید کے سلیل لفظ کو کہیں سلال کہا ہے۔ کہیں صلصال۔ اور اسی طرح کئی الفاظ کا تلفظ بدلا ہوا ہے۔ اس لئے وید کی جگہ وّد ہونا معمولی بات ہے۔ اس مضمون کے اخیر میں ہم نے ایسی کمیوں کے لئے بعض صحابی کو معذور بنایا ہے۔ اور سرسید احمد خاں صاحب کی شہادت سے واضح کیا ہے۔ کہ حالات کے لحاظ سے کامل طور پر قدیم الفاظ کا صحیح حالت میں رہنا بہت مشکل تھا۔ از انجملہ ایک یہ وقت تھی۔ کہ آنحضرت کے نوٹ شدہ کلام کا بیان زیادہ تر کوفی زبان میں تھے۔ جس میں نقطے نہ ہوتے تھے۔ موجودہ مہاجنی ہندی یعنی لنڈوں میں نوٹ شدہ الفاظ کبھی صحیح تلفظ سے نہیں پڑھے جا سکتے۔ اگر پڑھنے والے کو خود صحیح علم نہ ہو۔ پھر لغات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وَدْ۔ وِدْ اور وُدْ تینوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ سو حقیقت محض یہی ہے۔ کہ وید کو نقطوں کے بغیر وَد اور وِد ہی نوٹ کیا جا سکتا تھا۔ اور حرکات کے بغیر ہونے سے تینوں طرح پر اس لفظ کو پڑھ سکتے تھے۔

۳۷۔ الہام روح میں

جہاں کامل۔ ترہرانت۔ مستند بالذات۔ آغازِ عالم والوں کی کتب وغیرہ وغیرہ صفات وید پر ہی دلالت کرتی ہیں۔ اور قرآن کتاب۔ کتاب مبین۔ کتاب منیر۔ ام الکتاب۔ ام القرآن۔ قرآن کریم۔ کتاب حکیم۔ ذکر۔ زبر۔ فرقان۔ لوح محفوظ۔ کتاب حفیظ۔ وّد وغیرہ کے سب نام وید کے رکھے گئے ہیں۔ وہاں یہ بیان بھی وید کو ہی الہامی کتاب قرار دیتا ہے۔ کہ خدا نے اپنا علم فرشتوں (رشیوں) کے آتما میں ظاہر کیا۔ یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ گورو یا والدین سے جو علم ملتا ہے۔ وہ دل تک پہنچتا ہے۔ اور خدا سے جو علم ملتا ہے۔ وہ روح میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ سو قرآن اس امر کو وضاحت سے بیان کرتا ہے۔ سورۃ النحل آیت ۱و۲ میں کہا ہے۔

الہام الہی عطا ہوا پس شرک کی جلدی نہ ہوئی۔ وہ پاک ذات ان کے اس شرک سے بالاتر ہے۔ اس نے ان رشیوں کے آتما میں اپنے گیان کا پرکاش کیا جن کو اپنے بندوں میں سے اس نے چاہا یا موزوں سمجھا۔ (۱)

اس سے ظاہر ہے۔ کہ جو پوزیشن آج سوامی دیانند نے وید کے متعلق لی ہے۔ وہی رسول صلعم نے چودہ صدی پہلے لی تھی۔ سوامی جی نے کہا۔ آتما میں تو آپ نے بھی کہا تھا۔ آتما میں سوامی دیانند نے کہا۔ چاروں رشیوں کو اس لئے الہام ملا۔ کہ وہ چاروں سب سے زیادہ قابل جانے گئے تھے۔ تو یہی آنحضرت نے کہا تھا۔ کہ انہیں ہی خدا نے اپنے بندوں میں سے چاہا یا قابل سمجھا۔ وید یا گیان کے روح سے اور دوسری کتب وغیرہ کے دل سے تعلق ہونے ہی کو سورۃ الشعرا میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ آیات ۱۹۲ تا ۱۹۵

تحقیق قرآن رب العالمین سے ہی ظاہر ہوا ہے۔ کیونکہ روح الامین (علم الہی کی امانت رکھنے والے

(بقیہ صفحہ ۳۸) لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۔

۱۔ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۔

روح یا حضرت جبرئیل) کے ذریعے وہ تیرے دل پر نقش کیا گیا ہے۔ صاف عربی زبان میں (۱)

یہ الفاظ دیگر علم وید جبرئیل کے روح میں بطور امانت تھا۔ یعنی جبرئیل نے علم الٰہی کا صحیح طور پر سمادھی میں یا انتہائی غور و فکر سے منن یا وچار کیا ہوا تھا۔ انہوں نے آنحضرت کے دل پر اس علم کو نقش کیا۔

یہی ہو بہو وید اور ویدک رشیوں کی تعلیم ہے۔ گرو خود کوئی تعلیم نہیں دے سکتا۔ وہ واقعی امین ہے۔ اور شاگرد کے حوالے اس امانت کو کرتا ہے۔ وید میں گرو، پرماتما کو اور ایجنٹ یا امین انسان گرو کو کہا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ آنحضرت نے بعد میں اس حاصل کردہ علم کو معراج روحانی یعنی یوگ بل سے روح سے محسوس کیا۔ ورنہ ناممکن تھا کہ وہ اس قابلیت سے عربی قرآن کے ذریعے اس گیان کو لوگوں تک پہنچا سکتے۔ وہ خود فرماتے ہیں۔ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ۔ اس حکمت مجسم علیم کل کی حقیقتیں یا قربت میں رہ کر ہم ان کی تفصیل کرتے ہیں۔

۳۸۔ وید میں سب علوم ہیں!

جس طرح سوامی دیانند نے کہا کہ وید میں سب علوم ہیں۔ اور پہلے ہم میں وید کو سب ودیاؤں کا پستک کہا۔ اسی طرح قرآن میں جا بجا آنحضرت نے ہر علم کے وید میں ہونے کے اشارات دیئے ہیں۔ (سورۃ ھود آیت ۶) روئے زمین پر جتنے بھی جاندار ہیں۔ اللہ ہی ان کو رزق دیتا یعنی پالتا ہے۔ اور وہی ان کے قیام و فنا کے مقام و زمانے کو جانتا ہے۔ اور یہ سارا بیان اس کی علمی کتاب میں ہے۔ (۲) واقعی خشکی تری، دیو لوک اور پرتھوی یا سورج، چاند وغیرہ لوکوں کے جانداروں اور ان کی عمروں کا بیان سوائے وید کے عالموں کو کہیں سے نہیں مل سکتا ہے۔

(سورۃ التوبہ آیت ۳۶) آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت سے ہی مہینوں کا شمار کتاب اللہ میں بارہ ماہ لکھا ہے۔ (۳)

ستیارتھ پرکاش اور برہمن گرنتھوں میں بتایا ہے۔ کہ وید میں ۳۳ دیوتا ہیں۔ آٹھ وسو، گیارہ رُدر اور بارہ آدتیہ اور یہ بارہ آدتیہ ہی بارہ ماہ ہیں۔

سورۃ یونس آیت ۶۱۔ تمہارے پروردگار سے ذرہ بھر شے بھی چھپی نہیں۔ کیا آسمان میں اور کیا زمین میں اور نہ ذرہ سے چھوٹی (جزو لایتجزیٰ) اور نہ بڑی کوئی شے ایسی ہے۔ جو کتاب مبین میں مذکور نہ ہو۔ (۴)

مطلب یہ کہ کرہ سماوی سے زمین کی گہرائی تک کی مادی اشیاء یا مادی ذرات (پرماتوؤں) اور روحوں تک کا سب

---

(۱) وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝

۲۔ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝

۳۔ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

۴۔ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝

علم وید میں ہے۔

سورۃ الحج آیت ۷۰۔ کیا تجھے معلوم نہیں۔ کہ اللہ کو سب کا علم ہے۔ جو آسمانوں میں ہے۔ یا زمین میں تحقیق یہ کتاب الہی میں ہے (۱)

سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵۸۔ کوئی بھی بستی نہیں۔ جو زمانہ امن و اتحاد سے پہلے تباہ نہ ہو گی یا عذاب شدید نہ پائے گی۔ یہ بات کتاب الہی میں لکھی ہے۔ (۲)

مطلب یہ کہ گروہ دونوں یا گناہوں یا نفاق کا پھل بھگت چکنے پر ہی امن و اتحاد یا ترقی کا دور دورہ ہوتا ہے کتاب الہی کا یہ اٹل قانون ہے۔

سورۃ الحدید آیت ۲۲۔ جو بھی مصیبت دنیا میں یا انسانوں پر آتی ہے۔ اس کا قانون پہلے سے کتاب الہی میں لکھا ہے (۳) سورۃ الدخان آیت ۲۔ اور کتاب مبین کو لو۔ اس میں کل علمی مضامین کی تمیز کرائی گئی ہے۔ وہ ہماری طرف سے گیان ہے۔ کیونکہ ہم اس کے بھیجنے والے ہیں۔ وہ رحمت ہے۔ تیرے رب کی۔ (۴)

سورۃ الفاطر آیت ۱۱۔ کسی بھی عمر والے کو عمر دی جاتی ہے۔ یا کسی بھی عمر والے کی عمر کم کی جاتی ہے۔ تو وہ کتاب الہی میں مذکور ہے۔ یہ اللہ کے لئے سوبھاوک ہے۔ (۵)

اکال مرتیو یا بے وقت موت کے متعلق آدمیوں میں اکثر بحث ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ سو برس عمر انسانی ہے تو پہلے کیوں مرتے ہیں۔ یا سو سال سے زیادہ عمر کیوں ہوتی ہے۔ اس کا حل اس آیت میں ہے۔ کہ عمر گو مقرر ہے۔ لیکن کتاب الہی میں خاص عوارضات سے عمر کا زیادہ اور کم ہونا بھی معقول طور پر مذکور ہے۔

۳۹۔ کلام الٰہی

جہاں باب دوم میں خدا اور فرشتوں کے مکالمے سے واضح کیا گیا ہے۔ کہ علم خدا سے ہی اور انسانی روح کو ہی ملتا ہے۔ وہاں الہامی علم کی عظمت آدم کے جنت میں رہنے اور نکالا جانے سے واضح ہوتی ہے۔

سورۃ البقر آیت ۳۱ میں ہے۔ خدا نے آدم کو سب نام سکھائے۔ (۵) (عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا) اسم کے معنے اگر لفظ یا کلمہ ہو۔ تو اس کا مطلب علم زبان ہوگا۔ اگر نام لئے جاویں۔ تو تمام اشیاء کے نام مراد ہوں گے۔ صورت اول میں آغاز کا الہامی علم یا کلام الہی مراد ہوگا۔ اور صورت دوم میں کل نام بھی الہام الہی

۱۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ ۔

۲۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۔

۳۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۔

۴۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ... فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ۔

۵۔ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۔

میں ہونے لازمی ہوں گے۔ لیکن آدم کا جنت سے نکلنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ اسمائے کل سے مراد علم کلام الٰہی ہے۔ کیونکہ اسی میں یہ حکم تھا۔ کہ مادی ممنوعہ درخت کے پھلوں میں مستغرق نہ ہو۔ اس حکم کی تعمیل نہ کرنے سے انسان مادہ پرست بنا۔ اور اس پر دکھ نازل ہوئے جو الفاظ دیگر وہ جنت سے نکلا یا نکلتا ہے۔ لیکن اسے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ جنت میں پھر جا سکتا ہے۔ اور طریق اس کا یہ ہے۔ کہ

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ

یعنی انسان اپنے رب کی جانب سے اس کی کلاموں کی تلقین پا کر اس کی طرف پھر لوٹتا یا جنت میں پہنچتا ہے۔ اور اگلی آیت میں اسی لئے خدا نے حکم دیا ہے۔ کہ میری طرف سے ہدایت پہنچے۔ پھر جو کوئی اس پر چلیگا۔ خوف اور دکھ سے اوپر اٹھے گا۔ (۱)

اس سے ظاہر ہے۔ کہ کلام الٰہی کا صحیح طریق پر سننا سنانا اور اس پر چلنا ہی دنیا کو سورگ بنا سکتا ہے۔ فیصلہ کرکے حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا واضح کر دیا جاوے۔ خواہ پاپیوں کو برا ہی لگے۔ (۲)

یہ تمام ملکوں اور زمانوں کے سچے واعظوں کے لئے مستقل حکم ہے۔ کہ وہ کلام وید کا پرچار کرتے رہیں۔

۴۰۔ وید میں کل نام

اب سوال یہ ہے۔ کہ اگر وید کلام الٰہی ہے۔ تو اس میں اشیائے کے نام کہاں ہیں۔ اس کا جواب یجر وید ادھیائے ۱۸ وغیرہ سے لو۔ جن میں کل نام موجود ہیں۔

پہلے منتر میں۔ واج۔ پرسو۔ پریتی۔ پرستی۔ دھیتی۔ کرتو۔ سور شلوک۔ شرو۔ شرتی۔ جیوتی اور سوہ یہ نام دیئے ہیں۔ (۳) اگلے منتروں کے نام۔

دوسرے منتر میں۔ پران اپان۔ ویان اسو۔ چت۔ آدھیت۔ واک۔ من۔ چکھشو۔ شروتر۔ دکھش۔ بل۔

تیسرے منتر میں۔ اوج۔ سہ۔ آتما۔ تنو۔ شرم۔ ورم۔ انگ۔ استھی۔ پرنشی۔ شریر۔ آیو۔ جرا۔

چوتھے منتر میں۔ جیشٹھیہ۔ آدھی پتیہ۔ منیو۔ بھام۔ نام۔ امبھہ۔ جیما۔ مہما۔ ورما۔ پرتھما۔ ورشما۔ دراگھما۔ بردھ۔ بردھی۔

پانچویں منتر میں۔ ستیہ۔ شردھا۔ جگت۔ دھن۔ وش۔ کریڑا۔ مود۔ جات۔ جنشیہ مان۔ سوکت سکرت۔

۱۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى سے فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

۲۔ دوسری جگہ آ چکا ہے۔ کہ قرآن کلام الٰہی کی غرض ہی یہ مانتا ہے۔ کہ حق و باطل میں فیصلہ ہوتا رہے

۳۔ वाजश्च मे प्रसवश्च मे प्रयतिश्च मे प्रसितिश्च मे
धीतिश्च मे क्रतुश्च मे स्वरश्चमे श्लोकश्च मे
श्रवश्च मे श्रुतिश्च मे ज्योतिश्च मे स्वश्च मे यज्ञेन
कल्पन्ताम ॥

چھٹے منتر میں ۔ ست ۔ امرت ۔ اکشنا ۔ اناسیت ۔ جیوات ۔ دیرگھ آیو ۔ ان منتر ۔ ابھے ۔ سکھہ ۔ شیون ۔ سشنا ۔ مڈین ۔ ساتویں میں ۔ بینا ۔ دھرنا ۔ کھشیم ۔ دبرتی ۔ وشوبندہ ۔ سنوت ۔ گیاتر ۔ پرسو ۔ سیر ۔ لے

آٹھویں میں ۔ شم ۔ مے ۔ پریہ ۔ انوکام ۔ کام ۔ سومنتہ ۔ بھگ ۔ دروِن ۔ بھدر ۔ شریے ۔ وسیہ ۔ یش ۔

نویں میں ۔ اُرک ۔ سونرت ۔ پیہ ۔ رس ۔ گھرت ۔ مدھو ۔ سگدھی ۔ سپیتی ۔ کرشی ۔ برشٹی ۔ جیتر ۔ اودبھدیہ

دسویں میں ۔ ربی ۔ رایے ۔ پشٹ ۔ پشٹی ۔ وبھو ۔ پربھو ۔ پورن ۔ پورن تر ۔ کشوم ۔ اکشت ۔ ان ۔ اکشدت

گیارھویں میں ۔ چت ۔ وید ۔ بھوت ۔ بھوشیہ ۔ سگم ۔ سپتھ ۔ رِدّھ ۔ رِدّھی ۔ کلپت ۔ کلپتی ۔ متی ۔ سُمتی ۔

بارھویں میں ۔ برہی ۔ یَو ۔ ماش ۔ تِل ۔ مونگ ۔ چِلوا ۔ پرینگو ۔ انو ۔ شیاماک ۔ نیوار ۔ گودھوم ۔ مسور ۔

تیرھویں میں ۔ اشم ۔ مرتکا ۔ منرہ ۔ پربت ۔ سکتا ۔ بنسپتی ۔ ہرنیہ ۔ آیہ ۔ شیام ۔ لوح ۔ سیسہ ۔ ترپو ۔

چودھویں میں ۔ اگنی ۔ آپہ ۔ ویرُدھ ۔ اوشدھی ۔ کرشٹ پچیہ ۔ اکرشٹ پچیہ ۔ گرامیہ پشو ۔ آرنیہ ۔ وِت ۔ وِتی ۔ بھوت ۔ بھوتی ۔

پندرھویں میں ۔ وسو ۔ وستی ۔ کرم ۔ شکتی ۔ ارتھ ۔ ایم ۔ اِتیا ۔ گتی ۔

سولھویں میں ۔ اگنی ۔ اندر ۔ سوم ۔ اندر ۔ سویتا ۔ اندر ۔ سرسوتی ۔ اندر ۔ پوشا ۔ اندر ۔ برہسپتی ۔ اندر

سترھویں میں ۔ متر ۔ اندر ۔ ورن ۔ اندر ۔ دھاتا ۔ اندر ۔ توشٹا ۔ اندر ۔ مرت ۔ اندر ۔ وشوے دیوا ۔ اندر

اٹھارھویں میں ۔ پرتھوی ۔ اندر ۔ انترکش ۔ اندر ۔ دیؤ ۔ اندر ۔ سما ۔ اندر ۔ نکھشتر ۔ اندر ۔ دِشا ۔ اندر

انیسویں میں ۔ انشو ۔ رشمی ۔ اداَبھیہ ۔ ادھی پتی ۔ اپانشو ۔ انتریام ۔ ایندر وایو ۔ میترا ورن ۔ آشوِن ۔ پرتی پرستھان ۔ شُکر ۔ منتھی ۔

بیسویں میں ۔ آگریَن ۔ وشودیوا ۔ دھرو ۔ ویشوانر ۔ ایندراگن ۔ مہا ویشو دیو ۔ مرتوتیا ۔ نشکیوَلیہ ۔ ساوتر ۔ سارسوت ۔ پاتنی وَت ۔ ہاریوجن ۔

اکیسویں میں ۔ سرچ ۔ چمسا ۔ وایویانی ۔ درون کلش ۔ گراون ۔ ادھشون ۔ پوت بھرت ۔ آدہونی ۔ ویدی ۔ برہی ۔ اوبھرتھ ۔ سوگاکار ۔

بائیسویں میں ۔ اگنی ۔ گھرم ۔ ارک ۔ سوریہ ۔ پران ۔ اشومیدھ ۔ پرتھوی ۔ ادتی ۔ دِتی ۔ دیو ۔ انگلی ۔ شکوریہ ۔ دِشا ۔

تئیسویں میں ۔ برت ۔ رِت ۔ تپ ۔ سموتسر ۔ اہوراتر ۔ اوروشٹی وسے ۔ برہدرتھنتر ۔ وغیرہ وغیرہ

اس طرح تمام صفات ۔ افعال ۔ عادات ۔ وسائل ۔ اندرونی بیرونی اوزار ۔ ان کہل وغیرہ کے نام اور سائنٹفک اصطلاحات کا وید میں موجود ہونا صاف بتاتا ہے کہ قرآن میں خدا کا آغاز کے رشیوں کو علم زبان یا اشیاء کے ناموں کا علم دینا امر واقعہ ہے ۔ ان الفاظ کے مصدری معنے اور ان کے وسیع اطلاق ومفہوم کی پوری تحقیقات ہزار ہا صفحوں کی کتاب کی ضرورت رکھتی ہے ۔ اور اگر ایشور کی عنایت سے موقعہ ملا ۔ تو اس امر پر جدا کتاب میں روشنی ڈالی جائے گی ۔ کہ ایسے موزوں اور اہم بامعنے نام موجودات عالم کے سوائے ایشور کے الہام کے کسی ذریعے سے بھی ملنے ناممکن ہیں ۔ اور اس پر لطف یہ کہ

ہر لفظ کے ساتھ اس علیم کل کی طرف سے یہ حکم ہے۔ کہ یہ میری دی ہوئی ہے۔ اسے یکبہ روپ سے کاروبار میں لاؤ۔ یعنی اس بھگوان کے حکم کے مطابق ان کا صحیح استعمال یا لین دین کرتے ہوئے ان سے سکھ پاؤ۔ پھر یہ امر اور بھی عجیب ہے کہ باوجود ویدوں سے دور ہونے کے اب تک عموماً وہی الفاظ انسانی بول چال میں ہیں۔ بچہ کی تتلی زبان صحیح تلفظ ادا نہیں کرسکتی۔ ویسے ہی ہماری جہالت سے تلفظ بگڑ رہے ہیں۔

۱۴۔ ملت ابراہیم

قرآن میں آنحضرت کے دھرم کو ملت ابراہیم کہا گیا ہے۔ اس سے بھی الہام وید کا ہی اعتقاد ثابت ہوتا ہے۔ اس کی توضیح کے لئے آیات ذیل پر غور کرنا کافی ہوگا۔

سورۃ البقرۃ آیت ۱۳۰۔ اس کا مفہوم صاف ہے۔ کہ سوائے سبکسار یا بے عقل لوگوں کے ملت ابراہیم سے کوئی انحراف نہیں کرسکتا۔ یا یوں کہو۔ کہ تمام نیک یا سچے انسانوں کے دھرم کا نام قرآن ملت ابراہیم رکھتا ہے۔ (۱)

اسی سورۃ کی آیت ۱۳۵ میں ہے۔

کہتے ہیں۔ کہ یہودی یا عیسائی ہوجاؤ۔ تو ہدایت پر آجاؤ۔ انہیں کہہ دو۔ ہم تو حق پرست ابراہیم کی ملت کو مانتے ہیں۔ وہ مشرک نہیں تھا۔ (۲)

سورۃ آل عمران آیت ۶۷۔

ابراہیم نہ یہودی تھا۔ نہ نصرانی بلکہ ایشور کا سچا بھگت اور فرمانبردار تھا۔ وہ مشرکوں میں سے نہ تھا (۳)

چونکہ حضرت ابراہیم یہودی یا نصرانی نہیں۔ اور ان مذاہب سے آپ پہلے ہوئے ہیں۔ اس لئے ملت ابراہیم محض ان سے پہلے ویدک دھرم کا نام ہے۔ چنانچہ آیت ۶۴ میں صاف کہا ہے۔ کہ ابراہیم کے متعلق جھگڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ توریت اور انجیل کا ظہور ہی اس کے بعد ہوا ہے۔ الفاظ آیت حسب ذیل ہیں۔

اے اہل کتاب! ابراہیم کے متعلق کیوں جھگڑتے ہو۔ توریت اور انجیل کا تو اس کے بعد ہی ظہور ہوا ہے۔ کیا تم میں اتنی بھی سمجھ نہیں۔ (۴)

چونکہ یہود اور نصاریٰ سے پہلے ویدک دھرم ہی موجود تھا۔ اس لئے اسے ہی ملت ابراہیم کہا جانا ضروری ہے۔ پھر لفظ ابراہیم وہ ہی ابراہم ہے۔ جو برہما کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ اور برہما نام ہے۔ چاروں ویدوں کے عالم کا۔ اس نکتہ نگاہ سے بھی ملت ابراہیم یا اسلام سناتن ویدک دھرم کا ہی نام ہے۔ اور یہ آیت نمبر ۱۲۴ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

ابراہیم کا اس کے رب نے اپنی کلاموں میں امتحان لیا۔ سو وہ اس میں پورا اترا۔ خدا نے فرمایا۔ میں تمہیں لوگوں کے لئے امام بناتا ہوں۔ بولا اور میری اولاد میں سے فرمایا۔ اس قانون کو توڑنے والوں سے اس عہد کا

۱۔ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

۲۔ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

۳۔ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

۴۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

تعلق نہ ہوگا۔" (۱)

چونکہ وید میں برہما سب سے مقدم ہے۔ اور قرآن میں ابراہیم کو امام کہا ہے۔ اس سے بھی دونوں کا مدعا ایک ہونا ظاہر ہے۔ ویدک دھرم میں برہما وہ ہے۔ جو چاروں ویدوں کی ڈگری پاس کرے۔ اور یہاں بھی وہی امتحان مذکور ہے۔ اور صاف بتایا ہے۔ کہ جو اس قابلیت کے نہ ہوں گے۔ وہ یہ درجہ نہ پا سکیں گے۔ اس لئے بھی برہما کا ابراہیم ہونا صاف ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ خانہ کعبہ کی تعمیر سے قرآن میں حضرت ابراہیم کا ہی تعلق ہے۔ یہ انہوں نے اشاعت دین کے لئے ایک خاص انسٹی ٹیوشن بنائی تھی۔ اور ان کی دعا یہ تھی کہ یہ امن اور شانتی کا کیندر رہے۔ یعنی یہاں سے دین حق کی تعلیم پا کر ایسے تپسوی اور قابل مشنری نکلیں۔ جو چاروں دانگ عالم میں تبلیغ حق سے اہل عالم کو صراط مستقیم دکھاویں۔ اور انہیں جہالت اور دکھوں سے بچا کر امن و اطمینان سے جیون یاترا پوری کرنے کے قابل بنا دیں۔

۴۲۔ حدیث کی شہادت

صحیح بخاری میں حدیث ہے۔ کہ میں اور شداد ابن معقل ابن عباس کے پاس گئے۔ اور ان سے پوچھا۔ کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز چھوڑی ہے۔ کہا کچھ نہیں۔ صرف ایک کتاب دو دفتیوں کے درمیان۔ مولوی علی بخش مرحوم کہتے ہیں۔ کہ وہ اس قرآن موجودہ کی اصل تھی۔ غالباً وہی ام الکتاب کہلاتی تھی۔ وہی الذکر اور قرآن کریم کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ اسی کا نام المبین تھا۔ وہ نہایت حفاظت کے ساتھ چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔ اور سوائے پاک شخصوں کے اسے کوئی چھونے بھی نہ پاتا تھا۔ وہ کتاب حضرت کو اس قدر پیاری تھی۔ کہ جب آپ کا انتقال ہوا۔ تو دو سنہری دفتیوں کے درمیان قبا کے نیچے آپ کے سینے سے برآمد ہوئی۔"

۲۔ کتاب الاضاحی صحیح مسلم میں ہے۔ "کسی نے حضرت علی سے پوچھا۔ کہ رسول اللہ صلعم نے تم کو کس بات میں مخصوص کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہم کو کسی شے میں مخصوص نہیں کیا۔ جو سب لوگوں پر عام نہ ہو بجز اس چیز کے جو میری تلوار کے درمیان میں ہے۔ اور پھر انہوں نے ایک لکھا ہوا صحیفہ نکالا۔

۳۔ ترجمہ صحیح بخاری صفحہ ۴۴ پر ایک حدیث ہے۔ کہ ابو جحیفہ نے علی سے کہا۔ کہ تمہارے پاس قرآن کے سوا کوئی اور کتاب بھی ہے۔ وہ بولے۔ کہ نہیں۔ مگر خدا کی کتاب ہے۔ یا وہ سمجھ جو ایک مرد مسلمان کو دی جاتی ہے۔ یا وہ چند مسائل ہیں۔ جو اس صحیفے میں لکھے ہوئے ہیں۔"

یہاں ایک تو کتاب الٰہی کی موجودگی قرآن وغیرہ کے علاوہ ہے۔ اور دوسرے عقل کا تعلق وہ ہے جو آنکھ کا سورج سے ہے۔

۴۔ اسی ترجمے کے صفحہ ۲۵ پر ایک اور حدیث ہے۔ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض سخت ہو گیا تو آپ نے ابن عباس کو فرمایا۔ کہ میرے پاس لکھنے کی چیز لا۔ تاکہ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں

۱۔ وَاِذِ ابۡتَلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ ۝

کہ اس کے بعد تم پھر گمراہ نہ ہوگے۔ عمر نے کہا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ پر مرض غالب ہے۔ اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے۔ وہ ہمیں کافی ہے۔ پھر صحابہ نے اختلاف کیا۔ یہاں تک کہ شور بہت ہوگیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ اور میرے پاس جھگڑنا نہ چاہئے۔ ابن عباس یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے باہر آ گئے۔ کہ بے شک مصیبت ہے۔ اور بڑی سخت مصیبت۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے لکھنے کے درمیان کیا چیز حائل ہوگئی۔"

حضرت عمر کا کتاب اللہ کو اپنے پاس رکھنا اور اسے کافی سمجھنا وہی خلوص عقیدت ہے۔ جو آریوں کی ویدپر ہے۔ ان حوالوں میں جو صحیفہ مذکور ہے۔ وہ وید منتروں کے متعلق نوٹ ہو سکتا ہے۔ یا مقامی اور زمانی ضروریات پر کچھ تحریر۔ مگر سنہری دفینوں میں محفوظ۔ نیک پاک لوگوں سے چھوٹی جانے والی آنحضرت سے سینہ کے ساتھ لکھی جانے والی۔ اور ام الکتاب یا کتاب اللہ اور قرآن کریم۔ کتاب مبین۔ الذکر وغیرہ کہلانے والی کتاب سوائے وید کے ہو نہیں سکتی۔ جیسا کہ اس کل باب میں پیش شدہ کثیر التعداد حوالہ جات سے ظاہر ہے۔ وہی زندگی بھر آپ کی رہنما رہی۔ اور وہی قالب عنصری کو ترک کرتے ہوئے بھی آپ کے سینے کے ساتھ تھی۔ کیونکہ تمام انسان اسی ماتا کی گود میں جیتے اور مرتے ہوئے بیٹھ سکیں۔

स्तुतामया वरदा वेद माता प्रचोदयन्तां पावमानी द्विजानाम्।
आयुं प्राणं प्रजां पशुं कीर्तिं द्रविणं ब्रह्मवर्चसं मह्यं दत्वा व्रजत
ब्रह्म लोकम् ॥

قرآن مجید میں خدا سے جن نعمتوں کے ملنے کا اشارہ ہے۔ وہ ہیں رزق۔ عزت۔ صحت۔ عمر۔ دولت۔ اچھی شہرت۔ اولاد مال مویشی۔ عقل۔ علم۔ راحت۔ نجات۔ سو اس منتر میں ان کل نعمتوں کا وید ماتا سے ملنا مذکور ہے۔ آیو۔ پران۔ پرجا۔ پشو۔ کیرتی۔ دروِن۔ برہم ورچس کے مفہوم میں سب نعمتیں جو زندگی میں مل سکتی ہیں۔ مذکور ہیں۔ اور زندگی کے بعد جو اعلیٰ ترین نعمت نجات کی مل سکتی ہے۔ اسے برہم لوک میں لے جانے سے ظاہر کیا ہے۔ پہلے حصے میں جو عقلوں کو نیک ہدایت یا روشنی دینا اور دوجوں یعنی متقی لوگوں کو پاک بنانا مذکور ہے۔ اس کا نتیجہ ایسی ہی کامیابی ہو سکتی ہے۔

۳۴۔ مذاہب الاسلام کی شہادت

اسلام کے ناجی فرقہ یعنی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ کہ علم سلسلہ بہ سلسلہ دنیا میں چلا آتا ہے۔ یہ عقیدہ اس عالمانہ اور محققانہ بحث کا ہے۔ جو علم اور الہام کے متعلق فرقہ ناجیہ کے بیان میں مذاہب الاسلام میں درج ہے۔ اور ہماری رائے میں یہ بیان کامل طور پر وید اور قرآن کی تعلیم کی توضیح کرتا ہے۔ جو اصولی طور پر ہم نے اب تک بیان کی ہے۔

اول صفحہ ۹-۱۰-۱۱ پر ناجی فرقہ موسومہ ماتریدیہ کے بیان میں اسباب علم یعنی یقین تین لکھے ہیں۔

(۱) حواس خمسہ ظاہرہ یعنی آنکھ۔ کان وغیرہ کی پانچ گیان اندریاں۔ لیکن کہا ہے۔ کہ بعض موقعوں پر خاص اسباب مانع ہونے سے حواس غلطی کرتے ہیں۔ جیسے بھینگا ایک کو دو دیکھتا۔ اور صفراوی میٹھے کو کڑوا جانتا ہے۔ یہ خیال ہو بہو وہی ہے۔ جو نیائے درشن میں پرتیکھش پرمان کی تعریف میں بیان کیا گیا ہے۔

حواس اور شے کے تعلق سے پیدا شدہ وہ علم جو اسم اور موسوم کے تعلق والا نہ ہو۔ بلکہ صرف اس شے کا ہو۔ اور غیر فاسد شک و غلطی سے پرے ہو۔ وہ پرتیکھش (ثبوت عین الیقین) ہے۔ (۱)

۲۔ عقل۔ لیکن یہ بھی بعض اوقات وہم و خیال کی رکاوٹ یا شرائط علم منطق کا لحاظ نہ کرنے سے غلطی کرتی ہے۔ لہذا ان نقائص سے بچتے ہوئے اسے مفید علم یقینی و قطعی سمجھنا چاہیئے۔ یہ ذریعہ وہی ہے۔ جسے منو آدی میں ترک کا نام دیا ہے۔ وید میں ترک کو رشی کہا ہے۔ کیونکہ یہ وید کو سمجھنے میں مددگار ہے۔ منو میں کہا ہے۔

ترک سے ثابت شدہ بات وید دھرم کی ہی ہوتی ہے۔ (۲) اس کے علاوہ نہیں۔ مطلب یہ کہ جو ترک صحیح طریق اور یقینی احساس علم تک پہنچا دے۔ وہی مفید علم یقینی ہے۔

۳۔ خبر۔ سرحق تعالے نے علم سامع کے حاصل ہونے کے لئے متکلم کے مافی الضمیر پر اس کو واضع کیا ہے۔ وہ ذریعہ جو الہامی علم کی طرف مضمون زیر بحث کو کھینچتا ہے۔ خدا روح پر جس علم کو ظاہر کرتا ہے متکلم دوسروں تک اس کو ان کے کانوں کے ذریعے پہنچاتا ہے۔ متکلم کے روح پر علم کا ظہور دو طرح سے ہوتا ہے۔ ابتدائے عالم کے رشیوں پر خدا سے اور بعد کے لوگوں پر استاد۔ گورو یا رسول سے یا عام لوگوں سے بھی پہلی قسم کا علم براہ راست خدا سے روح کو ملتا ہے۔ اور دوسری قسم کا علم دل کے ذریعے آتما تک آغاز عالم کے لوگوں کے علاوہ اور لوگوں میں حصول علم کا ذریعہ یہی ہے۔ کہ وہ اسے سنیں اس لیے اسے شرتی کہا جاتا ہے۔ اسی کے لئے علم سامع کا لفظ ہے۔ مگر متکلم خود غرضی سے غلط امور بھی سنا سکتا ہے۔ یا نیک نیت متکلم غلطی بھی کھا سکتا ہے۔ اس لئے علم سامع کے متعلق اطمینان ہونا ضروری ہے۔ کہ اس میں جھوٹ نہ ہو۔ یعنی قول صادق ہو۔ اور ظاہر ہے۔ کہ وہ قول صادق دو طرح کا ہوگا۔ (مذاہب الاسلام کے الفاظ ہیں)

(۱) خبر متواتر جو ایسی جماعت سے حاصل ہوئی ہو۔ کہ عقل کے نزدیک ان کا کذب بیانی پر متفق ہونا بدیہی طرح پر ممتنع ہو۔ اور اس جماعت نے اسی طور سے جماعت اول سے یقین حاصل کیا ہو۔ وہکذا یہاں تک کہ وہ خبر کسی ایک حس پر منتہی ہو۔

۲۔ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ استدلال کے بعد تصدیق ہوتی ہے۔

اس بیان کا مطلب صاف ہے۔ کہ صحیح علم اس طریق سے پہنچتا ہے۔ کہ ہر زمانے کے واقفی راستباز عالم لوگ خدا سے ملے ہوئے الہامی علم کو جیوں کا تیوں دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ اور لوگ اس کا تجربہ میں عملی احساس پاتے ہیں۔ اسی قول صادق کا دوسرا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ہے۔ اور اس میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا۔ کیونکہ دیگر لوگوں میں احتمال کذب موجود رہتا ہے۔ لیکن سچے رسول کی عفت و عصمت معتقدوں کو کذب کا احتمال کرنے سے روکتی ہے۔ یہ اعتقاد محض نیائے درشن ۱۔۱۔۷ کے مدعا کی ہی ترجمانی کرتا ہے۔ کہ :۔

इन्द्र यार्थ सन्नि कर्षोत्पन्नं ज्ञान मव्य पदेश्य व्यभिचारि व्यवसा यात्म कम्प्र त्यक्षम् ۔۱

यस्तर्के नानु संधत्ते सधर्मं वेद नेत्र: । ۔۲

आप्तोपदेश: शब्द:

آپت کا اپدیش شبد پرمان ہے۔
سوامی جی آپت کی تعریف یہ کرتے ہیں۔
" عالم۔ فاضل۔ دہرماتما۔ سب کی بہبودی چاہنے والا۔ راستباز۔ باہمت۔ حواس پر غالب ہو۔ جیسے اپنے آتما میں مانتا ہو۔ اور جس بات سے خود سکھ پایا ہو۔ اسی کو منہ سے بولنے کی خواہش رکھتا ہو۔ انسانوں کے فائدے کی خاطر اپدیش کرنے والا ہو۔ پرتھوی سے لے کر ایشور تک جتنے پدارتھ ہیں۔ ان کا علم حاصل کرکے اپدیش کرتا ہو۔ ایسے پرشوں کے اپدیش اور نیز کامل آپت پرمیشور کے اپدیش وید کو شبد پرمان سمجھنا چاہئے۔ (ارددستیارتھ پرکاش باب چہارم صفحہ ۶۳)
اس تعریف میں دونوں طرح کے قول صادق کی پوری توضیح اور باہمی مماثلت موجود ہے۔

۴۴۔ الہام اور خبر متواتر

لیکن واضح رہے۔ کہ مانند یہ فلسفہ کے اس بیان میں الہام اور خبر متواتر کو بجا طور پر الگ کیا ہے۔ اسباب علم میں اول خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکھا ہے۔ اور اس کے بعد حس ہے۔ کہ خطا کا احتمال اگرچہ اس میں نہیں ہے۔ لیکن اشیائے محسوسہ خصوصاً ان کے ظاہر پر منحصر ہے۔ بعد اس کے رتبہ خبر متواتر کا ہے۔ کہ اس کی بنا اور منتہی بھی حس ہے۔ ولیس الخبر کالمعاینۃ۔ پھر عقل ہے۔ اس لئے کہ رایوں کا اختلاف عقلا میں بہت ہوتا ہے۔ اور الہام اولیا چونکہ مختص بہ خواص ہے۔ اور متکلمین اسباب علم عام سے بحث کرتے ہیں۔ اور نہ اس کے ساتھ کوئی علامت ایسی موجود ہوتی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ من عند اللہ ہے۔ اور حجت ہونے کے قابل اور مطابق واقع کے ہے۔ اور نیز الہام میں مزاحمت وہم وخیال اور کدورت نفسانی اور شیطانی مانع حصول علم یقینی ہیں۔ گو ملہم علیہ کو اس پر پورا اعتماد ہو جائے۔ مگر بغیر قرائن خارجیہ کے نفس الہام ظنیت کے رتبے سے نہیں نکلتا۔ اس لئے اسباب علم میں سے نہیں شمار کیا جاتا۔ عقل بالبداہت حکم کرتی ہے۔ کہ عالم کی چیزوں کی حقیقت ثابت ہے۔ اور علم اس مسئلے کا یقینی ہے۔ فقط وہم وخیال نہیں۔ یعنی پانی پانی ہے۔ اور آگ آگ ہے نہ یہ کہ اگر پانی کو مثل آگ کے سمجھے۔ تو آگ ہو جائے۔ اور آگ کو مثل پانی کے سمجھے۔ تو پانی ہو جائے۔ جیسا کہ فرقہ سوفسطائیوں کا ہے۔
اس کل بحث کا مطلب یہ ہے۔ کہ الہام اور مروجہ اسباب علم سے آگے خبر متواتر کو ایک ہی نہ سمجھا جائے۔ یعنی ان اسباب الہام کو الہام سمجھنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ اگلی بحث کی باریکیوں سے واضح ہوگا۔

۴۵۔ کلام نفسی و لفظی

" اور اس کا کلام حروف اور آواز سے مبرا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حادث ہیں۔ اور حق تعالےٰ قدیم ہے۔ اور یہ بات محال ہے۔ کہ ذات قدیم محل حوادث ہو۔ بلکہ کلام الٰہی ایک معنے ہے۔ جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اسے کلام نفسی کہتے ہیں۔ اور جو کلام اس کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے۔ وہ کلام لفظی ہے۔ اور کلام لفظی حروف اور اصوات سے مرکب ہوتا ہے۔ اور کلام نفسی غیر مخلوق ہے۔ کہ یہ صفت ازلی ہے ابد تک اس کو حاصل ہے۔ اس کے سبب سے جس سے چاہتا ہے۔ کلام کرتا ہے۔ سو یہ کلام الٰہی اس سبب سے ہے کہ اسی کی صفت ہے۔ اور یہ الفاظ اور عبارات قرآن کی جو کلام لفظی ہے۔ اس کو کلام الٰہی اس لئے

کہتے ہیں۔ کہ ماسوائے خدا کے کسی اور کی تالیف اور تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ ان کو خاص اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام نفسی کے سمجھنے کے لئے نہایت فصیح و بلیغ زبان عربی میں کہ جس کا ثانی بنانا طاقت بشری سے باہر ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ اور قرآن کا اطلاق کلام نفسی، اور کلام لفظی دونوں پر ہوتا ہے۔ اور غیر مخلوق قرآن نفسی ہے۔ نہ لفظی۔ اور خدا تعالےٰ کے کلام میں یہ تین مضمون ہیں۔ امر و نہی و خبر۔۔۔ "

ویدک رشی ایشور کو گیان سروپ یا علم بالذات مانتے ہیں۔ اور علم میں الفاظ معنے اور تعلقات ہیں۔ روح میں نفسی کلام کا احساس خدا کی حضوری میں ہوتا ہے۔ اور دنیوی تعلقات میں کلام لفظی کا ہی تعلق ہے۔ فرقہ ماتریدیہ عربی زبان کو کلام لفظی قرار دیتا ہے۔ مگر رسول صاحب قرآن میں یہ پوزیشن لیتے ہیں کہ آغاز میں خدا نے رشیوں کو کلام لفظی دیا تھا۔ اس اعتقاد میں گو ویدک بھاشا اور عربی زبان کا مقابلہ ہے۔ چونکہ قرآن عجمی قرآن کا بھی قائل ہے۔ اور بہ طور امر واقعہ کے رسول صاحب نے اس آیات عجمی قرآن کو ہی عربی میں ادا کیا ہے۔ اور دونوں زبانوں کے قرآن کو شفا قرار دیتا ہے۔ اس لئے دونوں طرح سے کلام لفظی ایک ہی اصول کا قائمقام ہے۔ خواہ وہ عجمی ہو۔ خواہ عربی۔ اس کے علاوہ صفحہ ۴۶ پر واضح کیا گیا ہے۔ کہ "کلام لفظی الہی کا علم الہی میں کلام نفسی قدیم نام ہے۔" یعنی کلام نفسی کو ہی جب خدا الہام دیتا ہے۔ کلام لفظی کہا جاتا ہے۔ گویا آغاز عالم میں جو الہامی زبان ملی۔ اسے ہی بجا طور پر کلام الہی ماننا چاہیئے۔

۴۶- الہام الہی بے بدل ہے

صفحہ ۱۸ مذاہب الاسلام میں ہے۔

بدر اللہ تعالےٰ پر جائز نہیں۔ اس لئے کہ محال ہے۔ کہ ظاہر ہو وے۔ اللہ پر وہ چیز کہ پہلے سے اس پر ظاہر نہ تھی۔ جس طرح کہ آدمی میں تبدیل رائے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالےٰ کا جہل ثابت ہوتا ہے۔"

یہ الفاظ الہامی علم میں نہ ممیم تنسیخ یا تبدیلی ہونے کی تردید کرتے ہیں۔

۴۷- ناری فرقہ حدیثیہ

ناری فرقہ ماتریدیہ کے ساتھ فرقہ حدیثیہ جو ناری فرقوں کی ذیل میں لکھا ہے۔ اس کے عقائد کا صفحہ ۲۷ پر بیان ہے۔ اور اس میں یہ لفظ ہیں۔

" اللہ تعالےٰ نے اس جہان کے علاوہ ایک اور جہان میں ابتداً حیوانات کو عاقل و بالغ پیدا کیا تھا۔ اور بہت کچھ نعمت عطا کی تھی۔ اور علوم بھی بخشے تھے "

اس سے ظاہر ہے۔ کہ ابتدائی پیدائش والی جگہ موجودہ دنیا سے نرالی بلکہ جنت نشاں تھی۔ اور انسان جوان پیدا ہوئے تھے۔ اور انہیں الہامی علم عطا ہوا تھا۔

۴۸- اختلافات کے متعلق معذرت

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے یہ امر صاف کرنا ضروری ہے کہ موجودہ قرآن کو ہم وید کے مطابق اور ہر طرح سے مفضول اور اہل عالم کے لئے نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم سے اس امر میں کسی کو کلی اتفاق نہ ہو۔ تو ہم دلیل اور ثبوت سے اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کو تیار ہیں۔ باوجود اس کے اگر بدظنی سے کوئی اختلاف مان بھی لیا جاوے۔ تو بھی آنحضرت پر اس کی ذمہ داری نہیں

آ سکتی۔ کیونکہ موجودہ قرآن کی ترتیب بصورت کتاب آنحضرت کے بعد ہوئی ہے۔ احادیث اسلام میں اس ترتیب و تدوین کے متعلق مختلف خیال ہیں۔ مگر چونکہ ہم انہیں پیش کرنے سے نفس مضمون سے دور چلے جائیں گے۔ اس لئے محض اس قدر اشارہ دینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ جس قدر سے معذرت کو درجۂ معقولیت مل سکتا ہے۔

صحیح بخاری کے مترجم مرزا حیرت صاحب فرماتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کی تکمیل تیئیس سال میں ہوئی۔ یعنی نزول وحی کا سلسلہ اس قدر طویل زمانہ تک جاری رہا۔ آیات نزول کے ساتھ ساتھ صحابہ کو سنائی گئیں۔ وہ انہیں یاد ہوتی گئیں۔ حتےٰ کہ جنگ یمامہ تک ہزار ہا حافظان قرآن موجود تھے۔ لیکن جب اس جنگ میں ایسے صحابہ کثیر تعداد میں شہید ہو گئے۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خوف ہوا۔ کہ مبادا قرآن کے محافظ صحابہ کم ہونے ہوتے بالکل نہ رہیں۔ اور آئندہ نسلوں کو قرآن مجید اس حزم و احتیاط سے پہنچے۔ اس خوف کی بنا پر قرآن مجید کے انضباط پر کل صحابہ مائل ہو گئے۔ اور سب نے مل کر موجودہ قرآن مجید کی ترتیب دی۔ مرزا صاحب آگے چل کر کہتے ہیں۔

"یہ خوف محض اس بے نظیر تعشق کی وجہ سے تھا۔ جو صحابہ قرآن مجید سے رکھتے تھے۔ اور وہ قرآن مجید جو ان کے آخر الزمان نبی کی زبان مبارک سے پہنچا تھا۔ اور یہ قرآن مجید جو آج کروڑہا مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت فاروق کے تعشق کی ایک کافی سند ہے۔ جس سے بہتر سند دنیا کے پیغمبروں کا کوئی حواری پیش نہیں کر سکتا"

یہ الفاظ کچھ مبہم ہیں۔ ان سے پتہ نہیں چلتا۔ کہ موجودہ قرآن ہو بہو وہی ہے یا نہیں۔ جو آنحضرت کی زبان مبارک سے سنا گیا۔ تاہم اس کے تین سطر بعد لکھا ہے۔

"اسی غیر معمولی تعشق کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ آج حضور انور کے ہزارہا اقوال کا مجموعہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگرچہ نفس کے بندوں نے ان پاک اقوال میں اپنے خیالات کو بہت کچھ خلط ملط کر دیا تھا۔ مگر جس طرح جواہرات میں ٹھیکریاں الگ پہچانی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے اقوال ہمارے علماء نے الگ چھانٹ دیئے۔ اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر کے دکھا دیا۔"

ان الفاظ میں یہ اشارہ موجود ہے۔ کہ جمع و ترتیب قرآن کے وقت آنحضرت کے نام سے جو مصالحہ ترتیب دینے والوں کے سامنے آیا۔ اسے انہوں نے کلیۃً آنحضرت سے منسوب نہیں کیا۔ اور اس میں بہت کانٹ چھانٹ انہوں نے کی۔ اور چونکہ یہ ماننا بعض خیالوں میں محالات سے ہے۔ کہ ترتیب دینے۔ کانٹ چھانٹ کرنے یا آیات قرآن کو جمع کرنے والے لوگ حضرت جبرئیل یا آنحضرت کے برابر ثقاہت رکھتے تھے۔ یا انہیں اصل قرآنی آیات کا بے خطا علم تھا۔ اس لئے جہاں یہ امکان ہے۔ کہ کوئی اعلےٰ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ وہاں یہ بھی امکان ہے۔ کہ بندگان نفس کی کسی ملاوٹ کی تہ تک نہ پہنچنے سے وہ اسے الگ نہ کر سکے ہوں۔ بہر حال غلطی پر مبنی رائے کا نشانہ آنحضرت کو بنانا کسی طرح یقینی سچائی کا درجہ نہیں پا سکتا۔ ایسے ہی ایک موضوع کو تفسیر القرآن سر سید احمد خاں صاحب جلد اوّل کے ۲۳ ویں صفحہ پر واضح کیا گیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ (اختلاف قرأت)۔ جب قرآن نازل ہوتا تھا۔ تو متفرق ٹکڑوں پر لکھ لیا جاتا تھا۔ اور جو لوگ سنتے تھے۔ اس کو بزبان یاد بھی کر لیا کرتے تھے۔

مگر جیسا کہ عام قاعدہ فطرت انسانی کا ہے۔ بر زبان یاد کرنے والوں کو پیش آتا تھا یعنی جس کا حافظ قوی تھا۔ اس کو نہایت صحت وضبط کے ساتھ یاد رہتا تھا۔ اور اس وجہ سے اختلاف قرأت پیدا ہو گئے تھے۔ کسی کو واو کی جگہ ف یاد رہ گئی۔ کسی کو زبر کی جگہ زیر۔ کسی کو سکون کی جگہ تشدید۔ اور کچھ شبہ نہیں۔ کہ ایسا بھی ہوتا تھا۔ کہ کوئی شخص بر زبان یاد رکھنے میں کوئی کلمہ یا آیت بھول گیا۔ یا کوئی غیر کلمہ اس کی زبان پر چڑھ گیا۔ جو درحقیقت اس میں نہ تھا" اس کے بعد آپ ایسی لغزشوں کے تدارک کا ذکر کرتے ہیں کہ لکھے ہوئے پرچوں یا صحت وضبط سے یاد رکھنے والوں سے ان کا تدارک ہو جاتا تھا۔

یہ اختلاف روز بروز جیسا کہ عام قاعدہ ہے بڑھتا جاتا۔ اس لئے حضرت ابوبکر کی خلافت میں صحابہ نے اس پر اتفاق کیا۔ کہ ان متفرق پرچوں کو جمع کر کر تمام قرآن مجید کو ایک جگہ لکھ لینا چاہئے تاکہ اختلاف نہ پڑے۔ پس زید بن ثابت نے وہ تمام متفرق پرچے جمع کئے۔ اور اپنے ہمعصروں سے جو قرآن کو بخوبی یاد رکھتے تھے۔ اور جن کے پاس متفرق پرچے لکھے ہوئے تھے۔ مدد لی۔ اور اول سے آخر تک قرآن مجید لکھ لیا۔

اس کے بعد حضرت عثمان رض کے عہد میں اس قرآن کی بہت سی نقلیں شائع ہو جانے سے سینکڑوں حافظ پیدا ہونے کا بیان ہے۔ مگر اختلاف قرأت کامل طور پر دور نہ ہوا۔ کیونکہ سب قرآن قدیم کوفی خط میں تھے۔ جس میں نہ نقطے ہیں۔ نہ اعراب۔ اس پر بعض لفظ قواعد صرف نحو یا اہل عرب کی بول چال کے مطابق کئی اختلافات خلاوت کے باوجود ٹھیک معنے دے سکتے تھے۔ اس لئے وہ اختلاف دور نہ ہوئے۔ مگر تھوڑے دنوں بعد قرآن مجید میں نقاط اور اعراب بھی لگا دیئے گئے۔ اب باقی رہا۔ لکھنؤ والوں اور انتراقوں یا خواندہ اور ناخواندہ والا اختلاف تلفظ۔ اس کے بعد سرسید صاحب توریت صحیف انبیا اور انجیل کے قلمی نسخوں کے اختلافات پر بحث اور ان کا مقابلہ قرآن مجید کے متعلقہ اختلافات سے کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔

زید بن ثابت نے جب قرآن لکھا تھا۔ اور جس کی نقل عثمان رض نے کی تھی۔ اس زمانہ میں قواعد رسم خط کے بخوبی منضبط نہیں ہوئے تھے۔ اور اس سبب سے بہت سے الفاظ زید بن ثابت نے اس طرح لکھے ہیں۔ جو ان قواعد رسم خط سے جو بعد کو منضبط ہوئے۔ مختلف ہیں۔

اس قسم کے اقتباسات سے ہم محض یہ واضح کرنا چاہتے ہیں۔ کہ کم سے کم وید کی جگہ وِد کا موجود ہونا نہایت معمولی بات ہے۔ اور حالات کے لحاظ سے صحابہ اس کے لئے معذور سمجھے جانے چاہئیں۔

۹۴۔ عظمتِ وید کا غیر معمولی احساس

ہم نے تمام ضروری پہلوؤں کے متعلق مستند حوالہ جات پیش کر کے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ قرآن مجید کی رو سے دین اسلام میں بھی وید کو ہی الیشوری گیان مانا گیا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ اس باب کو ختم کیا جاوے۔ ہم دو باتوں کا بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اول یہ کہ رسول صلعم کے دل میں وید کی عزت اور عظمت اسی طرح تھی جس طرح سوامی دیانند کے دل میں تھی۔ اور دوم یہ کہ دین اسلام ۱۳ یا ۱۴ صدی سے نہیں۔ بلکہ آغاز عالم سے موجود ویدک دھرم

ع۱ قدیم کوفی خط کیا موجودہ سنسکرت یا دیوناگری کی قسم کے رسم الخط میں بھی تو نقطے نہیں ہوتے۔

کا نام ہے۔ سوا مر اول کے متعلق اس دفعہ میں ثبوت دیا جاتا ہے۔ مہرشی دیانند کا قول ہے۔ کہ اگر کوئی پوچھے۔ کہ تمہارا مت کیا ہے؟ تم کہو۔ وید! اپنے متعلق یہ کہا۔ میری جو بات وید کے مطابق ہو۔ وہی مانو۔ خلاف وید کو غلط جانو۔ یہی پوزیشن آپ نے تمام رشیوں اور ودوانوں کے بچنوں یا تصنیفات کے متعلق واضح کی۔ اور ہم جتنا بھی غور کرتے ہیں۔ اتنا ہی ہمیں یقین ہوتا ہے۔ کہ رسول صلعم اس پوزیشن پر نہایت احتیاط سے قائم رہے تھے۔

۱۔ سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۴۴۔ محمد تو محض ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے انیک رسول ہو گذرے ہیں۔ کیا اگر وہ مر جائے یا قتل ہو جائے۔ تو تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤگے۔ اور اگر کوئی ایسا کرے گا۔ تو خدا کا کیا بگڑے گا۔ وہ اپنے شکر گذاروں کو جزا دے گا۔ (۱)

بہ الفاظ دیگر آپ کا یہاں یہ فرمان ہے۔ کہ میں کوئی نیا دین نہیں چلاتا۔ دین تو ہمیشہ ایک اور اللہ کا ہی ہے۔ میں اس کا محض مبلغ ہوں۔ اور وہ بھی فانی۔ ہاں اس کی کلام حق جاودانی ہے۔ میں رہوں نہ رہوں تم اسی پڑھتے رہو۔

۲۔ سورۃ النساء۔ آیت ۶۴۔ اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے۔ اسی مقصد سے بھیجا ہے۔ کہ اللہ کے حکم کے تحت میں ہی اسے مانا جاوے۔ (۲)

۳۔ سورۃ آل عمران آیت ۷۹۔ کسی انسان کو زیب نہیں دیتا۔ کہ خدا تو اسے اپنی کتاب۔ عقل اور نبوت دیوے۔ اور وہ لوگوں سے کہے۔ کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ یہی کہیگا۔ کہ اپنے پروردگار کے فرمانبردار رہو۔ کیونکہ تم کلام الہی کو ہی پڑھتے پڑھاتے رہے ہو۔ (۳)

واقعی آغاز عالم سے اب تک اگر کسی نے اعلے علمی ہدایت دی ہے۔ یا کتاب تصنیف کی ہے۔ تو وہ کلام الہی کے ہی پڑھنے پڑھانے کا نتیجہ ہے۔ کسی کو حق نہیں۔ کہ اپنی شخصیت کی نمائش کرنے لگے۔ یہ تمام خود نما اور خود ستا ہادیان کے لئے سنہری حروف میں لکھا جانے کے قابل اصول ہے۔

۴۔ سورۃ آل عمران آیت ۸۰۔ وہ تم سے نہیں کہیگا۔ کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا مان لو۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ تم تو خدا کے فرمانبردار بن چکے۔ اور وہ تم کو کفر کا رستہ بتلائے۔ (۴)

۵۔ سورۃ التوبہ آیت ۳۳۔ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ کہ وہ اس دین الہی کو تمام مذاہب پر غالب کرے۔ (۵)

۱۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝

۲۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۝

۳۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝

۴۔ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

۵۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

گویا، انسانی مذاہب کو نیچا دکھا کر دینِ الٰہی کا بول بالا کرنا ہی سچے رسول کا مشن ہے۔

۶۔ سورۃ الانعام۔ آیت ۴۹۔ کہو میں تم کو نہیں کہتا۔ کہ میرے پاس خدا کی سرکار والے خزانے ہیں۔ اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔ نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں۔ کہ میں فرشتہ (رشی) ہوں۔ میں تو بس اللہ کے حکم تک ہی محدود رہتا ہوں۔ جیسا میری طرف وحی (ذہن نشین) ہوتا ہے۔ کیا نابینا اور بینا ایک برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ (۱)

سوامی دیانند کو کسی نے کہا۔ آپ تو رشی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"رشیوں کی عدم موجودگی میں مجھے رشی کہتے ہو۔ ورنہ کنادوغیرہ کے وقت میں میرا معمولی عالموں میں شمار ہوتا" یہی سپرٹ آنحضرت میں ظاہر ہے۔ رشی ہونے کا دعوےٰ نہیں۔ محض خدا کا حکم جو سمجھا وہی سنایا۔ اپنے آپ کو نابینا اور خدا کو بینا ماننا اور کلام الٰہی کی عظمت کے آگے جھکا رہنا ہی آپکے کمال حق پسندی اور ایثار کا ثبوت ہے۔

۷۔ سورۃ البقرآیت ۴۱۔ اور جو تم پر نازل ہُوا۔ اسے اس کا مصدق جانو۔ جو تمہارے پاس ہے (۲)

۸۔ آل عمران آیت ۳۔ اس نے تم پر حق والی کتاب نازل کی ہے۔ جو تجھ میں موجود صداقتوں کو واضح کرتی ہے۔ اور اس نے پہلے توریت اور انجیل کو بہ طور ہدایت انسانوں کے ظاہر کیا تھا۔ اور اس نے حق و باطل کی تمیز کرانے والا فرقان ظاہر کیا تھا۔" (۳)

ظاہر ہے۔ کہ قرآن توریت انجیل کے علاوہ آغاز عالم والے وید کو ہی فرقان کہا گیا ہے۔ یہی حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ہر کہیں مانا گیا ہے۔

۹۔ کہاں تک لکھا جاوے۔ کلام الٰہی کی عظمت کا احساس ہر سورۃ اور ہر رکوع میں موجود ہے۔ سورۃ یونس میں پہلے ہی کہا۔ کہ یہ اس علمی کتاب کی آیتیں ہیں۔ (۴)

سورۃ الرعد میں پہلے ہی کہا۔ یہ کتاب الٰہی کی آیتیں ہیں۔ اور جو کچھ تیرے رب سے تجھ پر ظاہر ہوا ہے۔ حق ہے۔ خوب غور کرو۔ (۵)

سورۃ الحجر کے شروع میں بھی ہے۔ درشن کرو کتاب الٰہی اور علمی قرآن (وید) کا (۶)

۱۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓى اِلَیَّ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۔

۲۔ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ۔

۳۔ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۔ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۔

۴۔ الٓرٰ قف تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۔

۵۔ الٓمّٓرٰ قف تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

۶۔ الٓرٰ قف تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ۔

سورۃ الشعرا کے شروع میں ہے۔ یہی کی الہامی کتاب کی یہ آئینیں ہیں۔ (۱)
سورۃ لقمان کے شروع میں ہے۔ کافی ہیں۔ کتاب حکیم کی آئینیں۔ نیک عمل والوں کے لئے ہدایت اور رحمت (۲)
سورۃ الزمر کے شروع میں ہے: "طاقت اور حکمت مجسم اللہ سے الہام ظاہر ہوا۔ (۳)
سورۃ المومن کے شروع میں ہے۔ طاقت اور علم مجسم خدا سے الہام ظاہر ہوا (۴)
ایک مسلمان مولوی صاحب نے سوامی جی سے سوال کیا۔ کہ مذہب کونسا سچا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ کوئی بھی نہیں۔ کہا گیا۔ آپ تو خود مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اور وید مذہبی کتاب ہے۔ سوامی جی نے کہا بالکل نہیں۔ وید مذہبی نہیں۔ بلکہ علمی کتاب ہے۔" ہو بہو یہی پوزیشن آنحضرت کی ہر حوالے سے ظاہر ہوتی ہے۔ آپ کی دلی لگن محض یہ تھی۔ کہ سب انسان قدیم اور واحد الہام پر متحد ہوں۔ اور اس لئے آپ معقول طریق پر مذاہب کی تردید کرتے تھے۔ اور توریت انجیل کو بعض جزوی علم کہتے تھے۔ جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے۔
کیا تم نے ان پر غور کیا جن کو کتاب الہی کا جزوی علم دیا گیا تھا۔ اب ان کو اس کتاب الہی کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ تاکہ ان کے مابین فیصلہ ہو جاوے۔ تو ان کا ایک بڑا حصہ منہ موڑ لیتا ہے۔ گویا کہ وہ اس سے منحرف ہے۔" آل عمران ۔ ۲۲) (۵)
کل انسانی مذاہب کا یہی حال ہے۔ کتاب الہی کی بعض باتوں کی وجہ سے جو ان کی مانی ہوئی کتاب میں ہیں۔ وہ اصل کتاب کی طرف نہیں آتے۔
نہ صرف یہ آپ بار ہا مذہبی تقسیم پر اظہار افسوس کرتے اور سب کو ایک دھرم میں متحد ہونے کی تحریک اور اسی کے لئے دعا کرتے ہیں ایسے حوالہ جات باب اول میں دیئے جا چکے ہیں۔ کتاب الہی کی اشاعت نہ رہے۔ اور برہمنوں کی خودغرضیوں نیز انسانی دشمنے بندیوں سے کتنے ہی مذاہب جاری ہیں۔ اور ہر طرف سے آپ کی مخالفت ہوتی ہے۔ لیکن آپ اپنے لئے یہی حکم سمجھتے ہیں۔ کہ اس قدیم اور واحد دھرم کی ہی تبلیغ کریں۔
آپ کا ایثار بے نظیر تھا۔ اور یہ امر کہ انہوں نے اپنی کسی غرض یا شہرت یا بڑائی کے لئے تبلیغی کام کیا یا انہیں اپنا مذہب چلانے اور اپنے پیرو بنانے کا شوق تھا۔ قطعاً غلط ہے۔ آپ عربی قرآن کو منجانب اللہ یا اور کتب سے بہتر کہتے تھے۔ تو محض اس لئے کہ قدیم کتاب الہی کی سچائیوں کا وہ بیان کرتے تھے۔ وہ یقین رکھتے تھے۔ کہ عربی قرآن میں خوبی ہی خوبی ہے۔ اور وہ سب وید یا قدیم کتاب الہی کی ہے۔ سورہ یونس آیت

۱۔ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝
۲۔ الٓمٓ ۝ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ هُدًى وَرَحْمَةً لِلْمُحْسِنِينَ ۝
۳۔ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝
۴۔ حٰمٓ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝
۵ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝

۳۸ میں کہا ہے۔
"یہ قرآن ایسی کتاب نہیں۔ کہ خدا کے سوائے اسے کوئی اپنی طرف سے بنا سکے۔ لیکن (اس کا مطلب ہے۔) کہ یہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ جو خدا کی اس قدرت یا نیچر میں ہے۔ اور یہ تفصیل ہے۔ اس (سنت) کتاب کی جو رب العالمین سے ظاہر ہوئی ہے۔" (۱)

ہم نے شروع سے اخیر تک قرآن میں یہی سپرٹ دیکھی ہے۔ کہ سوائے ایک ایشور اور اس کے الہام وید کے آنحضرت کو کچھ بھاتا نہ تھا۔ اور اسی لئے وہ انسانی مذاہب کی کھلے بندوں تردید کرتے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ جو کچھ کتاب الٰہی والی بات تمہارے علم میں آوے۔ مانو۔ مخالف انسانوں کے خیالات وغیرہ کی ہرگز ہرگز پیروی نہ کرو۔

دین اسلام سناتن ویدک دہرم ہے

آل عمران آیت ۱۸۔
"دین تو اللہ کی طرف سے اسلام ہی ہے۔ اور اہل کتاب اپنے پاس علم آنے کے بعد اختلاف رکھتے ہیں تو یہ باہمی بغض و عناد یا تعصب سے ہے۔" (۲)

دین الٰہی کے اسلام ہونے کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جب سے خدا ہے۔ تب سے وہ دین ہے۔ یا جب سے کتاب الٰہی کے ذریعے علم ملا تب سے ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ کہنا۔ کہ ویدک دہرم سناتن ہے۔ یہی مفہوم رکھتا ہے۔ کہ قرآن میں ازلی ابدی ویدک دہرم کو ہی اسلام مانا گیا ہے۔

اہل کتاب قدیم الہام کے معتقدوں کو کہا ہے۔ اور ان کے دہرم کو سچا اور واحد ایشوری دہرم مانتے ہوئے فیصلہ دیا ہے۔ کہ مذہبی تقسیم اس دہرم پہ مبنی نہیں۔ بلکہ باہمی تعصب وغیرہ پر ہے۔

آل عمران ۲۳ میں ہے۔
"اور جو کچھ افترا پرداز یاں یہ دین میں کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں دھوکا دے رکھا ہے۔"
اس سے ظاہر ہے۔ کہ دین تو پہلے سے ہی تھا۔ لوگوں نے عداوت وغیرہ کے زیر اثر ملاوٹیں کر کے نقصان اٹھائے۔ سورۃ المائدہ آیت ۳ میں ہے۔ "رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ تمہارے لئے دین اسلام کو پسند یا منتخب کیا۔ مطلب یہ کہ دین اسلام ہی تھا۔ اور مذاہب بھی۔ آنحضرت نے اسلام کو ہی دین الٰہی سمجھا اور سمجھایا۔ ملت ابراہیم کے مضمون میں ثابت ہو چکا ہے۔ کہ آپ ملت ابراہیم کے پیرو ہونے پر فخر کرتے تھے۔ اور وہ ملت توریت انجیل سے پہلے کی ویدک دہرم کی تھا ہے۔ یا یوں کہو۔ کہ ملت ابراہیم ہے۔ برہما والا ویدک دہرم اور اسے قرآن میں اسلام کہا ہے۔ سورۃ النسا آیت ۲۶ میں ہے۔
"ایشور کو یہی منظور ہوا۔ کہ تمہیں تمہارے گذشتہ بزرگوں کے طریقے کھول کھول کر سنانے اور تمہیں انہی طریقوں چلائے" (۳)

۱۔ وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ
۲۔ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ
۳۔ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

بھارت ورش کے ہی نہیں۔ تقریباً دنیا بھر کے ماہرین تاریخ کل قوموں کے قدیم بزرگ آریہ لوگوں کو مانتے ہیں۔ اور دہرم یا دین وید کو۔ اور آنحضرت اسی کی تبلیغ کرنے کی وجہ یا قدیم دہرم و تہذیب و تمدن کے شیدائی ہونے کی وجہ سے اہل عرب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اور ایشور کی ان پر بڑی عنایت سمجھتے ہیں۔ کہ انہیں قدیم آریوں کے دہرم کو پھیلانے اور عوام الناس کو قدیم بزرگوں کے کارناموں اور اعمال کی تقلید کرنے کا موقعہ ملا۔ نظر بدیں حالات آپ نے آل عمران آیت ۸۵ میں جو یہ کہا کہ

جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا پیرو ہے۔ اس کا وہ دین قبول نہ کیا جاویگا۔ وہ اپنی عاقبت کو خراب کرے گا۔ (۱)

اور بقر ۱۳۰ میں جو یہ کہا کہ سوائے سکسار یا بے عقل لوگوں کے ابراہیم کی ملت سے کون انحراف کر سکتا ہے۔ (۲)

تو اس کا مفہوم محض یہ ہے۔ کہ سب کو قدیم ویدک دہرم پر چلنا چاہیئے۔ کیونکہ حسب قول انعام ۱۲۷ کے ھٰذَا صِرَاطُ رَبِّکَ مُسْتَقِیْمًا یہی تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے۔

سورۃ النسا آیت ۱۶۳ تا ۱۶۵ میں آنحضرت کا اسلام وہی ہے۔ جو نوح ابراہیم اسماعیل اسحاق یعقوب۔ آل یعقوب عیسےٰ ایوب یونس سلیمان داؤد سب کا ہے۔ اور حسب قول پاتنجلے برہما سے لے کر جیمنی تک تمام رشی مانتے آئے۔ مانتے ہیں۔ اور مانیں گے۔

۵۲۔ مت متانتر اور دین قیّم

(سورۃ انعام۔ آیات ۱۵۵ تا ۱۶۲)

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًی وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْکِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ کُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْکِتٰبُ لَکُنَّآ اَهْدٰی مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَکُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ۝ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّکَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝

۱۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

۲۔ وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ

۳۔ اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝

نیز ہم نے موسیٰ کو کتاب الہی (وید) کی تعلیم، عطا کی۔ تمام اچھی باتوں کے متعلق معہ تفصیل ہر امر کے یہ ہدایت اور رحمت تھی۔ اس غرض سے کہ وہ اپنے رب کے وصل یا دیدار پر یقین کریں ۱۵۵ اور یہی وہ مبارک کتاب ہے۔ جو ہم نے اب ظاہر کی ہے۔ پس اس کی پیروی کرو۔ اور متقی بنو۔ کہ تم پر رحمت نازل ہو۔ ۱۵۶۔ (اس نزول کی غرض یہ ہے) کہ تم یہ نہ کہو۔ کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود اور نصاری) پر ہی کتاب نازل ہوئی تھی۔ جس کے پڑھنے کی ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔ ۱۵۷۔ یا یہ کہو۔ کہ کاش ہم پر کتاب نازل ہوتی۔ تو ہم ان سے زیادہ ہدایت پر ہوتے۔ پس تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی ہدایت اور رحمت آچکی ہے۔ اب اس سے زیادہ گنہگار کون ہوگا۔ جو آیات الہی کی تکذیب اور ان سے انحراف کرے۔ ہم ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے انحراف کریں۔ اس انحراف کے بدلے عذاب شدید دیں گے۔ ۱۵۸۔ کیا وہ اس انتظار میں ہیں۔ کہ فرشتے ان کے پاس آویں۔ یا تیرا رب آوے۔ یا تیرے رب کی کوئی آیت آوے۔ مگر جس دن تیرے رب کی کوئی آیت ظاہر ہوگی۔ اس دن ایمان لانے سے کسی کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جو پہلے ایمان نہیں لایا یا جس نے ایمان سے نیکی نہیں کمائی۔ ان سے کہدو۔ کہ انتظار ہم بھی دیکھ رہے ہیں۔ ۱۵۹۔ جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا۔ اور مت متانتر چلائے۔ تیرا ان سے کچھ واسطہ نہیں ان کا معاملہ بس خدا کے حوالے ہے۔ وہ ان کے عمل ان کے پیش لائیگا۔ ۱۶۰۔ اور انہیں کہدو۔ کہ مجھے تو میرے رب نے راہ راست دکھا دیا ہے۔ یعنی ازلی ابدی دھرم یا صراط مستقیم یا حق پرست ابراہیم کا دھرم جو مشرک نہ تھا۔

یہاں حسب ذیل امور قابل غور ہیں۔

(۱) یہ کہ موسیٰ کو کتاب الہی (وید) کا علم حاصل تھا۔ اور حضرت محمد صاحب کو بھی اسی قدیم کتاب کی تعلیم ملی۔ لیکن اگر عام مشہور مقولہ کو لیا جاوے۔ کہ موسیٰ پر توریت نازل ہوئی۔ اور آنحضرت کو قرآن مجید ملا۔ تو بھی وہی بات ہے۔ کیونکہ دونوں کا انحصار الکتاب یا کتاب الہی پر ہے۔ اور اسی کی انہیں تفصیل کہہ سکتے ہیں۔

۲۔ یہ کہ کتاب الہی کی تعلیم موسیٰ کو تمام اچھی باتوں کی بابت ملی۔ معہ تفصیل ہر امر کے تَمَاماً عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ کا مطلب بعض لوگ یہ بھی لیتے ہیں۔ کہ تمام اچھے لوگوں کے متعلق لیکن تماماً اور تفصیلاً دونوں لفظوں کا تقاضا یہی ہے۔ کہ تمام اچھے اصولوں کے متعلق معہ تفصیل کے علم حاصل کیا گیا

۳۔ یہ کہ حضرت موسیٰ۔ حضرت محمد اور قدیم کتاب الہی (وید) کی ہدایت ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ کتاب الہی کی پیروی کی جائے۔

۴۔ خدا کا انسان پر بڑا احسان ہے۔ کہ اس نے آغاز میں الہام دیا۔ اور ہر زمانے کے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ رکھنے کے لیے رسولوں کے ذریعے تبلیغ کا کام کرایا۔

۵۔ آیت ۱۵۹ میں کتاب الہی کی پیروی اختیار نہ کرنے والوں کے وسوسات کا ذکر کیا ہے۔ اور انہیں خبردار کیا ہے۔ کہ خدا یا فرشتے یا آیتیں تو آنے سے رہیں۔ اور اگر کوئی آیت آسکتی ہے۔ تو بہ موت وغیرہ قسم کی نشانی یا بیوقت کا علم ہے۔ مگر اس نشانی سے فائدہ کیا۔ کام کا موقعہ تو اس وقت گذر چکتا ہے۔ پس واجب یہی ہے۔ کہ پہلے ہی ایمان لایا اور نیک کمائی کی جاوے۔

۶۔ آیت ۱۶۲ میں ایک الشوری دھرم کی بجائے مت یا فرقے چلانے والوں کو خدا سے سخت سزا ملنے کا ذکر

ہے۔ مگر رسول کو یہ ہدایت ہے۔ کہ وہ ان سے نفرت یا عداوت نہ کرے۔ نہ ان کی گمراہی کے متعلق غم کرے۔ بلکہ ان کا معاملہ خدا کے حوالے سمجھے۔ وہ ان کو مناسب اجر دیگا۔ ہاں رسول تو محض یہی سنا دیگا۔ کہ مجھے راہِ راست یا صراطِ مستقیم یا دین قیم کی تعلیم حاصل ہے۔ اور وہی میں ظاہر کرتا ہوں۔ وہی ملت ابراہیم ویدک دھرم ہے۔

۵۳۔ اولین کتاب

سورۃ المومنون آیت ۶۸ تا ۷۱

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۝

کیا وہ قول الہی پر غور نہ کریں گے۔ کیا ان پر وہ کچھ نہیں لایا جا رہا ہے۔ جو ان کے آغاز والے بزرگوں پر آیا تھا۔ ۶۸۔ کیا وہ اس سے اس لئے منکر ہیں۔ کہ وہ اپنے رسول کو جانتے نہیں۔ ۶۹۔ کیا یہ کہتے ہیں۔ کہ اسے جنون ہے نہیں۔ بلکہ وہ تو حق لے کر ان کے پاس آیا ہے۔ مگر ان میں سے اکثر حق سے نفرت کرتے ہیں۔ ۷۰۔ اور اگر حق ان کے خیالات یا جذبات کے پیچھے چلتا۔ تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ سب میں گڑبڑ ہو جاتی۔ بلکہ ہم تو ان کے پاس ان کی ہی الہامی کتاب لائے ہیں۔ سو وہ اپنی کتاب سے آپ کنارہ کر رہے ہیں۔ ۷۱۔

کس زور سے آنحضرت ان آیات میں یقین دلاتے ہیں۔ کہ میں ان لوگوں کے سب سے پہلے جو بزرگ تھے انہی کی الہامی کتاب ان کے پاس لا رہا ہوں پھر ہر شخص پر حقیقت صاف عیاں ہے۔

رسول ان آیات کے بعد کہتے ہیں۔ میں ان لوگوں سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر دینے یا پالنے والا خدا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے۔ کہ یہ فائدہ حاصل کرنے کا موقعہ کھو رہے ہیں۔ ارے جو قول یا کلام الہی میں سناتا ہوں۔ اس پر غور کر کے اسے قبول کرنا ان کا فرض ہے۔ یا تو یہ بات ہو۔ کہ ان سے آغاز والوں کی کتاب میں نہیں لا رہا یا یہ مجھ سے ناواقف ہوں۔ تب تو انکار کے کچھ معنے بھی ہوں۔ لیکن جب کتاب بھی آغاز والی ہے۔ اور مجھے بھی یہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ نہ میں کوئی غرض رکھتا ہوں۔ نہ میری کبھی کسی نے برائی دیکھی ہے۔ پھر کنارہ کرنے کے کیا معنے ؟

۵۴۔ استعارہ اور دلیل

نہ صرف قرآن مجید اور اسلامی لٹریچر کے اندر سے اس قسم کے ادبیات سے ثبوت وید کے ہی کلام الہی ہونے کے موجود ہیں۔ استعارے اور دلیل سے بھی اسی کلام الہی کی عظمت کو نقش کرنے کی ہر کہیں کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ کہیں یہ بتایا ہے۔ کہ تاریکی میں اگر آگ روشن کی جائے۔ اور ارد گرد کی چیزیں سب روشنی سے چمکنے اٹھیں۔ مگر انسان کی آنکھ کی روشنی ہی خدا دور کر دے۔ تو اس روشنی سے اسے کیا فائدہ۔ مطلب یہ کہ روح میں جہالت ہو۔ تو خدا کے الہامی علم سے انسان فیض نہیں پا سکتے۔

۲۔ سورۃ النور میں مشہور استعارہ ہے۔ کہ ایک طاق ہے۔ طاق میں قندیل ہے۔ قندیل میں چراغ ہے۔ جو زیتون کے تیل سے جلتا ہے۔ یہ زیتون کا تیل زیتون کے درخت سے آتا ہے۔ جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی اور بغیر

احتیاج آگ کے خود بخود روشن ہے۔

اس میں شجر زیتون خدا نے علیم کل کو کہا ہے۔ اس کا الہامی علم زیتون کا تیل ہے۔ جیسے وہ خدا مشرق یا مغرب میں قید نہیں۔ سب طرفوں میں اور سب کل ہے۔ ویسے ہی اس کا الہامی علم عالمگیر و کامل ہے۔ اور مستند بالذات وہ کسی بیرونی مدد کا محتاج نہیں۔ پھر گیس لیمپ کا شیشہ جس طرح روشنی کو صاف اور تیز کرتا ہے۔ اسی طرح یہاں رسول یا مبلغ کو کہا ہے کہ جیسے صاف شیشے والا چراغ اندھیرے میں روشنی دکھاتا ہے۔ اسی طرح رسولوں کو خدا بطور نمونہ انسانوں میں بھیجتا ہے۔

۳۔ ایک آیت میں الہامی علم کو سورج سے تشبیہ دے کر سمجھایا ہے۔ کہ انسان جتنا سورج سے دور ہو یا سورج جتنا کسی شئے سے دور ہو اتنا ہی اس کا سایہ لمبا ہوتا ہے۔ اور جیوں جیوں کوئی سورج کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اتنا ہی سایہ کم ہوتا جاتا ہے۔ اور سورج سمت الراس پر آتا ہے۔ تو سایہ بالکل کافور ہو جاتا ہے۔ یہ مثال ظاہر کرتی ہے۔ کہ جتنا علم الہی یا وید کا پرچار کم ہوتا ہے۔ جہالت اتنی زیادہ ہوتی ہے۔ اور جیوں جیوں لوگ اس سچے گیان کو حاصل کرتے جاتے ہیں۔ جہالت کم ہوتی جاتی ہے۔ اور جب وید کا پرچار دنیا میں عملی طور پر زور سے ہوتا ہے۔ جہالت کا نام و نشان نہیں رہتا۔ توہمات اور جھوٹے مذاہب کا وغیرہ وغیرہ

کاش کہ خدا کے سچے دین یا دہرم کے معتقد ویدک دہرمی اور مسلمان بھائی دونوں دین حق کو دنیا میں غالب کر دکھائیں اور جہالت کا ناش ہو کہ دنیا بقعہ نور اور چشمہ راحت و سرور بن جائے۔

۵۵۔ سب کو چھوڑ کر وید کو پکڑو

باب اول دفعہ ۸ میں اتحاد کی لازمی شرائط کے متعلق جو آیات پیش کی گئی ہیں۔ وہ زبان حال سے پکار پکار کر اپیل کر رہی ہیں۔ کہ اے انسانو! تمام دیگر کتب کو چھوڑ کر ایک خدا اور اس کی الہامی کتاب وید کی مضبوط رسی کو پکڑو۔

سورۃ المومنون آیت ۵۳ میں اظہار افسوس کیا گیا ہے۔ کہ باوجود ایک ہی امت یا جاتی ہونے کے کتاب الہی کے نقطۂ نگاہ سے انسانوں نے اپنے آپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہے یعنی ایک الہامی دھرم کو چھوڑ کر مختلف مذاہب اور کتابیں بنا لی ہیں۔ اور ہر مذہب والا اسی کتاب پرست ہو رہا ہے۔ جو اس کے پاس ہے۔

بعد کی آیات میں اس جہالت کا اور بھی عمدگی سے نقشہ کھینچا ہے۔ کہ عام لوگ اصل دہرم سے غافل اور مال اولاد میں مست ہو کے اپنے نامۂ اعمال کو بگاڑ اور دکھوں کا سامان کر رہے ہیں۔ ہماری آیات کی سچی تعلیم سنتے نہیں۔ کہ دور بھاگتے نہیں یہ کہکر ہی سوال کیا ہے۔ کہ کیا ان کو یہ خیال ہے۔ کہ جو ہدایت میں دیتا ہوں۔ وہ آغاز عالم والے یا اولین رشیوں والی نہیں ہے۔ یا کیا وہ مجھ سے واقف نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ میں محض قدیم ازلی ابدی الہامی علم کی ہی تبلیغ کرتا ہوں۔ میں نہ کوئی ذاتی غرض رکھتا ہوں۔ نہ غلط بیانی کرنے والا ہوں۔ یہ ان لوگوں کو معلوم ہے۔ پھر بھی یہ بدنصیب راہ راست پر نہیں آتے۔ سورہ یونس آیت ۵۷ و ۵۸ میں بڑے شد و مد سے ہدایت دی ہے کہ

اے لوگو! یقیناً خدا کی طرف سے تم کو علمی کتاب ملی ہوئی ہے۔ وہ تمہارے امراض قلبی کی دوائے اکسیر اور مومنوں کے لئے

ہدایت اور رحمت ہے۔ پس اللہ کا فضل اور رحمت سمجھ کر اسی پر لٹّو ہو جاؤ۔ وہی بہترین اندوختہ ہے۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۱۳ و ۱۴ میں سب نبیوں یا رشیوں پر بے بدل الہامی علم کے انکشاف ہونے۔ اور انہیں یہ ہدایت ملنے کا بیان ہے۔ کہ وہ مذہبی تفرقہ نہ بڑھنے دیں۔ اور محض تعصبات پر مبنی فرقہ بندی کو الہامی کلام الٰہی کو مقدم درجہ دے کر دور کریں۔

۵۶۔ برہمنوں کی گراوٹ اور رسُول کو وید رکھشا کا حکم

سورۃ الشوریٰ آیت ۱۴ کا آخری حصہ خاص غور کے قابل ہے۔ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْ بَعْدِھِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ یعنی ان سب قدیم رشیوں یا نبیوں کے بعد جو لوگ کتاب الٰہی کے وارث ہوئے وہ خود اس کا یقینی علم نہیں رکھتے۔ پس

فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ ۚ۔ اب تو اسی کی طرف دعوت دے۔ اور جیسا حکم دیا ہے۔ اس پر جمارہ لوگوں کے خیالات یا جذبات کے آگے ہرگز نہ جھکنا۔

کیا اس سے بڑھ کر صاف کوئی امر ہو سکتا ہے۔ کہ رسُول کا ربّانی مشن صاف طور پر وید رکھشا ہے۔

حکم کی مزید وضاحت

اگلے الفاظ میں ہے۔ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ۚ لوگوں کو سنا دو۔ کہ میں اس پر ایمان لایا ہوں۔ جو اللہ نے اپنی الہامی کتاب میں ظاہر فرمایا ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے۔ کہ میں تمہارے مابین حق (انصاف) سے فیصلہ کروں۔ قرآن کا سارا زور رھبر شی دیانند کی طرح وید یا حق پر سب کو متحد کرنے پر تھا۔ چنانچہ آخری الفاظ آیت یہ ہیں۔ اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ خدا ہی اپنی عنایت سے ہم میں اتحاد لائے اور وہی ہمارا منزل مقصود ہے۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۶۸ میں انسانوں کی ورنوں والی تقسیم کا اشارہ کرکے برہمنوں کی گراوٹ اور اس کے علاج کا ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْکِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ ھٰذَا الْاَدْنٰی وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ یَّاْتِھِمْ عَرَضٌ مِّثْلُہٗ یَاْخُذُوْہُ ؕ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْھِمْ مِّیْثَاقُ الْکِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْہِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ خلاصہ مطلب۔ قدیم صالح لوگوں کے ناخلف جانشین کتاب الٰہی کے ٹھیکہ دار بن کر ناجائز اغراض کے دیوانے بن گئے۔ اور کہنے لگے۔ سامرتھ کو نہیں دوش گسائیں۔ ارے کہاں ان کی یہ حالت اور کہاں ان کا کتاب الٰہی کے متعلق عہد کہ وہ خدا کے متعلق حق ہی حق کہیں گے۔ اور جو کچھ اس میں ہے۔ اسے پڑھتے رہیں گے۔ اور دار الآخرۃ کو ترجیح دیں گے۔ وغیرہ۔ اگلی آیت میں برہمنوں کے اوپر بڑے بڑے عالم سنیاسیوں کی نگرانی کے انتظام کا اشارہ کر کے کہا ہے۔

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ

یعنی خدا نے جو گیان عطا فرمایا ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑا۔ اور اس کی تعلیم کی اشاعت کر کے لوگوں کو متقی بنایا جاوے۔ یہ الفاظ دیگر ان حوالہ جات کا مفہوم محض یہ ہے۔ کہ وید الہامی علم ہے۔ اور وید کا پڑھنا پڑھانا اور سننا سنانا ہی متقی یا مومنوں کا سچا عہد یا مقدم فرض ہے۔

چوتھا باب صفات باری

۵۷۔ وید اور ایشور

ویدوں میں ایشور کا ذاتی نام ہے اوم اس کی لا انتہا صفات کے نکتہ نگاہ سے اس کے صفاتی نام بھی بے شمار کہے ہیں۔ ویدک ساہتیہ میں تمام رشیوں کا مسلمہ اصول ہے۔ کہ وید کے منتروں کا انتہائے مقصود اور مقدم ترین مفہوم وہ ایک پرمیشور ہے۔ چنانچہ کیا اوم کا شبد اور کیا اس کے صفاتی نام تمام اس کی صفات حسنہ کو واضح کرکے انسانی روح میں ان صفات کا احساس پیدا کرنے اور اسے روحانیت کی طرف قدم بڑھائے جانے کے قابل بناتے ہیں۔ وشنو سہسر نام میں اس کے ہزار صفاتی نام مذکور ہیں ستیارتھ پرکاش کے پہلے باب میں سو صفاتی ناموں کی توضیح مع ان کے مصادر، مصدری معنوں اور ترکیب اشتقاق کے پیش کیے گئے ہیں۔ آریہ سماج کے پہلے اصول میں ایشور کو سب سچے علوم اور ان علوم سے معلوم ہونے والے پدارتھوں کا آدمی مول یا علت اولین کہا گیا ہے۔ اور دوسرے اصول میں بہ طور نمونہ اس کے صفاتی نام پیش کیے گئے ہیں جو موجودہ زمانہ میں روح۔ انسانوں وغیرہ حیوانوں۔ مادہ و مادی اشیاء سے اس کی مخصوص اور اعلیٰ ترین پوزیشن کی تمیز کراتے ہیں۔ یہ اصول حسب ذیل ہے۔

" ایشور سچدانند سروپ۔ نراکار۔ سرو شکتیمان۔ نیائے کاری۔ دیالو۔ اجنما۔ اننت۔ نرا کار۔ انادی۔ انوپم۔ سرو آدھار۔ سرویشور۔ سرو ویاپک۔ سروانتریامی۔ اجر۔ امر۔ ابھے۔ نت پوتر اور سرشٹی کرتا ہے۔ اسی کی اپاسنا کرنی یوگ ہے۔"

ان صفاتی ناموں کے متعلق وید منتروں کے حوالجات دیئے جاویں تو مضمون بہت طویل ہو جاویگا۔ لہٰذا محض بطور نمونہ چند منتر پیش کیے جاتے ہیں۔

اندر۔ متر۔ ورن۔ اگنی۔ دویہ۔ سپرن۔ گرتمان سب نام ایشور کے ہیں۔ وہ ہستی مطلق ایک ہے۔ مگر عالم لوگ اس کو کئی طرح سے بیان کرتے ہیں۔ جیسے اگنی یم ماترشوا۔ (۱)

وہ اگنی ہے۔ وہ آدتیہ ہے۔ وہ وایو ہے۔ وہ چندرما ہے۔ وہ شکر ہے۔ وہ برہم ہے۔ وہ آپ ہے۔ وہ پرجاپتی ہے۔ (۲)

۱۔ इन्द्रं मित्रं वरुणमग्निमाहुरथो दिव्यः स सुपर्णो गरुत्मान्।
एकं सद्विप्रा बहुधा वदन्त्यग्निं यमं मातरिश्वानमाहुः॥ رگ وید ۲-۳-۲۲-۴۶

۲۔ तदेवाग्निस्तदादित्यस्तद्वायुस्तदु चन्द्रमाः।
तदेव शुक्रं तद् ब्रह्म ता आपः स प्रजापतिः॥ یجروید ۳۲-۱

وہ پرماتما محیط کل ۔ سریع العمل ۔ لامحدود قدرت کا مالک ۔ پاک ۔ علیم کل ۔ منضبط الباطن ۔ سب سے اوّل اور اعلیٰ ۔ قدیم ۔ قائم بالذات ہے ۔ وہ اپنی قدیم رعایا یعنی تمام ارواح کو اپنے قدیم علم کے ذریعہ جملہ اشیاء کا وید کی صورت میں صحیح صحیح علم بخشتا ہے ۔ (۱)

آپ نور علی نور ہیں ۔ مجھ میں بھی اپنے نور کی تجلّی کیجئے ۔ آپ کی قدرت لامحدود ہے ۔ مجھے بھی اپنے فضل سے ہمت اور قدرت عطا فرمایئے ۔ آپ کی طاقت لا انتہا ہے ۔ مجھے بھی اپنی طاقت سے مستفیض کیجئے ۔ آپ کی قوّت کامل اور بیکراں ہے ۔ مجھے بھی اس کامل قدرت سے بہرہ اندوز کیجئے ۔ بُرے افعال اور اشخاص پر آپ کی نگاہ غضب ہے مجھے بھی وہ نگاہ غضب عنایت کیجئے ۔ آپ مذمت اور تعریف سے مستغنی ہیں ۔ اور جو آپ کے خلاف جرم کرے ۔ اس کے لئے آپ بیحد متحمل ہے ۔ اپنے فضل سے مجھے بھی ویسا ہی کیجئے ۔ یجروید ۱۹ - ۹ (۲)

ان منتروں سے کافی اشارہ ملتا ہے ۔ کہ وید میں کس طرح ایشور کی صفات اور اس کے صفاتی ناموں کا بیان کیا گیا ہے ۔ اس غرض سے کہ انسان اس کی ان صفات پر غور کر کے اپنے اندر ان صفات کو لانے کے لئے دعا مانگے ۔

۵ ۔ قرآن میں صفات و اسمائے الٰہی !

قرآن میں اللہ کا ذکر شروع سے اخیر تک اس طرح چلا جاتا ہے ۔ کہ گویا بالکل وید کی طرح اسی کا مقدم ترین ذکر اس کا مقدم ترین یا اصل مقصود ہے ۔ صفاتی نام بھی ویدک ناموں کی جگہ ہی موجود ہیں ۔ اور صفات بھی ہوبہو وہی بیان کی گئی ہیں ۔ اگر ہر شخص اپنے خیال کے مطابق الفاظ کی تاویل کرنا چھوڑ کر یہ سمجھنے کی کوشش کرے ۔ کہ فی الحقیقت کس پہلے سے معلوم صفاتی نام کی جگہ قرآن میں کونسا لفظ استعمال کیا یا عربی میں رکھا گیا ہے ۔ تو وید اور قرآن میں اختلاف کا نظر آنا قطعاً مسدود ہو جاوے ۔

قرآن اسمائے الٰہی کے متعلق صاف اصول بتاتا ہے ۔ کہ کل اچھے نام خدا کے لئے ہیں ۔ پس اس کے اچھے اچھے نام لے کر اس سے دعا مانگا کرو ۔ (۳)

ویدک اصول جو اوپر بتایا ۔ کہ چونکہ تمام صفات حسنہ کا جامع وہ ایک ایشور ہی ہے ۔ اس لئے تمام اچھی صفتوں کو ظاہر

---

۱ ۔ (१) सपर्य गाच्छु क्रमकायम व्रणम स्नाविर ॐ शुद्ध मपाप विद्धम । कविर्मनीषी परिभुः स्वयम्भुर्या थात थ्यतो ऽ र्थानव्यद धाच्छा श्वती भ्यः समाभ्यः॥ यजु ۸ ۔ ۴۰ ۔ یجروید

۲ ۔ (२) तेजो ऽसि तेजो मयि धेहि । वीर्यमसि वीर्यं मयि धेहि । बलमसि बलं मयि धेहि ओजो ऽस्यो जो मयि धेहि । मन्युरसि मन्युं मयि धेहि । सहो ऽसि सहो मयि धेहि । یجروید ۱۹ ۔ ۹

۳ ۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ اعراف رکوع ۲۲

کرنے والے کلمات مقدم طور پر خدا کے صفاتی نام ہوں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس پہلو میں اٹھولا گ وید و کتب مقدسہ ہم زبان ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۱۰ میں کہا ہے کہ اللہ کو پکارو یا رحمان کو کسی نام سے پکارو۔ اچھے نام اسی کے ہیں۔

۵۹۔ صفاتی بیان کی مطابقت

۱۔ ویدک تعلیم یہ ہے کہ ایشور بن آنکھوں کے سب کو دیکھنے والا۔ بن کانوں کے سننے والا۔ بن پاؤں کے چلنے والا ہے کین اپنشد میں اس امر کو یوں واضح کیا ہے کہ جس کو زبان بیان نہیں کرسکتی جس کی طاقت سے زبان بولتی ہے۔ اسی کو تو پرمیشور جان۔ اور اس کے سوائے جو عبادت کیا جاتا ہے۔ برہم نہیں۔ جو من سے جانا نہیں جاسکتا۔ مگر جو من کو جانتا ہے۔ اسی کو تو برہم جان۔ ۱۔۴۔ اس کے آگے ہے۔ جو آنکھ سے نظر نہیں آتا مگر جس کی بدولت سب آنکھیں دیکھتی ہیں۔ اسی کو تو برہم جان۔ نہ اس کے ماسوائے کو جو پوجا جاتا ہے۔ ۵۔۶۔ وغیرہ (۱)

قرآن میں اس مدعا کو کئی طرح سے واضح کیا گیا ہے۔ از انجملہ سورۃ الانعام آیت ۱۰۴ قابل غور ہے۔ نظریں اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔ مگر وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔ کیونکہ وہ لطیف اور خبیر ہے (۲)

اس سے پہلی آیت میں ہے "وہ خدا تمہارا رب ہے۔ اس کے سوائے کوئی تمہارا معبود نہیں ہے جو کل اشیاء کا خالق ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو۔ وہ تمام چیزوں پر مختار ہے۔ (۳)

اس آیت میں اپنشد والے بیان کو جمع کیا گیا ہے۔

۲۔ رگوید میں جابجا پرمیشور کو سارے نظام عالم کو چلانے والا اور امن اور سلامتی کا موجب بتایا ہے۔ سوستی واچن میں رگوید ۵۔۵۱ میں ایشور کے اس انتظام کی خوبی کا علم دے کر ہدایت کی گئی ہے کہ

"تمام لوگ سلامتی کے راہ (سمارگ) پر داناٸی اور اتفاق سے چلے جائیں جس طرح سورج اور چاند ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے بغیر کسی کو نقصان پہنچائے یا باہم ٹکرائے اپنے صحیح رستہ پر چلے جاتے ہیں۔ (۴)

اس مدعا کو قرآن سورہ یٰسین آیت ۳۸ تا ۴۰ میں ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"سورج اپنے مقررہ رستے پر چلا جاتا ہے۔ جو اس مالک و عالم کل نے اس کے لئے مقدر کر رکھا ہے۔ اور چاند کی منزلیں بھی مقدر ہیں حتیٰ کہ وہ کھجور کی پرانی سوکھی شاخ سا ہی ہو جاتا ہے۔ نہ سورج کی مجال ہے کہ چاند میں مزاحم

۱۔ यच्चक्षुषा न पश्यति येन चक्षूंषि च पश्यति।
तदेव ब्रह्म त्वं विद्धि नेदं यदिदमुपासते ॥

۲۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ انعام ۔ ۱۰۴

۳۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ انعام ۱۰۳

۴۔ स्वस्ति पन्थामनु चरेम सूर्याचन्द्रमसाविव
पुनर्ददताघ्नता जानता सं गमेमहि ॥

ہو۔ اور نہ رات دن میں مزاحم ہوتی ہے۔ سب اپنے اپنے دائرے میں چل رہے ہیں۔ (۱)

۳۔ وید میں پاپوں سے باز رہنے کے لئے ایشور کی ہر جا حضوری کا ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"جو کوئی کھڑا ہو یا چلتا۔ دوسرے کو ٹھگتا یا چھپ چھپ کر کہیں جاتا یا اتیا چار کرتا ہو۔ اور کوئی دو پُرش باہم مل کر منصوبہ بازی کرتے ہوں۔ پرمیشور ان دو کے ساتھ تیسرا یا ساکھشی ہو کر ان کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ (۲)

قرآن اس مدعا کو سورۃ المجادلۃ آیت ۷ میں ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ کیا تو نے جانا نہیں۔ کہ خدا سب کچھ جانتا ہے۔ جو زمین و آسمان میں ہے۔ کوئی سے بھی تین مشورہ کرتے ہوں۔ چوتھا وہ (خدا) ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی پانچ ہوں تو وہ چھٹا۔ غرضیکہ کم ہوں یا زیادہ۔ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ خواہ کہیں ہوں۔ (۳)

۴۔ اتھروید ۱۳۔۴۔۲۰ میں ہے کہ

ایشور سردآدھار ایک ہے۔ محض ایک ہے۔ آدھار مانتر ایک ہی ہے۔ (۴)

دوسری جگہ کہا ہے۔ وہ اج یا اجنما ہے۔ امر ہے۔ نہ جنتا نہ جنا جاتا ہے نہ جنا جائے گا۔ (۵) قرآن سورہ اخلاص میں ہے۔ وہ اللہ ایک ہے۔ نرادھار ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا۔ اور نہ کسی سے جنما نہ کوئی اس کا ہمسر یا اس کی مانند ہے۔ (۶)

۵۔ رگوید میں سب سے پہلے لفظ ہے۔ اگنم ایڑے۔ ستتی یا تعریف ہے ایشور کی۔ اس کی جگہ قرآن میں پہلے ہی کہا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ تعریف ہے خدا کی۔

۶۔ وید میں کہا ہے۔ سنسار کی چیزیں اس سکل جگت کے پرکاشک پرمیشور کی جو سب کو دکھانے والی نشانیاں یا پتاکا ہیں۔ یجو۔ ۳۳۔ ۱۳۔ (۷)

رگ ۱۰۔ ۱۲۵ (دواگ) ہرنی سوکت منتر ۳ میں کہا ہے۔

میں سب کو چمکانے والی۔ نانا پرکار کے ایشوریہ دلانے والی۔ سنیک کاموں سے پوجی جانے والی سب سے اعلیٰ

۱۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ط ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۳۸ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۳۹ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَھَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ ط وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۴۰

۲۔ यस्तिष्ठति चरति यश्च वंचति यो निलायं चरति यः प्रतङ्कम्।
द्वौ संनिषद्य यन्मन्त्रयेते राजा तद्वेद वरुणस्तृतीयः॥ اتھروید ۴۔۱۶۔۲

۳۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا ج

۴۔ तमिदं निगतं सहः स एष एक एकवृदेक एव।

۵۔ न जातो न जनिष्यते

۶۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۱۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۲۔ لَمْ یَلِدْ ۵ وَلَمْ یُوْلَدْ ۳۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۵

۷۔ ओं उदु त्यं जातवेदसं देवं वहन्ति केतवः। दृशे विश्वाय सूर्यम्।

گیان والی ایکی ہوں ۔ مجھ کو ہی یہ سب پدارتھ یا عالم لوگ اپنی اپنی طرز پر بیان کرتے ہیں ۔ (۱)

اسی طرح انیک منتروں میں رات دن ۔ سورج ۔ چاند ۔ ان اناج ۔ پھل پھول ۔ زندگی موت ۔ خشکی اور بارش وغیرہ کو پرمیشور کی صنعت کاملہ و حکمت بالغہ کو ظاہر کرنے والے سامان بتایا ہے ۔ اور قرآن ہو بہو اسی طرح پر خدا کی عظمت کئی آیتوں میں بیان کرتا ہے ۔ چنانچہ سورۃ البقرہ آیت ۱۶۴ میں کہا ہے "آسمان اور زمین کے بنانے ۔ رات اور دن کے اختلاف انسانی مفاد کے لئے دریا میں اشیاء کو لے چلنے والی کشتی بادل سے خدا کا برسایا ہُوا پانی ۔ زمین کا مردہ ہونے کے بعد اس سے زندہ ہونا ۔ ہر طرح کے جانداروں کا اس میں پھیلنا ۔ ہواؤں کا چلنا ۔ آسمان اور زمین کے درمیان بادلوں کا کام میں لگے رہنا سب اہلِ عقل کے لئے مظہرات الٰہی ہیں ۔ (۲)

اسی طرح ایک آیت میں قرآن فرماتا ہے ۔ کہ چوپایہ حیوانات گائے بکری وغیرہ پر غور کرو ۔ ان کے جسم کے اندر کے خون وغیرہ کے درمیان دودھ پیدا ہو رہا ہے ۔ نباتات سے ان اناج وغیرہ نعمتیں مل رہی ہیں ۔ کھجور اور انگور جیسے پھل مل رہے ہیں شہد مکھی جیسی ننھی سی ہستی کو شعور ہے ۔ کہ پہاڑوں درختوں وغیرہ میں چھتہ بناتی اور مختلف قسم کے پھولوں سے رس چوس چوس کر لاتی ۔ اور اسے جمع کر کے تمہارے لئے شہد جیسی لذیذ اور شفا بخش نعمت مہیا کرتی ہے ۔ بلاشبہ ان تمام میں سمجھ اور سوچ والے لوگوں کے لئے اس پروردگار کی عظمت کو بیان کرنے والی بڑی بڑی نشانیاں ہیں ۔

غرضیکہ بیسیوں آیات ہیں ۔ جن میں عجائباتِ عالم و نعمائے الٰہی کا بیان کر کے نہایت سبق آموز منظر پیش کئے گئے ۔ اور انسان کی آنکھیں کھولی گئی ہیں ۔ کہ ان سب نشانیوں سے خدا کی عظمت کا نقش اپنے دل پر کرے ۔

۷ ۔ وید منتروں میں پرمیشور کی صفات کو بیان کرنے کے لئے بہت سے الفاظ ایک جگہ ملتے ہیں ۔ جیسے ایک منتر میں اندر مِتر ورن اگنی دویہ سپرن گرتمان ۔ ایک اور منتر میں اگنی ۔ آدتیہ ۔ وایو ۔ چندرماں ۔ شُکر ۔ برہم ۔ آپہ پرجاپتی سب الفاظ اس کی مختلف صفات کو ظاہر کرتے ہیں ۔ ایک منتر میں تیج ۔ ویریہ ۔ بل ۔ اوج ۔ منیو ۔ سہ ہیں ۔ ایک میں مِتر ۔ ورن ۔ اریما ۔ اندر ۔ برہسپتی وشنو ۔ اروکرم ہیں یجروید ادھیائے ۴۰ منتر ۸ میں کہا ہے ۔ وہ پرمیشور ۔ پری اگات ۔ شُکر اکائے ۔ اسناورشدہ اپاپ ودھ کوی منیشی ۔ پریبھو ۔ سویمبھو ہے وہ اپنی تمام رعایا (ارواح) کو اپنے غیر فانی گیان کے ذریعے وید کی صورت میں صحیح صحیح علم بخشتا ہے ۔ ایسے ہی ایک منتر میں اریما برہسپتی وات وشنو سرسوتی سوِتہ واجن (۳)

---

۱ ۔ अहं राष्ट्री संगमनी बसुनां चिकितुषी प्रथमा यज्ञियानाम् ।
तां मा देवा व्यदधुः पुरुत्रा भूरिस्थात्रां भूर्यावेशयन्तीम्

۲ ۔ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ○

۳ ۔ अर्यमणं बृहस्पतिमिन्द्रं दानाय चोदय ।
वातं विष्णुं सरस्वतीं सवितारंच वाजिनम् ॥

قرآن میں بھی کئی آیتیں ہیں جن میں ایک ساتھ اس کی بہت سی صفات کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الحشر کی آیت ۲۳ و ۲۴ میں کہا ہے۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ملک (بادشاہ) قدوس (تمام برائیوں سے پاک) السلام (خود ہمیشہ سلامت اور سب کو سلامتی دینے والا) المومن (امن و امان کا دینے والا) مہیمن (محافظ کل) جبار (شکستہ کو جوڑنے والا) متکبر (تمام بڑائیوں والا) لاشریک (لوگوں کے شرک سے موثر نہ ہونے والا) ۲۴۔ خالق۔ باری۔ مصور (تمام صورتیں بنانے والا) تمام نیک ناموں والا۔ جس کی ارض وسما تسبیح کرتے ہیں۔ عزیز (غالب کل) حکیم (حکمت اور دانائی والا ہے (۱)

۸۔ یجروید کے پرش سوکت کے پندرھویں منتر میں کہا ہے۔ کہ

سات پردہی (چکر) ہیں۔ اور اکیس سمدھا (اس دنیا کے ہون کنڈ میں جلنے یا جلانے والی لکڑیاں) جب دیو ان لوگ یگیہ کرتے ہیں۔ تو ان کے ذریعے وہ اس پرش کا دھیان کر کے اسے دیکھتے ہیں۔ (۲)

قرآن سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۵ میں اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے۔

ساتوں آسمان اور زمین مع اپنے سارے سامان کے اسی خدا کی تسبیح کرتے یا اس کی صنعت وحکمت کا زبان حال سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن تم ان کی اس تسبیح کو سمجھتے نہیں۔ کہ وہ علم اور مغفرت مجسم ہے۔ (۳)

وید کی سات پردہی کی جگہ تو سات آسمان کہے ہیں۔ اور ۲۱ قسم کی سامگری کی بجائے یہ کہا ہے۔ کہ جو کچھ اس وسیع پیدائش میں ہے۔ اور عالم لوگ جو ان کے ذریعے اس پرش کا دھیان کرتے ہیں۔ اس کے لئے کہدیا۔ کہ تم جاہل یا گمراہ لوگ اسے نہیں سمجھتے۔ یعنی سچے عالم ہی اس کا دھیان کرتے ہیں۔

اشیاء کی سامگری یہ ہے۔ روح۔ مادہ۔ نتہ کرن (من۔ بدھی۔ چت۔ اہنکار) پانچ عنصر۔ آکاش ہوا۔ آگ۔ پانی اور زمین اور پانچ گیان اندریاں اور پانچ کرم اندریاں۔ اس آیت میں ان چیزوں کی تعداد نہیں۔ تو یہی سب کچھ جو آسمان وزمین میں ہے۔ یہی مفہوم رکھتا ہے۔ تو الا ایک اور آیت میں ۱۹ فرشتوں کا دوزخ سے تعلق بتایا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ روح اور مادہ کے بغیر باقی سامگری ۱۹ کی ہے۔ جس کے برے استعمال سے دکھ یا دوزخ کی آگ میں جلنا پڑتا ہے۔

۴۔ المختصر وید کے مختلف اقوال جن میں صفات باری کا بیان ہے۔ ویدک مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی قرآن میں بیان کئے

۱۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝

۲۔ ससास्या सन्धारि धय स्त्रि: सप्त सामध: कृता:।
देवा यद्यज्ञं तन्वाना अबध्नन्पुरुषं पशम॥

۳۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ
وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۝

گئے ہیں۔ وید میں کہا ہے! وہ ایک پرمیشور دیو اور پرتھوی لوک کو پیدا کرتا ہے۔

تو قرآن میں کہا ہے۔ ایک خدا ہی آسمان و زمین کا خالق ہے۔ وید میں کہا۔ میں دشٹوں کا ناش کرنے والی شکتی ہوں۔ جو میرے حکموں کو نہیں مانتے۔ تو قرآن میں بھی کہا۔ جو میری آیتوں کو نہیں مانتے۔ میں ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہوں۔ وید میں کہا ہے۔ میں ہی الہامی علم کا کہنے والا ہوں۔ جو عالم اور غور و فکر کرنے والے لوگ پریم سے اس کو سنتے اور اس کا وچار کرتے ہیں۔ ان کو میں ہر طرح کی طاقت دیتا ہوں۔ جسے چاہتا ہوں۔ برہمن چاروں ویدوں کا عالم بناتا ہوں۔ اور جس کو چاہتا ہوں۔ رشی بناتا اور علم عقل و بیان کی طاقتیں دیتا ہوں یہی سب کچھ ہو بہو قرآن میں کہا گیا ہے۔ اس کی توضیح آخری باب میں کی جائے گی۔ جس میں وید منتر اور ان کے مطابق آیات ایک ساتھ رکھی جائیں گی۔

۱۰۔ باہر بیاں سے ہے بیاں تیرا

باوجود ہر طرح کے علمی اشارات دینے کے وید پرمیشور کو اننت اور محدود العقل انسان سے پورے طور پر جانا یا اس سے بیان کیا جانے کے ناقابل بتاتا ہے۔ یعنی انسانی علمی طاقت سے اس کے کسی وصف پر پورا حاوی ہونا ناممکن ہے۔

انسان جو کچھ بیان کر سکتا ہے۔ وہ محض معلول یا کثیف دنیا کے شکل ذائقہ بو لمس اور آواز کے پانچ ظاہری محسوسات کے متعلق کہہ سکتا ہے۔ یا انہی پر مبنی تصورات سے مادہ روح اور مادی علت کی طرف اشارات کر سکتا ہے۔ اس کی زبان نہ کسی لطیف حقیقی ہستی کا احساس کر سکتی ہے۔ اور نہ بیان۔ اسی لئے خدا کے متعلقہ ہر بیان کے متعلق رشی لوگ نیتی نیتی کا لفظ کہتے ہیں۔ اور وید میں پیدائش سے پہلی حالت کا بیان فہم اور بحث سے بالاتر بتایا ہے۔ یہی مطلب ایشور کو اننت اپار کہنے سے ہے۔ اور یہی اس کہنے سے کہ سب رشی اور سنت جن کوشش کرتے ہوئے ہار کر رہ گئے۔ تجھے گاؤ ہنا و جان و لکھ نہیں سکے۔ اسی طرح وید میں ایشور کو الکھ۔ اگوچر۔ اگم۔ اکتھ وغیرہ ہی کہا ہے۔ شیو ستوتر میں نہایت مشہور قول ہے۔ کہ

اَسِت گرِسمنیات کَجلم سِندھو پاترے سُرتر ور شاکھا لیکھنی پتر مروی۔
لِکھتی یدی گرہِنتوا شاردا سروکالم۔ تدپی تو گنا نام ایش پارم نہ یاتی۔

یعنی پہاڑ کی سیاہی بن جاوے۔ سمندر دوات اور درخت تمام قلم اور زمین کاغذ بن جاوے اور شاردا ہمیشہ لکھنے میں لگا رہے۔ تو بھی ہے پرمیشور تیرے گنوں کا پار نہیں پایا جا سکتا۔

قرآن اس خیال کی تائید کتنی ہی آیات میں کرتا ہے۔ اور خدا کی کسی بھی صفت پر انسان کا حاوی ہونا ناممکن بتاتا ہے۔ جیسا کہ شیو ستوتر والے قول کو سورہ لقمان آیت ۲۷ میں اور نیز اور جگہ میں بھی بیان کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر زمین کے کل درخت قلم بن جائیں۔ سمندر سیاہی بن جاوے۔ پھر ساتوں سمندر اس کی سیاہی کو بڑھاتے رہیں۔ تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (۱)

۱۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اس ایشور کی ایسی عظیم الشان ہستی جو بیان میں نہیں آ سکتی۔ واقعی ایسی صفات رکھتی ہے۔ جو کسی حد کے اندر ہیں ہی نہیں۔ رگوید منڈل ۱۔ سوکت ۱۲۵ منتر ۸ میں کہا ہے۔
میں ہی پران (وایو) کی طرح ہر جگہ موجود ہوں۔ میں سارے لوگوں کو پیدا کر کے دیولوک پر پرتھوی لوک پر انترکش لوک پر یاں اس وسیع کائنات پر اپنی مہان طاقت سے ظہور پذیر ہوں۔ یعنی سب کو محیط کر کے اس نظام کو چلاتا ہوں"۔

پران جس طرح جسم میں دیاپک ہیں۔ پرمیشور اسی طرح سارے وشو میں دیاپک ہے۔ پران جس طرح ہر حالت میں چلتا ہے۔ خواہ انسان سوتا ہو یا جاگتا اسی طرح پرمیشور کبھی تھکتا نہ آرام کرتا نہ سوتا نہ اونگھتا ہے۔ اور برابر پورے علم اور انصاف سے بلا احتیاج کسی کی سفارش یا امداد کے اور بغیر کسی تکلیف کے نظام عالم کو چلاتا ہے۔ جس طرح پران ہی زندگی کا موجب ہے۔ اسی طرح پرمیشور خود جیون روپ اور دوسروں کے قیام کا موجب ہے۔ اور دیو۔ انترکش پرتھوی کے تینوں لوکوں میں اس کا راج سنگھاسن موجود ہے۔ اسی مسئلہ کو سورۃ البقرہ آیت ۲۵۵ میں قرآن واضح کرتا ہے۔

خدا ہی ہے جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ خود زندہ اور دوسروں کو زندگی دینے والا۔ نہ اسے اونگھ نہ نیند۔ جو کچھ آکاش اور زمین میں ہے۔ اسی کا ہے۔ اس کے حکم کے سوا کون ہے۔ جو اس کے ہاں سفارش کرے۔ وہ لوگوں کے ظاہر اور باطن یا آگے اور پیچھے کو جانتا ہے مگر وہ اس کے کسی علم کو محیط نہیں کر سکتے۔ اس کا سنگھاسن آکاش اور پرتھوی کی وسعت والا ہے۔ اور ان دونوں کی حفاظت اس پر مطلق گراں نہیں۔ وہ سب سے اونچا اور بڑا ہے (۱)
غرضیکہ اس کے متعلقہ ہر امر انسانی کلام کی دسترس سے پرے ہے۔

۱۱۔ صفاتی ناموں کی مطابقت

جب وید کے مطابق ہی قرآن میں صفات الٰہی مذکور ہیں۔ تو ظاہر ہے۔ کہ صفاتی نام بھی ہر دو کتب مقدسہ میں باہم مطابق ہی ہوں گے۔ چنانچہ ہم ایک سو نام یہاں درج کرتے ہیں۔ ممکن ہے کسی لفظ کا صحیح مفہوم اس کے علاوہ کسی اور لفظ کے مطابق ہو۔ جو ہم نے بیان کیا ہے۔ تاہم اصولاً یہ امر تمام شکوک سے بالا تر ہے۔ کہ قرآنی نام ویدک ناموں کے ہی قائمقام ہیں۔
۱۔ وید میں (अल्ला) (آلّے) لفظ ماتا کے مفہوم میں آتا ہے۔ جو مصدر ال بمعنے زینت دینا۔ ہونا وغیرہ سے بنا ہے وہ پرمیشور ماتا ہے اور تمام جیووں کو امرت پتر کرتا اور ان کا محافظ و رازق ہے۔
رگوید ۴۔ ۱۸۔ ۶ میں (अल्लाला) لفظ موجود ہے۔ (۲) سوامی دیانند نے اسے او یکت ارتھ میں

۱۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

۲۔ एता ऽ र्षन्त्यलला भवन्ती ऋतावरी रिव संक्रोशमाना ॥

لیا ہے۔ تاہم ندیوں کا اللہ اللہ شبد کرتے ہوئے سمندر کی طرف جانا کے جن معنی انہوں نے ان الفاظ کو لگایا ہے۔ اس سے بھی اللہ لفظ کو ایشور کے معنے میں لگانا ہی موزوں ہے۔ پرمیشور ہی اس دنیا کی زینت کا موجب اور اس جگت کا دھارن کرنے والا ہے۔ اس لئے ال مصدر سے بنا ہوا لفظ اللہ بجا طور پر ایشور کا نام ہے۔ اسی سمندر یا منزل مقصود کی طرف تمام مخلوقات روپی ندیاں جاری ہیں۔

قرآن میں بھی یہی اللہ لفظ ایشور کے لئے قریباً جیوں کا تیوں موجود ہے۔

۲۔ وید میں ایشور کو پتی کہا ہے۔ اور پیدائش سے پہلے اس ایک پتی کو ہی موجود مانا ہے۔ بقول ہرنیہ گربھا سمورت تاگرے بھوتسیہ جاتا پتی ایک آسیت" قرآن میں ایسے پتی کے لئے رب کا لفظ ہے۔

۳۔ وید ایشور کو وشو پتی۔ بھو پتی۔ ترلوک پتی۔ جگت پتی وغیرہ کہتا ہے۔ قرآن میں اسے رب العالمین وغیرہ کہا ہے۔

۴۔ وید میں ایشور کا ایک اسم اعظم بھو ہے۔ جس سے اس کا ہر زمانہ اور ہر جگہ میں موجود بالذات ہونا اور تمام عالموں میں مخلوق جہان سے پتی پن کا تعلق رکھنا ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن میں اس کے لئے رب العالمین اور مالک یوم الدین کے لفظ کہے ہیں۔

۵۔ وید میں ایشور کو شیش کہا ہے۔ اس لئے کہ وہ مہا پرلے ہونے پر بھی بے بدل اور قائم رہتا ہے۔ قرآن میں اس وجہ سے اسے باقی کہا ہے۔

۶۔ وید میں ایشور کے لئے ایک اور اسم اعظم بھوہ ہے۔ یعنی خود دکھوں سے دور اور جیو کے دکھوں کو دور کرنے والا۔ قرآن میں اس کے لئے غفور کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۷۔ بھوہ شبد میں دیا کا مطلب بھی موجود ہے۔ وہ ہمیں دکھوں سے بچانے کے لئے ہمارے لئے زمین سورج چاند وغیرہ سب کچھ ہمارے پیدا ہونے سے پہلے مہیا کرتا ہے۔ اور تو کیا علمی سورج کی روشنی بھی مہیا کرتا اور الہامی علم دیتا ہے۔ ایسے دیالو کے لئے قرآن میں رحمان کا لفظ ہے۔

۸۔ ایک اور اسم اعظم سوہ ایشور کو سکھ سوروپ اور آنند داتا ظاہر کرتا ہے۔ لیکن سکھ اور آنند کا حصول صحیح علم اور عمل پر ایشوری انصاف سے ملتا ہے۔ اور اس کو مدنظر رکھ کر قرآن خدا کو رحیم کہتا ہے۔

۹۔ وید میں ایشور کو دیالو۔ نیائے کاری وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے عادل کہا ہے۔ اور یہ امر قابل غور ہے۔ کہ دیالو اور نیائے کاری کے لفظ کی جگہ جب رحمان اور رحیم کو سمجھا جاتا ہے۔ تو ان کی اصل حقیقت محض وہی ہوتی ہے۔ جو سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں بیان کی ہے۔ کہ دیا اور نیائے دونوں کا اصل مدعا ایک ہی ہے۔ اس کے انصاف میں بھی رحم ہی ہے پاپیوں کو سزا ملنے سے اس کا انصاف ہی ظاہر نہیں ہوتا۔ رحم بھی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ پاپی سدھرتے اور دوسرے لوگ ان کے مظالم سے بچتے ہیں۔ قرآن میں رحمان اور رحیم کے دو لفظ استعمال کئے جانے اسی صورت میں معقول ہو سکتے ہیں۔ کہ ان کا یہ مفہوم ہو۔ اور جب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ رحمان اور رحیم دونوں رحمت یعنے رقت قلب سے ماخوذ ہیں۔ تو یقین ہوتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کا باطنی مفہوم ایک ہونا ان کو دیالو اور نیائے کاری کا موزوں جانشین بناتا ہے۔

۱۰۔ وید میں ایشور کو ویاپک کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے محیط کہا ہے۔ اور روح و مادہ کی محدودیت کی نسبت سے اسے سرو ویاپک کہیں۔ تو قرآن اسے محیط کل کہتا ہے۔

۱۱۔ وید میں ایشور کو شکتیمان کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے قدیر کہا ہے۔ اور روح کی محدود طاقت کی نسبت سے اسے سرو شکتیمان

کہیں تو قرآن اسے علیٰ کلِّ شیءٍ قدیر یا قادرِ مطلق کہتا ہے۔ ویدک سروشکتیمان لفظ کے متعلق جو شکوک پیش کئے جاتے ہیں وہ قرآن کے لفظ قدیر کے صحیح مفہوم نہ سمجھنے کا نتیجہ ہیں۔ ویدک تفسیر میں اس اختلافات کا تدارک کردیا گیا ہے۔

۱۲۔ وید میں ایشور کو پراگیہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے خبیر کہا ہے۔

۱۳۔ وید میں ایشور کو گیا تا یا سروگیہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے علیم یا علیم کل کہا ہے۔

۱۴۔ وید میں ایشور کو اللہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ذوالجلال کہا ہے۔

۱۵۔ وید میں ایشور کو درشٹا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے بصیر اور شہید کہا ہے۔

۱۶۔ وید میں ایشور کو متر کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے رفیق کہا ہے۔

۱۷۔ وید میں ایشور کو بندھو وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ولی وغیرہ کہا ہے۔

۱۸۔ وید میں ایشور کو رکھشک سہائیک کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے نصیر کہا ہے۔

۱۹۔ وید میں ایشور کو اشٹ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے مصیر کہا ہے۔

۲۰۔ وید میں ایشور کے وبھو وغیرہ نام ہیں۔ تو قرآن میں اسے واسع وغیرہ کہا ہے۔

۲۱۔ وید میں ایشور کو نتیہ کہا ہے۔ تو قرآن میں ازلی ابدی مانا ہے۔ نیز قدیم و سرمد

۲۲۔ وید میں ایشور کو شروتا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے سمیع کہا ہے۔

۲۳۔ وید میں اسے شناسک کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے عزیز کہا ہے۔

۲۴۔ وید میں ایشور کو بدھ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے حکیم کہا ہے۔

۲۵۔ وید میں ایشور کو اُپاسیہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے اِلٰہ کہا ہے۔

۲۶۔ وید میں ایشور کو دنڈ کہا ہے۔ اس لئے کہ بغیر رشوت سفارش و رعایت کے وہ اپنے کامل انصاف سے پاپیوں کو سزا دیتا ہے۔ تو قرآن اسے شدید العذاب کہتا ہے۔

۲۷۔ وید میں اسے دور سے دور ماننے کے ساتھ ہی ([illegible]) یعنی اندر یا سمیپ مانا گیا ہے۔ تو قرآن بھی اسے قریب کہتا ہے۔ اور شاہ رگ سے بھی قریب۔

۲۸۔ وید میں ایشور کو رودر کہا ہے۔ اس لئے کہ وہ پاپیوں کو سخت سزا دے کر رلاتا ہے۔ تو قرآن اسے شدید العقاب کہتا ہے۔

۲۹۔ وید میں ہر عمل کا پھل کم سے کم سنسکاروں کے روپ میں فوراً ملتا ہے۔ انگریزی میں کہا ہے۔

Virtue is its own Reward & vice its own punishment

یعنی نیکی اپنی جزا آپ ہے۔ اور بدی اپنی سزا آپ۔ اسی کے مطابق قرآن خدا کو سریع الحساب کہتا ہے۔

۳۰۔ وید میں ایشور کو آن۔ آناد وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے رازق کہا ہے۔

۳۱۔ وید میں ایشور کو مہَ۔ مہان۔ برہم۔ گرشٹھان وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے عظیم۔ کبیر، اعظم۔ اکبر۔ اللہ اکبر کہا

۳۲۔ وید میں ایشور کو سوِتا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے فاطر کہا ہے۔

۳۳۔ وید میں اسے اُتپادک کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے خالق کہا ہے۔

۳۴۔ وید میں ایشور کو سہَ ([illegible]) کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے حلیم کہا ہے۔

۳۵۔ ویدمیں ایشورکو بھیشو ز [illegible] کہا ہے۔ توقرآن میں اسے قہار کہا ہے۔
۳۶۔ ویدمیں اسے دھن یا دھنی کہا ہے۔ توقرآن میں اسے غنی کہا ہے۔
۳۷۔ ویدمیں ایشورکو ستیہ کہا ہے۔ توقرآن میں اسے حق کہا ہے۔
۳۸۔ ویدمیں ایشورکو جیون پران یا جیون داتا کہا ہے۔ توقرآن میں اسے الحی کہا ہے۔
۳۹۔ ویدمیں ایشورکو داتا کہا ہے۔ توقرآن میں اسے وہاب کہا ہے۔
۴۰۔ ویدمیں ایشورکو کھشما کہا ہے۔ توقرآن میں اسے عفو کہا ہے۔
۴۱۔ ویدمیں ایشورکو سرودیپی کہا ہے۔ توقرآن میں اسے علی کہا ہے۔
۴۲۔ ویدمیں ایشورکو اج کہا ہے۔ توقرآن میں اسے لم یولد کہا ہے۔
۴۳۔ ویدمیں اسے تجس کہا ہے۔ توقرآن میں اسے نور کہا ہے۔ یا تجلی
۴۴۔ ویدمیں اسے ستوم کہا ہے۔ توقرآن میں اسے حمید کہا ہے۔
۴۵۔ ویدمیں ایشورکو ایک کہا ہے۔ توقرآن میں اسے احد کہا ہے۔ اور اسی صفت پر توحید کی بنیاد ہے۔
۴۶۔ ویدمیں اسے اگنی کہا ہے۔ توقرآن میں اسے نار کہا ہے۔ اور اسی نام سے موسیٰ پر اس کا ظہور ہوتا ہے۔
۴۷۔ ویدمیں اسے سوکھشم کہا۔ توقرآن میں اسے لطیف کہا ہے۔
۴۸۔ ویدمیں اسے سوامی کہا۔ توقرآن میں اس کا نام مولا ہے۔
۴۹۔ ویدمیں اسے اننت کہا توقرآن میں اسے غیر محدود کہا ہے۔
۵۰۔ ویدمیں اسے نراکار کہا ہے۔ توقرآن میں اسے غیر مجسّم کہا ہے
۵۱۔ ویدمیں اسے کرتا کہا۔ توقرآن میں اسے فاعل کہا ہے۔
۵۲۔ ویدمیں ایشورکو رکھشک مانا۔ توقرآن میں اسے قریب کہا ہے۔
۵۳۔ ویدمیں ایشورکو ادوتیہ کہا۔ توقرآن میں اسے لاشریک کہا
۵۴۔ ویدمیں اسے انوپم کہا۔ توقرآن میں اسے بے مثال کہا۔
۵۵۔ ویدمیں اسے ادناشی کہا۔ توقرآن میں اسے لایزال کہا۔
۵۶۔ ویدمیں ایشورکو اگم کہا۔ توقرآن میں اسے المتعال کہا۔
۵۷۔ ویدمیں اسے جنہ کہا ہے۔ توقرآن میں اسے باری کہا ہے۔
۵۸۔ ویدمیں ایشورکو آدتیہ کہا ہے۔ توقرآن میں اسے شمس کہا ہے۔
۵۹۔ ویدمیں ایشورکو شنکر کہا ہے۔ توقرآن میں سے ذوالفضل کہا ہے۔
۶۰۔ ویدمیں ایشورکو ساکھشی وغیرہ کہا ہے۔ توقرآن میں اسے مھیمن کہا ہے۔
۶۱۔ ویدمیں ایشورکو دھرم راج کہا ہے۔ توقرآن میں اسے المومن کہا ہے۔
۶۲۔ ویدمیں ایشورکو سوستی شانتی کہا ہے۔ توقرآن میں اسے السلام کہا ہے۔
۶۳۔ ویدمیں ایشورکو نرادھار کہا ہے۔ توقرآن میں اسے صمد کہا ہے۔
۶۴۔ ویدمیں ایشورکو راجا وغیرہ کہا ہے۔ توقرآن میں اسے ملک کہا ہے۔

۶۵- وید میں ایشور کو شدھ پوتر وغیرہ کہا ہے۔ اور قرآن میں اسے قدوس کہا ہے۔
۶۶- وید میں ایشور کو کرتا ہرتا وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے جبار کہا ہے
۶۷- وید میں ایشور کو جہان گرُو ([illegible]) کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے متکبر کہا ہے
۶۸- وید میں ایشور کو چیتر وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے مصور کہا ہے
۶۹- وید میں ایشور کو بھگوان وغیرہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے معبود کہا ہے
۷۰- وید میں ایشور کو وشو بھر وغیرہ کہا ہے تو قرآن میں اسے القیوم کہا ہے
۷۱- وید میں ایشور کو کرن کرونا سنے وغیرہ کہا ہے اور قرآن میں اسے رؤف کہا ہے
۷۲- وید میں ایشور کو کوٹستھ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے قائم و دائم کہا ہے۔
۷۳- وید میں ایشور کو یم کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ضابط کہا ہے
۷۴- وید میں ایشور کو انتریامی کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ضابط القلوب کہا ہے
۷۵- وید میں ایشور کو مہادیو کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے الملک العظیم کہا ہے۔
۷۶- وید میں ایشور کو برہسپتی کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے یا ملک القدوس کہا ہے
۷۷ وید میں ایشور کو آنند کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے سرور کہا ہے۔
۷۸ وید میں ایشور کو ورن کہا ہے تو قرآن میں اسے مصطفیٰ کہا ہے
۷۹- وید میں ایشور کو وشو کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے باسط کہا ہے
۸۰- وید میں ایشور کو ہوتا اور یگیہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے منان کہا ہے۔
۸۱- وید میں ایشور کو سوَ کہا ہے تو قرآن میں اسے علیم بالذات کہا ہے۔
۸۲ وید میں ایشور کو کامل کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے حسیب کہا ہے۔
۸۳- وید میں ایشور کو ہری کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ستار و غفار کہا ہے۔
۸۴- وید میں ایشور کو الم کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے الم کہا ہے۔
۸۵- وید میں ایشور کو آتما کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے رُوح کہا ہے
۸۶- وید میں ایشور کو کویر کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے کُوّر* کہا ہے۔
۸۷- وید میں ایشور کو منگل کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے سرمد کہا ہے
۸۸ وید میں اسے جیتا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے فاتح کہا ہے
۸۹- وید میں اسے شکتی کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے مقیت کہا ہے
۹۰- وید میں اسے ماتا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے اُم کہا ہے
۹۱- وید میں اسے آدی انت کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے اول آخر کہا ہے۔
۹۲- وید میں ایشور کو امر کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے لایموت کہا ہے۔
۹۳- وید میں ایشور کو پریہ کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے حبیب کہا ہے
۹۴- وید میں ایشور کو اکھشر کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے غیر فانی کہا ہے۔

* کُوّر کے معنی ڈھانپنے کے بالکل ویدک شبد کے مطابق ہیں جیسے اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ

۹۵- وید میں ایشور کو سپھرن کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے احسن الخالقین یا احسن الفاطرین کہا ہے۔
۹۶- وید میں اسے آپت کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے ہادی کہا ہے۔
۹۷- وید میں اسے پرجاپتی کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے الٰہ الناس کہا ہے۔ یا رب الناس
۹۸- وید میں ایشور کو شکر کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے سبحان کہا ہے۔
۹۹- وید میں اسے گنیش یا گنپتی کہا ہے تو قرآن میں اسے رب الافواج کہا ہے۔
۱۰۰ وید میں ایشور کو ددھاتا کہا ہے۔ تو قرآن میں اسے رب المشرقین کہا ہے۔

پانچواں باب۔ ازلیت روح و مادہ

۱۲۱- ویدک تثلیث

یجر وید کے پرش سوکت کے تیسرے منتر میں کہا ہے۔
پہلے دو منتروں میں جو کچھ کہا ہے۔ اس سب بیان سے اس پرش کی ہی مہما بیان ہوتی ہے۔ اور اس کے امرت اور پیدا شدہ کے دو بھاگ جو کہے ہیں۔ ان کی اصلیت یہ ہے۔ کہ تین پاد تو امرت ہیں یعنی ایشور۔ جیو۔ پرکرتی جنہیں ددی کہتے ہیں۔ اور ایک پاد یہ سارا بھوتوں سے پیدا شدہ جگت ہے۔ (۱)
اس سے اگلے منتر میں کہا ہے۔ پرش ان تین پاد سے اونچا یا اوپر یا آگے ہے۔ اور اس کا ایک (چوتھا) پاد بار بار ہونے والا یہ جگت ہے۔ اسی پاد سے یہ کھانے اور نہ کھانے والا چیتن اور جڑ دونوں طرح کا چراچر جگت گوناگوں شکل میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ (۲)
یجر وید ادھیائے ۳۲ منتر ۸ میں کہا ہے۔ عالم شخص اس کو دیکھتا ہے۔ جو اس ہتاتی میں موجود ہے۔ جہاں جگت کا ایک آدھار ہے۔ اسی میں یہ جگت چھپ جاتا ہے۔ اور اسی سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ کل مخلوقات میں اوت پروت ہو رہا ہے (۳)
اس کے اگلے منتر میں ہے۔ اس امرت (غیر فانی) کا جو ہتاتی میں موجود ہے۔ گندھرو (وید کو جاننے والا) عالم بیان یا اپدیش کرتا ہے۔ تین پاد ہتاتی میں موجود ہیں۔ ان کو جو جانتا ہے۔ وہ پتا کا بھی پتا ہے (۴)
ان حوالوں سے ظاہر ہے۔ کہ وید تین لطیف ہستیوں کو ازلی ابدی کہتا ہے۔ اور ایک ہستی یعنی معلول جگت کو تغیر پذیر اور

एतावानस्य महिमातो ज्यायांश्च पूरुषः। पादोऽस्य विश्वा भूतानि त्रिपादस्यामृतं दिवि॥ -१

त्रिपादूर्ध्व उदैत्पुरुषः पादोऽस्येहाभवत्पुनः। ततो विष्वङ् व्यक्रामत्साशनानशने अभि॥ -२

वेनस्तत्पश्यन्निहितं गुहा सद्यत्र विश्वं भवत्येकनीडम्। तस्मिन्निदं सं च वि चैति सर्वं स ओतः प्रोतश्च विभूः प्रजासु॥ -३

प्र तद्वोचेदमृतं नु विद्वान् गन्धर्वो धाम विभृतं गुहा सत्। त्रीणि पदानि निहिता गुहास्य यस्तानि वेद स पितुः पितासत्॥ -४

فانی بتاتا ہے۔ لیکن اس معلول کا آدھار کوئی جدا نہیں۔ وہی لطیف تین پادہستی ہے۔"
رگوید منڈل ۱۔ ادھیائے ۲۲۔ سوکت ۱۶۴ میں ان ازلیات ثلاثہ کا کئی طرح سے بیان کیا گیا ہے۔
پہلے منتر میں کہا ہے۔ اس سندر نرمل برہمانڈ کو بنانے والے تین بھائی ہیں۔ ایک تو سب سے بڑا ہے۔ جو اس جہان یگیہ کا ہوتا ہے۔ دوسرا اس سے چھوٹا یا منجھلا ہے۔ جو دونوں ہی طرف بھوگ کرتا ہے۔ تیسرا وہ بھائی ہے۔ جو اس عامل کے لئے ایک طرف کا رستہ صاف کرتا ہے۔ یہ گویا اس یگیہ کا کنڈ ہے۔ اور اس کنڈ میں جہاں سات شکھاؤں والی اگنی دکھائی دیتی ہے۔ ان سات سمندروں والی یہ زندگی کی دنیا دکھائی دیتی ہے۔ (۱)
ان تینوں ازلی ہستیوں کا وجود پیدائش عالم میں ضروری ہے۔ اور تینوں ہی اس سارے ظہور میں صاف طور پر شریک ہور ہے ہیں اس لئے ان کو بھائی کہنا نہایت معقول ہے۔
اسی سوکت کا پانچواں منتر عام طور پر مشہور ہے۔ (پرمیشور اور جیو نام) دو سپرن (آتما) ہیں۔ ملتی جلتی صفات والے محیط و محاط کا تعلق رکھنے والے نیز باہم متر (مانوس) یہ دو ازلی پیدا شدہ پرکرتی (برکھش) پر ٹھکرائی ہیں۔ ایک (جیو) تو اس کائنات کے پھلوں کو بھوگتا ہے۔ مگر دوسرا یعنی پرمیشور اس کے پھلوں کو نہ چکھتا ہے نہ بھوگتا ہے (۲) موجودہ سنسکرت میں سپرن پکھشی یا پرند کو کہتے ہیں۔ اور برکھش درخت کو۔ مگر ویدک سنسکرت میں سپرن کا مفہوم ارتقا ہے یعنی وہ جس کی پراپتی سے سکھ ہو۔ اور یہ دو ہیں جیو اور پرمیشور۔ اسی طرح برکھش وہ ہے۔ جو پیدا ہوتا و بڑھتا ہے یا پھولتا پھلتا۔ پس تینوں ازلیات ہی یہاں مذکور ہیں۔ جو لوگ سپرن کے معنے پکھشی کر کے ایک استعارہ کے ذریعے آتما اور پرماتما کا مفہوم لیتے ہیں۔ وہ بھی سدھانت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ڈالتے۔ مگر معترضوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ وید میں سپرن نام پرماتما کا صاف طور پر مذکور ہے۔ چنانچہ اسی سوکت کے منتر ۴۶ میں اندر متر ورن۔ اگنی دویہ سپرن گرتمان سب نام پرمیشور کے ہیں۔ نہ محض یہ حوالہ جات وید کا ہر منتر تین چیزوں کے ازلی ہونے کا ثبوت دے رہا ہے۔
ہر منتر علم دینے والا ہے۔ وہ علم علیم کل پرمیشور کی ہستی کا ثبوت ہے۔ جس کو علم دیا جاتا ہے۔ وہ الپگیہ جیو یا روح ہے۔ مادی شے میں علم کا احساس کہاں۔ ہاں جو علم دیا جاتا ہے۔ وہ ایک طرف ایشور کا تعلق رکھتا ہے۔ اور دوسری طرف مادی دنیا کا۔ بغیر ایشور　جیو اور پرکرتی کو مانے الہام یا علم یا عمل کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا۔
یجر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۱۰ میں کہا ہے۔ "جو غیر معلول مادے کی اپاسنا کرتے ہیں۔ گھور اندھکار میں پرویش کرتے ہیں۔ اور مادی مخلوق اشیاء کے اپاسک اس سے بھی گہرے اندھیرے میں مبتلا رہتے ہیں۔ (۳)
اس منتر کی ہدایت یہ ہے۔ کہ ایشور کی اپاسنا ہو۔ اپاسنا کون کرے۔ جیو۔ اور کس کی اپاسنا نہ کرے۔ یا کس کی اپاسنا سے

۱- अस्य वामस्य पलि तस्य होतुस्त स्य भ्राता मध्यमो (त्रृतीयो भ्राली घृत पृष्ठो अस्या) त्रापश्यं विश्पतिं सप्त पुत्रम् आस्त्य श्नः ॥ (अस्त्यश्नः)
۲- द्वा सुपर्णा सयुजा सखाया समानं वृक्षं परिष स्वजाते। तयो रन्यः पिप्पलं स्वाद्वत्य नश्नन्नयो अभि चाक शीति ॥
۳- अन्धन्तमः प्रविशन्ति ये ऽसम्भूतिमुपासते
ततो भुय इव ते तमो य उ सम्भूत्यां ॐ रताः ॥

گھوڑد کھلتا ہے۔ وہ ہے پرکرتی ۔ خواہ موجود ہو خواہ معدوم ۔ یعنی حالت پیدائش ہیں یا فنا ہیں۔ غرضیکہ تینوں یا ذنئیہ یا قدیم ہیں۔ اور ایک فانی بھی نہیں کہیں ثابت ہو رہا ہے۔

شویتاشوتر اپنشد ادھیائے ۱ منتر ۹ میں کہا ہے۔ پرکرتی جیو اور پرمیشور تینوں غیر پیدا شدہ ہیں۔ یہ تینوں اس عالم کی گوناگوں مخلوقات کی علتیں ہیں۔ ازلی جیو اس ازلی پرکرتی کا بھوگ کرتا ہوا اس میں پھنستا ہے۔ مگر پرمیشور نہ اس کو بھوگتا ہے نہ اس میں پھنستا ہے۔ شویتاشوتر اپنشد میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے صاف کہا ہے۔

مایا تو پرکرتی کو جان اور اس مایا والا یا مایا کا مالک پرمیشور کو جان۔

بغیر پرکرتی کے کوئی شے بن نہیں سکتی۔ جیسے ویشیشک درشن ۱۔۲۔۱ میں کہا ہے کہ

कारणाभावात्कार्याभावः ॥ کارن یا علت یا سبب کے نہ ہونے پر کاریہ یا معلول یا نتیجہ بھی نہیں ہوتا۔ ویشیشک ۴۔۱۔۳ میں کہا ہے۔ कारणभावात् कार्यभावः ॥ یعنی علت کے ہونے سے ہی معلول ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ویشیشک ۲۔۱۔۲۴ میں کہا ہے۔ कारणगुणपूर्वकः कार्यगुणो दृष्टः کارن یا علت والے اوصاف ہی کاریہ یا معلول میں ہوتے ہیں۔

گیتا ادھیائے ۲ شلوک ۱۶ میں اس اصول کو یوں بیان کیا ہے۔

नासतो विद्यते भावो नाभावो विद्यते सतः

نہ نیست سے ہست ہو سکتا ہے۔ نہ ہست سے نیست ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ شکل و حالت میں تبدیلی واقع ہونے سے دو نام بھلے ہی ہوں۔ ہستی کی صفت دونوں حالتوں میں یکساں ہے۔

اس ہستی کو چھاندوگیہ اپنشد میں پیدائش سے پہلے علاً موجود تسلیم کیا ہے۔ सदेव सोम्येदमग्र आसीत् یعنی پیدائش عالم سے پہلے یہ سومیہ ست یا ہستی ہی تھی۔ (عدم مطلق نہ تھا) اس ہستی کو سانکھیہ درشن میں ست رج اور تم کی سامیہ اوستھا یا جامع جوہر پرکرتی کہا ہے۔ اسی ہستی کو وید میں مختلف ناموں سے انسانوں کے ذہن نشین کرایا گیا ہے۔

ऋतं च सत्यं चाभीद्धात्तपसोऽध्यजायत یعنی گیان اور ستیہ (مادہ) سے ابھید ہا تپ ظاہر ہوا۔ رگوید منڈل ۱۰۔ سوکت ۱۹۰ منتر ۱ میں اسے ابھس لفظ سے بیان کیا ہے۔

اسی سوکت کے دوسرے منتر میں اسے آنیت۔ اوات اور سودھا سے تعبیر کیا ہے۔

اسی سوکت کے تیسرے منتر میں اسے تم اور سلل کی قسم کی شے کہا ہے۔

اسی سوکت کے چوتھے منتر میں اسے کام شبد سے سمجھانے کا یتن کیا گیا ہے۔

اگلے منتر میں رشمی۔ بیتو وغیرہ کے الفاظ سے اس کی حقیقت کا تصور کرایا گیا ہے۔

معلول جگت میں تبدیلی پذیر صورت محض مادہ کی ہوتی ہے۔ اس لئے ویدک ساہتیہ میں پرکرتی کے لئے یہ شبد زیادہ تر مستعمل ہوتے ہیں۔ تاہم وید کے مذکورہ بالا سوکت میں تینوں اناادی کی پوزیشن کو بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

सत (ہست یا موجود) असत (غیر محسوس) तम (اندھکار سے یا پرمانو روپ) अप्रकेतं सलिलं (ناقابل تمیز علتی سمندر) स्वधया, قائم بالذات

منو وغیرہ میں اسے अविज्ञेय ناقابل فہم अप्रतर्क्य ناقابل بحث بھی کہا ہے۔

٦٣۔ قرآن میں تائید ویدک تثلیث

سورۃ الطور آیت ٣٥۔ کیا وہ غیر شئی (نیستی) سے پیدا ہوئے ہیں۔ یا کیا وہ خود اپنے خالق یا پیدا کنندہ ہیں (١)

اس چھوٹی سی آیت میں تینوں ازلی ہستیوں کا بیان موجود ہے۔ سرکش یا نافرمان لوگوں کی حالت پر مختلف طرح سے تبصرہ کرتے ہوئے اس آیت میں کہا ہے۔ کیا یہ غیر شئے (نیستی) سے پیدا ہوگئے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ انسان ہیں۔ یعنی روح اور جسم کا میل۔ اور نیستی سے نہیں۔ بلکہ ہستی سے پیدا ہوئے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر روح بھی قدیم ہے۔ اور مادہ بھی قدیم اور آگے کہا۔ یہ خود بخود پیدا نہیں ہوگئے۔ کیا مطلب کہ میں خدا ان کا خالق ہوں۔

سورۃ النحل آیت ٣ میں کہا ہے۔ خدا نے آسمانوں اور زمین کو حق سے پیدا کیا ہے۔ سورۃ الروم آیت ٨ میں کہا ہے۔ کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا۔ کہ خدا نے آسمانوں۔ زمین اور ان کے درمیانی عالم خلا کو حق سے پیدا کیا ہے۔ سو ظاہر ہے۔ کہ پرکرتی کو وید نے ستیہ کہا۔ تو قرآن نے ہو بہو اسی کا مترادف لفظ حق اس کے لئے رکھا ہے۔

سورۃ الحجر آیت ٢١ میں کہا ہے (١) کوئی بھی چیز کیوں نہ ہو۔ ہمارے ہاں اس کے خزانے بھرے ہیں۔ مگر ہم اسے مقررہ اندازے سے بھیجتے رہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ پرمیشور کے خزانۂ غیب میں ارواح اور مادی علت بحر محدود ہے۔ اس میں سے حسب ضرورت ارواح کو مادی قالبوں میں بھیجا جاتا۔ اور انہی کی ضروریات کے مطابق مادی سامان دنیا میں ظہور پاتا ہے۔ اور باقی تمام جیوں کا یتوں خزانۂ غیب میں ایشور کے ساتھ موجود ہے۔

گویا حالت فنا میں کچھ معادل نہیں ہوتا۔ ارواح اور مادہ اسی پرمیشور کے ساتھ رہتا ہے۔ جیسا کہ وید میں تین پاد کو امرت کہا ہے۔

سورۃ النسا آیت ١ میں نفس واحد سے پیدائش بتائی ہے۔ یعنی ایک ہی مادہ سے۔ اور کہیں یہ ذکر تک نہیں۔ کہ وہ نفس واحد نیستی سے ہوا۔ پس حدوث مادہ کا خیال قطعاً غلط ہے۔

سورۃ القدر میں کہا ہے۔ کہ قانون الٰہی کے مطابق روح اور تمام اشیائے عالم تنزل (یعنی لطیف حالت کی طرف عود) کر کے خدا میں لین ہو جاتے ہیں۔ اور وہیں محفوظ رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ پھر پیدائش کا آغاز ہوتا ہے (٢)

اس میں وید کی طرح صاف اس امر کا بیان ہے۔ کہ پیدائش اور فنا کا چکر چل رہا ہے۔ اور حالت فنا میں روح اور مادہ خدا میں رہتا ہے۔ تنزل کا لفظ بالخصوص معنے خیز ہے۔ وید میں کہا تھا۔ تین پاد سے اگلی یا ترقی یافتہ حالت یعنی جب جہان کی پیدائش ہوتی ہے۔ تب پرش نام ہوتا ہے۔ [illegible] چونکہ اَدر دھو کا لفظ صاف طور پر ترقی کا مفہوم پیش کرتا ہے اس لئے دنیا کے فنا کی حالت کے لئے اس کی ضد یا لفظ تنزل ہی مستعمل ہونا موزوں تھا۔ اور وہی قرآن میں مذکور ہے

سورۃ السجدہ آیت ٥ میں کہا ہے۔ وہ خدا آسمان سے زمین تک کے نظام کو چلاتا ہے۔ اور پھر وہ وقت آتا ہے کہ انسانوں کے شمار کئے گئے ہزار زمانوں کے عرصہ کے لئے نظام عالم اس کی طرف عود کر جاتا ہے" (٣)

اس میں لفظ یعرج الیہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب ترجمے میں لکھتے ہیں۔ آسمان سے (لے کر) زمین تک (دنیا کے ہر ایک) امر کا انتظام کرتا ہے۔ پھر تم لوگوں کی (میعادی) گنتی کے (مطابق) ہزار برس کی مسافت کا ایک دن

١۔ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ

٢۔ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ

٣۔ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ

ہوگا۔ اس دن تمام (انتظام کا نتیجہ) اس کے حضور (عالی) میں گذر یگا" اس میں پرلے کال کی دیرگ میعاد کی لاعلمی سے جو غلطی موجود ہے۔ وہ چھٹے باب کی دفعہ ۲ کے اخیر میں بیان شدہ میعاد کو پڑھنے سے معلوم ہو جائے گی یہاں یَعْرُجُ لفظ کے متعلق کچھ سوچنے کی ضرورت ہے۔ خدا کے حضور عالی میں نتیجہ گذریگے مفہوم پر آپ نے حاشیہ میں ان الفاظ سے مزید روشنی ڈالی ہے۔ کہ "تمثیلاً" یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ جیسے خدا کرسی پر اونچی جگہ بیٹھا ہوا اجلاس فرما رہا ہے۔ اور کارکنان قضا و قدر انتظام دنیا کی تمام کیفیت اس کے حضور میں گذران رہے ہیں۔ ہم نے اس میں لفظ عروج کو بھی کسی قدر نباہ لیا ہے۔ جس کے معنے چڑھنے کے ہیں۔" جہاں پہلے حوالے میں تنزل کا لفظ ترقی معکوس کے لئے آیا ہے۔ وہاں علویت الہی کے نکتہ نگاہ سے روح اور مادہ کے اس میں لین ہونے کے لئے عروج کا لفظ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن خدا کا تعلق چونکہ پیدائش اور فنا دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔ اور تبدیلی محض روح اور مادہ کی حالتوں میں ہوتی ہے۔ اور دوسری جگہ قرآن میں تنزل کا لفظ آ بھی چکا ہے۔ اس لئے اس آیت میں یعرج لفظ کو عروج کے مفہوم سے وابستہ کرنا صحیح نہیں۔ یہ عرج بمعنے لنگڑا ہونے سے منسوب ہے۔ وید میں جو چار پاد کہے تھے۔ پرلے کے وقت ان میں سے چوتھا پاد جاتا رہا۔ لہذا لنگڑا پن کا تعلق منسوب کرتے ہوئے یعرج کا لفظ آیا۔ نہایت معنے خیز ہے۔ اور اسی لئے ہم نے اسے پہلی حالت کی طرف عود کرنا سے ہی تعبیر کیا ہے۔

سورۃ یٰسین آیت ۳۶ میں کل جوڑوں کے پیدا ہونے کے ذکر میں مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ کا لفظ ہے۔ یعنی پیدائش اس ہستی سے ہوتی ہے۔ جسے لوگ جانتے نہیں۔ یہ وید کے لفظ اپرکیت سِلّ کی جگہ ہے۔ اور سورۃ الدھر آیت ۱ میں لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا میں پہلی علتوں کو غیر مذکور شئے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ وید وغیرہ میں اسے ناقابل بحث و ناقابل بیان کہا ہے۔

سورۃ السجدہ آیت ۷ میں انسان کی پیدائش کی پہلی بنیاد سلال سے بیان کی ہے۔ اور سورۃ المومنون آیت ۱۲ میں بھی سلال کا لفظ موجود ہے۔ لیکن سورۃ الحجر آیت ۲۶ میں صلصال کا لفظ ہے۔ اس فرق کی توضیح بھی اگلے باب میں کی گئی ہے۔ یہاں محض یہ بتانا ہے۔ کہ وید میں جسے سِلّ کہا گیا۔ قرآن میں اسے سلال اور صلصال کہا جا رہا ہے۔

سورۃ الانبیا آیت ۱۰۴ میں کہا ہے۔ کہ ہم بار بار دنیا کو پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ اس سے بھی ظاہر ہے۔ کہ خدا تو ہے علت فاعلی جس پر اس کا فعل واقع ہوتا ہے۔ وہ ہے مادہ اور جس کے لئے یہ فعل کیا جاتا ہے۔ وہ ہے روح جس کے فعلوں کی سزا جزا دی جاتی ہے۔

سورۃ یونس آیت ۶۱ میں کہا ہے۔ تمہارے پروردگار سے ذرا بھر شئے بھی چھپی نہیں۔ کیا دیو لوک میں اور کیا پرتھوی لوک میں اور نہ ذرہ سے چھوٹی اور نہ ذرہ سے بڑی کوئی شے ہے۔ جو اس کے گیان کی کتاب میں مذکور نہ ہو" (۱)

ذرہ دراصل انو کے لئے ہے۔ اور انو سے مراد وہ ذرات ہیں۔ جو جھروکے میں سورج کی روشنی کے داخل ہونے پر اڑتے نظر آتے ہیں۔ ان کے ساٹھویں حصے کے برابر پرمانو ہے۔ جو ناقابل تقسیم یا جزو لا یتجزیٰ ہے۔ سو آیت میں ذرہ سے بڑی شئے ہر مخلوق شئے ہے۔ اور ذرہ سے چھوٹی پرمانو ہے۔ اور روح اس سے بھی لطیف ہے۔ پس سب کا بیان کتاب الہی میں ہونے سے نیز قدیم خدا پر ہمیشہ ظاہر ہوتے اور مخفی نہ ہونے سے روح اور مادہ قدیم ہیں۔ قرآن نے روح کے بارہ

---

(۱) وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّکَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْبَرَ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝

میں یہ بیان دیا ہے۔ کہ

تم سے رُوح کے متعلق پوچھیں تو دو باتیں کہ وہ کہ ایک تو یہ امرِ ربی ہے۔ اور دوسرا محدود العلم (۲)

امرِ ربی چونکہ رب کے ساتھ قائم و دائم ہے۔ لہذا رُوح بھی قدیم ہُوا۔ اور لطیف اور اسے محدود علم ملنا وہی بات ہے۔ جو ویدمیں اسے الپگیہ کہا ہے۔ اگر رُوح حادث ہوتا۔ تو سوال کے جواب میں یہ بتایا جاتا۔ کہ وہ فلاں وقت فلاں وجہ سے فلاں مقام میں نیستی سے یا بغیر علت کے پیدا کیا گیا۔ لیکن ایسا بالکل نہیں ہے۔

سورۃ الحجر آیت ۲۹ میں ہے۔ کہ جب انسانی قالب مکمل طور پر تیار ہو گی۔ تب میں

نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ اس میں میں اپنی ملک روح کو داخل کرونگا۔ اس سے بھی رُوح کا پہلے موجود ہونا ثابت ہے حادث ہونا نہیں۔

سورۃ السجدہ میں کہا ہے۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ اس کو مکمل کیا۔ اور اس میں اپنی ملک روح کو پھونکا۔

سورۃ النحل آیت ۲ میں کہا ہے۔ کہ یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ، کہ پرمیشور نے رشیوں کے آتما میں اپنے گیان کا پرکاش کیا۔

سورۃ الانبیا آیت ۱۰۴ میں کہا ہے۔ "پرلے کال میں یہ پھیلاؤ اس طرح سمٹ جاتا ہے جس طرح مکتوب کاتب میں یا مضمون خط میں" (۳)

اس سے بھی صریحاً علتوں کے نہاں ہو جانے کا مفہوم نکلتا ہے۔

سورۃ الانفطار۔ آیت ۱۷ و ۱۸ میں دوبار سوال کیا گیا ہے۔ کہ کیا تم سمجھتے ہو۔ یوم الدین کیا ہے۔ اور اس کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ یوم الدین وہ وقت یا زمانہ ہے۔ جس میں نفس (رُوح) کا دوسرے نفس (مادہ) پر کوئی اختیار نہ رہے۔ اور کل معاملہ محض خدا سے ہی تعلق رکھتا ہو۔ یہ مفہوم پرلے کال پر بھی نہایت موزونیت سے عائد ہوتا ہے۔ اور رُوح و مادہ کے ایک دوسرے سے بے تعلق مگر موجود رہنے کا ہی علم دیتا ہے۔ اور پیدائش کے وقت قدیم رُوح و مادہ کے کام میں آنے کا

۶۴ - نیستی

باوجودیکہ ہر دو کتب مقدسہ کی پوزیشن رُوح اور مادہ کے متعلق بالکل ایک ہے۔ تاہم خاص غلط فہمی سے ان کے پیروؤں میں اختلاف ہے۔ وید میں نیستی کو اسَت اور ہستی کو سَت کہا گیا ہے۔ لیکن سَت اور اسَت کے الفاظ محض پیدائش عالم پر ہی استعمال ہو سکتے ہیں۔ یہ نسبتی لفظ ہیں۔ دھوپ کہیں تو چھایا کہا جا سکتا ہے۔ اگر دھوپ نہ ہو۔ تو چھایا نہیں۔ رات کا لفظ دن کے مقابلے پر ہے۔ اگر دن نہ ہو۔ تو رات کا لفظ بھی بول چال میں نہیں آ سکتا۔ پس دنیا کی پیدائش یا اس کے ظہور کے وقت ہی سَت اور اسَت کا تعلق ہو سکتا ہے۔ پیدائش نہ ہو۔ تو نہ سَت ہے۔ نہ اسَت۔ دیوہار میں نہ ہونے کی حالت علت کا تعلق جس ہستی سے ہے۔ اس کا تصور محض دل میں ہی ہو سکتا ہے۔ سَت اس کو پیدائش پر

۱- وَ یَسۡئَلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَ مَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا (بنی اسرائیل رکوع ۱۰ آیت ۱)

۳- یَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلۡکُتُبِ ۔

کہیں گے۔ اور اس کے مقابلے پر پہلی حالت است ہوگی۔ حسب قول مذاہب الاسلام معدوم وہ ہے۔ جو موجود نہیں۔ جب وجود ملیگا۔ تب موجود ہوگا۔ غرضیکہ ست اور است کے لفظوں کا تعلق محض دیو ہار ہونے سے ہے۔ وہی کچھ سوامی جی نے کہا ہے۔

چھٹا باب ۔ پیدائش عالم

۷۵۔ ویدک علم پیدائش

رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۱۲۹ منتر ۳ میں کہا ہے۔

پیدائش عالم سے پہلے تم یعنی ناقابل خبر عدم ترکیب کی حالت ہوتی ہے۔ محض ناقابل فہم سلل یعنی بکھرے اجزائے لاتجزی ہوتا ہے۔ جو غیر محدود پرمیشور کے مقابلے میں محض مقامی حیثیت رکھتا ہے۔ محیط پرمیشور کا یہ محاط تھا۔ بعد میں اس قدیر کامل نے اسے حالت علت سے معلول کیا۔ (۱)

اس منتر میں علت مادی کا بھی ذکر موجود ہے۔ اور علت فاعلی کا بھی۔ اور پیدائش عالم کا مطلب محض یہ بتایا گیا ہے کہ علت سے معلول حالت میں تبدیلی۔

یجر وید کے پرش سوکت میں کہا ہے۔ منتر ۲۔

جو ہوا اور جو ہوگا۔ وہ سب کچھ پرش ہی ہے۔ وہ امرت یعنی اوناشی یا غیر فانی کا مالک ہے۔ نیز اس کا جو ان سے یعنی علت وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے۔ (۲)

جس طرح انسان کو اپنے جسم اور حواس کا مالک کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ روح اور جسم کے میل کی حالت والا پرش مالک ہے۔ اسی طرح عالم اور اس مادہ اور مادی جسم کے اندر پرمیشور کو موجود مان کر وید اس کا نام پرش رکھتا ہے۔ اس میں امرت تو ہے۔ ایشور جیو اور پرکرتی اور آن یا علت سے پیدا شدہ ہے۔ معلول دنیا۔ کیونکہ اگلے منتر میں کہا ہے۔ کہ یہ سب کچھ اس کی مہما ہے۔ اور پرش کی اس سے بڑائی ہے۔ تمام معلول مادی دنیا اس کا ایک پاد ہے۔ اور تین پاد اس کے امرت یعنی غیر فانی ہیں۔ اور اس امرت کا نام دوی ہے (۳)

तम आसीत्तमसा गूळ्हमग्रे ऽप्रकेतं सलिलं सर्वमा इदम्। ۱-
तुच्छ्येनाभ्वपिहितं यदासीत्तपसस्तन्महिनाजायतैकम्॥
पुरुष एवेदं सर्वं यद्भूतं यच्च भाव्यम् उतामृतत्वस्येशानो यदन्नेनातिरोहति॥ ۲-
एतावानस्य महिमातो ज्यायांश्च पूरुषः। पादोऽस्य विश्वा भूतानि ۳-
त्रिपादस्यामृतं दिवि॥

پس پرش نام ہے۔ ایشور۔ جیو۔ پرکرتی اور معلول دنیا کے مجموعہ کا۔ ان میں سے آخری معلول دنیا فانی ہے یہ ان یعنی مادہ سے بنتی ہے۔ اور پہلے تین پاد غیر فانی یا قدیم ہیں۔

اس سوکت کے چوتھے منتر میں کہا ہے۔ پرش تین پاد سے پرے یا اگلی معلول حالت نمودار ہونے پر ہوتا ہے۔ اس کا یہ اگلا پاد یا بار بار ہوتا رہتا ہے۔ اور اس سے یہ علت اور معلول دو حالتوں والا جگت موجود ہوتا ہے (۱)

پانچویں منتر میں کہا ہے۔ اس سے وراٹ نمودار ہوا۔ اور وراٹ کے بعد پرش۔ وہ وراٹ پرش انیک شکلوں میں ظاہر ہوتا گیا۔ اور بعد میں بھومی ظاہر ہوئی۔ اور اس کے بعد جسم یا قالب بنے (۲)

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ علت اور معلول جگت کا نام وراٹ ہے۔ اور اس میں جیو اور مادہ اور معلول دنیا شامل ہیں۔ اس وراٹ کے ظہور ہونے پر برہم پرمیشور کے اس کے اندر موجود ہونے سے پرش نام ہوا۔ اور وہ وراٹ آکاش ہوا۔ آگ اور پانی کی مختلف حالتوں و شکلوں کو اختیار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ زمین پیدا ہوئی۔ اور اس زمین کے بعد تمام قالب بنے۔ مطلب یہ کہ نباتات بھی قالب ہیں اور حیوانات کے اجسام وغیرہ بھی۔ چنانچہ چھٹے منتر میں کہا ہے۔ کہ سب کے معبود پرمیشور نے اس وراٹ پر یگیہ کا عمل کر کے قابل خوردنی و نوشیدنی اشیاء پیدا کیں۔ اور ان سے گھی وغیرہ کے اندرونی رس ظاہر ہونے پر ان سے جاندار ظاہر ہوئے۔ کیا ہوا میں رہنے والے۔ کیا پانی میں اور کیا زمین پر (۳)

یگیہ کے معنے نہایت وسیع ہیں۔ دنیا میں ہر حرکت اور ہر کام یگیہ کے اندر ہے۔ ذرات کے میل سے شکلیں نمودار ہوتی ہیں۔ اور ان کی کمی بیشی یا جدائی سے بھی اور بھی لطیف شکلیں بنتی ہیں۔ جس طرح ایک پنساری کی چند چیزوں میں سے کم و بیش تعداد و مقدار میں بے شمار نسخے بنتے ہیں۔ اسی طرح وراٹ سے جن عناصر کا تعلق ہے۔ ان کے میل اور جدائی یا کمی اور بیشی سے دنیا میں تمام قالب بن رہے ہیں۔ چنانچہ حیوانات کی پرورش کے لئے جن چیزوں کی ضرورت تھی۔ انہیں اس سروہت یعنی معبود کل نے حیوانوں کو پہلے پیدا کرنے سے پہلے رچا۔ حیوانات کی خوراک ان گھاس وغیرہ ہے۔ اور اس خوراک سے ان کے اندر میدے وغیرہ کی شکل میں رس پیدا ہوتے ہیں۔ سو ان وغیرہ کو اس منتر میں पृषदाज्य (پرشت) کہا ہے۔ اور ان کے اندر طاقت وغیرہ دینے والی چیز کو آجیہ आज्य کہا ہے۔ یہاں اس سچے رکشک پرماتما کی عجیب و غریب علمی اور عملی خوبیوں کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ ایک زاہد یا ایشور بھگت نے کیا خوب کہا ہے۔ کہ

جب دانت نہ تھے تب دودھ دیو جب دانت دیئے تو کیا ان نہ دے ہے
جو جل میں تھل میں پنچھی کی سدھ لیت سو تیری بھی لے ہے

१– त्रिपादूर्ध्व उदैत्पुरुषः पादोऽस्येहाभवत्पुनः। ततो विष्वङ् व्यक्रामत्साशना-
नशने अभि ॥४॥ ततो विराडजायत विराजो अधि पुरुषः। स जातो अत्यरिच्यत
पश्चाद्भूमिमथो पुरः ॥(५) तस्माद्यज्ञात्सर्वहुत सम्भृतं पृषदाज्यं।
पशुंस्तांश्चक्रे वायव्यानारण्या ग्राम्याश्चये।

کاہے کو سوچ کرے من مورکھ سوچ کئے کچھ ہاتھ نہ آئے ہے
جان کو دیت اجان کو دیت جہان کو دیت سو تو کو بھی دے ہے

بھگت کا یہ مطلب نہیں۔ کہ پورشارتھ کو چھوڑ کر آلس اور نکماپن کو اختیار کیا جاوے۔ بلکہ وہ یہ سمجھاتا ہے۔ کہ جس طرح اگیانی انسان آج ہر وقت پیٹ کی فکر میں غلطان اور پاپوں کا شکار ہیں۔ اس کو انسانی غرض سے باہر سمجھیں۔ ہماری ضروریات کا فکر ہمارے سوامی کو ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے۔ کیا کچھ کس کو ملنا چاہئے۔ انسان کا فرض محض یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کو بخوبی سمجھے۔ اور جو کچھ ملتا ہے۔ اسے ہی کافی سمجھ کر اور اس کا بہترین استعمال کرتا ہوا صبر اور استقلال سے اپنی اصل منزل مقصود کی طرف چلتا جاوے۔ یہ وہ کام ہے جس میں عمریں کھپ جاتی ہیں۔ بس صبر نکما پن کا مترادف نہیں گا چنانکہیں۔ اس انتہائی مبارک جذبہ کی بنیاد اس منتر پر وچار کرنے سے پڑتی ہے۔ اور پتہ چلتا ہے کہ زمین بننے کے بعد سب سے پہلے عالم نباتات کے قالب ظاہر ہوئے اور اس سے ان اور گھی یا خوراک اور ویریہ ظاہر ہوئے اور اس کے بعد پشو یا عالم حیوانات ہؤا۔ قدرت نے پہلے انیک پرکار کے ترکیب اور جدائی کے یگیہ سے اس خوراک اور اس کے رس کو اور اس رس اور ویریہ وغیرہ سے حیوانات کو پیدا کیا۔ یا انہیں رچنا ہوئی۔

ساتویں منتر میں کہا ہے۔ اسی یگیہ سے کامل گیان والے رگ یجر۔ سام اور اتھروید کا ظہور ہوا۔ (۱)

مطلب یہ کہ ابتدائی سرشٹی کا ظہور ہوتے پر پرمیشور نے چاروں ویدوں کا گیان دیا۔ گیان پرمیشور میں نتیجہ ہے۔ پر انسان پر اس کا ظہور پیدائش پر ہی ہو سکتا ہے۔

آٹھویں منتر میں کہا ہے۔ اسی سے یعنی ویدوں کے ظہور سے اشو وغیرہ جاندار پیدا ہوئے۔ جو دو پنکتی والے دانت رکھتے ہیں۔ اسی سے گو جاتی ظاہر ہوئی۔ اسی سے اجا جاتی ظاہر ہوئی۔ (۲)

اس منتر میں ویدگیان کے کمال کا اور بھی زیادہ احساس ہر انسان کر سکتا ہے۔ جب وہ سمجھتا ہے۔ کہ ابتدائی یا آغاز والی قدرتی پیدائش کا بیان چھٹے منتر میں کرنے پر بھی کسی چیز کا نام اس منتر میں نہیں دیا۔ لیکن جب وید کے ظہور کا بیان کیا۔ تو ناموں کی مثال دے دی۔ ایک جاتی حیوانات میں اشو کی ہے۔ یعنی گھوڑا۔ اونٹ۔ گدھا وغیرہ دوسری جاتی گو کی ہے۔ یا گئو وغیرہ کی۔ اور تیسری جاتی اج کی یعنی بھیڑ۔ بکری وغیرہ کی۔ مطلب یہ کہ ویدگیان کے ذریعے ہی تمام قالبوں کی تمیز ہوئی۔ اور ان کے نام وغیرہ معلوم ہوئے۔

نویں منتر میں کہا ہے۔ اس یگیہ (وید) کا پہلے پیدا ہوئے انسانوں کے ہردے میں پرکاش ہؤا۔ اس سے وہ تمام لوگ یگیہ کرنے لگے۔ جو سادھیہ اور رشی کہاتے ہیں۔ (۳)

۱۔ तस्माद् यज्ञात्सर्व हुत रिचः सामानि जज्ञिरे
छंदा ं सि जज्ञिरे तस्माद्यजुस्तस्मादजायत ।

۲۔ तस्मा दश्वा अजायन्त ये के चो भया दतः ।
गावो ह जज्ञिरे तस्मा त्तस्मा ज्जाता अजावयः ॥

۳۔ तं यज्ञं बर्हिषि प्रौक्षान् पुरुषं जात मग्रतः ।
तेन देवा अयजन्त साध्या ऋषयश्च ये ॥

۴ جب کیسٹ پنگ جیون تک کی پرورش ہو رہی ہے تو انسان کو اوس کی

جیو انات کا ذکر کر کے انسان یا پُرش کا ذکر کیا گیا ہے۔ جیوانوں کے ناموں کے علاوہ پُرش نام انسانوں کا وید سے ہی معلوم ہوا۔ اور اس وید پرکاش روپی یگیہ کا ان کے ہردے میں پربھاو پڑتا ہے۔ تو اس سے دیوتا یا عالم لوگ یگیہ یا یجیہ سماموں کا پرچار کرتے ہیں۔ یہ عالم لوگ وہ ہیں۔ جو سادھیہ یعنی سدھی یا عمل کرنے والے ہوں۔ یا جو رشی یعنی سادھی ہیں منتروں کے معانی کا انکشاف پائیں۔

ان نو منتروں میں نہ صرف آغاز عالم کی پیدائش کا نہایت اعلےٰ ترتیب اور علمی کمال سے بیان کیا گیا ہے۔ پرمیشور سے الہامی علم ملنے اور سچے عمل کا تعلق اور سچے عالموں کا فرض بھی واضح کیا گیا ہے۔

رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۱۹۰ میں ایک اور نکتہ نگاہ سے پیدائش کا بیان کیا ہے۔

پہلے گیان اور پرکرتی اور ابھیدھ اتپ کا ظہور ہوا۔ اس سے راتری ظاہر ہوئی۔ اس سے ارنوا سمدر کا ظہور ہوا۔۱ ارنو اسمدر کے بعد کال دبھاگ یعنی وقت کی تمیز ہوئی۔ اور جگت کو وش میں رکھنے والے بھگوان نے دن اور رات کو بنایا۔۲ جگت کے دھارن کرنے والے پرمیشور نے مثل سابق سورج اور چاند کو بنایا۔ سکھ سوروپ بھگوان نے دیولوک پرتھوی لوک اور انترکش کو بنایا۔ ۳ (۱)

یہاں پہلے گیان اس لئے کہا کہ جب تک فاعل کو کسی فعل کا گیان نہ ہو۔ وہ اس کو کر نہیں سکتا۔ عمارت کا نقشہ معمار کے اور زیور کی شکل سنار کے دماغ میں ہو۔ تبھی عمارت یا زیور بنتا ہے۔ سو پرمیشور کا گیان پہلے تھا۔ دوسری شے علت مادی چاہیئے۔ بغیر اینٹ چونہ گارا وغیرہ کے عمارت اور بغیر سونے وغیرہ کے زیور نہیں بن سکتا۔ سو اس کے لئے ستیہ یا پرکرتی بھی موجود رہی۔ فاعل اور علت دونوں موجود ہوں۔ لیکن تپ نہ ہو۔ تو بھی فعل نہیں ہو سکتا۔ سنار بھی موجود اور سونا بھی موجود۔ مگر سنار بنائے نہیں۔ تو بھی زیور نہ بنے۔ اس لئے کہا گیا۔ کہ ابھیدھ اتپ کا ظہور ہوا۔ اس سے پیدائش کا آغاز ہونے لگا۔ تو پہلے یا برہم راتری کا گیان ہوا۔ چونکہ رات اور دن نسبتی لفظ ہیں۔ بغیر دن کے رات کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے پیدائش یا برہم دن کے آغاز سے برہم راتری کا تصور پیش کیا۔ اس کے بعد ارنوہ یا پرمانو سمدر یا سلل کا ویوہار شروع ہوا۔ اور اس سے کال دبھاگ کی تمیز ہوئی۔ یعنی سرشٹی سمت جو چلا آتا ہے۔ یہ اس وقت سے ہے۔ جب سے ارنوہ سمدر کا ویوہار شروع ہوا۔ یہ وقت کی تمیز رات اور دن کی صورت میں ہوئی۔ انہی کے شمار سے میعاد ناپی جا رہی ہے۔ اور یہ دن رات سورج اور چاند سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور صرف سورج اور چاند۔ دیو پرتھوی اور انترکش تینوں لوک بھی پیدا ہوئے۔ اور یہ اسی وقت نہیں ہوئے۔ ہر کلپ میں ایسے ہی ہوتے ہیں۔ من میں اس پرمیشور کی رچنا کی عظمت کو نقش کرنے کے لئے ان منتروں میں پیدائش کے متعلق دو خاص امور مد نظر ہیں۔ ایک تو یہ زمانے کے لحاظ سے اس کی عظمت کہ اس برہم دن کے آغاز سے ہی پرماتما کا اس کائنات سے تعلق نہیں۔ پہلے کال میں بھی رت اور ستیہ کا وہ سوامی تھا۔ در حقیقت اس ایک پرلے میں ہی نہیں۔ اس سے پہلے بھی پیدائش اور فنا کے یہ آغاز۔ چکر کو دہی چلاتا آرہا ہے۔ دوسری خصوصیت

ओं। ऋतञ्च सत्यञ्चाभीद्धात्तपसोऽध्यजायत। ततो रात्र्यजायत ततः समुद्रो अर्णवः॥ ओं। समुद्रादर्णवादधि संवत्सरो अजायत। अहोरात्राणि विदधद्विश्वस्य मिषतो वशी॥२॥ ओं। सूर्याचन्द्रमसौ धाता यथापूर्वमकल्पयत्। दिवं च पृथिवीं चान्तरिक्षमथो स्वः॥३॥

دیش یا جگ کے لحاظ سے ہے۔ کہ وہ وسیع غیر محدود اور بے شمار نورانی کروں والے دیؤلوک۔ انترکھش اور پرتھوی لوک کا مالک اور اس میں موجود ہے۔

وید میں اسی طرح پیدائش کے مضمون کو مختلف نکتہ ہائے نگاہ سے نہایت خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔ اور ویدک ساہتیہ میں اسے کہیں آکاش وایو سے شروع کیا ہے۔ کہیں مہت تتو بدھی وغیرہ سے تیتریہ اپ نشد میں پیدائش کے سلسلے کو یوں کہا ہے۔

اس پرمیشور اور پرکرتی سے آکاش ظاہر ہوا۔ آکاش سے وایو۔ وایو سے اگنی۔ اگنی سے جل۔ جل سے پرتھوی۔ پرتھوی سے بنسپتی۔ بنسپتی سے ان۔ ان سے ویریہ اور ویریہ سے انسان۔ (۱)

اس پیدائش کا سلسلہ ۶ سندھیوں میں ختم ہوتا ہے۔ فنا اور پیدائش کے درمیان اسی طرح آہستہ آہستہ ایوولیوشن یا وکاش ہوتا ہے۔ جس طرح رات اور دن کے درمیان صبح کو دھیرے دھیرے اندھیرا دور اور روشنی کا ظہور ہوتا ہے۔ ۶ سندھیوں کی میعاد ۶ چترزیگیوں کے برابر ہے۔ اور ایک چترزگی تینتالیس لاکھ بیس ہزار سال کی ہے۔ گویا آکاش۔ وایو۔ اگنی۔ جل۔ پرتھوی اور بنسپتی جیو انات کے چھ مدارج ان چھ زمانوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

وید میں قیام عالم کا زمانہ چار ارب بتیس کروڑ سال کا بتایا ہے۔ اس زمانے کے ہزار برابر حصے کئے گئے ہیں۔ کرشمارہ وغیرہ میں آسانی ہے۔ ان ہزار حصوں کو ست یگ۔ تریتا۔ دواپر اور کلی یگ میں تقسیم کر کے ان کے مجموعہ کو چترزیگی کہا گیا ہے۔ اور اس طرح ہزار چترزیگی میں سے چھ چترزیگیاں پیدائشی ایوولیوشن کی کاٹ کر ۹۹۴ چترزیگیاں انسان کی پیدائش کے وقت سے میعاد قیام عالم کہانی گئی ہیں۔ اس ۹۹۴ کے ۱۴×۷۱ کے دو جزو ہو سکتے تھے۔ اس لئے ۱۴ منونتر قیام عالم کے مانے گئے۔ اور ہر منونتر کو ۷۱ چترزیگیوں کا سمجھا گیا۔ پس ویدک ساہتیہ میں نہ صرف پیدائش عالم کو مانا گیا ہے۔ اس کے متعلق تمام لوازمات کا بھی صاف بیان کیا گیا ہے۔ اور پیدائش کی ترتیب اور میعاد پیدائش وقیام کا بھی

۶۶۔ قرآن میں ویدک علم پیدائش کی تصدیق !!

وید میں ستیہ (پرکرتی) سے پیدائش کہی۔ تو قرآن میں ہے خدا نے آسمان کو اور زمین کو حق یعنی مادہ کی حقیقی ہستی سے پیدا کیا ہے۔ نحل۔ ۳۔ (۲)

کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا۔ کہ خدا نے دیؤ۔ پرتھوی اور انترکھش کے تینوں لوکوں کو حق (ستیہ یا مادہ) سے ہی پیدا کیا ہے۔ سورۃ الروم۔ ۸۔ (۳)

جہاں وید نے سرو ہت یا معبود کل پرمیشور کو فعل پیدائش کا فاعل قرار دیا۔ وہاں قرآن نے فرمایا جس طرح ہم

۱۔ तस्माद्वा एतस्मादात्मन: आकाश: सम्भूत:। आकाशाद्वायु:। वायोरग्नि:। अग्नेराप:। अद्भ्य: पृथिवी। पृथिव्या ओषधय:। ओषधीभ्यो ऽन्नम्। अन्नाद्रेत:। रेतस: पुरुष:। स वा एष पुरुषो ऽन्नरसमय:।

(۱) خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ۔

(۲) اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ۔

نے پہلی باسابقہ پیدائش کی تھی۔ اسی طرح ہم نے پھر کی ہے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے۔ تحقیق ہم فاعل ہیں۔ اس آیت میں کما بدانا اول خلق نعیدہ ویدکے الفاظ یتھا پوروم اکلپیت کی جگہ ہیں۔ انبیاء-۱۰۴ (۱)

وید میں انسان کی پیدائش زمین کی پیدائش ہونے پر بتائی ہے۔ اور زمین کی پیدائش سل سے شروع ہوئے سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ کیونکہ اس کے آگے نباتی وغیرہ کی پیدائش کا جو نیا سلسلہ چلا۔ اس کا تعلق روح سے ہے۔ سورۃ المومنون آیت ۱۲ میں کہا ہے۔

ہم نے انسان کو سُلالہ سے سلسلہ شروع کر کے مٹی سے پیدا کیا۔ (۲)

سورۃ الحجر آیت ۲۸ میں کہا۔ "تیرے خدا نے فرشتوں (مخلوق دیوتاؤں) کو کہا۔ میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔ صلصال سے بناتے بناتے آخر اسے پاک مٹی سے پیدا کروں گا۔ (۳)

یہ سُلالہ یا صلصال کے الفاظ محض سِل لفظ کی تبدیل شدہ صورت ہیں۔ آنحضرتؐ کے وقت کی پوتھیاں چونکہ کوفی زبان میں نوٹ ہوتے تھے۔ جس میں نہ اعراب تھے نہ نقطے۔ اس لئے موجودہ عربی رسم الخط میں الفاظ کو منتقل کرتے اور اعراب اور نکتے لگاتے ہوئے ایسا رد و بدل ہونا معمولی بات ہے۔ الفاظ مِن سُلٰلَۃٍ مِّن طِیۡنٍ اور مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ پر معمولی سا غور کیا جاوے۔ تو یقین ہوتا ہے۔ کہ دونوں جگہ کا لفظ آنا سلسلہ کے آغاز اور انجام کا ہی مفہوم رکھتا ہے۔

سُلالہ کے معنے لغت میں یہ ہیں۔ قطعہ۔ بچہ۔ وہ چیز جو کسی سے کھینچی جائے۔ یعنی خلاصہ یا ست۔ اور عام طور پر اس سے مٹی کا ست مراد لیا جاتا ہے۔ اصل ست تو مراد مٹی کی لطیف حالت ہے۔

جیسے سنیہ اور حق پہلے کہا گیا ہے۔ تاہم عام طور پر یہ لطافت مدنظر نہیں رکھی جاتی۔ اور نطفہ یا ویریہ کو مٹی کا ست مانا جاتا ہے۔ اور یہی سُلل لفظ کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ لیکن سورۃ السجدہ آیت ۸ میں سُلالہ اور ماءِ مَّہِیۡنٍ دو جدا لفظ ہیں۔ چونکہ ماءِ مہین کے معنے نطفہ یا ویریہ کے ہیں۔ اس لئے سُلل کے یہ معنے ہو نہیں سکتے۔ ایسا ہوتا تو ایک ہی لفظ کافی تھا۔ اگر کہا جاوے۔ کہ دوسرا لفظ پہلے کی توضیح کرتا ہے۔ تو سوال ہوگا۔ کہ کیا سورۃ المومنون آیت ۱۲ میں مِن سُلٰلَۃٍ مِّن طِیۡنٍ میں طین کو سُلالہ کی توضیح مانوگے۔ اور اگر ایسا مانا جاوے۔ تو ماءِ مہین اور طین کا ایک ہی مفہوم ہوگا۔ لیکن طین مسلّمہ طور پر مٹی ہے۔ اور ماءِ مہین نطفہ یا ویریہ۔ پس یہ دونوں یقیناً ایک نہیں۔ مٹی کے بعد نباتات ہے۔ اور نطفہ نباتات کے بھی بعد ہے۔ لیکن سُلالہ نباتات سے بھی پہلے ہے۔

پس سُلالہ نباتات اور مٹی سب کی پہلی حالت ہے۔ اور وہ اصل چیز ہے جس سے آخر مٹی بھی بنتی ہے۔ اور پھر ہوتے ہوتے نطفہ یا ویریہ بنتا ہے۔ پس صحیح پوزیشن قرآن کی ظاہر ہے۔ اور سُلالہ لفظ کی حقیقت وہی ہے۔ جو رگوید منڈل ۱۔ سوکت ۱۲۹ منتر ۳ میں ناقابل فہم سِل کی ہے۔ یہ الفاظ دیگر سُلالہ اور صلصال وید کے لفظ سِل کے ہی مصداق ہیں۔

صلصال کے معنے عموماً کالا اور سڑا ہوا گارا ہی کیا جاتا ہے۔ سورۃ الحجر آیت ۲۸ میں صلصال کے ساتھ

۱- کَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِیۡدُہٗ ؕ وَعۡدًا عَلَیۡنَا ؕ اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیۡنَ ؕ
۲- وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ۔
۳- وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ

دوسرا لفظ حماٍ مسنون ہے۔ اور جہاں سلالہ کی جگہ صلصال ہے۔ وہاں طین کی جگہ یہاں یہ لفظ ہے۔ گویا طین اور حماٍ مسنون ہم معنے ہیں۔ اور سوکھا کھنکھناتا گارا اس سے مراد لیا جاتا ہے۔ کالا۔ سڑا ہوا۔ بدبودار۔ کھنکھناتا وغیرہ الفاظ گارے کے ساتھ لگا کر اور اس سے حضرت انسان کی پیدائش بتا کر انسانی جسم کی علت کو حقیر چیز بنایا جاتا ہے۔ اور مآءِ مہین سے پیدائش انسان کہی۔ تو اس کے معنے حقیر پانی کر دیا ہے۔ لفظ مہین کو اہانت سے ماخوذ سمجھا گیا۔ حالانکہ اس کی اصل مہیما سنسکرت کا مہان لفظ ہے۔ بمعنے بڑا بزرگ اور چونکہ ویریہ انسانی جسم میں سب سے اعلےٰ یا آخری اور ساتویں قیمتی دھاتو ہے۔ اس لئے مہان شکتی یا اعلےٰ طاقت ویریہ سے اس کی پیدائش ہوتی ہے۔ اور اسی اعلےٰ ترین رقیق جوہر کو مآءِ مہین قرآن میں کہا گیا ہے۔

قرآن کا لفظ حماٍ مسنون بدبودار گلی سڑی مٹی یا کھنکھناتے گارے میں لے کر علماء اسلام نے ہمیں مرحوم پنڈت لیکھرام جی کے بیان کردہ ایک لطیفہ کی یاد دلائی ہے۔ جو یہ ہے کہ

"جب تک یہاں کے لوگ ایک ایشور کے اپاسک عالم اور نیک چلن رہے۔ تب تک یہاں کے لوگ آریہ کہلائے۔ اور ملک کا نام آریہ ورت رہا۔ اور جب یہاں کے لوگ گر گئے۔ اور خلاف وید اعمال کرنے لگے۔ جو آریوں کے لئے غیر موزوں تھے تب لوگ ہندو کہلائے اور ملک کا نام ہندوستان ہوا۔"

گویا انصاف الٰہی کے مطابق نام وغیرہ بھی بدل جاتے ہیں۔ یہی قانون قرآن کی مذکورہ بالا اصطلاحات کے موجودہ مفہوم میں کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔ جب تک لوگ برہمچریہ کا خیال رکھتے ہیں۔ اور محض صحت اور طاقت والی نیک اولاد پیدا کرنے کے لئے شادی اور صحبت کرتے ہیں۔ تب تک مآءِ مہین کا مفہوم اعلےٰ ترین رقیق جوہر یا نہایت طاقت والا پاک نطفہ ہوتا ہے۔ اور جب جنسی تعلقات کی پاک صورت بھول کر شہوانی جذبات ہی انسان کا مطلوب ہوتے ہیں۔ تب انسان ہی ذلیل و خوار نہیں ہوتا۔ اس کا ماحصل نطفہ بھی حقیر پانی کہانے لگتا ہے۔

ایسا ہی حماٍ مسنون کے معنے ہیں۔ سنت کی گئی مٹی۔ سنت سے مراد ویدک لفظ سنسکار کی ہے۔ تمام برائیوں کی آلائش سے پاک کر کے کسی چیز کو اس کی نہایت پاک اور مفید صورت میں لے آنا سنت کرنا ہے۔ جسے ہم سنسکرت کہتے ہیں۔ یعنی سنسکار کیا گیا۔ اس پاک ذات پرمیشور نے دنیا کو نہایت پاک حالت میں بنایا۔ سطح سمندر سے نہایت پاک ترین برآمد ہوئی۔ اس زمین پر ورشا یعنی بارش کے ذریعے پاک ذرات نازل ہو کر اس کی طاقت کو بڑھاتے رہے اور جب انسان جیسی پاک ترین اور اعلےٰ ترین ہستی کے شان کے لائق قالب تیار ہونے کی اس میں انتہائی پاکیزگی اور صلاحیت ہوئی۔ تب اس سنسکار یا سنت کی گئی مٹی سے انسانی قالب تیار ہوگئے۔ انسان کی اصل عظمت کا جب تک علم رہا۔ تب تک انسانی قالب کی عجیب و غریب خوبیاں ہمارے سامنے رہیں۔ اور جب ہمارے علم پر جہالت غالب ہوئی۔ تو بدبودار گلی سڑی مٹی کو آدم انسانوں کی قالبوں کی علت مانا گیا۔ سورۃ النسا آیت ا میں ہے۔

"اے انسانو اپنے خدا سے ڈرو۔ جس نے تمہیں ایک ہی مادہ سے پیدا کیا۔ اس طرح کہ پہلے اس سے اس نے اس کا جوڑا بنایا۔ اور جوڑے سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں (۱)

۱؎ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ج

...یہاں عورتوں کے حقوق کی مساوات واضح کرتے ہوئے بنیاد دونوں کی ایک ہی مادہ پر رکھی ہے۔ اور وید میں جو بہت سے مرد اور عورتیں ابتدا میں جوان حالت میں پیدا ہونے کا بیان ہے۔ اس کی تصدیق بھی کی گئی ہے وید اور منوسمرتی وغیرہ میں یہ کہا ہے۔ کہ پہلے پرکرتی سے پرش (نر) اور استری (مادہ) شکتی کا ظہور ہوا۔ اسی طرح یہاں بھی جوڑا مانا گیا ہے۔

نفس واحد سے مراد ایک انسان بنام آدم کی نہیں۔ کیونکہ قرآن میں بہت سے انسانوں کی پیدائش مذکور ہے۔ سورۃ الانعام کی آخری آیت میں ہے "وہی خدا ہے۔ جس نے تم کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر درجہ کے لحاظ سے فوقیت دے رکھی ہے۔ تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں عطا کر رکھا ہے۔ اس کے متعلق تمہاری آزمائش ہو جائے۔" (۱)

گویا ایک انسان خلیفہ نہیں کل انسان خلیفہ ہیں۔ سورۃ الحجر آیت ۲۸ و ۲۹ میں آدم کی جگہ بشر کا لفظ ہے (اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا) پس آدم اور بشر کا مفہوم ایک ہے۔ اور حسب قول سر سید احمد خاں صاحب فی الحقیقت اس سے انسانی جماعت مراد ہے۔

سورۃ الحجر کی ۳۳ آیت میں شیطان کا سجدہ سے انکار کرنا مذکور ہے۔ اور کہا ہے۔ لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ شیطان کہتا ہے۔ میں بشر کو سجدہ نہیں کر سکتا۔ اس سے بھی انسان کی نوعیت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

وید میں جو کارن اور کاریہ یا سوکھشم اور ستھول کے لفظوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی جگہ قرآن میں عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ کا لفظ موجود ہے۔

وید میں جوڑا بنانے کی غرض محدود اور مرکب الخطا انسان کے لئے آرام۔ اطمینان اور راحت کا دینا ہے۔ بہدارنیک اپنشد ادھیائے ۱ برہمن ۴ میں کہا ہے۔ کہ پہلے ایک آتما یا پرانی ہوا۔ وہ اکیلا ہونے سے ڈرا۔ مگر یہ سوچ کر کہ دوسرا ہے نہیں)۔ تو ڈر کس کا۔ وہ بے خوف ہوا۔ مگر وہ خوش نہیں تھا۔ اس لئے دوسرا فرد پیدا ہوا۔

اس امر کی مزید توضیح کے لئے بعد میں کھول ہی دیا ہے۔ کہ پہلا فرد مرد تھا۔ تو دوسرا فرد عورت ہوئی۔ پہلا گھوڑا تھا۔ تو دوسرا گھوڑی ہوئی۔ گویا تمام جانداروں کے جوڑے ہوئے۔ نہ بوجہ کسی خوف کے بلکہ خوشی اور راحت و اطمینان کے لئے۔ ہو بہو یہی مدعا اس آیت میں موجود ہے۔

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا

وہی خدا ہے۔ جس نے تمہیں ایک ہی مادہ سے پیدا کیا۔ اس طرح کہ اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔ تاکہ اسے تسکین یا راحت ملے۔

سورۃ یٰسین آیت ۳۶ میں کہا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِھِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ

پاک ذات ہے۔ وہ خدا جس نے تمام جوڑے پیدا کئے ہیں۔ نباتات ارضی سے۔ ان کی اپنی اپنی جنس سے اور اس چیز سے جس کو لوگ نہیں جانتے۔ چونکہ ویدک سدھانت کے مطابق پرتھوی کے بعد نباتات کی پیدائش ہوتی ہے۔ یا ان کی اور

۱- وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّہٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

اَنّ سے ویریہ ہوتا ہے۔ جس سے انسان وغیرہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ لہٰذا قرآن اسی کی تصدیق کرتا ہے۔ جب تُنبتُ الارض سے جوڑوں کی پیدائش مانتا ہے۔ اگر یہ فلاسفی ٹھیک ہوتی۔ کہ پہلے ایک آدم ہوا۔ اور اس کی پسلی سے حوا ہوئی۔ تو نباتات ارضی سے رس کا جوڑا بنتا نہ لکھا جاتا۔ اسی طرح انسان انسان سے گھوڑا گھوڑے سے گیہوں گیہوں سے اور جو جو سے پیدا ہونے کا اصول بھی مسلمہ ہے۔ اور قرآن کہتا ہے۔ مِنْ اَنْفُسِہِم یعنی اپنی اپنی جنس سے اور چونکہ اصل علت مادہ یا پرکرتی کا انسان کو احساس نہیں۔ اس لئے مِمَّا لَا یَعْلَمُوْن کہہ کر وید کے لفظ پرکیت آدیگیہ کی تصدیق کی گئی ہے۔ یہ امر کہ نر اور ناری ابتدا میں جوان حالت میں ہوئے۔ اتھرو وید کانڈ ۱۱ سوکت ۸ منتر ۱۲ و ۱۳ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ (۱)

جن میں ابتدائی پیدائش کے متعلق قانون بتایا گیا ہے۔ کہ پہلے قالب انسانی کا ڈھانچہ پرتھوی ماتا کی گود میں تیار ہوتا ہے۔ اور جب معقول ترکیب سے بال تا اڑی تس۔ ہڈی دوسرے جوڑ رگ پٹھے مانس وغیرہ کے عناصر خمسہ سے بننے پر جسم مکمل ہوتا ہے۔ تب اس میں آتما داخل ہوتا اور جیتا جاگتا انسان قائم یا کھڑا ہوتا ہے۔

قرآن اس کی تصدیق آیت ۲۸ و ۲۹ سورۃ الحجر کے ان الفاظ میں کرتا ہے۔

تیرے رب نے فرشتوں کو کہا۔ میں انسان کو صلصال دانے سلسلے میں بنی ہوئی پاک مٹی سے پیدا کرونگا۔ سو جب میں اسے مکمل کر چکوں۔ اور اس میں اپنے روح کو داخل کردوں۔ تم اس کے آگے سر بسجود گرو۔ یعنی اس کے تابع ہوگے (۲)

اس میں ہو بہو وید کے مذکورہ بالا منتروں کا مدعا مذکور ہے۔ کہ پرتھوی ماتا کی گود میں قالب انسان کا ڈھانچہ تیار ہوتا۔ اور روح کے اس میں داخل ہونے پر وہ جیتا پرانی ہوتا ہے۔

وید اور قرآن دونوں میں انسانی جسم کے مکمل ہونے کا بیان ایک ہی ہے۔ اور اس کا مطلب جوان حالت کے بنا ہو نہیں سکتا۔ جہاں اس آیت میں قانون بتایا ہے۔ وہاں دوسری آیت میں اسی کو عملی طریق قرار دیا ہے۔

سورۃ السجدہ میں کہا ہے۔ خدا ہی احسن الخالقین ہے۔ وہ انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کرتا ہے۔ اور اس کی نسل کو سلال سے شروع ہوئے سلسلے میں آخر ویریہ یا نطفہ سے چلاتا ہے۔ اس کے آگے کہا ہے۔

پھر اس کو مکمل کیا۔ اور اس میں اپنی ملک روح کو داخل کیا۔ جس سے تمہارے لئے کان۔ آنکھ اور دل کام کرنے لگے۔ پھر بھی تھوڑے ہی ہیں۔ جو اس کا شکر کرتے ہیں۔ (۳)

۱۔ कुतः केशान् कुतः स्नाव कुतः अस्थीन्या भरत्।
अङ्ग पर्वाणि मज्जानं को मांस कुत आभरत् ॥ १२ ॥
संसिचो नाम ते देवा ये संभारान्त्सं समभरन्।
सर्वं संसिच्य मर्त्यं देवाः पुरुष माविशन् ॥ १३ ॥

۲۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○

۳۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○

غرضیکہ پیدائش عالم کے متعلق قرآن ہر پہلو میں ویدک تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے۔

علم یا الہام الٰہی کے ظہور کی بات باقی ہے۔ سو اسکو بھی قرآن ہو بہو وید کے مطابق بیان کرتا ہے۔

سورۃ البقر آیت ۲۱۳ میں کہا ہے۔ کہ تمام انسانوں کی ایک ہی امت ہے۔ خدا نے نبی یا رشی لوگ مبعوث فرمائے تھے۔ اور ان کے ساتھ ہی سچے گیان کی کتب ظاہر کی تھیں۔ (۱)

گویا آغاز عالم کے رشیوں کے ظہور کے ساتھ ہی الہام ہوا

پھر جس طرح سوامی دیانند نے لکھا ہے۔ کہ الہام الٰہی کے ذریعے ملا جو سب سے زیادہ قابل انسان تھے۔ اسی کے مطابق سورۃ النحل آیت ۲ میں قرآن فرماتا ہے۔

وہ پرمیشور ان فرشتوں (رشیوں) کے روح (آتما) میں اپنے علم کا ظہور کرتا ہے جنہیں وہ اپنے بندوں میں سے چاہتا (قابل جانتا) ہے۔

باقی رہی ایک بات زمانہ قیام پیدائش کی سو وہ بھی ہو بہو وید والی ہی قرآن میں مذکور ہے۔

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

یعنی تیرے رب والا یا برہم دن ان ہزار زمانوں کا ہے جو تم نے گنتی کر رکھے ہیں۔

یہ ہم دفعہ ۱۷ میں واضح کر چکے ہیں۔ کہ وید میں قیام عالم کی جو میعاد بتائی ہے۔ اسے رشیوں نے ہزار چتر یگیوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی برہم دن ہزار چتر یگیوں کا ہے۔ سو وہی ہزار زمانے انسانی حساب والے یہاں کہے ہیں۔ نہ صرف قیام عالم کی۔ فنائے عالم والی میعاد بھی یہی لکھی ہے۔ وید میں برہم دن کے برابر ہی برہم راتری ہے۔ سو قرآن میں بھی اتنی ہی میعاد لیلۃ القدر یا برہم راتری کی ہے۔

سورۃ السجدہ آیت ۔ ۶۔ وہ خدا آسمان (دیولوک) سے زمین (پرتھوی لوک) تک کل نظام عالم کو چلاتا ہے۔ حتیٰ کہ کل کائنات اس کے حضور میں اس زمانہ کے لئے نہاں ہو جاتی ہے۔ جو تمہارے شمار کردہ ہزار زمانوں کا ہے

۶۷۔ باریک رموز

قرآن میں کئی سورتوں میں ایسی آیتیں ہیں جن کے دو معنے الفاظ پیدائش عالم کا مطلب بھی رکھتے ہیں۔ اور پیدائش انسان کا بھی۔ ان کی توضیح اپنے اپنے موقعہ پر آئے گی۔ یہاں سورۃ الفجر اور سورۃ القدر کی کچھ آیتوں کی طرف اشارہ دینے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ جو پیدائش عالم کے متعلق محض ویدک اصول کی تائید کرتی ہیں۔ سورۃ الفجر کی پہلی چار آیتیں حسب ذیل ہیں۔

وَالْفَجْرِ ۔ ۱۔ وَلَیَالٍ عَشْرٍ ۔ ۲۔ وَّالشَّفْعِ ۔ وَالْوَتْرِ ۳۔ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ

اس میں فجر کے معنے انسانی دن کی صبح نہیں۔ بلکہ برہم دن والی آدشا ہے۔ اور لیال عشر سے مراد ہماری بارہ بارہ گھنٹے کی دس راتیں نہیں۔ بلکہ الہامی علم کے ملنے یا کاروبار عالم کے جاری ہونے سے پہلے کے دس پدارتھ ہیں۔ جن کو تم یا تاریک حالت سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے ویوہار نہ ہونے کی حالت میں عدم یا نیستی کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی انسان کی پیدائش سے پہلے کی مخلوق دنیا کے لئے دس تاریکیوں یا راتوں کا لفظ ہے۔ ست۔ رج۔ تم۔

۱۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ ط

بدھی۔ من۔ آکاش۔ ہوا۔ آگ۔ جل۔ پرتھوی۔

اسی طرح شفع اور وتر جس کا ترجمہ جفت اور طاق کیا جاتا ہے۔ دراصل ترکیب اور جدائی یا سنیوگ اور دیوگ کے لئے ہیں۔ اور گذرنے والی رات سے مراد برہم راتری ہے۔ جیسے وید کے منتر میں کہا کہ گیان اور پرکرتی سے بعید ہا تپ کا ظہور ہوتے ہر برہم راتری کی تعبیر ہوئی۔ ویسے ہی یہاں کہا ہے۔ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ

ثبوت اس امر کا کہ فجر سے مراد آغاز پیدائش کی ہے۔ سورۃ القدر میں ملتا ہے۔ اس میں صاف لکھا کہ فرشتے (مادی علتیں) اور ارواح خدا میں لین ہو جاتے ہیں۔ اور فجر کے طلوع ہونے تک اس میں سلامت رہتی ہیں۔ معمولی سا غور بھی فجر لفظ کی حقیقت کو واضح کر سکتا ہے۔

اس سورۃ میں کہا ہے۔ کہ لیلۃ القدر ہزاروں مہینوں سے بڑی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی فرقے جو ۲۳ یا ۲۷ ماہ رمضان کو شب قدر کہہ رہے ہیں۔ من مانی اختراع کر رہے ہیں۔ ہزاروں مہینوں سے بڑی رات کو ۱۲ گھنٹے والی رات سمجھنا صریح غلطی ہے۔

وید میں پرش سوکت کا پہلا منتر ایشور کو ہزاروں سر۔ ہزاروں آنکھ اور ہزاروں پاؤں والا کہتا ہے۔ اور اس سے مراد اس کی غیر محدود طاقتوں کا اشارہ دینے سے ہے۔ بعینہٖ ہزاروں مہینوں سے بڑی رات درحقیقت ۴ ارب بتیس کروڑ سال کی برہم راتری ہے۔

سورۃ الفجر کی پانچویں آیت میں کہا ہے۔ دیکھو اس میں (برہم راتری کے بعد ہونے والی پیدائش میں) اہل عقل کی قسمت کھلتی ہے۔ مدعا یہ کہ علم الہی پر عمل کرنے والے لوگ برہم دن میں اعلےٰ مدارج پر پہنچتے ہیں۔ دوسری جگہ میں کہا ہے۔ کہ پیدائش عالم سے خدا کی غرض یہ ہے۔ کہ نیک لوگوں کو جزا یا اچھا صلہ ملے۔ اسی کو یہاں ان الفاظ میں کہا ہے۔

هَلْ فِیْ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ

مفسر صاحبان نے قسمت یا بھاگ سے تعلق رکھنے والے لفظ قسم (سے قسموں یا سوگند کی مراد لینے میں غلطی کی ہے۔ کہاں صدق مجسم ذات باری اور کہاں جھوٹوں کا قسموں والا ہتھیار۔ اسی طرح لیال عشر سے مراد کوئی حج کے انت کی دس راتیں لیتا ہے۔ کوئی عشرہ محرم کی کوئی بقر عید کی دس راتیں۔ اور لیلۃ القدر کو کوئی ۲۳ ماہ رمضان کی رات کہتا ہے کوئی ۲۷ رمضان کی اور کوئی شب معراج۔

لیال عشر سے اشارہ دسوں سمتوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے۔ کہ وید کے پرش سوکت کے پہلے منتر میں جو یہ کہا ہے۔ کہ وہ پرش بھومی کو سب طرف سے احاطہ کرتا ہوا दिशो ह दशौ सुलम دس دشاؤں میں دیا پک ہے۔ اس کے مطابق اس آیت میں دسوں سمتیں مراد ہو سکتی ہیں۔ کہ ہر طرف سنیوگ اور دیوگ کا عمل شروع ہوا۔ یا شفع اور وتر کے معنے جیو اور پرکرتی اور ایک ایشور ہو سکتا ہے۔ سو اس میں بھی کوئی ہرج نہیں۔ لیکن اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ سورۃ الفجر میں پرمیشور کی رچنا اور اہل علم و عقل کی قسمت کھلنے کا ذکر کر کے عاد اور ثمود کی مثال سے عبرت پکڑنے کی ہدایت دی ہے۔ اور اخیر میں نفس لوامہ کو نفس مطمئنہ بننے پر مبارکباد دی ہے۔ کہ

اے روح مطمئنہ (شانت گیانی آتما) اپنے رب کی طرف رجوع کر۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ سو میرے بندوں کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔

پس سورۃ کا مدعا یہ ہے۔ کہ یہ مخلوق جہاں انسان کو جنت کا حقدار بننے کا موقعہ مہیا کرتا ہے۔

۴۷ - ازالۂ اوہام

قرآن کی جو پوزیشن پانچویں و چھٹے باب میں ہم نے واضح کی ہے۔ اس کے خلاف علماء اسلام نے جو حدوث روح و مادہ کے خیال کو صحیح سمجھا ہے۔ وہ محض خاص غلط فہمی و غلط استدلال پر مبنی ہے۔ قرآن سورج اور سایہ کی مثال سے سمجھاتا ہے۔ کہ جتنا دور کوئی سورج سے ہوتا ہے۔ اس کا سایہ اتنا ہی لمبا ہوتا ہے۔ اور جتنا نزدیک ہوتا ہے۔ سایہ کم ہوتا ہے۔ حتےٰ کہ سمت الراس پر جب سورج آتا ہے۔ سایہ مفقود ہو جاتا ہے۔ سو ودیا یا ایشوری گیان سے تعلق کم ہونے کا ہی یہ نتیجہ ہے۔ کہ مختلف لوگوں میں مختلف اصولوں کے مختلف مفہوم ہو گئے ہیں۔

(۱) نیستی یا عدم کا لفظ وید کے اسَت لفظ کا قائمقام ہے۔ جس کا صحیح مفہوم یہ ہے۔ کہ معلول شے نہیں۔ سَت کا لفظ چونکہ حالت معلول والی اشیا پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے جب کوئی شے اپنی لطیف علت کی صورت میں بدل جاتی ہے۔ تب وہ اندریوں کے احساس میں نہ آنے سے اسَت کہلاتی ہے۔ اور پیدائش سے پہلی حالت میں چونکہ سَت نام مادی علت کا ہے۔ اس وقت اس کے مقابلے پر آکاش کا لفظ اسَت سے مفہوم لیا جاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں آکاش اور مادی علت دونوں کا علم عام نہ ہونے سے خیال ہو گیا ہے۔ کہ نیستی یا عدم نفی مطلق ہے۔ حالانکہ سائینس بھی زور سے کہتی ہے۔ کہ بغیر علت کے معلول کا ہونا ناممکن ہے۔

قرآن میں غیب کا لفظ ہے۔ خدا کو عالم الغیب کہا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ لطیف مادہ اور ارواح وذات باری غیب ہیں۔ اور عالم الغیب خدا کو ہی ان کا علم ہے۔ اسی طرح شاستر میں کہا ہے۔ کہ عالم لوگ پروکھش (غیب) کے پیارے ہیں۔ اور پرتیکھش (ظاہر) سے ان کو کنارہ ہے۔ نہ صرف قرآن اسلام کا بعد کا لٹریچر مثل مذاہب الاسلام وغیرہ اس امر کا گواہ ہے۔ کہ اشیاء تغیر پذیر ہیں۔ کبھی وجود میں آتی ہیں۔ کبھی عدم کو جاتی ہیں۔ اور عدم کا مطلب یہ ہے۔ کہ ماہیت تو قائم رہے۔ مگر وجود نہ رہے۔ پھر سارے معتزلہ سوائے کبعی۔ ابو الہذیل اور ابوحسین بصری کے یہ کہتے ہیں۔ کہ معدوم بھی ایک شے ہے۔ جو وجود ملنے پر موجود ہو جاتی ہے پس لکڑی کا جل کر دھوئیں کی صورت میں اور پانی کا اڑ کر بخارات کی صورت میں جانا روز کے مشاہدہ میں آرہا ہے است و نیست ہونا ہے۔

۲۔ قرآن میں خدا کے لئے خالق کُلِّ شَیْءٍ کا لفظ پڑھ کر یہ سمجھ لیا گیا۔ کہ اس نے رُوح اور مادہ کو بھی پیدا کیا ہے۔ حالانکہ خالق کے معنے کہیں بغیر علت کے پیدا کرنے والا نہیں۔ بلکہ غیر مخلوق یا پوشیدہ شے کو مخلوق یا ظاہر کرنا ہی خالق کا کام ہے۔ وید میں اسی لئے مادی علت کو اسمبھوتی (غیر مخلوق) اور معلول دنیا کو سمبھوتی (مخلوق) کہا ہے۔ اور قرآن میں بھی خدا کو پوشیدہ چیز کو ہی ظاہر یا پیدا کنندہ کہا ہے۔

۳۔ علماء اسلام کے اندر خدا کی وحدت کا جو جذبہ قرآن نے بھرا اور اسے شرک سے بالاتر ذہن نشین کیا۔ تو اس کے زیر اثر یہ خیال ہوا۔ کہ روح اور مادہ کے قدیم ہونے کی صورت میں وہ خدا کے شریک ہوں گے۔ لیکن اگر ساتھ ہی یہ سوچا جاتا کہ اگر موجودہ حالت میں رُوح اور مادہ اور مخلوق دنیا کے ہوتے ہوئے خدا کی ذاتی صفات میں کوئی اس کا مثل یا شریک نہیں۔ تو روح اور مادہ کے پیدائش سے قبل موجود مانا جانے میں وہ خدا کے شریک کیسے ہو سکیں گے۔ ملک میں بادشاہ ایک ہے۔ اور ضلع میں ڈپٹی کمشنر ایک۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وزیر اور فوج اور پولیس و رعیت کو بادشاہ کے ساتھ ماننے سے وزیر وغیرہ بادشاہ کے اور تحصیلدار، تھانے دار و دیگر اہلکار ڈپٹی کمشنر کے ماتحت ماننے سے یہ سب ڈپٹی کمشنر کے شریک ہو جائیں گے۔ بلکہ حق پوچھو تو وزیر وغیرہ کے ہونے سے ہی بادشاہ کی اور

تحصیلدار وغیرہ کے ہونے سے ہی ڈپٹی کمشنر کی اصل بڑائی ہے۔

۴۔ خدا کو قادر مطلق مانا گیا۔ تو اس سے یہ اخذ کیا گیا۔ کہ اگر خدا روح اور مادہ کو پیدا نہ کرے۔ یا بغیر روح اور مادہ کے دنیا کو پیدا نہ کر سکے۔ تو اس کا قادر مطلق ہونا بے معنے ہوگا۔ لیکن خدا کو قادر مطلق کہنے کی نوبت آ ہی تب سکتی ہے۔ جب روح اور مادہ جیسے محدود الطاقت یا بے طاقت پدارتھ موجود ہوں۔ اور چونکہ محدود العلم انسان کا غیر محدود لفظ بھی محدود المعنی ہونا لازمی ہے۔ اور قادر مطلق لفظ کا بھی مفہوم محض خدا کی ذاتی صفات اور اس کے عمل سے ہی مخصوص ہوگا۔ اس لئے جو صفات غیر خدا کی ہیں۔ یا جو انسان کے کام ہیں۔ وہ خدا سے قادر مطلق لفظ کی آڑ میں منسوب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ نقصوں سے پاک نہیں ہو سکتے۔

۵۔ اسی طرح خدا کا مالک اور حاکم ہونا اس معنے میں لیا گیا۔ کہ خدا روح اور مادہ کو پیدا کرے۔ ورنہ اس کا حق ملکیت بے معنے ہے۔ اور قبضہ جابرانہ اور ظالمانہ۔ لیکن اگر حیوانات کی پرورش کر کے ان سے سواری یا بار برداری کھیتی اور دودھ وغیرہ کے متعلق خدمت لینے والا انسان جابر اور ظالم نہیں۔ ایک شخص کو نوکر رکھ کر اسے تنخواہ اور انعام دینے والا ظالم اور جابر نہیں۔ تو روح سے کچھ معاوضہ نہ لے کر اسے رحم سے تمام پدارتھ دینے والا اور انصاف سے اس کو گراوٹ سے روکنے اور سکھ کی طرف لے جانے والا پرمیشور کس طرح ظالم اور جابر مانا جا سکتا ہے۔ بچہ ماں کی گود کی اور لپک رہا ہے۔ فقیر دولتمند کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو رہا ہے۔ شاگرد۔ گورو کے چرنوں میں پہنچنے کے لئے بے تاب ہے۔ تو مادہ کو گوناگوں اعلے صورتیں دینے اور روح کے دکھ دور کرنے والے پرمیشور کے چرنوں میں آنیوالے انسان پر جابرانہ و ظالمانہ قبضہ کے الفاظ خدا کے لئے کس طرح موزوں ہو سکتے ہیں۔

۶۔ روح اور مادہ کو واجب الوجود سمجھ کر ایک نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے۔ کہ خدا کی پھر ضرورت ہی کیا ہوگی۔ لیکن اگر یہ امر صحیح ہے۔ کہ لکڑی کو پیدا نہ کرنے اور نہ کر سکنے والے بڑھئی کے بغیر لکڑی کا کچھ بن نہیں سکتا۔ سونے کو نہ پیدا کرنے پر بھی سنار اس سے اپنے حسب منشا زیور بناتا ہے۔ اور چمڑا کبھی موچی کو جوتا بنانے سے نہیں روکتا۔ تو خدا کی پیدائش کے لئے عدم ضرورت کس طرح ثابت ہو سکتی ہے۔ پس روح اور مادہ کے وجود سے ہی تو خدا کی ہستی کی ضرورت ہے۔ روح میں علم نہیں۔ اس کی یہ کمی کیسے پوری ہو۔ طاقت نہیں۔ راحت نہیں۔ غرضیکہ ہر لحاظ سے محتاج روح کی حاجت روائی کیلئے خدا کی ضرورت مسلمہ ہے۔ اور مادہ تو محض فضول اور غیر کار آمد ہے۔ اگر خدا نہ ہو۔

۷۔ اعتراض ہوتا ہے۔ کہ اگر روح ازل سے ہے۔ تو اب تک اسے غیر محدود علم اور تجربہ ہوتا لیکن فطرتی محدودیت روح سے الگ ہونی ناممکن ہے۔ کیا آگ نے آج تک اتنی بارشیں ہونے پر بھی اپنے جلانے کے سوبھاؤ کو چھوڑا؟ اور ویسے انسانوں میں جس قدر علوم مروج ہیں۔ ان کے حساب سے انہیں غیر محدود علم کا ملنا مانا بھی جا سکتا ہے۔ ہم انسان کو کوئی سا بھی علم چاہو۔ سکھا سکتے ہو جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہر علم کے سنسکار اس کے اندر موجود ہیں۔ جو تعلیم دینے سے ابھر آتے ہیں۔ اشاعت علم میں یہ اصول مسلمہ ہے۔ کہ استاد باہر سے کچھ شاگرد کے اندر داخل نہیں کرتا بلکہ اس کا پڑھانا مضمون متعلقہ کے دبے ہوئے سنسکاروں کو سطح پر لے آتا ہے۔

۸۔ ایک خیال یہ ہے۔ کہ محدود حادث ہوتا ہے۔ لہذا روح اور مادہ حادث ہیں۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ ازلیت کا تعلق زمانہ سے ہے۔ نہ کہ صفات سے۔ اور کیا بادشاہ اگر رعیت کی آزادی یا اس کے اختیارات کو محدود کرتا ہے۔ تو وہ اس کا پیدا کنندہ ہے۔

۹۔ ایک اعتراض یہ کیا گیا۔ کہ اگر خدا نے روح کو پیدا نہیں کیا۔ تو نہ روح کو اس سے محبت ہونی چاہئے۔ نہ خدا کو اس پر رحم۔ لیکن ہزاروں دوست ایک دوسرے کے لئے لاکھوں لوگ اپنے بادشاہ کے لئے جان دیتے دیکھے جاتے ہیں۔ خاوند اور عورت کا پریم ضرب المثل ہے۔ حالانکہ دوست یا بادشاہ یا خاوند نے انہیں پیدا نہیں کیا۔ ساتھ ہی دنیا میں ان فیاض طبع رحمدل لوگوں کی بھی کمی نہیں جن کے ذریعے لاکھوں بیکس یتیم بچوں کی پرورش ہو رہی ہے۔ تب کیا خدا ہی ایسا سنگدل ہے۔ کہ اسے اس لئے روح پر رحم نہ آئے۔ کہ اس نے اسے پیدا نہیں کیا۔

۱۰۔ یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اگر خدا روح اور مادہ کو لے کر ہی دنیا کو بنا سکتا ہے۔ تو وہ محض ایک بڑھئی ہوا۔ جو بغیر لکڑی وغیرہ کے میز نہیں بنا سکتا۔ لیکن کیا کبھی دنیا میں کسی بڑھئی نے کبھی اس کہنے پر ہتک عزت کا دعویٰ کیا ہے۔ کہ وہ بغیر لکڑی کے میز نہیں بنا سکتا۔ اور پھر معمولی میز کرسی کو چھوڑ کر ریل وغیرہ اور بڑے سے بڑے ملوں اور کلا کوشل کو بنا کر اربوں روپیہ کمانے والے اور دنیا میں اعلےٰ عزت پانے والے بغیر مادی سامانوں کے اپنے کام کرتے ہیں؟ تب کیا تمام سامانوں اور خود ریل اور تار اور کلا کوشل کے موجدوں کو بھی پیدا کرنے والا خدا ہی مادی علت سے پیدا کرنے کی وجہ سے متہم ہو سکتا ہے۔ (۱۱) یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کہ خدا اس طرح پیدائش کے کام میں روح اور مادہ کا محتاج سمجھا جائیگا کیونکہ لفظ محتاج کسی کمی پر دلالت کرتا ہے۔ خدا کے پاس جب نہ علم کی کمی نہ مادہ کی کمی نہ ارواح کی کمی۔ تو وہ محتاج کیسے ہوا۔ اپنے کام کے لئے ضروری چیز کا نہ ہونا تو محتاجی ہے۔ لیکن معترض عجیب ہے۔ کہ خدا کے پاس سب کچھ ہونے کو قابل اعتراض سمجھتا ہے۔ دولت رام نامی غریب شخص کے لئے تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ لیکن اربوں روپیہ جس دولتمند کے پاس ہوں۔ وہ تو اسم بامسمےٰ ہی سمجھا جاویگا۔ (۱۲) یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ روح اور مادہ کو خدا نے نہیں بنایا۔ ایسا ماننے سے خدا میں ان کا علم ماننا غلط ہوگا۔ لیکن علم ہونے کے لئے تو اتنا معلوم شے کا ہونا لازمی ہے۔ اگر روح وغیرہ حادث ہوں گے۔ تو خدا کا علم بھی حادث ہوگا۔ اور اگر خدا قدیم ہے۔ جیسا کہ وہ فی الحقیقت ہے۔ تو لازمی طور پر اس کا علم بھی قدیم اور جن چیزوں کا اس میں علم ہے۔ وہ بھی قدیم ہوں گی۔ (۱۳) انسان کو حادث مان کر یہ دلیل اخذ کرنا بھی صحیح نہیں کہ جب کل حادث ہے۔ تو روح اور مادہ جن سے وہ بنا ہے۔ وہ بھی حادث ہوں گے۔ لیکن اگر یہ کہا جاوے۔ کہ چونکہ یہ دنیا حادث ہے۔ اس لئے جس خدا روح اور مادہ کا اس میں تعلق ہے۔ وہ تینوں حادث ہیں۔ تو کوئی آستک اسے قبول نہ کریگا۔ اس دلیل میں وزن تب ہوتا۔ جب جسم میں روح کی تمیز نہ ہو سکتی۔ بلکہ وہ دونوں مل کر ایسے مکسچر کی صورت اختیار کرتے کہ الگ نہ ہو سکتے۔ لیکن یہاں تو روح اس پرند کی طرح ہر وقت اڑنے کو تیار بیٹھا ہے۔ جو پنجرے میں بند ہے پس حادث محض جسم ہے۔ اور روح اس سے الگ ہے۔ بہ فرض محال روح کو حادث بھی مان لیں۔ تو دیکھنا ہوگا۔ وہ بنا کاہے سے ہے۔ اگر خدا سے ہے۔ تو خدا کا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آخر کو ختم ہونا ماننا پڑیگا۔ اور اگر مادہ سے ہے۔ تو خدا اس کے بنانے کے لئے مادہ کا محتاج ہوگا۔ اور اگر نیستی سے مانیں تو یہ ناممکن ہے۔ اور اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ پس روح غیر حادث ہے۔ اور چونکہ مادی اشیاء بھی محض حالت بدلتی ہیں۔ معدوم مطلق نہیں ہوتیں۔ اس لئے وہ لطیف مادہ بھی جس میں وہ منتقل ہوتی اور جس سے ظاہر ہوتی ہیں غیر حادث ہے۔

ساتواں باب ۔ سورگ اور بہشت یا مکتی اور نجات

۱ ۔ فریقین کی بھول

بعض ویدک دھرمی عالم لوگ اسلامی بہشت پر کھلی اُڑاتے اور اسلام کو نشانۂ اعتراضات بناتے ہیں۔ اور مسلم علما ان کے مقابلے میں ویدوں کے بہشت (سورگ) کی تکذیب کرتے ہیں۔ ہردو طرف سے زبانی ہی نہیں۔ تحریری مضامین ایک دوسرے کی مخالفت میں شائع ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید میں درحقیقت ویدک سورگ یا نجات کی ہی قضیلت کا بیان ہے۔ اور ہردو کتب مقدسہ نیک لوگوں کی دنیوی آسائشوں والی نعمتوں کے نکتۂ نگاہ سے سورگ یا بہشت اور روحانی آنند کے لحاظ سے مکتی یا نجات کا لفظ استعمال کرتی ہیں۔ پس اس مضمون کے متعلقہ تقریری اور تحریری باہمی مخالفت تمام تر غور و خوض کی کمی اور اصل حقیقت کے متعلقہ لاعلمی پر منحصر ہے۔ اس باب میں ہم اوّل آیات قرآن مجید سے بہشت اور نجات کے متعلق کچھ آیات پیش کرتے ہیں۔ اور بعد میں ان کے متعلق وید منتروں کے حوالہ جات دے کر ہردو کتب کی اصل پوزیشن واضح کرینگے اور ایک جامع بحث اس موضوع پر کریں گے۔ کہ دونوں طرف ایک ہی اصول اور مدعا کام کر رہا ہے۔

۲ ۔ قرآنی جنّت

قرآن میں بہت سی آیات میں جنّت کا ذکر ہے۔ جس پر دیگر مذاہب کے علما بہت سے اعتراض ہی نہیں کرتے۔ بانی اسلام کے متعلق بھی طعن و تشنیع اور اسلامی تعلیم کے نہایت درجہ اخلاق سے گرا ہونے وغیرہ کے ریمارکس سے کام لیتے ہیں۔ اسلامی بہشت کی حقیقت نام سے خود راقم نے ایک کتاب لکھ کر قرآنی جنت کو ہر لحاظ سے قابل تضحیک ثابت کیا تھا۔ لیکن یہ سب نکتہ چینی وغیرہ قرآنی آیات کے ترجموں اور ان پر کی گئی مفسرین کی حاشیہ آرائیوں پر مبنی تھی یا موجودہ زمانے کے گرے ہوئے مذاق پر۔ ورنہ اصل حقیقت آخر کار محض یہ ثابت ہوتی ہے کہ عربی قرآن میں محض ویدک سورگ یا نجات کو ہی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ معمولی سے الفاظ کے مفہوم کو نہ سمجھ کر عالم لوگ غلطی کا شکار ہوئے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کو بھی باہمی مغائرت کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے ہم پہلے کچھ آیات قرآنی معہ ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد وید منتر معہ ترجمہ دینگے۔ اور بعد میں ان دونوں کی مطابقت واضح کریں گے۔

(۱) سورت بقر آیت ۲۵ - وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اور بشارت ہو۔ ان کو جو حق کو مانتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ ان کے لئے باغ ہیں جن کے تحت میں نہریں بہتی ہیں۔ اور جب اس باغ کے پھلوں کی نعمتیں ملتی ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ واہ واہ یہ تو وہ نعمتیں ہیں۔ جو ہمیں پہلے ملی تھیں۔ اور متشابہ پھل لائے جائیں گے۔ اور وہاں ان کے لئے ازواج مطہرہ ہوں گی۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۲) سورۂ اعراف آیت ۴۹۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ۝

بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ تم پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ رنج۔

(۳) سورت توبہ۔ آیت ۲۱-۲۲۔ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۔ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۔ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

ان کا رب ان کو اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی اور بہشتوں کی بشارت دیتا ہے۔ جہاں ان کے واسطے پائدار نعمتیں ہیں۔ ۲۱۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ تحقیق اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔ ۲۲

۴۔ سورۂ یونس میں نعمتوں والے باغوں اور ان کے متعلقہ نہروں کا ذکر کر کے آیت ۱۰ میں لکھا ہے
دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

جنتی لوگ جنت میں یہ لفظ بولا کریں گے۔ "پاک ذات ہے تیری اے خدا" وہ وہاں عرصہ دراز تک قائم رہنے والی بے عیب زندگی گذاریں گے۔ اور ان کا آخری کلمہ یہ ہوگا۔ کہ تعریف ہو رب العالمین کی۔ یعنی دعیذ ہو دعفیہ لے جگہ بشورا!

(۵) سورۂ ہود آیت ۱۰۸۔ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۖ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ۝

اور جو لوگ نیک بخت ہیں۔ وہ جنت میں ہوں گے۔ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔ سوائے اس کے جو اللہ کے شایاں ہے۔ یہ عطیہ دائمی غیر منقطع ہی ہے۔

۶۔ سورۂ الرعد آیت ۲۱ تا ۲۲ میں جنت کے مستحق نیک لوگوں کے اوصاف یوں بیان کئے ہیں۔
الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ۝ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝

جو لوگ عہد الٰہی کو پورا کرتے ہیں۔ اور اپنے عہد کو توڑتے نہیں۔ ۲۰۔ اور جو لوگ اس چیز کو حاصل کرتے ہیں۔ جس کے حاصل کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہوا ہے۔ اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اور حساب کی برائی سے ڈرتے ہیں۔ ۲۱۔ اور جو لوگ اپنے رب کی طرف ہی مائل رہتے ہوئے صبر سے کام لیتے ہیں۔ اور نمازیں پڑھتے اور خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے کیا پوشیدہ کیا علانیہ خرچ کرتے ہیں۔ اور بدی کے مقابلہ میں بھی لوگوں سے نیکی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔ ۲۲

۷۔ سورۂ الرعد آیت ۲۳-۲۴۔ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ

وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝

دار العاقبت وہ باغوں والا جنت ہے۔ جس میں وہ داخل ہوں گے۔ اور ان کے باپ دادوں۔ بیبیوں اور ان کی اولاد میں سے جو جو نیکوکار ہوں گے۔ وہ بھی اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آکر کہیں گے۔ ۲۳۔ آپ نے جو صبر کیا۔ اس کی وجہ سے یہ سلامتی ہے۔ تمہاری دُنیا کا یہ اچھا انجام ہے۔ ۲۴

۸۔ سورۃ الرعد۔ آیت ۳۵۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝

متقیوں کے لئے جو جنت مقدر ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔ کہ اس کے تخت میں نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہاں کے کھانے یا پھل پائیدار ہیں۔ اور اس کی چھاؤں بھی یہ ہے انجام متقی لوگوں کا۔ اور کافروں کا انجام دوزخ ہے۔

۹۔ سورۃ الحجر۔ آیت ۴۵ تا ۴۸۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰي سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝

متقی لوگ بس باغوں اور چشموں میں رہیں گے۔ ۴۵۔ وہ حالت اطمینان میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوں گے۔ ۴۶۔ ان کے سینے میں جو رنجش ہوگی۔ وہ ہم دور کر دیں گے۔ وہ بالمقابل حالت سرور میں برادرانہ طور پر رہیں گے۔ ۴۷ دُکھ انہیں وہاں چھوئے گا بھی نہیں۔ اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ ۴۸۔

۱۰۔ سورۃ النحل آیت ۳۱ میں جنت کے ذکر میں یہ بھی لکھا ہے۔ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ جو وہ چاہیں گے ان کے لئے وہاں موجود ہوگا۔

۱۱۔ سورۃ الکہف آیت ۳۱۔ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝

وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جاویں گے۔ باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے ان کے زیب تن کئے جائیں گے اور وہ تختوں پر تکئے لگائے ہوں گے۔ واہ کیا اچھا معاوضہ ہے۔ اور کیا اچھا ٹھکانہ ہے۔ (سورہ فاطر آیت ۳۳ میں سونے کے کنگن موتی اور ریشمی لباس کا ذکر ہے)

۱۲۔ سورۃ الکہف آیت ۱۰۷ و ۱۰۸۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝

تحقیق جو لوگ ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ ان کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے۔ ۱۰۷۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور نہ چاہیں گے۔ کہ وہاں سے الگ ہوں۔

۱۳۔ سورہ مریم آیت ۶۰ تا ۶۳۔ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝

باغوں والا جنت وہ ہے۔ جو رحمان نے اپنے لطیف علم والے (سوکشتم درشٹی یا پروکھش وادی) بندوں کے

لئے مقدر کر رکھا ہے۔ بے شک قانون الہی اٹل ہے۔ ۶۱۔ وہاں بجائے سلامتی والی بات کے کوئی لغویات سننے میں نہ آئے گی۔ اور انہیں صبح وشام ان کا رزق ملتا رہیگا۔ ۶۲۔ اسی جنت کا وارث ہم اپنے اس بندے کو بنائیں گے جو پرہیزگار ہوگا۔ ۶۳۔

۱۴۔ سورۃ الفرقان آیت ۷۵، ۷۶۔ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝

ان کو ان کے صبر کی وجہ سے اعلیٰ درجہ ملیں گے۔ اور ان میں وہ عرصہ دراز والی زندگی اور سلامتی پائیں گے۔ ۷۵۔ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ واہ کیا بلند مقام اچھی جائے قرار اور کیا اچھا مقام ہے۔ ۷۶

۱۵۔ سورۃ الروم آیت ۱۵۔ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ۝

ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والے جنت کے روضوں میں سرور پائیں گے۔

۱۶۔ سورۃ السجدہ آیت ۱۷۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۝

سو کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے عملوں کے بدلے میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان خدا کی قدرت میں نہاں ہے۔

۱۷۔ سورۃ الاحزاب۔ آیت ۴۴ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۝

جب وہ وصل الہی پائیں گے۔ انہیں پرامن دیرپا زندگی ملے گی۔ اور افضل ترین اجران کا مقدر ہوگا۔

۱۸۔ سورۃ السبا آیت ۳۷۔ مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ۝

جو ایمان لاکر نیک عمل کرے گا۔ اس کو کئی گنا معاوضہ ملیگا۔ بہ وجہ اس کے اعمال کے اور وہ اس بلند مقام میں امن سے رہیں گے۔

۱۹۔ سورۃ الفاطر آیت ۳۴ و ۳۵۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۝ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ۝

اور کہیں گے۔ تعریف ہو۔ اس خدا کی جس نے ہمارے سے دکھ مٹا دیئے۔ بے شک ہمارا رب مغفرت اور بڑا قدر کرنے والا ہے۔ ۳۴ جس نے ہمیں اپنے فضل سے اس دار المقام میں پہنچایا۔ کہ نہ اس میں مشقت ہے نہ تکلیف نہ نقصان۔ ۳۵۔

۲۰۔ سورۃ یٰس۔ آیت ۵۵ تا ۵۸۔ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ۝ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ۝ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ۝ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ

بلاشبہ اہل جنت اس دن اپنے شغل میں مسرور ہوں گے۔ ۵۵۔ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں تختوں پر تکیے لگائے ہوں گے۔ ۵۶۔ ان کے لئے وہاں پھل ہوں گے۔ اور جو وہ چاہیں گے۔ پائیں گے۔ ۵۷۔ اور خدائے رحیم کا قول ہوگا۔ "سلامتی"۔ ۵۸۔

۲۱۔ سورۃ الصّٰفّٰت۔ آیت ۴۰ تا ۶۲۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاکِہُ
وَھُمْ مُّکْرَمُوْنَ ۝ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ یُطَافُ عَلَیْھِمْ بِکَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۝ بَیْضَآءَ لَذَّۃٍ
لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝ لَا فِیْھَا غَوْلٌ وَّلَا ھُمْ عَنْھَا یُنْزَفُوْنَ ۝ وَعِنْدَھُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ ۝ کَاَنَّھُنَّ بَیْضٌ
مَّکْنُوْنٌ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْھُمْ اِنِّیْ کَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ۝
یَّقُوْلُ اَئِنَّکَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ ۝ قَالَ ھَلْ اَنْتُمْ
مُّطَّلِعُوْنَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰہُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ۝ قَالَ تَاللّٰہِ اِنْ کِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَۃُ رَبِّیْ لَکُنْتُ
مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۝ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ لِمِثْلِ ھٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝ اَذٰلِکَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَۃُ الزَّقُّوْمِ ۝

مگر اللہ کے مخلص بندے ۴۰۔ ان کے لئے رزق مقدر ہے۔ یعنی پھل اور وہ بڑی بزرگی والے ہوں گے۔ ۴۲۔ نعمتوں والے باغوں میں ۴۳۔ تختوں پر بالمقابل۔ ۴۴۔ انہیں بیٹھے ہوئے جل کا پیالہ بھر دیا جائے گا۔ ۴۵۔ صاف سفید اور پینے والوں کے لئے لذیذ۔ ۴۶۔ نہ اس سے ہلاکت نہ نشہ۔ ۴۷۔ اور ان کے پاس بڑی آنکھوں والی نیچی نگاہ والی ہوں گی ۴۸۔ گویا وہ خود انڈے ہیں محفوظ ہیں۔ ۴۹۔ سو وہ ایک دوسرے کی طرف توجہ کرکے حال پوچھیں گے۔ ۵۰۔ ان میں سے ایک کہیگا۔ میرا ایک ساتھی تھا۔ ۵۱۔ وہ کہتا تھا۔ کیا تم بھی اس کو سچ مانتے ہو۔ ۵۲۔ کہ جب ہم مرکر مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے۔ ہمیں پھر بدلہ ملیگا۔ ۵۳۔ کہیگا کیا تم جھانکنا چاہتے ہو۔ ۵۴۔ سو اسے جھانکا۔ تو دوزخ کے درمیان دیکھا۔ ۵۵۔ کہا بخدا تم نے تو مجھے تباہ ہی کیا ہوتا۔ ۵۶۔ اور خدا کا فضل نہ ہوتا۔ تو میں بھی ان عذاب پانے والوں میں ہوتا۔ ۵۷۔ تو کیا اب ہم مرنے والے نہیں۔ ۵۸۔ سوائے اس پہلی موت کے اور ہمیں عذاب نہیں ملیگا۔ ۵۹۔ یقیناً یہ بڑی کامیابی ہے۔ ۶۰۔ اور ایسی ہی کامیابی کے لئے اہل عمل کو عمل کرنا چاہئے۔ ۶۱ کیا یہ بہتر ضیافت ہے یا تھوہر کا درخت۔ ۶۲۔

۲۲۔ سورۃ ص آیت ۵۰ تا ۵۴۔ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَۃً لَّھُمُ الْاَبْوَابُ ۝ مُتَّکِـِٕیْنَ فِیْھَا یَدْعُوْنَ
فِیْھَا بِفَاکِھَۃٍ کَثِیْرَۃٍ وَّشَرَابٍ ۝ وَعِنْدَھُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝ ھٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ
لِیَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اِنَّ ھٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَہٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝

بہشت کے باغ۔ کہ جن کے دروازے ان کے واسطے کھلے ہوں گے۔ بہت سے کھانے کے میوے اور پینے کی چیزیں ہوں گی۔ ۵۰۔ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی ہوں گی۔ ہم عمر۔ ۵۱۔ یہ ہے وہ کچھ جو تمہارے لئے روز حساب میں مقدر ہے۔ ۵۲۔ بے شک یہ ہمارا دیا ہوا رزق ہے جس کے لئے خاتمہ نہیں ہے۔ ۵۳۔

۲۳۔ سورۃ الزمر آیت ۲۰۔ لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِھَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّۃٌ
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ۝ وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ الْمِیْعَادَ ۝

لیکن جو لوگ اپنے رب پر تقوٰی رکھتے ہیں۔ ان کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر مقام ہیں جن کے تحت میں نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ خدا اپنے قانون کو توڑتا نہیں۔

۲۴۔ سورۃ الزمر آیت ۶۱۔ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
اور جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ خدا اُن کی مرادیں پوری کرکے انہیں نجات دیگا۔ انہیں نہ تکلیف ہوگی نہ دکھ ملیگا۔

۲۵۔ سورۃ الزمر آیت ۷۳ و ۷۴۔ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ

اور جو لوگ اپنے رب کا خوف کرتے رہے۔ وہ گروہ در گروہ بہشت کی طرف لے جائے جائیں گے۔ حتیٰ کہ وہ اس کے پاس پہنچیں گے۔ تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے۔ اور جنت کے موکل کہیں گے۔ سلامتی ہو۔ آپ پر۔ آپ خوش نصیب ہیں۔ پس اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو۔ ۷۳۔ وہ کہیں گے تمام تعریف اللہ کی ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور ہمیں اس سرزمین کا مالک بنایا۔ کہ جنت میں ہم جہاں چاہیں رہیں۔ واہ! اہل ایمان کا اجر بھی کیا ہی اچھا ہے۔ ۷۴

۲۶۔ سورۃ المومن آیت ۴۰۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

اور مومن خواہ مرد ہو خواہ عورت۔ جو نیک عمل کریں گے جنت میں داخل ہوں گے۔ جہاں انہیں بے حساب رزق ملیگا۔

۲۷۔ سورۃ الدخان آیت ۵۱ تا ۵۶ میں باغوں۔ چشموں۔ مہین اور دبیز ریشم کی پوشاکوں۔ حوروں اور میووں کا ذکر کرکے آیت ۵۶ میں لکھا ہے۔ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝
پہلی دنیوی موت کے بعد جنت میں موت کی تلخی چکھنی نہیں پڑے گی۔ اور خدا اُن کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیگا۔

۲۸۔ سورۃ محمد آیت ۱۵۔ مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ۝
وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۝ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ
مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ

جنت جو متقیوں کے لئے مقدر ہے۔ اُس کا حال یہ ہے۔ کہ اس میں آب حیات بہ رہا ہے۔ اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جن کا ذائقہ بدلتا نہیں۔ اور ایسے شراب کی نہریں ہیں۔ جو پینے کے لئے لذیذ ہے۔ اور مصفٰے شہد کی نہریں ہیں۔ ان کے لئے وہاں بہت قسموں کے پھل ہیں۔ اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے۔

سورۃ ق آیت ۳۴۔ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ۝ . . . . اطمینان کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ یہ دیر تک قائم رہنے والی ہمیشگی کا زمانہ ہے۔

۳۰۔ سورۃ الطور آیت ۱۷ تا ۲۵۔ جنتوں میووں۔ نعمتوں کا ملنا۔ عذاب دوزخ سے رستگاری۔ تختوں۔ تکیوں کا نیز کھانے پینے کا ذکر ہے۔ نیز حوروں کا اور جنتیوں کی نیک عمل اولاد کو بہشت ملنے کا بیان ہے۔ پھر لکھا ہے۔ وَأَمْدَدْنَاهُم بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۔۲۲۔ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ۲۴۔ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝

جن میووں اور پھلوں کو وہ چاہیں گے۔ ہم انہیں دیں گے۔ ۲۲۔ اس میں وہ ایک دوسرے سے اس پیالے کا لے دے بھی کریں گے جس میں نہ کوئی لغو حرکت ہوگی۔ نہ گناہ۔ ۲۳۔ اور ان کے ارد گرد مثل آبدار محفوظ موتیوں کے لڑکے ہونگے ۲۴۔ اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر پوچھیں گے یا باتیں کریں گے وغیرہ۔

۳۱۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝

سورہ القمر آیت ۵۴ و ۵۵۔ بلاشبہ متقی باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ ۵۴۔ یعنی صدق والے مقام میں اس شاہ قادر کی قرابت میں۔ ۵۵۔

۳۲۔ سورۃ الرحمٰن آیت ۴۶ تا ۷۶۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ۝ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ۝ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَاۗىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝ (۵۳) فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ۝ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ هَلْ جَزَاۗءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝ مُدْهَاۗمَّتٰنِ ۝ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۝ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝

ان آیات میں ۴۷۔ ۴۹ وغیرہ طاق والی آیتیں چھوڑی ہیں۔ سو ایسی ہر آیت کے الفاظ یہ ہیں۔ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اور جو انسان اپنے رب کے جاہ و جلال سے ڈرتا ہے۔ اس کے لئے ۲ باغ ہیں۔ ۴۶ دونوں کی کئی شاخیں ہیں۔ ۴۸۔ دونوں میں دو چشمے جاری ہیں۔ ۵۰۔ دونوں میں ہر قسم کے پھل کے جوڑے ہیں۔ اور فرش بچھے ہوں گے۔ ان پر ایسے تکئے لگے ہوں گے۔ کہ ان کے استر تافتے کے ہوں گے۔ اور دونوں کے پھل قریب ہوں گے۔ ۵۶۔ ان میں نیچی نگاہ والی ہوں گی جنہیں ان سے پہلے نہ انسان نے چھوا ہوگا۔ نہ جن نے۔ ۵۸۔ وہ گویا یاقوت اور مونگا ہیں۔ ۶۰۔ کیا نیکی کے عوض میں بھلائی کے سوا کچھ ہوسکتا ہے۔ ۶۲۔ اور ان دونوں کے علاوہ دو اور باغ ہیں۔ ۶۴۔ دونو سرسبز ہیں۔ ۶۶۔ ان دونوں میں پھل ہیں۔ کھجور اور انار۔ ۶۸۔ ان میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں ہیں۔ ۷۰۔ یہ حوریں ہیں۔ خیموں میں رہنے والی۔ ۷۲۔ انہیں ان سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا۔ نہ جن نے۔ ۷۴۔ سبز قالینوں اور اچھے اچھے فرشوں پر تکئے لگائے ہوں گے۔ ۷۶۔

نوٹ:۔ جو آیتیں چھوڑی ہیں۔ یعنی طاق والی۔ ان سب کی ایک ہی عبارت ہے۔ کہ "پس تم اپنے رب کی کس کس نشانی سے انکار کرو گے۔"

۳۳۔ سورۃ الحدید آیت ۲۱۔ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف پیش قدمی کرو۔ جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت ہے۔ اور جو اللہ اور رسول پر ایمان لانے والوں کے لئے ہی مقدر کی گئی ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت کرے۔ واقعی وہ بڑا ہی صاحب فضل ہے۔ ۲۱۔

(۳۴) سورۃ الدہر آیت ۵ و ۶ - اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ
بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝
نیکوں کو کافوری آمیزش والا پیالہ پلایا جائیگا۔ ۵۔ یہ کافور والا چشمہ ہوگا جس کا پانی بندگان خدا پئیں گے۔ یہ کاٹ کر کہیں بہا یا لے جا سکتا ہے۔ ۶۔

۳۵۔ سورۃ الدہر آیت ۱۲ تا ۲۱۔ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ
لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝ وَيُطَافُ
عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۝ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝ وَ
يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا
كَبِيْرًا ۝ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ
اور انہوں نے جو صبر کیا تھا۔ اس کے بدلے انہیں بہشت اور ریشمی کپڑے ملیں گے۔ ۱۲۔ تختوں پر تکئے لگائے ہونگے۔ نہ تپش نہ سردی۔ ۱۳۔ درختوں کے سائے ان پر جھکے پڑتے ہیں۔ اور پھل ہیں کہ ان کے اختیار میں ہیں۔ ۱۴۔ اور ان پر شیشے جیسے چاندی کے صاف برتنوں اور آبخوروں کا دور چلیگا۔ ۱۵۔ اور شیشے بھی چاندی کے کہ قدرت نے ان کے لئے مقدر کئے ہیں۔ ۱۶۔ وہاں انہیں سونٹھ کی آمیزش والے پانی کے پیالے پلائیں گے۔ ۱۷۔ بہشت میں اس پانی کا چشمہ ہوگا۔ جس کا نام سلسبیل ہے۔ ۱۸۔ اور بہشتیوں کے ارد گرد ہمیشہ رہنے والے بچے ہوں گے۔ ایسے خوبصورت کہ تو انہیں دیکھے۔ تو یہی سمجھے۔ کہ بس بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ ۱۹۔ اور جب تو دیکھے گا۔ تو بڑی نعمت اور سلطنت کا وہاں سامان پائیگا۔ ۲۰۔ جنتیوں پر کپڑے ہوں گے۔ سبز ریشمی سفید اور دبیز اور ان کو چاندی کے کنگنے پہنائے جائیں گے۔ اور ان کا پروردگار انہیں پاکیزہ پینے کی چیزیں پلائے گا۔ ۲۱۔

۳۶۔ سورۃ تطفیف۔ آیت ۲۲ تا ۲۸۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ
فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۝ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ
الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝
بے شک نیک لوگ بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔ ۲۲۔ تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔ ۲۳۔ تو اُن کے چہروں سے ہی خوشحالی کا نظارہ دیکھ پائیگا۔ ۲۴۔ ان کو مہر بند خالص شراب پلائی جائے گی۔ ۲۵۔ اس کی مہر مشک کی ہوگی۔ رشک کرنے والوں کو اسی کا رشک کرنا چاہئے۔ ۲۶۔ اس میں تسنیم کی آمیزش ہے یعنی سب سے بہترین چیز کی۔ ۲۷۔ تسنیم ایک چشمہ ہے جس کا پانی مقرب لوگوں کو پلایا جاتا ہے۔ ۲۸۔

۳۷۔ سورۃ البینۃ آیت ۸ میں بہشت کا بیان کرتے ہوئے جنتیوں کے لئے لکھا ہے۔
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ یعنی اللہ ان سے راضی اور وہ ان سے خوش۔

۳۔ اصل مفہوم کو نہ سمجھنے کا نتیجہ!

آیات محولہ بالا کے اندر بہت سے الفاظ اور فقرات کو سمجھنے میں غلطی کھا کر علماء اسلام اور نکتہ چیں لوگ فضول سی بحثوں میں پڑ رہے ہیں۔ مخالف لوگ ترجموں وغیرہ کے الفاظ کو اپنے خیال کے مطابق اور اکثر بُرے مذاق اور تعصب پرستی تمسخر و اعتراضات کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور مترجم و مفسر صاحبان اس ناواقفیت کی وجہ سے جس کا ہم کئی جگہ ذکر کر آئے ہیں۔ اعتراضات کا قلع قمع کرنے کے بالکل ناقابل ہو رہے ہیں۔ جہاں باغوں و نہروں کا ذکر آیا۔ اس دنیا والی نہریں سمجھ لیں۔ اور عیاش لوگ جس طرح خاص موسموں میں اپنی محبوبہ کو ساتھ لئے باغوں وغیرہ کی سیر کرتے اور درختوں کے سائے اور پھل وغیرہ کا عیاشانہ عیش و عشرت کے طور پر بُرا استعمال کرتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ کا وہی مدعا سمجھ کر عجیب ہی جولانیٔ طبع دکھائی گئی۔ اور جنت میں بیویوں کا ذکر دیکھ کر اس عیش پرستی کو حق بجانب سمجھا گیا۔ بیویوں کا لفظ صیغہ جمع میں تھا۔ اس لئے سمجھا گیا۔ کہ ہر جنتی کو بہت سی حوریں یا بیویاں ملیں گی۔ اور خاص وقتوں میں نکتر کا عدد جو پاک سمجھا جاتا تھا حور کے ساتھ زیادہ کیا گیا۔ ایسا ہی غلمان کا لفظ بھی بُرے مفہوم کے ساتھ ملا کر ۷۲ کی تعداد لکھ دی گئی۔ زیور۔ پوشاک شراب وغیرہ کے سب الفاظ آج کل کے مذاق کی کسوٹی پر کسے گئے۔ حوروں کو کسی انسان یا جن نے چھوا نہ ہو گا۔ نیز اُن کی بڑی بڑی اور نیچی آنکھیں وغیرہ اس معنی میں لی گئیں۔ کہ شہوت پرست انسانوں کی غیرت کا وہ مطالبہ پورا کیا جاوے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے علاوہ کسی اور سے اپنی محبوبہ کا تعلق پا کر اسے قتل تک کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ حسن بن صباح نے جو فرضی بہشت اس دنیا میں تیار کر کے وہ تاکردنی عمل کرائے۔ جن کا بیان ہی بڑے سے بڑے قوی دل کو لرزاتا ہے۔ وہ بھی محض قرآنی بہشت کی حقیقت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ تھا۔ ذیل کے چند نمبروں میں اس غلط فہمی کی توضیح کر کے ہم ویدک سُورگ کا بیان پیش کریں گے۔ جس کی تصدیق آیات محولہ بالا کا واحد مقصود ہے۔

۴۔ محض تمثیلی بیان

سب سے پہلی بات قابل غور یہ ہے۔ کہ آیت ۲۵ سورۃ بقر میں اوّل ہی اوّل جنت کا ذکر کرکے آیت نمبر ۲۶ میں کہا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝

تحقیق اللہ کو کسی مثال کے بیان کرنے میں عار نہیں۔ خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر حقیر چیز کی۔ سو حق کو قبول کرنے والے تو کہتے ہیں۔ کہ یہ صحیح ہے۔ اور ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ مگر منکر لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس مثال کے بیان کرنے کی خدا کو کیا غرض تھی۔ اکثروں کو وہ اس سے گمراہ کرتا ہے۔ اور اکثروں کو ہدایت دیتا ہے۔ مگر گمراہ ہوتے ہیں۔ تو فاسق ہی ہوتے ہیں۔"

گویا قرآن نے فوراً ہی فرما دیا کہ آیت ۲۵ والے بیان جنت کو مثالی سمجھو۔ اسے امر واقعہ سمجھنا ضروری

نہیں۔ بیویوں اور نعمتوں کا بیان بہ طور مثال تھا کہ بہشت کا خیال راحتوں وغیرہ کے نکتہ نگاہ سے عوام کو اپنی طرف مائل کرے۔ اور وہ نیک اعمال کریں۔ منکر لوگ اعتراض کر سکتے تھے۔ کہ رُوحانی نجات کا ذکر اور اس میں عورتوں کا تعلق! لامحالہ خدا کو شایاں نہیں۔ لیکن آنحضرت کا جواب یہ ہے۔ کہ مثال بذاتِ خود کیسی بھی ہو۔ نیک اور ایماندار لوگ اسے قبول کرتے اور اصل مطلب اخذ کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے۔ کہ اکثر لوگوں پر کسی مثال سے کوئی بُرا خیال بھی نقش ہوتا ہے۔ لیکن اس میں مثال کا قصور یا نقص نہیں۔ اس فسق وفجور کا نقص ہے جو ان کے دلوں میں پہلے بھرا ہوا ہے۔ بہر حال یہ آیت ان لوگوں کے کان اچھی طرح کھول رہی ہے۔ جو سچ مچ حور و غلمان کو ہی آخری منزل سمجھ یا بتا رہے ہیں۔

۵۔ اُلٹے اور سیدھے مطلب

یہ بھی قابل غور امر ہے۔ کہ باغ نہریں بیویاں اور نعمتیں اپنی ظاہری صورت میں بھی قابل اعتراض نہیں۔ ان کا وجود محض عیاش طبع لوگوں سے ہی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ سچ پوچھو تو قدرت نے انہیں ان لوگوں کے لئے مقصود ہی نہیں رکھا۔ نیک۔ خدا پرست اور پرہیز گار لوگ ان کی بدولت شریفانہ زندگی بسر کر کے عاقبت کو سدھارنے کا انتظام کرتے ہیں۔ ان کو عیاشی کا ذریعہ بنانا انسان کی گمراہی کا ثبوت ہے۔ نہ کہ عیاشی کے امر معروف ہوتے کا۔ پس اگر الفاظ قرآنی کو دنیوی سامانوں اور ان کے عیاشانہ استعمال کے خیال سے کوئی مفسر یا محدث پیش کرتا ہے۔ تو وہ قرآن کے خلاف جاتا ہے۔

۶۔ وہی پہلی نعمتیں

سورگ یا بہشت دو قسم کا ہے۔ ایک جسمانی دوسرا رُوحانی۔ جسمانی جنت کا تعلق ان ہی سامانوں سے ہے۔ جن سے دوزخ والوں کا تعلق ہے۔ نیک لوگ بھی عورت بال بچے اور دولت والے ہو سکتے ہیں۔ اور بد بھی ان نعمتوں کے مالک ہیں۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ بد لوگ جہالت کی وجہ سے ان سامانوں کا بُرا استعمال کر کے انہیں اپنے لئے جہنم جہنم بنا لیتے ہیں۔ اور نیک عالم لوگ علم و ہدایتِ الٰہی کے مطابق تمام چیزوں سے تعلق رکھ کر انہیں راحت وسکھ کا موجب بناتے ہیں۔ اور اس دنیا میں بہشت کا نظارہ دیکھتے ہیں۔ اسی خیال کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہی چیزیں ہمیں پہلے ملی تھیں۔ (اور ہماری جہالت سے دُکھ دیتی تھیں)

۷۔ متشابہ پھل

متشابہ پھل والا لفظ دوسرے یعنی روحانی جنت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس حالت میں وہی دنیوی سورگ والے سامان نہیں ملتے۔ لیکن ان کے مشابہ ضرور ملتے ہیں۔ وہ کس طرح۔ دنیوی سورگ میں بھی دوست اور رشتہ دار ہیں۔ تو نجات میں بھی مکت آتما یا نجات یافتہ رُوحوں سے سب کا دوستی وغیرہ کا تعلق ہے۔ اگر دنیوی سامان سے راحت دُنیوی بہشت میں ملتی تھی۔ تو رُوحانی بہشت میں خدا کے قرب سے حقیقی راحت اور سرور ملتا ہے۔ دنیوی بہشت میں بھی عقل اور حسوسات پر مبنی علم حاصل ہوتا ہے۔ تو نجات میں بھی رُوح کو علم کا بے نقاب

انکشاف حاصل ہوتا ہے۔ غرضیکہ جیسے مادہ علت ہے۔ اور مرکب اشیاء معلول ہیں۔ اور اس طرح باوجود وہی ہستی نہ ہونے کے دونوں میں ہستی کی مشابہت ہے۔ جیسے رُوح سے محسوس ہونے والا سکھ ایک نہیں۔ لیکن ان میں مشابہت بیان ہوتی ہے۔ ویسے ہی دنیا میں جو پھل ملتے ہیں۔ وہ جسمانی لحاظ سے ہیں۔ اور جنت نجات میں روحانی لحاظ سے اور وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ اور ہزاروں تمثیلیں روز بیان ہوتی ہیں۔ کہ جیسے گیہوں اور آم کے بیج بوکر ہم اناج اور پھل پاتے ہیں۔ ویسے ہی سچے گیان کا بیج بوکر ہم نجات کا پھل پاتے ہیں۔ وغیرہ۔ پس جسمانی اور روحانی تعلقات کے فرق سے نتیجہ ایک نہیں کہا جا سکتا۔ تشابہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

۸۔ ازواج مطہرہ

ازواج جمع ہے زوج کی۔ اور اس کے معنی ہیں ہمنشیں۔ ساتھی یا جوڑے کا دوسرا فرد۔ مرد کا زوج کہیں تو عورت اور عورت کا زوج مرد ہے۔ جسمانی بہشت میں مردوں کو طہارت مآب اور عفت مجسم عورتوں کا ملنا وہ نعمت ہے جو خانہ داری کی راحت اور کامیابی کا واحد مول منتر ہے۔ اور ایسی نیک پاک بیویوں کی تعریف قرآن مطہرہ لفظ سے ادا کرتا ہے۔ لیکن ازواج کا لفظ جمع میں آنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ کہ ایک مرد کو بہت سی بیویاں ملیں گی۔ بلکہ اہل جنت بھی بہت ہیں۔ اور بیویاں بھی بہت۔ آج کل بھی بڑے بڑے شہروں کیا اور چھوٹے چھوٹے گاؤں میں کیا باعصمت پاکدامن عورتوں کے ہر قسم کے تعاون سے ہی اکثر مرد لوگ جنت میں مانے جاتے ہیں۔ نیک میاں اور نیک بیوی کا میل کون سے سکھ کو اپنی طرف نہیں کھینچتا۔ پس یہ خیال کہ ایک مرد کو زیادہ بیویاں ملیں گی۔ بہشت سے ہرگز کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ قرآن کثیر الازدواج کے خلاف ہے سورۃ النسا کے شروع میں یتیم لڑکیوں کی حفاظت کے متعلق فرض بتاتے ہوئے کہا ہے۔ کہ خواہ دو تین یا چار تک نکاح اور عورتوں سے کرو۔ یتیم لڑکی کے ساتھ بے انصافی نہ کرو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ ایک سے زیادہ عورتوں کا ہونا بھی قرآن گناہ مانتا ہے۔ گو یتیم لڑکی سے بے انصافی کا ہونا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً۔ یعنی زیادہ عورتوں کے ہوتے ہیں دہرم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔ پس جب خود قرآن کا حکم صاف ہے۔ تو زیادہ عورتوں یا حوروں کا مطلب لینا چہ معنی۔ آخر جسم والی عورتوں کا تعلق جسمانی یا دنیوی بہشت تک ہی تو ہے۔ رہا روحانی جنت۔ اس میں یہاں والی عورتیں مقصود ہی نہیں ہو سکتیں۔ رُوح کی ازواج جو نجات میں اس کے ساتھ رہتی ہیں محض اس کی فطرتی طاقتیں ہیں۔ اور وہ جب سے رُوح ہے۔ تب سے اس کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ حوالہ نمبر ۲۲ سورۃ ص میں ان بیویوں کو جو ہم عمر کہا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے۔ اور ان طاقتوں کو بجا طور پر ازواج مطہرہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہر رُوح کی طاقتیں کبھی کسی دوسری رُوح سے تعلق رکھ ہی نہیں سکتیں۔

یہ امر قابل نوٹ ہے۔ کہ دنیوی زندگی میں بھی ازواج مطہرہ کی بدولت ہی جنت قائم رہ سکتا ہے۔ نہ نہیں کسی انسان نے چھوا ہو۔ نہ جن نے۔ یہ جو کئی آیتوں میں لکھا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ لڑکی شادی سے پہلے انتہائی پرہیزگار رہی ہو۔ اور شادی کے بعد بھی عورت و مرد مقررہ قواعد کی پابندی کرتے ہوئے باہم مباشر

کریں۔ میاں بیوی راحت سے گذر بھی اسی صورت میں کر سکتے ہیں۔ شادی شدہ مرد و عورت بھی طریق معروف کو توڑ کر شہوت پرستوں اور زانیوں والی تکلیفیں ہی اٹھاتے ہیں۔ اور اس صورت میں نہ تو مرد پاک اور جنتی ہیں۔ اور نہ ازدواج مطہرہ کہلا سکتی ہیں۔

۹۔ نجات کی ہمیشگی

جنت کے متعلق اکثر جگہ یہ لفظ آتا ہے۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ساتھ ہی کہیں اَبَدًا کا لفظ بھی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ کہ نجات غیر محدود ہوگی۔ اس سے پھر کبھی لوٹنا نہ ہوگا۔ لیکن یہ مفہوم صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر شے کے ساتھ جو لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم اس شے کے فطرتی تقاضا کی حد سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ ہم اپنی چھوٹی سی زندگی میں ہمیشہ کا لفظ اکثر ایسے زمانوں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کہ جو اس زندگی کا بھی عشر عشیر ہی ہو چھ مہینے اگر ایک مقررہ وقت پر کھانا کھائیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ میں ہمیشہ ۸ بجے کھانا کھا لیتا ہوں۔ اگر کسی محتاج سے وعدہ کریں۔ کہ میں ہمیشہ تمہیں دس روپے ماہوار دیتا رہوں گا۔ تو اس کے معنے یہی ہیں۔ کہ جب تک لینے والے کو حاجت ہے۔ یا جب تک دینے والا تونگر ہے۔ یا دے سکتا ہے۔ پس ہمیشہ کے لئے جنت میں رہنے کا بھی محض یہی مفہوم ہے۔ کہ دنیوی جنت میں رہیگا۔ جب تک اس کی یہ زندگی ہے۔ اور روحانی جنت میں رہیگا۔ جب تک انصاف ایزدی کے مطابق محدود العلم روح کو نجات کا سکھ ملنا چاہیئے۔ اور اسی لئے خٰلِدِیْنَ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی دیرپا زندگی ہے۔ ہمیشگی روح کے لئے خدا والی ہمیشگی ہو نہیں سکتی۔ وائسرائے کو بھی مقررہ ماہانہ ملتا ہے۔ گورنر کو بھی تحصیلدار کو بھی اور چپڑاسی کو بھی۔ اگر کہا جاوے۔ کہ وائسرائے۔ گورنر۔ تحصیلدار اور چپڑاسی سب سرکار سے تنخواہ پاتے ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہ ہوگا۔ کہ سب کی تنخواہ ایک ہے۔ ایسا ہی اگر یہ کہا جائے۔ کہ ہسپتال کے ڈاکٹر۔ کمپونڈر۔ ملازم اور مریض سب ایک بجے سے پہلے کھانا کھا لیتے ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ سب کو ایک سا کھانا ملتا ہے۔ پس ہر لفظ کا مفہوم اس ہستی کی حقیقت سے وابستہ ہے۔ جس کے ساتھ وہ تعلق رکھتا ہے۔ اور نجات کی ہمیشگی روح کی میعاد نجات تک کے اندر ہی رہیگی۔

۱۰۔ کہاں روحانی سرور اور کہاں لذّات نفسانی

آیات قرآنی میں بار بار یہ ذکر آیا ہے۔ کہ جنت میں نہ رنج ہوگا۔ نہ دکھ۔ نہ مشقت نہ تھکان نہ موت۔ جہاں چاہیں گے رہیں گے۔ جو چاہیں گے۔ پائیں گے۔ وہاں کوئی لغو حرکت نہ ہوگی۔ آب حیات پینے کو ملیگا۔ حالت سرور قائم رہے گی۔ پائیدار نعمتیں ملیں گی۔ خدا کی تقدیس اور تعریف ہوتی رہے گی۔ خدا کی رضا۔ خوشنودی اور رحمت شامل حال رہے گی۔ اس قسم کے جملہ بیان پیش نظر رکھتے ہوئے کون شخص اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ قرآنی جنت سے لذّات نفسانی کا تعلق جوڑنے والے لوگ حق بجانب ہیں۔ ان لذّات کے غلام نہ لغو حرکات سے بچ سکتے ہیں۔ نہ دکھ اور تھکان وغیرہ سے ہی پاک۔ روحانی سرور اور قرب الٰہی ہی نجات کی خصوصیت ہے۔

۱۱۔ زیور، برتن اور کپڑے

سونے۔ چاندی کے زیور۔ برتن اور ریشمی کپڑے اگر غور سے دیکھیں تو دنیوی جنّت میں پہلے عملوں کے عوض میں ملنے اور نیک لوگوں کے لئے موجب آرام نیز ان کی فضیلت کا نشان ہیں۔ مالدار ہونا سکھ میں معاون ہوتا ہے۔ اور دنیوی مال سے دوسروں کو سکھ پہنچا کر انسان نیکنامی اور شہرت حاصل کرتا ہے۔ لیکن اگر روحانی نجات کے لحاظ سے دیکھیں تو یہ مادی سامان بالکل غیر متعلقہ ہیں۔ جیسے اگنی کے کثیف معنے مادی آگ اور سورج کے ہیں۔ اور لطیف معنے علم اور عالم آدمی کے۔ اسی طرح مادی جنّت میں جو سونا چاندی وغیرہ کے سامان ہیں۔ روحانی نجات میں وہ علم نیک خیالات۔ قرب الٰہی اور روحانی سرور وغیرہ کے معنوں میں ہیں۔

۱۲۔ سر سیّد احمد اور قرآنی جنّت!

تفسیر القرآن میں سر سیّد صاحب نے قرآن کے بیان جنّت کی حقیقت پر اچھی باریک بینی سے غور کیا ہے۔ اور صفحہ ۱۴۳ پر بہشت کی ماہیت کو اس آیت سے منسوب کیا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (سورۃ السجدہ آیت ۱۷)

یعنی کوئی نہیں جانتا کیا ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) چھپا رکھی گئی ہے۔ اس کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔" اس قُرَّةِ اَعْیُنٍ کی تشریح آپ بخاری اور مسلم کے حوالے سے یوں کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ تیار کی ہے۔ میں نے اپنے بندوں کے لئے وہ چیز جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے۔ اور نہ کسی کان نے سنی ہے۔ اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گذرا ہے۔ پس اگر حقیقت بہشت کے یہی باغ اور نہریں اور موتی کے اور چاندی سونے کے اینٹوں کے مکان اور دودھ و شراب اور شہد کے سمندر اور لذیذ میوے اور خوبصورت عورتیں اور لونڈے ہوں۔ تو یہ تو قرآن کی آیت اور خدا کے فرمودہ کے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کو تو انسان جان سکتا ہے۔ اور اگر فرض کیا جاوے۔ کہ ویسی عمدہ چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں۔ نہ کانوں نے سنیں۔ تو بھی وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ سے خارج نہیں ہو سکتیں۔ عمدہ ہونا ایک اضافی صفت ہے۔ اور جب کہ ان سب چیزوں کا نمونہ دنیا میں موجود ہے۔ تو اس کی صفت اضافی کو جہاں تک کہ ترقی دیتے جاؤ۔ انسان کے دل میں اس کا خیال گذر سکتا ہے۔ حالانکہ بہشت کی ایسی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ کہ لَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ پس بہشت کی جو یہ تمام چیزیں بیان ہوئی ہیں۔ در حقیقت بہشت میں جو قُرَّةِ اَعْیُنٍ ہوگا۔ اس کو سمجھانے کے لئے بقدر طاقت بشری تمثیلیں ہیں۔ نہ بہشت کی حقیقتیں"۔ اس کے بعد آپ وجوہات دیتے ہیں۔ کہ جو چیزیں دیکھی یا سنی نہ گئی ہوں۔ ان کی نہ سمجھ آ سکتی ہے۔ نہ شخص متعلق کے لفظوں میں انہیں بیان کیا یا سمجھایا جا سکتا ہے۔ تاہم جب انسان کو کسی کام کے کرنے نہ کرنے کو کہا جائے۔ تو اس کی طرف رغبت یا نفرت ہونے کے لئے نفع نقصان کو سمجھنے کا وہ شخص خواہاں ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ایک امر تمثیل یا تشبیہ سے نفع و نقصان بتاتا ہے۔ قُرَّةِ اَعْیُنٍ کی ماہیت یا حقیقت یا کیفیت یا اصلیت کا بتانا

محالات سے ہے۔ اس لئے انبیاء نے ان راحتوں اور لذتوں یا رنج اور تکلیفوں کو جو انسان کے خیال میں ایسی ہیں جو ان سے زیادہ نہیں ہو سکتیں بطور جزاء و سزا ان افعال کے بیان کیا ہے۔ اور غرض ان سے بعینہٖ وہی اشیاء نہیں ہیں۔ بلکہ جو رنج و راحت لذت و کلفت ان سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو قُرَّةِ اَعْيُنٍ سے تشبیہاً بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ گو وہ تشبیہہ کیسی ہی ادنیٰ اور ناچیز ہو۔

یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے۔ اس میں سنگ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں باغ میں سرسبز و شاداب درخت ہیں۔ دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے۔ ساقی و ساقنیں نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں۔ شراب پلا رہی ہیں۔ ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے۔ ایک نے ران پر سر دھرا ہے۔ ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے۔ ایک نے لب جاں بخش کا بوسہ لیا ہے۔ کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے۔ کوئی کسی کونے میں کچھ ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہو تو بلا مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔"

صفحہ ۳۰ پر آپ نے پھر ثابت کیا ہے۔ کہ بانیٔ اسلام کا ان چیزوں کے بیان سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا۔ نہ واقعی ان چیزوں کا بہشت میں موجود ہونا اور ترمذی کی روایت ثبوت میں پیش کی ہے۔ جو حسب ذیل ہے:۔

"ایک شخص نے آنحضرت سے پوچھا۔ کہ کیا بہشت میں گھوڑا بھی ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وہاں جو چاہو گے سب کچھ ہوگا۔" پس اس جواب سے مقصود یہ نہیں ہے۔ کہ درحقیقت بہشت میں گھوڑے اور اونٹ ہوں گے۔ بلکہ صرف ان لوگوں کے خیال میں اس اعلیٰ درجہ کی راحت کا خیال پیدا کرنا ہے۔ جو ان کے خیال اور ان کی عقل و فہم و طبیعت کے مطابق اعلیٰ درجہ کی ہو سکتی تھی۔"

۱۳۔ بیان القرآن کی رائے

تفصیلات میں کچھ اختلاف ہوتے ہوئے بھی مولانا محمد علی صاحب نے اصولاً جنت کے متعلق وہی رائے دی ہے۔ جو آنریبل سرسید کی ہے۔ آپ جنت لفظ کو جن سے مشتق مانتے ہیں۔ اور اس کے معنی یہ پیش کرتے ہیں "کسی چیز کا حواس ظاہری سے مخفی رکھنا (غ)" ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ کہ جنت میں پہلی نعمتوں کے متشابہ نعما ملنے کا مفہوم یہ ہے۔ کہ جسمانی جنت میں مادی نعمتیں ملیں گی۔ جو حواس سے محسوس ہوتی ہیں۔ لیکن روحانی جنت یا حالت نجات میں لطیف نعمتیں ہوں گی۔ جو روحانی سرور بخشیں گی۔ اور مولانا صاحب نے جو معنی پیش کئے ہیں۔ وہ صاف طور پر اسی پوزیشن کو واضح کرتے ہیں۔ آگے لکھا ہے بہشت کا نقشہ جو قرآن کریم نے کھینچا ہے۔ وہ گویا بطور مثال ہے۔ اور یہ اس لئے کہ جنت کی نعمتیں انسان کے حواس ظاہری سے مخفی رکھی گئی ہیں۔ (غ)

جیسا کہ لفظ جن کے اصل معنی بتاتے ہیں۔ اور قرآن کریم نے اس اخفاء کو دوسری جگہ خود بیان فرمایا ہے

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ ..... (السجدہ - ۱۷) اس سے آگے الانہار وغیرہ کو بھی بہ طور مثال ہی مانا ہے۔ صفحہ ۳۶ پر بھی یہی بتایا ہے۔ اور ابن عباسؓ سے روایت پیش کی ہے۔ کہ جو چیزیں جنت میں ہیں۔ وُہ جنت کی کسی چیز سے سوائے نام کے مشابہت نہیں رکھتیں پھر حدیث صحیح اور قرآن سے سر سید احمد صاحب والے حوالہ جات پیش کرکے آخر نتیجہ نکالا ہے۔ کہ جنات سے مراد ایسے باغ تو نہیں جیسے یہاں ہیں۔ اور نہ نہروں سے مراد ایسی ہی پانی کی نہریں ہیں۔ وہ کیا ہیں۔ اس حقیقت کا علم وہیں ہوگا۔ فی الحقیقت رُوحانی احساس سے تعلق رکھنے والا سرور جسمانی حواس سے محسوس ہونا ہی ناممکن ہے۔ اسے لفظوں میں بیان کرنا انسان کے احاطۂ سخن سے ہی باہر ہے۔ صفحہ ۳۶ پر دفعہ ۳۹ میں متشابہ اور مطہرہ کے متعلق نوٹ پیش کرنے کے بعد لکھا ہے۔

خالدون۔ خلد سے ہے۔ اور خلود کے معنی ہیں کسی چیز کا فساد کے واقع ہونے سے بری رہنا۔ اور اس کا بقا اس حالت پر جس پر وہ ہو۔ (غ)

اور خلود فی الجنۃ کے معنے امام راغب کے نزدیک بھی یہی ہیں۔ یعنی اشیاء کا بقا اس حالت پر جس پر وہ ہیں۔ بغیر اس کے کہ ان میں فساد واقع ہو۔ یہ الفاظ دیگر وہاں تنزل نہیں جس طرح اس دُنیا میں ہے۔ اور ہمیشگی کے معنے اس میں بطور استعارہ ہیں۔ (غ) اور رُوح المعانی میں ہے۔ کہ خلود معتزلہ کے نزدیک بقائے طویل یعنی زمانہ دراز تک رہنا ہے۔ خواہ منقطع ہو جائے۔ خواہ نہ ہو۔ مولانا صاحب جو نجات کو غیر محدود کہتے ہیں۔ اس کا جواب اور جگہ مفصل دیا گیا ہے۔ یہاں اشل اور رشیوں کے وہ خود نجات کو عرصہ دراز کی زندگی ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔

جنت کے پھلوں کے متعلق یہ کہنا۔ کہ یہ وہ ہے۔ جو ہمیں پہلے یعنی دنیا میں دیا گیا۔ مراد جسمانی پھل تو نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ پھل تو سب مومنوں کو دنیا میں ملتے ہیں۔ پس مراد اعمال حسنہ کے اثرات ہیں جن کو روحانی طور پر مومن یہاں بھی پا لیتا ہے۔ اور متشابہ ہونے سے مراد یہ ہے۔ کہ گو وہ آخرت کے پھل الگ ہوں گے۔ مگر اعمال حسنہ کے متشابہ ہوں گے۔ جس طرح بدی کی سزا اس کی مثل ہے۔ اسی طرح نیکی کا پھل بھی اس نیک عمل سے ملتا جلتا ہے۔

۱۴۔ حمائل التفسیر کی رائے

اعمال اور ایمان صالح کے ساتھ جو بندۂ سعید دُنیا سے گذرتا ہے۔ اس کے ساتھ بہت قسم کی خواہشات اور لذات ہوتی ہیں۔ جو جسمانی قوائے کے ساتھ پیدا ہوئی تھیں۔ وُہ اب رُوحانی عالم میں متمثل ہو کر پیش آتی ہیں۔ جیسا کہ لفظ متشابہ سے ظاہر ہے۔ جو جسمانی لذات از قسم پھل و دودھ و شہد و ازواج بہشت میں گنائی گئی ہیں۔ ان کی کیفیت دُنیاوی چیزوں سے علیحدہ ہے چنانچہ ازواج کی نسبت کہا ہے۔ کہ وہ مطہرہ ہونگی۔ ایسے دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا ذائقہ نہیں بدلیگا۔ ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جو سڑنے والا نہیں۔ شراب ایسی ہوگی۔ جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والی ہے۔ جس سے نہ تو بدمستی ہے۔ اور نہ خمار۔ عورتیں ہم عمر ہوں گی۔ کوئی لغو یا جھوٹی بات وہاں پر نہ ہوگی۔ تمام جسمانی چیزیں متغیر الکیفیت اور زوال پذیر ہیں۔ لیکن وہ کبھی متغیر نہ ہوں گی۔ اور نہ ان میں زوال آئے گا۔ ان لذات کو

اہل باطن لوگ خوابات اور مکاشفات کی حالت میں اس دنیا میں بھی محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ﴿۴۶﴾ اس شخص کے واسطے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ دو جنت ہیں۔ یعنی ایک اس جہان میں اور ایک اس جہان میں۔ اصل حقیقت بہشت کی یہی ہے جو نیک بندے کی خواہشات ہوں۔ وہ سب پوری ہوں۔ انسان کی خواہشات اپنے اپنے مذاق اور عادات کے مطابق مختلف ہوتی ہیں۔ اس لئے جس جس قسم کی خواہشات نیک بندہ میں بہشت کے اندر پیدا ہوں گی۔ وہ سب پوری کی جائیں گی۔ خواہ وہ از قسم لذات جسمانی و روحانی ہوں۔ خواہ خالص روحانی۔

۱۵۔ حاصل کلام

خوف طوالت مزید حوالہ جات پیش کرنے میں مانع ہے۔ لہٰذا محض یہ حاصل کلام پیش کرنا کافی ہے۔ کہ کیا قرآن خود اور کیا بعض اس کے فاضل مفسر اس امر کے شاہد ہیں۔ کہ قرآنی جنت کا بیان قرآن میں تمثیلی طور پر کیا گیا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس امر کے کافی اشارات دیئے ہیں۔ کہ اس کا باطنی مفہوم بھی ہر اہل عقل کو معلوم ہو سکے۔ اور جب پوزیشن یہ ہے۔ تو ۷۲ حور ۷۰ غلمان۔ جذبات نفسانی کی سیری۔ اس دنیا کی مادی نعمتیں۔ ظاہری پھل۔ پانی کی یا دودھ۔ شہد و شراب کی نہریں جو عوام الناس میں دنیا سے علیحدہ کسی جنت میں مشہور کی جا رہی ہیں صریحاً قرآن کے خلاف ہیں۔ لہٰذا ان ظاہری الفاظ کے باطنی مفہوم کو سمجھنا اور لطیف روحانی نعمتوں کا روح سے تعلق ماننا قائلین نجات کے لئے ضروری ہے۔ پھر ان روحانی نعمتوں کی اصل حقیقت کیا ہے۔ اور جنت کا لفظ اور قرآن والا بیان قدیم سے کس طریق پر مانا جاتا ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ وید سے سورگ کا بیان پیش کر کے نفس مضمون کی تمام پیچیدگیوں کو حل کیا جاوے۔ چونکہ قرآن قدیم دھرم کا ہی قائل ہے۔ اور اسی کی تعلیم کا مصدق ہے۔ لہٰذا قرآنی جنت کے صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ویدک سورگ پر غور ہونا لازمی ہے۔

۱۶۔ ویدک سورگ

قرآن میں جنت کا لفظ جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی کامیابی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ بہشت میں تمام دنیوی راحتیں اور نعمتیں اور اطمینان قلب انسان کو ملتا ہے۔ تو نجات میں خالص روحانی سرور ملتا ہے۔ وید میں ان دونوں حالتوں کو سورگ لفظ سے بیان کیا جاتا ہے۔ سورگ [illegible] بمعنی سُکھ سے مشتق ہے۔ ہر حالت اور ہر مقام جس میں انسان دکھوں سے بچتا اور راحت پاتا ہے۔ سورگ ہے۔ روحانی سورگ کے لئے مکتی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں دکھوں سے چھوٹنا۔ دنیوی زندگی میں بھی انسان خاص تعلقات کی قید سے چھوٹتا ہے۔ تو کہتا ہے۔ میں ان سے مکت ہو گیا۔ اور سُکھ کے ملنے سے کہتا ہے۔ میں سورگ میں ہوں۔ سب سے اعلیٰ سُکھ کا معیار روح کے لئے یہ ہے۔ کہ وہ جسم یعنی جنم اور مرن کی قید سے چھوٹ کر راحت اور سرور مجسم پرماتما کے وصل سے خالص آنند پائے۔ پس سرسری نظر سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وید اور قرآن دونوں میں جنت اور سورگ کے دو لفظ ایک ہی مفہوم کو پیش کرتے ہیں۔ عربی اور سنسکرت زبان میں جو فرق ہے۔ اس

کے مطابق قرآنی جنت اور ویدک سورگ میں بھی بیان کا فرق ہونا لازمی ہے۔ ویدک سنسکرت کے الفاظ کے معانی اور تعلقات کے مقابلہ پر عربی وغیرہ کسی اور زبان میں بھی ایسے الفاظ ملیں۔ جو ہو بہو وہی معنے اور تعلقات رکھتے ہوں۔ ناممکن ہے۔ تاہم اصول جو ان دونوں بیانوں کی تہ میں کام کرتا ہے۔ ایک ہی ہے۔ چنانچہ ہم وید منتروں کے حوالہ جات دے کر ساتھ ساتھ یہ واضح کریں گے۔ کہ نفس مضمون قرآن میں بھی وہی ہے۔

۱۷۔ سُورگ کا استحقاق!

اتھروید کانڈ ۴ سوکت ۳۴۔ منتر۔ ۱

ब्रह्मास्य शीर्षं बृहदस्य पृष्टं वामदेव्य मुदरमौदनस्य। छन्दांसि पक्षौ मुखमस्य सत्त्व विष्टारीजातस्तपसोऽधि यज्ञः॥

یگیہ تمام کائنات کے اندر پھیلا ہوا ہے۔ یہ ریاضت (تپ) سے آشکار ہوتا ہے۔ یہ یگیہ ایسا اودن (خوبیوں و طاقتوں کا مجسمہ) ہے۔ کہ برہم (وید گیان) اس کا سر ہے۔ کل کائنات (برہمانڈ) اس کی پیٹھ ہے۔ جو ساری متحرک وغیر متحرک جہان اس کا پیٹ ہے۔ اور گیان (علم) اور کرم (عمل) نام اس کے دونوں پہلو یا بازو چھند ہیں۔ اور اس کا منہ سچائی ہے۔

۱۸۔ یگیہ اور اُودن

وید کا لفظ یگیہ نہایت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اس کا اشارہ دینے کے لئے دیو پوجا سنگتی کرن اور دان کے تین لفظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ پوجا کے معنی عبادت عزت بجا استعمال وغیرہ ہیں۔ اور پرمیشور سب سے بڑا دیو اور معبود ہے۔ علم عمر اور چلن وغیرہ کے لحاظ سے تمام بزرگ انسان بھی دیوتا ہیں۔ ان کی عزت تعظیم اور خدمت کی جاتی ہے۔ یہ دیو پوجا کا مفہوم ہے۔ اس کے علاوہ کل اشیائے عالم میں بھی اپنی اپنی قسم کے دیوگن (روشن صفات) ہیں۔ اور یہ انسان کو بڑا فیض پہنچاتے ہیں۔ اس لئے ان کا بجا استعمال کرنا بھی دیو پوجا کے ہی اندر آتا ہے۔ دوسرے معنے یگیہ کے سنگتی کرن یعنی ملاتے یا ترکیب دینے کے ہیں۔ پرمیشور نے دنیا کی پیدائش کا جو یگیہ رچا ہے۔ اس میں پرمانوؤں کے ملانے کا ہی ظہور کیا ہے۔ لیکن میل کے مقابلے پر جدائی ہے۔ جہاں دنیا میں چیزیں ناص ترکیب کے زیر اثر ہیں۔ وہاں ذرات کے انتشار کا بھی عمل ساتھ ہی ہو رہا ہے۔ سورج کی کرنیں زمین سے تمام چیزوں کے لطیف ذرات جدا کر کے اوپر اٹھائے جا رہی ہیں۔ آگ ایک فٹ ٹھوس لکڑی کو میلوں تک پھیلنے والے ذرات کی صورت میں منتشر کر رہی ہے۔ پیدائش ہے تو موت بھی ہے لیتے ہیں تو دیتے بھی ہیں۔ جمع ہے تو تفریق بھی ہے۔ اور ضرب ہے۔ تو تقسیم بھی۔ پس سنگتی کرن کے مقابلہ پر تفریق یا تقسیم یا جدا کرنے کے عمل کو ظاہر کرنے والا دان کا لفظ ہے۔ اور یہ امر ہر غور کرنے والے پر آسانی سے واضح ہوتا ہے۔ کہ تمام کام جو دنیا میں ہو رہے ہیں۔ وہ ان تینوں میں سے کسی نہ کسی لفظ کے اندر آجاتے ہیں۔

اسی یگیہ کا ایک نام اودن ہے۔ یہ تمام صفات اور طاقتوں کا مجسمہ کہا گیا ہے۔ اور اس مجسمے کا سر وید یا گیان کو کہا ہے۔ کیونکہ سر کی جو پوزیشن جسم میں ہے۔ وہی پوزیشن گیان کی اس کل کائنات میں ہے۔ وہی سب کا سچا رہنما اور رتبہ میں سب سے بلند اور بدرجہ نہایت قابل قدر و عزت ہے۔ اسی کی وجہ سے چارو ں

درنوں میں برہمن کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ گورونانک صاحب اس عظمت کا بیان اس طرح کرتے ہیں۔ کہ ویدشاستر سرنبرا۔ سرشٹی چرن سمانی ۔ سر کے بعد مادی طاقت کا سٹور ہاؤس انسانی جسم میں پیٹ ہے۔ اس کے مقابلے پر اس یگیہ والے اودن کا گودام گھر سارا برہمانڈ ہے۔ لیکن پیٹھ کی طاقت کا سارا راز پیٹ کے کام میں ہے۔ جس میں سب خوراک جاتی اور ہضم ہو کر پیٹھ کو طاقت پہنچاتی ہے۔ اس کے لئے متحرک غیر متحرک جاندار جو ان سب سامانوں کو کام میں لاتے ہیں۔ بمنزلہ پیٹ ہیں۔ اور چونکہ چھند یا ویدمنتروں میں ہر کام کو گیان کے مطابق کرنے کی ہدایت ہے۔ اس لئے علم اور عمل کے دونوں پہلو چھند کو کہا ہے۔ اور مکھ سے ان کو جیووں کا نیوں ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس لئے ستیہ کو اس اودن کا مکھ یا منہ کہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ سورگ یا مکھ یا نجات کا استحقاق وید کی رو سے علم اور عمل اور سچائی پر منحصر ہے۔

۱۹۔ قرآن میں یہی بیان

قرآن اوپر کی معنی خیز تعلیم کو لوگوں کے لئے ان سادہ الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ (دفعہ ۲ حوالہ نمبر ۱) بشارت ہو۔ ان کو جو حق (سچے علم) کو ماننے یا ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ (حوالہ نمبر ۶) جو لوگ عہد الٰہی کو پورا کرتے ہیں۔ اپنے عہد کو توڑتے نہیں اسے ہی حاصل کرتے ہیں جس کے حاصل کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور اپنے رب نیز حساب کے نقصوں سے ڈرتے ہیں۔ اور اپنے رب کا ہی دھیان اور صبر کرتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے۔ خدا کے دیئے ہوئے رزق یعنی حلال کمائی سے خفیہ اور علانیہ دان کرتے اور بدی کے مقابلے میں بھی نیکی کرتے ہیں۔ وہی جنت کے مستحق ہیں۔

(حوالہ نمبر ۱۳) باغوں والا جنت وہ ہے۔ جو رحمان نے اپنے لطیف علم والے بندوں کے لئے مقدر کر رکھا ہے۔ اس جنت کا وارث ہم اپنے پرہیزگار بندوں کو بناتے ہیں۔

(حوالہ نمبر ۱۵) ایمان لاتے اور نیک عمل کرنے والے جنت کے روضوں میں سرور پائیں گے۔

اسی طرح متقی پرہیزگار۔ صبر کرنے والے۔ خدا کے جاہ وجلال سے ڈرنے والے وغیرہ وغیرہ کو جنت کا مستحق بتایا ہے۔

۲۰۔ سورگ میں بہت استریاں

अनस्था : पूता : पवनेन शुद्धा: शुचय:
शुचिमपि यन्ति लोकम् ।
नैषां शिश्नं प्रदहति जात वेदा : स्वर्गे लोके
बहुस्त्रैणमेषाम्॥२

ہڈیاں جن کی نظر نہ آتی ہوں۔ یعنی موٹے تازہ مضبوط۔ پاکیزہ چلن۔ پرانایام یا ضبط دم سے پاک ہوئے اور نیز دل کے بھی پاک لوگ اس دگر بہشت) کے پاک مقام میں داخل ہوتے ہیں تو ان کا حاصل کردہ گیان ان کی کام اندری (قوت تولید) کو نشٹ نہیں ہونے دیتا۔ حالانکہ اس سورگ لوک میں ان کے پاس

پاس بہت استریاں رہتی ہیں۔

۲۱- خوش فہمی

اس منتر میں بہو ستریں (بہت استریوں) کے لفظ نے ان لوگوں کو بڑے چکر میں ڈالا ہے۔ جو برہمچریہ وغیرہ کی عظمت کا احساس نہیں کر سکتے۔ اُنہوں نے سمجھ لیا۔ کہ سورگ میں بہت استریاں ملیں گی۔ حتیٰ کہ ستر حوریں ملنے کا خیال مشہور عام ہو چکا ہے۔ یہ سورگ جہاں صحیح معنوں میں اس دُنیا کی خانہ داری کا نام ہے۔ وہاں حقیقت کے ناواقف لوگوں نے اس جنت کو کہیں جدا بلند مقام پر سمجھ رکھا ہے۔ یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ بیوی۔ بچے۔ مکان۔ کھانے پینے پہننے کے سامان۔ دولت۔ مال غرضیکہ آرام و آسائش دینے والی سب نعمتیں اسی دُنیا میں دُنیا داروں کو مل رہی ہیں۔ لیکن چونکہ صحیح علم کی روشنی میں عمل ہو نہیں رہے۔ اس لئے یہ سب نعمتیں جو قدرت نے سُکھ کے لئے دی تھیں۔ اُلٹا دُکھ کا موجب بن رہی ہیں۔ اور دُکھ کی اس کثرت میں اس دُنیا کو سورگ سمجھنا مشکل تھا۔ لہذا سُکھ والا جنت کہیں اور ہی خیال کیا گیا۔ اور چونکہ نفسانی لذّات کے دام اُفتادوں کا نظریہ محض حیوانی جذبات سے راحت پانے تک ہی محدود ہے۔ اس لئے وہ جنت میں بھی ویسے ہی مزے اُڑانے کی توقع کرتے ہیں۔ اور چونکہ سنسکرت میں ایک خاص مقولہ ہے کہ شہوت سے مغلوب لوگ خوف اور شرم و حیا سے اوپر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے مختلف لوگوں نے وہ ساری باتیں قرآن سے منسوب کر دی ہیں۔ جو شہوت پرست لوگوں کے زیر مشق ہیں۔ اور جن کی وجہ سے آنریبل سر سیّد کو چکلے کے مقابلے میں جنت کو تولنے کی نا ملائم تحریر لکھنی پڑی۔ پھر جہاں ۷۰ تک عورتوں کا لالچ ملا۔ اس خیال کا بھی جواب دیا گیا۔ کہ اتنی عورتوں سے مباشرت ہو ہی نہیں سکتی۔ اور وہ جواب یہ تھا۔ کہ خدا جنتیوں کو سو گنا یا ستر گنا طاقت شہوت عطا کرے گا۔ لیکن جنسی تعلقات کے جو قواعد قرآن نے بیان فرمائے ہیں۔ اور ویدک برہمچریہ کے متعلق انتہائی پرہیز گاری اور سچی طہارت پر جو زور دیا ہے۔ ان کو مدّنظر رکھ کر کوئی شخص اس کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ کہ یہ سب یار لوگوں کی اپنی گھڑ ہنتیں ہیں۔ اور قرآن فرماتا ہے۔ کہ عورت جب حیض سے پاک ہو جائے۔ تب خدا کے فرمودہ طریق پر اس سے صحبت کرو۔ اور اولاد کا پورا خیال رکھو۔ مطلب یہ کہ اولاد پیدا کرنے کے ویدک کرتویہ کو پورا کرنے کے علاوہ قرآن عورت و مرد کے میل کا کوئی مقصد قرار نہیں دیتا۔ سورۂ نور میں سب سے پہلے عورت اور مرد کو یہ ہدایت ہے۔ کہ اپنے اندام نہانی کی پوری حفاظت کریں۔ اور سچ پوچھو۔ تو وید میں گیان پراپتی کا مدار برہمچریہ کے نیم پر ہی ہے۔ اور پاک فعلوں اور پاک خیالات کا مطالبہ جو سورگ کے استحقاق کے لئے لازمی بنایا گیا ہے۔ ان سب خرافات کا شافی جواب ہے۔

۲۲- ضبط نفس

بہت استریاں اس جنت میں ہیں ہی۔ لیکن جنتی مرد بھی تو بہت ہیں۔ پس ایک مرد کو زیادہ عورتوں کا ملنا صریحاً غلط ہے۔ اور پھر عورتیں محض کسی شخص کی بیویاں ہی نہیں ہو سکتیں۔ ماں۔ بہن۔ بیوی۔ بھاوج۔ بیٹی۔ چچی۔ تائی۔ موسی۔ ساس

سالی۔ دادی وغیرہ وغیرہ سب عورتیں ہیں۔ جن شہروں یا قصبوں ہیں وہ شخص رہتا ہے۔ ان ہیں اور تمام لوگوں کی ہی قسم کے رشتہ والی عورتیں بھی ہیں۔ پس جو برہمچاری نیک چلن۔ پاک دل۔ ضبط دم کی مشق کرنے والا گرہست ہیں شادی کر کے داخل ہوتا ہے۔ اس کو ضبط نفس کی تعلیم کا خیال دلانا ضروری ہے۔ چونکہ گرہست اولاد پیدا کرنے کے لئے ہے۔ اس لئے اسے کثیر التعداد عورتوں کے اپنے اردگرد ہونے کی حالت ہیں نہایت محتاط رہنا چاہیئے۔ اور قوت تولید کا ناش کرنا یا آتش شہوت کا شکار ہونا نہ چاہیئے یہ ہدایت اس منتر ہیں دی ہے۔ ویسے یہ منتر ایک طرح سے نہایت حوصلہ افزا طریق پر تعلیم دیتا ہے۔ کہ ہو نہیں سکتا۔ کہ جس نے تمام زمانہ تعلیم ہیں نیک چلنی۔ ضبط نفس اور دل کی پاکیزگی کو قائم رکھا ہو۔ وہ گرہست ہیں بہت استریوں کی موجودگی سے اپنی سداچار کی مضبوطی کا خیال چھوڑ دے۔

۲۳۔ برہمچریہ کی عظمت

ویدک دھرم ہیں چار آشرم ہیں۔ اور ان ہیں مردوں کا عورتوں سے یا عورتوں کا مردوں سے محض ایک گرہست آشرم ہیں ہی مل کر رہنے کا موقعہ ہے۔ پہلی عمر ہیں نوجوان ہی برہمچاری ہوش سنبھالتا ہے۔ اُسے گوروکل ہیں بھیجا جاتا ہے۔ اور اصولاً تا اختتام تعلیم اسے لڑکیوں یا عورتوں سے ملنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ بان پرست ہیں بھی یہ موقعہ نہیں ملتا۔ ہاں خاص صورتوں ہیں بان پرستھی محض اپنی عمر رسیدہ بیوی کو اپنے نزدیک رکھ سکتا ہے۔ رہا سنیاس آشرم اس ہیں بیوی کیا دنیا داروں والا کوئی بھی تعلق قائم نہیں رہتا۔ پس عورتوں کا تعلق محض گرہست ہیں ہے۔ اور وہ بھی محض خاص ضرورت کی وجہ سے مباشرت والا تعلق محض شادی والی عورت سے ہے اور اس ہیں بھی بہت پابندیاں ہیں۔ پس سوچنا یہ چاہیئے۔ کہ وید نے جو اس تعلق کو اتنا محدود کیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کا جواب صاف ہے۔ کہ انسان کو جن چیزوں کو بار بار دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ یا کسی طرح کا تعلق رکھنے کا۔ وہ ان ہی چیزوں سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اگر عورتوں سے ملنے کا موقعہ اسے زیادہ ملے۔ تو وہ شہوت پرست ہو کر ویریہ جیسی قیمتی چیز کو جلا یا ضائع کر سکتا ہے اور چونکہ ویریہ اس جسم ہیں ساتویں اور آخری اور نہایت قیمتی دھاتو ہے جس سے تمام اعضائے جسمانی کو طاقت اور مضبوطی حاصل رہتی ہے۔ اس لئے عورت کی صحبت کی بے اعتدالی اس انتہائی قیمتی جوہر کو نشٹ کر کے یہ نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ کہ انسان ہر طرح کی کمزوری کا شکار ہوتا ہے۔

اس کی عظمت کو ویدک ساہتیہ ہیں کئی طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک درشٹانت یہ دیا جاتا ہے۔ کہ انسانوں کی حفاظت اور سلامتی کے لئے راج کا انتظام ہے۔ راجہ نہ ہو۔ تو ملک یا شہر یا ہی بے انصافیوں اور مظالم سے بالکل برباد ہی ہو جاوے۔ پھر جہاں راجہ کا ہونا ضروری ہے۔ وہاں لائق اور عقلمند منتری کا ہونا اور بھی ضروری ہے۔ ورنہ راجہ اپنی سمجھ کی کمی سے اور بھی بے انصافی و ظلم کر سکتا ہے۔ منتری کے علاوہ اہلکار اور فوج وغیرہ بھی چاہیئے۔ ورنہ راجا کے قانون کی پابندی اور امن کا قیام مشکل ہے۔ اس طرح راجہ۔ وزیر۔ اہلکار اور فوج وغیرہ سب کچھ چاہیئے ورنہ راجا کے قانون کی پابندی

اور امن کا قیام مشکل ہے۔ بہ الفاظ دیگر راجہ۔ وزیر۔ اہلکار اور فوج وغیرہ میں سب کے سب ایک دوسرے سے بڑھ کر ضروری ہیں۔ مگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو یہ سب کارکن تنخواہ یا روپے کے لالچ پر کام کرتے ہیں۔ راجہ کے پاس خزانہ بھرپور رہو۔ تو وہ سب ملازموں کو وقت پر تنخواہ دیتا۔ اور ملازم تندہی سے اپنے فرائض کو بجا لاتے ہیں۔ اور اچھے کام پر انعام وغیرہ ملتا ہے۔ تو وہ دل وجان سے راجہ کے حکموں کی تعمیل پر مائل رہتے۔ اور سلطنت کا کام ایسی ہمدگی سے چلتا ہے۔ کہ بڑے سے بڑے دشمن کو بھی حملہ کا حوصلہ نہیں ہوسکتا۔ مگر راجہ بدچلن ہو۔ اور وشیا گمن وغیرہ میں خزانہ کو لٹا دے۔ تو نہ ملازموں کو وقت پر تنخواہ ملتی ہے۔ نہ وہ دل دہی سے اپنے فرائض بجا لاتے ہیں۔ اس پر راجا انہیں ونڈ دینے کی سوچتا ہے۔ تو وہ اور بھی اس کی نندا کرتے اور ہر طرح کی کمزوری راج میں آتی ہے۔ یہاں تک کہ کمزور سا راجہ بھی چڑھائی کر دے۔ تو کبھی پرجا مخالف فریق کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اور راجا شکست کھا کر اپنا راج کھو بیٹھتا ہے۔ مطلب یہ کہ خزانہ کی حفاظت نہ کرنا راج کی بربادی کا موجب ہے۔ اور اس کا محفوظ رکھنا راشٹر کی کامیابی کی جان ہے۔

اس درشٹانت سے ہدایت یہ مقصود ہے۔ کہ انسانی جسم ایک نگری ہے۔ من اس میں راجہ ہے۔ گیان اندریاں وزیر ہیں۔ کرم اندریاں اہلکار اور باقی تمام انگ فوج وغیرہ ہیں۔ یہ سب جسمانی نظام میں معاون ہیں۔ مگر خزانہ کی جگہ ویریہ سب سے بڑھ کر ہے۔ جب تک انسان برہمچریہ کا پالن کرکے ویریہ کی حفاظت کرتا ہے۔ تب تک ہی سارے اعضاء میں طاقت رہتی ہے۔ دماغ میں وہ طاقت رہتی ہے۔ کہ لطیف اور طویل مضامین دریا بہ کوزہ مختصر الفاظ کے سوتروں کی صورت میں بند کرکے اعلےٰ سے اعلےٰ اصولوں کو بیان کرنے والے شاستروں کی تصنیف ہوسکتی ہے۔ جن کی تفسیر کے لئے بڑے سے بڑے عالموں کو انتہائی محنت کرنی پڑتی ہے۔ جسم مضبوط اعضاء سڈول۔ چہرہ سرخ۔ بازو طاقتور ہوتے ہیں۔ اولاد بھی ہر طرح کی خوبیوں والی پیدا ہوتی۔ اور خود انسان تندرست اور سکھی رہتا ہے۔ زیادہ کیا وید... کا فرمان ہے۔ کہ برہمچریہ کے تپ سے ہی عالم لوگ نجات کو حاصل کرتے ہیں۔ برہمچریہ کے تپ سے ہی راجہ اپنے راج کی حفاظت کرسکتا ہے۔ بال وواہ یا وشیا گمن وغیرہ سے ویریہ کی حفاظت نہیں ہوتی۔ تو سب کمزوریاں انسان پر لاحق ہوتی ہیں۔ دماغ چکراتا ہے۔ سر دکھتا ہے۔ کام کی طاقت نہیں رہتی۔ سستی اور کاہلی سوار رہتی ہے۔ بیماریوں کا کھٹکا نہیں رہتا۔ سردی۔ گرمی یا معمولی سی سختی کی بھی برداشت نہیں رہتی۔ معمولی خرابی وغیرہ تو ایک طرف نہایت شرمناک بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ دل کی بے قراری اور عدم استقلال کی وجہ سے کسی بھی کام میں کامیابی نہیں ہوتی۔ اور اگر اولاد کو ان خرابیوں کا ورثہ ملے۔ تو مصیبتوں کا سلسلہ تو بس غیر متناہی سمجھو۔ پس انسانیت اور روحانیت کے معراج کی طرف لے جانے والے وید کے لئے ضروری تھا۔ کہ وہ اس تعلق کو سخت پابندیوں میں جکڑتا۔ غرضیکہ اس منتر سے برہمچریہ کی انتہائی عظمت کا گیان ہوتا ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے۔ کہ گورو کل کے قدیم طریق تعلیم

کے ذریعہ عالم اور غالب الحواس ہو کر گرہست میں داخل ہونے سے اور نیز دوران گرہست میں بھی نیموں کی پابندی رکھنے سے ہی گرہست آشرم سورگ ہوتا ہے۔ ورنہ برہمچریہ کے قواعد کو توڑتا نہیں۔ کہ دکھ کے سامان شروع ہوئے نہیں۔ سچ پوچھو تو موجودہ دنیا نرک ہی اس لئے بنی ہے۔ کہ استریوں اور پرشوں میں برہمچریہ اور ضبط نفس کا خیال بہت کمزور ہو گیا ہے۔

۲۴۔ قرآن کا فرمان

وید کے اس مدعا کو قرآن مختلف جگہوں میں اپنے طرز پہ بیان کرتا ہے۔ (دفعہ ۲۔ حوالہ نمبر ۱) جنت کے مستحق لوگوں کے لئے باغ ہیں۔ جنت کے تحت میں نہریں بہتی ہیں۔ اور جب انہیں اس باغ کے پھلوں کی نعمت ملتی ہے۔ تو کہتے ہیں۔ یہ تو وہ نعمتیں ہیں۔ جو ہمیں پہلے ملی تھیں۔

جنت نام اسی گرہست کے سورگ کا ہے۔ خاندان کو بھی باغ کہا جاتا ہے۔ جہاں بیرونی نعمتوں کی نہریں اور ہی ہیں۔ وہاں اندرونی خوبیوں میں دیریہ وغیرہ کی نہریں بھی اس گلشن کی زینت ہیں۔ اور اولاد کا پھل بھی اس جنت کے عالم میں نہایت لذیذ ہے۔

اسی حوالہ میں ازواج مطہرہ کا ذکر ہے۔ عورتوں کی خوبصورتی اور ان کی آنکھوں کے بیان کے ساتھ ان کی نیچی نگاہوں کا ذکر ہے۔ کئی جگہوں میں بے عیب دیرپا زندگی کی خوشخبری ہے۔ کئی جگہ کہا ہے۔ سورگ کا انجام متقی یا پرہیزگار لوگوں کو ملتا ہے۔ حوالہ ۱۳ میں لطیف علم والوں کو مستحق بنایا ہے۔ دوسری جگہ خدا کے مخلص بندوں کو اس جنت کا وارث بنایا ہے۔ کہیں تقوےٰ کرنے والوں کو ان سب کا مدعا دراصل ضبط نفس یا برہمچریہ کی شرط کو پورا کرنا ہے۔ اسی کو تقویٰ کرنا یا لذات نفسانی کی غلامی سے بچ کر خدا کا مخلص بندہ اور پرہیزگار بننا کہا ہے۔ ازواج مطہرہ کا لفظ بالخصوص سارے مطلب کو مثل دریا بہ کوزہ بیان کرتا ہے۔ عورتیں طہارت مجسم تبھی رہ سکتی ہیں۔ جب کوئی مرد اپنی بیاہتا عورت کے سوا کسی کی طرف بُری نگاہ نہ رکھتا ہو۔ اور نہ ناجائز تعلق رکھتا ہو۔ اور جب اپنا خاوند بھی صحیح طریق کے علاوہ عمل نہ کرتا ہو۔ پس نیک چلنی کا اس حد تک عام ہونا ضبط نفس اور برہمچریہ کا عملی ثبوت ہے۔ ویدک آدرش کے مطابق میاں بیوی دونو کے لئے گرہست میں بھی برہمچریہ کی پابندی لازمی ہے۔

۲۵۔ منتر ۲ کے ادھیاتمک ارتھ

اوپر جو معنے بیان ہوئے۔ ان کا تعلق اس ظاہری دنیوی بہشت سے ہے۔ لیکن اگر اس منتر کے باطنی مفہوم پر غور کیا جائے۔ تو روحانی نجات کی قیمتی تعلیم سامنے آجاتی ہے۔ اس صورت میں منتر کا ادھیاتمک ارتھ اس طرح ہوگا۔ "اس بے نظیر پرمیشور کے صحیح علم اور اس کے قرب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس قفس عنصری سے آزاد ہو کر روح اس پاکیزگی مجسم پرمیشور کی صحبت سے پاکیزہ ہوتا۔ اور خیال قول اور فعل غرضیکہ ہر لحاظ سے پوری ترقی کے معراج پر پہنچ کر خالص نورانی حالت کو حاصل کرتا ہے۔ تمام کائنات کی حقیقت کا جاننے والا پرمیشور (مادی جسم اور اندریوں کو ان سے الگ کر کے بھی) نجات

یافتہ روحوں کے آنند اور سرور حاصل کرنے کی فطرتی طاقتوں کو نشٹ نہیں کرتا۔ اس لئے حالت نجات میں بھی انہیں بہشت سے آنند اور سرور دینے والے سامان ملتے ہیں"۔

۲۶۔ بھوگ کے اوزار اور سامان!

اس منتر میں دو لفظ خاص طور پر قابل غور ہیں شِشن (शिश्न) اور ستریں (स्त्रैण) پہلے کے ترجمہ معنے قوت تولید اور دوسرے کے عورتیں ہیں۔

لیکن ویدک الفاظ کے معانی کے وسیع تعلقات کے لحاظ سے شِشن لفظ ان تمام قوتوں کا مفہوم رکھتا ہے۔ جن سے انسان دنیا کے سامانوں کو بھوگتا ہے۔ اور ستریں لفظ سے مراد ہے۔ وہ تمام سامان جو بھوگا جاتا ہے۔ اور اسی لئے ظاہری یا کثیف معنے یہی ہیں۔ کہ انسان ضابط الحواس رہتا ہُوا ہی ان سامانوں کو بھوگے رہا۔ باطنی مفہوم۔ اس کے نکتہ نگاہ سے شِشن سے مراد رُوح کی فطرتی طاقتیں ہیں۔ کیونکہ نجات میں مادی جسم تو ہوتا ہی نہیں۔ اور ستریں سے مراد وہ تمام قسم کا آنند ہے۔ اور وہ تمام لوگ جنہیں رُوح حالت نجات میں آزادی سے برہم میں بچرتا ہُوا بھوگتا ہے۔ مہرشی دیانند ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں۔ کہ رُوح میں مقدم تو ایک ہی طاقت ہے۔ مگر زور۔ ہمت۔ کشش۔ تحریک۔ حرکت۔ خوف۔ تمیز۔ عقل۔ حوصلہ۔ یاد۔ یقین۔ خواہش۔ محبت۔ نفرت۔ ملاپ۔ جدائی۔ ملانا۔ جدا کرنا۔ سُننا۔ چھونا۔ دیکھنا۔ چکھنا۔ سُونگھنا اور گیان یہ ۲۴ قسم کی طاقتیں جیو رکھتا ہے۔ ان ہی طاقتوں سے وہ مکتی میں بھی آنند کو حاصل کر کے بھوگتا ہے۔ اور شت پتھ کا نڈ ۱۴ کے حوالہ سے رُوح کے اس بھوگنے کی توضیح یُوں کرتے ہیں۔ کہ جب سُننا چاہتا ہے۔ تو کان چھونا چاہتا ہے۔ تو جلد۔ دیکھنے کے ارادہ سے آنکھ۔ ذائقہ کے لئے زبان۔ سُونگھنے کے لئے ناک۔ سنکلپ وکلپ کرنے کے واسطے من۔ یقین کرنے کے لئے عقل۔ یاد کرنے کے لئے حافظہ۔ اہنکار کے لئے انانیت کی قابلیت والا اپنی ذاتی طاقت سے مکتی میں جیو آتما بن جاتا ہے"۔

انسان اگر اپنے خوابوں پر غور کرے۔ تو خود سمجھ جائے گا۔ کہ بغیر جسم اور اندریوں کے حرکت کرنے کے کس طرح رُوح اس حالت میں سُکھ دُکھ وغیرہ کا احساس کرتا ہے۔ اس کے علاوہ حالت بیداری میں جو کام اعضائے جسم سے لئے جاتے ہیں۔ وہ بھی درحقیقت رُوح کی طاقتوں سے ہی ہوتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ تو محض بے حرکت اور جڑ ہیں۔ پس اس زندگی اور نجات میں رُوح کے لئے فرق یہ ہے۔ کہ زندگی میں تو رُوح اپنے کام کے لئے جسمانی اوزاروں کا محتاج ہے۔ اور اس کی طاقتیں قیدوں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ مگر نجات میں وہ اپنی فطرتی آزاد طاقتوں سے براہِ راست آنند بھوگتا ہے۔ قرآن میں ان فطرتی طاقتوں کو بھی ازواج مطہرہ سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ ازواج کے معنی ساتھی یا ہمنشیں کے ہیں۔ اور رُوح کی یہ قوتیں ہمیشہ رُوح کے ساتھ ہیں۔ اور یہ ناممکن ہے۔ کہ کبھی رُوح کی صفات اس سے کبھی جُدا ہوں۔ اور دُوسرے رُوح سے مل سکیں۔ اس لئے وہ مطہرہ بھی انتہائی صحیح معنوں میں ہیں۔ اور چونکہ جب سے رُوح ہے۔ تبھی سے اس کی صفات اس کے ساتھ ہیں۔ اس لئے وہ اس کی ہم عمر بھی ہیں۔ رہے بھوگنے

کے سامان۔ سواس صورت میں وہی لطیف اور روح سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو کثیف صورت میں حواس سے محسوس ہوتے ہیں۔ اور جن کا بیان آگے آئیگا۔

۲۷۔ پیدائش اولاد کا یگیہ

وید منتروں میں پرماتما کی یہ ہدایت ہے۔ کہ نسل انسانی کو ترقی دو۔ جیسے دنیا کی پیدائش کا یگیہ ایشور نے رچا ہے۔ ویسے ہی انسان کو حکم ہے۔ کہ بڑھو اور پھلو۔ اسی کو گرہست والے سورگ کے مضمون میں یوں بیان کیا ہے۔

यिष्टारिण भोदनं ये पचन्ति नैनान वर्तिः सचते कदाचन ।
आसते यम उप याति देवान्त्स संगन्धर्वैं मंदते सोम्येभिः ॥ ३॥

جو نسل انسانی کو بڑھانے والا یگیہ پختہ طریق پر کرتے ہیں۔ انہیں کبھی کوئی کشٹ نہیں ہوتا۔ وہ ضبط نفس پر عامل یا ضابطہ العالم پرمیشور کے آشرے رہتے ہیں۔ نیک عالموں کی صحبت کرتے ہیں۔ اور بڑے بڑے گیانیوں اور رسوم سو بھاؤ (نیک خصلت) والوں کے فیضان صحبت سے مسرور اور خوشی پاتے ہیں۔

۲۸۔ راحت کا مول منتر

گرہست جس کا نام سورگ ہے۔ اولاد پیدا کرنے کے لئے ہے۔ لیکن لذت نفس کے لئے عیش پرستی کرتے ہوئے جو اولاد ہوتی ہے۔ وہ نسل انسانی کو وسعت دینے والے یگیہ کا مفہوم نہیں رکھتی۔ (पचन्ति) کا لفظ یگیہ کے پختہ ہونے کی ہدایت دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جہاں تک ضبط نفس اور برہمچریہ کے عمل کا امکان ہے۔ وہاں تک پورا عملدر آمد ہو۔ اولاد طاقتور صحت ور دراز عمر اور حصول علم کی استعداد رکھنے والی ہوتی ہی اسی صورت میں ہے۔ کہ کامل طور پر ضبط نفس وغیرہ کی شرط پوری ہو۔ ایسے برہمچاریوں کو کبھی کمزوری بیماری یا دنیوی سامانوں کے متعلقہ تکالیف ہو ہی نہیں سکتی اور بجائے لذات میں پھنسا رہنے کے وہ اپنا وقت بڑے بڑے عالموں کی صحبت میں گزارتے ہیں۔ اور بڑھتے بڑھتے بڑے سے بڑے نیک خصلت اور سچے علوم کے ماہرین سے علمی ہدایت پاتے ہوئے اصلی خوشی اور اطمینان قلبی حاصل کرتے ہیں۔ غرضیکہ گرہست میں سکھی رہنے کے لئے (आस्ते यम) آستے یم کی ہدایت پر عمل کر کے اور ضبط مجسم ہو کر سچی راحت پانی چاہیئے۔ لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ لذات نفسانی کا سامان ملے۔ تو سیری ہو۔ مگر ہوتا یہ ہے۔ کہ جیسے آگ پر گھی ڈالنے سے وہ اور تیز ہوتی ہے۔ اسی طرح عیاشی کے حریص کی پیاس بڑھتی جاتی ہے۔ اور وہ خود ان بھوگوں سے بھگت جاتا ہے۔

۲۹۔ منتر ۳ کے ادھیاتمک ارتھ

جو اس انتہائی وسیع گیان کے اودن یا یگیہ کو کمال تک پہنچاتے ہیں۔ ان کو کبھی کوئی کشٹ نہیں ہو سکتا۔ ایسا نجات یافتہ روح اس ضابطہ کل پرمیشور میں رہتا ہے۔ وہ اپنے سے پہلے نجات یافتوں کا بھی قرب حاصل کرتا ہے۔ اور سوم یعنی برہمانند کے

آبِ حیات کے پینے والے سچّے عالموں کے ساتھ ہی سچا رُوحانی سُرور حاصل کرتا ہے۔"

گیان کا کمال آواگون کی جڑ کو کاٹ دیتا ہے۔ اس لئے اب دکھ یا کشٹ کہاں۔ اسی خیال کو قرآن بیان کرتا ہے۔ کہ جنت میں نہ دکھ ہوگا نہ خوف۔ نہ مشقت نہ تھکان۔ ان کے اندرونی دکھ دور ہوں گے سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔ کوئی لغو بات نہ ہوگی۔ جو وہ چاہیں گے۔ پائیں گے۔ آبِ حیات انہیں پینے کو ملیگا۔

ویدمنتر میں جو یہ کہا ہے۔ کہ نجات یافتہ روح ضابطہ کل پرمیشور میں رہیگا۔ اور اسے پہلے نجات یافتہ رُوحوں سے بھی قرب حاصل ہوگا۔ اور امرت کے پینے والے اعلےٰ گیانیوں سے وہ سرور حاصل کریں گے۔ اس کو سوامی دیانند یوں بیان فرماتے ہیں "جس طرح دنیوی سکھ جسم کے سہارے سے بھوگتا ہے۔ اسی طرح پرمیشور کے سہارے مکتی کے آنند کو پاتا ہے۔ برہم کے اندر اپنی خوشی کے موافق چلتا پھرتا ہے۔ پاک علم سے تمام کائنات کو دیکھتا ہے۔ دوسرے مکتی پائے ہوؤں کے ساتھ ملتا ہے۔"

اس سے ظاہر ہے۔ کہ نجات یافتہ رُوح تُلے ملت آتما کا سواگت کرتے اور ان کو ایک دوسرے کے ملنے سے آنند ہوتا ہے۔ قرآن ان ہی اشارات کو یوں بیان کرتا ہے۔ کہ جنت کے موکل ان کا ہر دروازے سے استقبال کریں گے۔ یعنی تمہیں مبارکباد دیں گے۔ کہ یہ اس صبر کا پھل ہے۔ جو تم نے کیا تھا۔ دوسری جگہ ذکر ہے۔ کہ نیا جنتی ان کو اپنی رام کہانی سناتا ہے۔ کہ میرا ایک ساتھی تھا۔ وہ مجھے بہکاتا تھا۔ کہ نہ جنم وغیرہ کوئی نہیں ہوتا۔ اگر خدا کا فضل میرے شامل حال نہ ہوتا۔ تو میں تباہ ہی ہو جاتا۔ نہ صرف یہ۔ وہ دوزخ کی طرف جھانکتا یعنی اس دنیا کو اپنے پاک علم سے دیکھتا ہے۔ تو اس ساتھی کو دکھوں کی آگ میں جلتے ہوئے پاتا ہے۔ اسی طرح وید میں جو مکت جیو کے اپنی حسب خواہش برہم میں پھرنے کا ذکر ہے۔ قرآن میں بھی اسی کے موافق کئی جگہ کہا ہے۔ کہ ہم جہاں چاہیں رہیں۔

۳۰۔ رُوحانی معراج

विष्टारिणमोदनं ये पचन्ति नैनान्यमः परि मुष्णाति रेतः ।।
रथीह भूत्वा रथ याने ईयते पक्षी ह भूत्वाति दिवः समेति ॥४॥

جو لوگ وسیع نسل کے یگیہ کو پختہ کرتے ہیں۔ وہ یم وضبط یا ضابطِ کل پرمیشور) ان کی طاقت کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ اس لئے وہ سچے رتھ سوار کی طرح روحانیت کے معراج کو پاتا ہوا برہم لوک کو حاصل کرتا ہے۔ اور سچے علم اور عمل کے دونوں پہلوؤں کی طاقت سے انتہائی ترقی والے برہم میں لین ہوجاتا ہے۔ اسی طرح ادھیاتمک ارتھ میں علمی کمال کے یگیہ کرنے والوں کو وہ ضابطِ کل پرمیشور زیادہ سے زیادہ علمی قابلیت دیتا ہے۔ علم ضائع نہیں ہوتا۔ بلکہ بڑھتا جاتا ہے۔

۳۱۔ انسانی قالب کا رتھ

انسانی قالب کو ویدک لٹریچر میں رتھ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ جس طرح رتھ پر سوار ہوکر انسان منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے۔ اسی طرح رُوح انسانی قالب کے ذریعہ نجات کی منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے۔ جو لوگ لذّات نفسانی کا شکار ہیں۔ وہ اس رتھ کی من رُوپی لگام پر قابو نہیں رکھ

سکتے۔ اور ان کی اندریوں وغیرہ کے گھوڑے بے لگام ہو کر دوڑتے اور رتھ کو کھائی گڑھے میں گرا کر چکنا چور کر دیتے ہیں۔ وید ایسے لوگوں کو رتھی نہیں کہتا۔ بلکہ جو اندریوں کے گھوڑوں کو من کی لگام سے اچھی طرح قابو رکھنے یعنی غالب الحواس اور ضابط الحواس ہوتے ہیں۔ ان کی عقل اور ہوش و حواس سب برقرار رہتے ہیں۔ اور وہ صحیح معنوں میں رتھی ہیں۔ روح ان حواس کو قابو میں رکھ کر بے کھٹکے اپنا سفر کرتا ہے۔ یعنی سچا علم پانا اور عمل کئے جانا ہے۔ جتنا کہ انتہائی علم والے نور مجسم خدا سے واصل ہوتا ہے۔

قرآن ہر جگہ متقی لوگوں کو ان کے علم عمل اور صبر کے بدلے جنت ملنے کا ذکر کرتا ہے۔ اور حوالہ نمبر ۱۵ یعنی سورہ روم آیت نمبر ۱۵ میں کہتا ہے۔ ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جنت کے روضوں میں مسرور پائیں گے۔ حوالہ نمبر ۱ سورۃ السبا آیت ۳۷ میں کہا ہے۔ جو ایمان لا کر نیک عمل کرے گا۔ اس کو کئی گنا معاوضہ ملیگا۔ بوجہ ان کے اعمال کے اور وہ اس بلند مقام میں امن سے رہیں گے۔ حوالہ ۱۹ سورۃ الفاطر آیت ۳۵ میں جنتیوں کی طرف سے خدا کی تعریف ہونے کی وجہ بتائی ہے۔ کہ اس نے انہیں اپنے فضل سے ایسے دارالمقام پر پہنچا دیا۔ کہ اس میں مشقت تکلیف یا تھکان نام کو نہیں۔ حوالہ ۲۱ سورۃ القمر آیت ۵۵ میں کہا ہے۔ جنت کا مقام کیا ہے۔ صدق والا مقام ہے۔ اس شاہ قادر کی قرابت میں۔ اسی خیال کو ادا کرنے کے لئے حضرت محمد صاحب کے معراج کا خیال ہے۔ رتھ کی جگہ براق تجویز ہوا۔ کیونکہ پروں سے اڑے بغیر اوپر پہنچنا محال سمجھا گیا۔ اور رتھ کا اڑ کر اوپر جانا انہیں قرین قیاس بھی نہیں تھا۔ پھر وید میں دیدار الٰہی یا وصل الٰہی کی منزل مقصود کو (اتی دوم) یعنی انتہائی تجلی والا مقام کہا تھا۔ اسی کے بیان میں ان لوگوں نے معراج کے آخری مقام پر تجلی کے بیان میں عجیب و غریب کمال دکھائے ہیں۔ پروں والا براق بھی دماغ میں اس لئے آیا۔ کہ پہلے منتر میں پکھشو کا لفظ جسے ہم نے گیان اور کرم کے دو بازوؤں کے معنی میں لیا ہے دو پروں کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اور اس منتر میں رتھی کے ساتھ پکھشی کا بھی لفظ ہے۔

۳۲۔ آدرش کامیابی

एष यज्ञानां विततो वहिष्ठो विष्टारिणं पक्त्वा दिवमा विवेश ।
आण्डीकं कुमुदं सं तनोति बिसं शालूकं शफको मुलाली ।
एतास्त्वा धारा उप यन्तु सर्वाः स्वर्गे लोके मधुमत् पिन्वमाना
उप त्वा तिष्ठन्तु पुष्करिणीः समन्ताः ॥५॥

نسل انسانی کی ترقی کے اس سب سے بڑے یگیہ کو تکمیل تک پہنچا کر انسان راحت کے کرہ میں داخل ہوتا ہے۔ اس گرہست کے تالاب میں گول کنول کمل نال۔ کمل کند اور دیگر خوبصورت کملوں کو پیدا کرتا ہے۔ یہ سب راحت بخش دھاریں سورگ لوک میں تجھے سب طرفوں سے حاصل ہوں۔ آنند برساتی ہوئی یہ تجھ پر قائم رہیں اور تجھے تقویت یا قرار دیتی ہوئی تیرا انجام اچھا کریں۔

۵۔ اسی منتر کے دوسرے ارتھ یہ ہوں گے۔ وہ پرمیشور سب جیووں سے ہر طرح کی فضیلت رکھنے والا اور ہر جا موجود ہے۔ ایسے غیر محدود پرمیشور کے علم میں کمال پا کر سچے عالم موکش دھام میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ پرم ہنس

نجات یافتہ رُوح مکتی دھام میں تمام راحت کے سامانوں کو بالمشافہ دیکھتا ہے۔ وہ اس محیط کائنات۔ سرور مطلق سب کے محرک کمل کند کی طرح آنند کند علم مجسم اور کل کائنات کی قلت اولین میں بچرتا ہے۔

اے طالبان نجات! اس تمام کائنات کو چلانے والی طاقتیں تمہیں حاصل ہوں۔ اور سورگ میں پرسرور آب حیات کو پیدا کر کے ہر طرح سے آتما کو بلوان بنانے والی اور اچھے انجام والی ہوں۔

۳۳۔ سُکھ کی دھاریں

घृत ह्रदा मधुकूलाः सुरोदका । क्षीरेरा पूर्णा उदकेन दध्ना एतास्त्वा०॥६॥ चतुरः कुम्भां श्चतुर्धा ददामि क्षीरेरा पूर्णा उदकेन दध्ना एतास्त्वा०॥७॥

گھی والے۔ شہد سے لبالب بھرے مُسرا یعنی لذیذ نوشیدنی والے اور دودھ دہی اور جل کے بھرے ہوئے کلشوں سے بہتی ہوئی دھاریں تجھے پراپت ہوں۔ یہ سب راحت بخش دھاریں سوَرگ لوک میں تجھے ہر سب طرفوں سے حاصل ہوں۔ آنند برسانی ہوئی یہ تجھ پر قائم رہیں۔ اور تجھے تقویت با قرار دیتی ہوئی تیرا انجام بخیر کریں۔ ۶۔ چار قسم کی چیزوں (دودھ۔ دہی۔ لذیذ اشیائے نوشیدنی اور سادہ جل) کے چار کلش میں تجھے دیتا ہوں۔ یہ سب الخ (دوسرے معنے) سچے علم اور جلال سے بھرپور۔ شہد کی مانند میٹھے روحانی لذتوں سے بھری ہوئی۔ سرور بخش رس والے پرم آنند روپی آب حیات والی اور کل کائنات کو دھارن کرنے والی طاقتوں سے بھرپور مذکورہ بالا سب دھاریں تجھے حاصل ہوں۔ اور یہ سب سوَرگ میں پُرسرور آبحیات کو پیدا کر کے آتما کو بلوان بنائیں۔ اور انجام بخیر کریں۔ ۷۔ سچے گیان سے بھرے ہوئے چار کمبھ (وید) جو دھرم ارتھ کام اور موکھش کے پھلوں کو دینے والے ہیں۔ گیان۔ کرم اُپاسنا اور وگیان کے چار کانڈوں کے لئے میں تجھے دیتا ہوں۔ مذکورہ بالا سب دھاریں تجھے حاصل ہوں۔ اور یہ سب سوَرگ میں پُرسرور آبحیات کو پیدا کر کے آتما کو بلوان بنائیں۔ اور انجام بخیر کریں۔

۳۴۔ اولاد کی نعمت

گرہست کا یگیہ نسل انسانی کی ترقی کے لئے مقصود ہے۔ اس لئے سب سے پہلے منتر ۵ میں اولاد کی کامیابی کی خوشخبری دی ہے۔ پدما لیں وشنو کی ناف سے کمل اور کمل سے برہما ہونے کا جو بیان ہے۔ وہ وید کے اس استعارے کی بگڑی ہوئی صُورت ہے۔ کہ گرہست کے تالاب میں خوبصورت کمل پیدا ہوتے ہیں۔ پانی کے اندر نال ہے۔ اور گول خوبصورت کمل پانی کے اوپر ہے۔ ایسے ہی نیلوفر کی نال اور گل نیلوفر کا حال ہے۔ یعنہ گرہست کے تالاب میں کھلے ہوئے کمل کی طرح اولاد جیسی نعمت ہے۔ اسی کی جگہ حوالہ نمبر ۵۳ سورۃ الدہر آیت ۱۹ میں کہا ہے۔ کہ جنتیوں کے ارد گرد ہمیشہ رہنے والے بچے ہوں گے۔ ایسے خوبصورت کہ تو انہیں دیکھے۔ تو یہی سمجھے۔ کہ بس بکھرے ہوئے موتی ہیں کمل نال محض انسانی نسل کے تسلسل کی قائمقام ہے۔

۳۵- قرآنی نہریں چشمے اور نعمتیں!

دفعہ ۲ دعوا الٰہی نمبر ۷ میں کہا ہے کہ اس جنت (دنیا یا گرہست) کی مثال کے لئے باغوں کا لفظ آیا ہے۔ وید میں اس کے لئے اودن کا لفظ ہے۔ اور اسی اودن سے بگڑ کر عدن کا لفظ بنا ہے۔ اودن کے مروجہ معنی بجات کے ہیں۔ مگر وید میں اس کے معنے کا وسیع تعلق کل کائنات میں ہونے والے بگیہ یا باغ عالم سے ہے۔ اسی طرح نہروں اور چشموں کے لفظ قرآن کی کتنی ہی آیتوں میں وید کے دہارا اور کنڈ الفاظ کی جگہ بیان ہوئے ہیں۔ وید میں دودھ سے بھرے ہوئے۔ شہد سے لبریز کلشوں کی دھارا کا ذکر ہے۔ تو قرآن میں دودھ اور شہد کی نہروں کا بیان ہے۔ وید میں پانی کی دھاریں مذکور ہیں۔ تو قرآن میں بھی پانی کی نہریں ہیں۔ وید میں لفظ تھا۔ سرودکاہ सुरोदका: اس کے معنے ہیں۔ وہ تمام قسم کی نوشیدنی چیزیں جو آگ وغیرہ پر مختلف شربتوں اور عرقوں کے روپ میں پکائی جاتی ہیں۔ اور لذیذ اور مفید ہوتی ہیں۔ عربی میں شراب کے ہو بہو یہی معنی ہیں۔ آج کل بدنصیبی سے ہمارے ہاں شراب ایک نشیلی اور غیر مفید بلکہ مضر شئے کے لئے مشہور ہے۔ اور اسی کا مفہوم جو ہمارے ذہن نشین ہو رہا ہے۔ ہمیں قرآن میں آئے لفظ شراب سے بڑے معنے لینے پر مائل کرتا ہے۔ لیکن درحقیقت شراب نوشیدنی چیزوں کا نام ہے۔ سنسکرت کے سُرا شبد کے معنے بھی ہمارے ہاں بدل گئے ہیں۔ اور اس کا استعمال شراب کے لئے ہوتا ہے۔ مگر وید اور قرآن میں سُرا اور شراب شربت اور عرقیات وغیرہ کے لئے ہیں۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے۔ وہ شراب نہایت لذیذ ہوگی۔ اس میں نہ خمار یا نشہ نہ ہلاکت یا نقصان ہوگا۔ آج کل لیمونیڈ جنجر۔ روز وغیرہ ناموں سے جو پانی بوتلوں میں بھرے جا رہے ہیں۔ اور تمام قسم کے شربت اور عرق سرودکاہ لفظ کے معنے میں آسکتے ہیں۔ ان کے لئے قرآن جو لفظ استعمال کرتا ہے۔ اس سے مترجموں نے کہیں کافوری پانی لکھا ہے۔ کہیں سونٹھ کا پانی اور ان کے بھرے ہوئے کلسوں یا پانی کی کثرت کے لئے کہیں سلسبیل کا چشمہ کہا ہے۔ کہیں تسنیم کا چشمہ پھر ان پینے کی چیزوں کو سربمہر کہا ہے۔ اور مہر مشک کی کہی ہے۔ یہ بھی آج کل کی بوتلوں والی مہروں اور لیبلوں سے ظاہر ہے۔ وغیرہ وغیرہ شراب پینے کی چیزوں کا نام ہے۔ شرب کا لفظ اکل و شرب (یعنی کھانے پینے کی چیزوں) میں عام طور پر استعمال ہوتا ہے

۳۶- نعمائے عالم نجات

دنیوی جنت کے لئے جہاں یہ نعمتیں ہیں۔ وہاں نجات کے لئے ان ہی الفاظ سے موسوم روحانی نعمتیں ہیں۔ اور قرآن جہاں یہ کہتا ہے۔ کہ جنت میں نہ دکھ ہوگا نہ خوف۔ نہ مشقت نہ تھکان۔ وہاں محض حالت نجات کا بیان ہے۔ سلامتی ہی سلامتی اور سرور ہی سرور کا تعلق اسی حالت سے مخصوص ہے۔ وید میں دنیوی سرور والی دودھ وغیرہ کی نعمتیں روحانی نجات میں کہیں آنند اور سرور کے سامانوں سے تعبیر کی گئی ہیں۔ کہیں سب کامناؤں کے پورا ہونے سے کہیں مختلف قسم کی دھاراؤں سے۔ کہیں گیان سے۔ کہیں امرت سے اور کہیں روحانی طاقتوں سے

کہیں جنم مرن سے چھوٹنے سے۔ کہیں سچے گیانیوں کی صحبت وغیرہ سے۔ قرآن میں جنت کی نعمتوں کو پائیدار کہا ہے۔ کھانے بھی پائدار ہیں۔ اور سائے بھی پائدار۔ دودھ کی نہروں کا ذکر کیا تو یوں کہا۔ کہ اس دودھ کا ذائقہ بدلتا نہیں۔ ایسے ہی شراب بھی دنیوی شراب سے نرالا اور بھی سب نعمتیں بدلنے والی۔ چونکہ ایسی نعمتیں سوائے حقیقی علم وغیرہ کے اور ہو نہیں سکتیں۔ اس لئے مدعا محض وید میں گیان وغیرہ کی سینکڑوں ہزاروں دھاریں بتاتا ہے۔ یا نعمتوں کی بے شمار قسمیں تو قرآن بھی ان نعمتوں کی کوئی حد نہیں بتاتا۔ بار بار بہت قسم کی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے۔

۳۷۔ بہشت اور اس کی وسعت

اسلام میں جنت کا نام بہشت بھی آتا ہے۔ اور اس کی وسعت آسمانوں اور زمین کی وسعت کہی گئی ہے۔ (حوالہ نمبر ۳۷ سورۃ الحدید آیت ۲۱) اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جنت کا مقام محدود یا مخصوص نہیں۔ بلکہ یہ کل دنیا ہی جنت ہے۔ کتاب حجت الاسلام (مصنف مولانا عبد اللہ چکڑالوی) کے صفحہ ۹۷ پر لکھا ہے۔

"جس جگہ جنت میں اس کی (آدم اور اس کی بیوی) کی سکونت کا ذکر ہے۔ وہاں جنت سے دنیا کا باغ مراد ہے۔ مولوی عبد الحق صاحب "ویدوں کا بہشت" میں جنت اور نجات کو روحانیت کی سرزمین وغیرہ کہتے ہیں"۔

واقعی ہر کہیں نیک عمل کرنے والے لوگ راحت یا سورگ یا جنت ہی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ وید سکھ کی ہر حالت اور جگہ کو سورگ کہتا ہے۔ اور اس سورگ کے لئے بار بار (विष्टारिस) یعنی وسترت یا پھیلا ہوا یا نہایت وسیع کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ بلکہ پہلے منتر میں گیان کو اس کا سر کل کائنات کو اس کی پیٹھ۔ عالم ارواح کو اس کا پیٹ۔ گیان اور عمل کے دو پہلوؤں ۔۔۔ کو اس کے بازو اور سینہ کو اس کا تنہ کہتا ہے۔ اور یہ وہ وسعت ہے۔ جو انسان کے تخیل میں بھی آنی محال ہے۔ یہ امر بھی قابل نوٹ ہے۔ کہ پانچویں منتر میں جو (विहव) کا لفظ ہے۔ وہی دنیا میں بہشت کہلا رہا ہے۔ اور اس کے معنے ہیں۔ سب سے زیادہ بڑا۔ پس ظاہر ہے۔ کہ کل دنیا کی انتہائی وسعت کے لئے ہی یہ لفظ بولا گیا ہے۔

۳۸۔ کام دھینو

इममोदनं निदधे ब्राह्मणेषु विष्टारिणं लोकजितं स्वर्गम्।

स मे मा क्षेष्ट स्वधया पिन्वमानो विश्वरूपा धेनुः कामदुघा मे अस्तु॥ ۲۲

میں اس ہر جا موجود سورگ کو جو فاتح جہان اور کل خوبیوں اور طاقتوں کا مجسمہ ہے۔ برہمنوں (عالمانِ وید) کو دیتا ہوں۔ یعنی ان ہی کے ہاتھ میں سورگ کی کنجی ہے۔ اے پرمیشور! ایسی عنایت کر کہ آن وغیرہ جملہ ضروریات کو پورا کر کے پالنے والا یہ اودن مجھ خانہ دار کے لئے نشٹ نہ ہو۔ بلکہ میرے لئے یہ ایسی کام دھینو بنے۔ کہ میری سب کامناؤں کو پورا کردے (دوسرے معنے) میں

کل جہان میں پھیلے ہوئے۔ تمام لوگوں میں فتح اور نصرت دلانے والے مکتی نام اوون کا برہم گیانیوں کو شبھ سماچار دیتا ہوں۔ (اس لئے اسے امرت پترو۔ یہی پرارتھنا کرو۔ کہ ہے پرمیشور! یہ امرت سے سب کو زینت کرنے والا اوون مجھ طالب نجات کے لئے نشٹ نہ ہو۔ بلکہ میرے لئے کام دھینو ہو کر میری تمام قسم کی کامنائیں کو پورا کرے۔

۳۹۔ برہمنوں کا فرض

اس منتر میں نہایت خوبی سے سورگ کے حاصل کرنے کا گر بتایا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ برہمن اس سورگ کے پرماتما کی طرف سے اصل ادھیکاری ہیں۔ وہ گیان اور تپ وسنتوش سے خود سورگ میں ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کو جہالت اور لذات نفسانی کی غلامی سے بذریعہ وعظ حق بچا کر سکھ اور راحت پانے کا مستحق کرتے ہیں۔ ان سے ملی ہوئی علمی روشنی کے ذریعہ سے تمام لوگ نیک عمل کرتے اور پاک کمائی سے بہ آرام گزر کرتے ہوئے اولاد کی پیدائش۔ پرورش۔ تعلیم وتربیت میں مشغول رہتے اور دنیا کو صحیح معنی میں اپنے لئے سورگ بناتے ہیں۔ دوسرے معنی میں برہم گیانی ہی نجات کا مستحق ہے۔ یہ برہمنوں کو اس اوون کے یا شبھ سماچار سنانے کا صحیح مطلب ہے۔

۴۰۔ سب مرادیں پوری

قرآن میں اس کام دھینو کا مفہوم مختلف پیرایوں میں ظاہر کیا ہے۔ (حوالہ نمبر۱ سورۃ النحل آیت ۳۱) جو کچھ وہ چاہینگے ان کے لئے وہاں موجود ہوگا۔

(حوالہ نمبر۲ سورہ یٰس آیت ۵۷ و ۵۸) ان کے لئے وہاں سب پھل ہوں گے۔ اور جو وہ چاہیں گے۔ پائیں گے۔ اور خدائے رحیم کا قول ہوگا "سلامتی" یہ پھل دھرم ارتھ کام اور موکھش کے ہیں۔ اور وید منتروں میں جو ایشور کی اشیرباد سوستی سوستی لفظ کی صورت میں ہے۔ قرآن میں سلامتی کے نام سے ہے۔ (حوالہ نمبر۲۱ سورۃ الصّافات آیت ۶۰ و ۶۱) یقیناً یہی جنت کا حصول ہی۔ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اور ایسی ہی کامیابی کے لئے اہل عمل کو عمل کرنا چاہیئے۔

(حوالہ نمبر۳ سورۃ الزمر آیت ۶۱) جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ خدا ان کی سب مرادیں پوری کر کے انہیں نجات دیگا۔ انہیں نہ تکلیف ہوگی۔ نہ دکھ ملیگا۔

۴۱۔ فاتح جہاں

اس منتر میں سورگ کو (लोक जितम فاتح جہاں) کہا ہے۔ اور سام وید ۵-۵-۹ میں یہی مدعا بیان ہوا ہے

आविर्भ र्व्या आवाजं वाजिनो आमन देवस्य सवितुः सवम।

स्वर्गअर्वन्ती जयत ॥

صاحب علم فانی انسان اس سب کے خالق علم مجسم پرماتما کی علم پر مبنی تحریک سے فیض پاتے ہیں۔ اس لئے اے علم والے لوگو! اس سورگ میں فتح ونصرت کے ساتھ داخل ہوؤ۔

(حوالہ نمبر ۲ سورۂ اعراف آیت ۴۹) قرآن کہتا ہے۔ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ تمہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ رنج۔

(حوالہ نمبر ۲۹ سورہ ق آیت ۳۴ میں لکھا ہے۔ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا ہی قرآن میں یہ بھی دعا ہے۔ کہ اے خدا ہمیں فتح و نصرت کے ساتھ جنت میں داخل کر۔ کل دنیا کو جنت کہنا بھی یہی مفہوم رکھتا ہے۔

तत लन्तु मन्वेके तरान्ति येषां दत्तं पित्रयं: मायनेन ।
अवन्ध्वेके ददत: प्रयच्छन्तो दातं चेच्छिक्षान्त्स स्वर्ग
एव: ॥

اتھروید ۶۔ ۱۲۲۔ ۲

۴۲۔ دو قسم کا جنت

جن لوگوں نے دنیا میں پیدا ہو کر پتری رن (قرضہ) چکا دیا ہے۔ وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو اولاد کو پیدا کر کے ہی تر جاتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو بے اولاد ہیں۔ یا دنیوی رشتوں سے قطع تعلق کئے ہیں تو بھی اپنے قرضخواہ کا قرضہ چکانے والے کے مانند ہی قابلیت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اگر اپنے علم اور دولت وغیرہ کو سب کے دانا پرمیشور کے راہ میں ہی خرچ کر دیں۔ تو بھی ان کے لئے سورگ ہے۔

۴۳۔ ادائے فرض

چونکہ ویدک سدھانت یہ ہے۔ کہ کرم کرتے ہوئے ہی جینے کی خواہش کرنی چاہئے۔ یہی وہ طریق ہے جس میں انسان کے لئے کرم بندھن کا موجب نہیں ہوتے۔ اس لئے کرم کے متعلق فرض ادا کرنے کا ہی نام جنت یا سورگ ہے اور دنیوی سورگ میں یہ فرض دو طرح پورا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ انسان اولاد پیدا کر کے پتری رن (پدری قرضہ) سے سرخرو ہو۔ یہ قرضہ کیا ہے۔ والدین کی طرف سے ہمیں پیدا کرنے کا ویوہار۔ جیسے ہمیں زندہ رکھنے اور علم دینے میں مختلف طریقوں سے دیو رن اور رشی رن کے ہم زیر بار ہیں۔ ویسے ہی والدین کا قرضہ ہم پر ہے۔ اور اس قرضہ کو چکانے کے فرض سے ہم اس طرح سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ کہ شادی کر کے ہم بھی اسی طرح اولاد پیدا کریں۔ اور یہ سرخروئی ہماری ایک قسم کا سورگ ہے۔ لیکن جو لوگ شادی نہیں کرتے اور اولاد پیدا نہیں کرتے۔ وہ بدستور مقروض رہتے ہیں۔ ہاں ایک صورت ایسی ہے۔ کہ بغیر اولاد پیدا کرنے کے بھی انسان پتری رن سے مکت ہو جاتا ہے۔ وہ طریق کیا ہے؟ یہ کہ انسان اپنی دولت اپنے علم اپنی طاقت کو راہ حق یعنی دوسروں کی بھلائی میں خرچ کر دے۔ اس قربانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ دوسرے لوگوں کے ہزارہا بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں کامیابی دینے کے لئے اس کی طاقتیں معاون ہوتی ہیں۔ اس کی دولت کئی یتیموں کو موت سے بچا سکتی ہے۔ اس کا علم کئی لوگوں کو روحانی موت سے رہائی دیتا ہے۔ قرآن کے سورۂ الرحمٰن کی آیات ۴۶ تا ۷۷ (حوالہ نمبر ۳۲) میں اول تو بار بار یہ ہدایت دی ہے۔ کہ تم اپنے رب کے ہمیشہ شکر گزار رہو۔ خدا کی نعمتیں یاد دلا دلا کر بار بار یہی کہا ہے۔ کہ تم اپنے خدا کی کس کس نعمت سے انکار کر سکتے ہو۔ پھر آیت ۴۶ میں کہا ہے۔ کہ جو لوگ خدا کے جاہ و جلال سے

ڈرتے ہیں۔ ان کے لئے دو جنت ہیں۔ سو ایک تو گھر میں بیوی بچوں والدین وغیرہ کے ساتھ راحت و طمینان سے رہنا اور دوسرا دُنیوی دولت وغیرہ سے اپنے ہم جنسوں کی ہمدردانہ اعانت ہونا۔ خدا کا خوف دل میں رکھنے سے انسان گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا۔ جائز طریق پر اولاد پیدا کرکے اپنے خاندان کے گلشن کو شگفتہ اور سرسبز رکھتا ہے۔ اور اپنی دولت وغیرہ سے بھی اس گلشن عالم کو شاداب کرتا رہتا ہے۔ غرضیکہ برہمن علم کی طاقت سے دوسروں کو بچاکر اور دلیش اپنے دھن سے علم اور دہرم کے کاموں میں مدد دے کر اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ تو یہ ہر ایک کے لئے اپنی اپنی قسم کا جنت ہے۔ سب عمل دیویان یا صراط مستقیم کو صاف کرکے سُورگ میں پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

वभ्रेर स्वर्गो मुखमेतद विमृड्ढयज्याय लो कं कृणुहि-
प्रीव द्वान ।
घृतेन गात्रान सर्वा वि मृड्ढि कृणोव पन्थां पितृयानं स्वर्गं ॥

(اتھروویدہ ۱۱-۱-۳۱)

۴۴۔ دو چشمے

ہے اد ہوریا! رعیت کی رکشا کرنے والے راجہ کو صاف کر اور تو بڑا بھاری عالم ہو کر آجیہ داس کھشا تریل) کے بھوگ کے لئے اس لوک کو کردے۔ اور سارے انگوں کو خاص طور پر تیج سے بھر دے میں اس سُورگ کے راستہ کو صاف کروں۔ جو بزرگوں کی عنایت سے ملتا ہے۔ (دوسرا حوالہ)

वृषभो ऽसि स्वर्ग ऋषीनार्षेयान गच्छ ।　　اتھروویدہ ۱۱-۱-۳۵
सुकृतां लोके सीद तत्र नौ संस्कृतम् ॥
यं वां पिता पचति यं च माता रिप्रान्निर्मुक्त्यै शमलाच्च　　حوالہ نمبر ۳۔
वाचः ॥ स ओदनः शतधारः स्वर्ग उभे व्याप नभसी महित्वा ॥　　اتھروویدہ ۱۲-۳-۵-

اے سُورگ تو سکھ کی بارش کرنے والا ہے۔ تو رشیوں اور رشی سنتان کو حاصل کر۔ تو نیک عمل کرنے والے لوگوں کے مقاموں میں دراجمان ہو۔ وہاں ہی ہم کو پاکیزہ حالت میں رکھ (حوالہ نمبر۲) اے مرد اور عورت! جس ویریہ یا برہمچریہ بل کو تمہارے ماں باپ تیزی رن چکانے اور بانی کے پاپ سے بچا رہنے کے لئے نہایت پختہ کرتے ہیں۔ وہی سو برس کی عمر دینے والا سُورگ یا صدہا دھارا یا نعمتوں کی ندیوں والا سُورگ ہے۔ وُہی دونوں لوکوں یا موجودہ اور رسیدہ سنتانوں کو اپنی عظمت سے اثر پذیر کرتا ہے۔ ان منتروں میں خاص قسم کے دو چشموں کا ذکر ہے۔ اور سُورۃ الرحمٰن آیت ۵ میں بھی لکھا ہے۔ کہ مذکورہ بالا دونوں جنتوں میں دو چشمے ہیں۔ یہ چشمے گویا دونوں باغوں کو سیراب کرتے ہیں۔ ایک تو ہے برہمچریہ سے رکشا کی گئی ویریہ کی طاقت والا چشمہ جس سے تمام طاقتیں قائم رہتی اور اولاد پیدا ہونے سے گرہست کا باغ سرسبز رہتا ہے۔ اور دوسرا چشمہ ہے علم کا۔ اس سے انسانی سوسائٹی کا وہ تعلق قائم رہتا ہے۔ جو امن اور راحت کا موجب ہو سکتا ہے۔ پہلے حوالے میں رعیت کی رکھشا کرنے والا راجہ یا سارے انگوں کو تیج سے بھرنے والا کھشا تریل اسی ویریہ والے پہلے چشمے کا بیان کرتا ہے۔ اور سُورگ کے لئے

جو دوسری شرط بڑا بھاری عالم ہونے کی ہے۔ وہ دوسرے حوالہ میں رشیوں اور نیک عمل لوگوں کے بیان میں ہے۔ تیسرے حوالے میں دونوں چشموں کا بیان ایک ہی جگہ موجود ہے۔ اول ویدیہ یا بہ بچریہ کا بل جس سے اولاد پیدا کرکے انسان پتری رن سے سرخرو ہوتا ہے۔ اور دوسرا آپ کی کے پاپ سے بچانے والا علم کا چشمہ۔

۱۱۳۔ دو اور جنت

سورۃ الرحمٰن کی آیت نمبر ۶۲ میں بیان ہے۔ کہ آیت ۴۶ میں بیان شدہ دو جنتوں کے علاوہ دو اور باغ ہیں۔ سو یہ باغ لوک اور پرلوک کے دو باغ ہیں۔ آیت ۴۶ والے باغ تو شخصی تعلق رکھتے تھے۔ یعنی ہر گرہستی کا اولاد پیدا کرنا اور اپنے مال و دولت کو حق پر لگانا۔ لیکن یہ دو باغ بڑے وسیع تعلق والے ہیں۔ ویشیشک درشن میں کہا ہے۔

ادھیائے اول شلوک ۲- यतो ऽभ्युदय नि: श्रेयस सिद्धि : सधर्मः॥ جس سے دنیوی دولت اور موکش کی یعنی لوک اور پرلوک دونوں کی سدھی ہو۔ وہ دھرم ہے۔ سو دو قسم کے یہی باغ ہیں۔ دفعہ ۱۰۴ کے حوالہ نمبر ۳ میں سو برس کی عمر دینے اور سینکڑوں ہزاروں یا نعمتوں کی ندیوں والا سورگ دونوں لوکوں کو اپنی عظمت سے اثر پذیر کرتا ہے۔ ایک سورگ ہے۔ اس میں دنیوی سکھ ہی ہیں۔ اور ان سکھوں کی بدولت اطمینان کی حالت میں انسان پرلوک کے لئے جو حصول گیان کی تیاری کرتا ہے۔ یہ اس کو دوسرے لوک کے لئے مفید پڑتا ہے۔ وہ دوسرا لوک اتھروید ۱۲-۳-۳۸ میں مذکور ہے۔

उपा स्तरीरकरो लोक मेत मुरुः प्रथताम समः स्वर्गः।

तस्मिंछ्रयातै महिषः सुपर्णो देवा एनं देवताभ्यः प्रयच्छान ॥

اتھروید ۱۲-۳-۳۸

تو خود اس لوک کو بناتا اور پھیلاتا ہے لاثانی سورگ بڑھے اور پھیلے۔ اس میں علم وغیرہ صفات سے موصوف طاقت کل پرمیشور موجود ہے۔ سے وہ روشن بالذات خود دیوتاؤں کے سپرد کرتا ہے۔

انسان خود اپنے علم اور نیک عملوں کو وسعت دے کر نجات کا مستحق ہوتا ہے۔ اور ایسے دیوتاؤں یا عالموں کو پرماتما وہ سورگ لوک یا روحانی سرور کی حالت عنایت کرتا ہے۔

آٹھواں باب ۔ قانونِ عمل

۳۱۱۔ ویدک سدھانت

یجر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۲ میں ایشور منش کو اپدیش دیتے ہیں۔ کہ انسان کے لئے دُکھ سے بچنے کا طریق یہی ہے۔ کہ سو سال یعنی تمام عمر بھر وید کے مطابق عمل کرتا ہُوا ہی جئے (۱)

اسی ادھیائے کے منتر ۹ میں فرمایا ہے۔ کہ غیر مخلوق مادہ کے اپاسک تاریکی مجسّم نیچ قالبوں میں جاتے ہیں۔ اور مخلوق مادی اشیاء کے اپاسک ان سے بھی زیادہ خوفناک حالتوں میں مبتلا ہوتے ہیں

رگوید منڈل ۱۔ سوکت ۱۶۴ منتر ۲۰ میں کہا ہے۔ جیو آتما پرکرتی روپی برکھش کے پھلوں کو چکھتا ہے یعنی جیسے ان کو استعمال میں لاتا ہے۔ ویسا ہی پھل پاتا ہے۔

یجر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۳ میں کہا ہے۔ جہالت مجسّم لوگوں کو آتم گھاتی لوگ پراپت ہوتے ہیں۔

اتھروید ۱۹-۵-۱ میں کہا ہے۔ وہ پرمیشور تمام جانداروں اور مختلف شکلوں والے تمام پدارتھوں کا راجہ ہے۔ انسان ان پدارتھوں کے حصول کے لئے اس پرمیشور کی صحیح معنوں میں ستتی یعنی اس کی یاد کرتے ہوئے ان کا استعمال کرتے ہیں۔ تو وہ انہیں یہ دھن دیتا ہے۔ (۲)

یجر وید کے برہمن میں ہے۔ جیو جس کا من میں دھیان کرتا ہے۔ اس کو بانی سے بولتا ہے۔ جسے بانی سے بولتا ہے کرم سے کرتا ہے۔ اور جیسے کرم سے کرتا اسے پراپت ہوتا ہے۔ (۳)

اور اس طرح کے عالمگیر اصول کو ان مختصر الفاظ میں بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ

اوشیمیو بھگتویم کرتہ کرم شبھا شبھم

یعنی بھلے بُرے جو کام کئے جاتے ہیں۔ ان کا پھل بھوگنا ہی پڑے گا۔

قانون عمل کے متعلق وید کی تعلیم کے زیر اثر منو وغیرہ کا فرمان ہے۔ اور مہرشی دیانند نے بھی اسی امر کو ثابت کیا ہے۔ کہ کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی حرکت بھی بغیر پھل کے نہیں رہتی۔ تعلیم وید کے مطابق انسان کے کل کام جتنے

کुर्वन्नेवेह कर्माणि जिजीविषेच्छतं समाः । ۱-
एवं त्वयि नान्यथेतोऽस्ति न कर्म लिप्यते नरे ॥ २ ॥

इन्द्रो राजा जगतश्चर्षणीनामधि क्षमि विषुरूपं यदस्ति । ۲-
ततो ददाति दाशुषे वसूनि चोदद् राध उपस्तुतश्चिदर्वाक ॥

यन्मनसा ध्यायति तद्वाचा वदति यद्वाचा वदति तत् ۳-
कर्मणा करोति यत् कर्मणा करोति तदभिसम्पद्यते ॥

کہ دیکھنا۔ سننا۔ چکھنا۔ چھونا وغیرہ کی حرکات بھی سنسکار کی شکل میں انسان کے اندر نقش ہوتی ہیں۔ یہ سنسکار مٹ نہیں سکتے۔ گویا کہیں بھی چھپ چھپا کر کام کرو۔ لوگوں کو معلوم ہو نہ ہو۔ کرنے والے کے من میں وہ نقش ہو جاتا ہے۔ پورانوں میں اس امر کو اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ چترا ور گپت نام کے دو دیوتا انسان کے اندر رہ کر اس کے عملوں کو لکھتے رہتے ہیں۔ موت کے وقت دھرم راج کی طرف سے یم کے دوت آتے اور انسان کو پکڑ لے جاتے ہیں تب چتر گپت والا چٹھا دھرم راج کے پیش ہوتا۔ اور انسان کو اس کے مطابق پھل ملتا ہے۔ اس کا اصل مطلب یہ ہے۔ کہ دھرم راج نام پرمیشور کا ہے۔ مرنے کے وقت یم نام ہوا وآکاش کے ذریعے آتما ایک شریر کو چھوڑ کر دوسرے شریر میں جاتا ہے۔ جیسے سنسکار آخیر میں زور پر ہوتے ہیں۔ ویسے ہی قالب کی طرف روح کو رجوع ہوتا ہے۔ اور یہی بات صحیح ثابت ہوتی ہے۔ کہ انت متا سوگتا اور یہی ایشوری انصاف کے مطابق ہے۔ اس لئے ان کی اس صفت کے دویہ گن کی وجہ سے انہیں بھی دیوتا کہا جاتا ہے۔ اور انسان پر واضح کیا جاتا ہے۔ کہ تمہارے واسطے ناممکن ہے۔ کہ تم اپنے کسی گناہ کو پرمیشور سے چھپا سکو۔ اور اس کے دکھ روپ پھل سے بچ سکو۔

۱۱۴۔ قرآنی تعلیم

قرآن میں بھی ویدک تعلیم کے مطابق سکھ و دکھ کا مدار اعمال پر ہی رکھا ہے۔ سورۃ البقر آیت ۳ تا ۶ میں کہا ہے۔ جو غیب پر ایمان لاتے۔ عبادت وغیرہ کام بلا ناغہ کرتے۔ اور ہمارا دیا ہوا رزق (بھلائی میں) خرچ کرتے ہیں۔ ۳۔ اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔ جو تجھ پر اور تجھ سے پہلوں پر ظاہر ہوا۔ اور پرلوک (آخرۃ) پر یقین رکھتے ہیں۔ ۴ یہی لوگ اپنے خدا کے راہ ہدایت پر ہیں۔ اور یہی فلاح (پھل) پانے والے ہیں۔ ۵۔ (۱)

بقر۔ ۷ و ۸۔ تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں انہیں ڈرانا نہ ڈرانا ایک برابر ہے۔ وہ ماننے کے نہیں۔ ۷۔ خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر رکھی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پٹی ہے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ۸۔ (۲)

نوٹ:۔ دلوں اور کانوں پر مہر کرنے کے صحیح مفہوم کے لئے دیکھو ہماری ویدک تفسیر۔

بقر ۲۷ فاسق وہ ہیں۔ جو ازلی عہد اللہ کو توڑتے۔ جس کے حصول کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اس سے قطع تعلق کرتے اور دنیا میں خرابی پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (۳)

بقر ۳۵۔ اور ہم نے حکم دیا تھا کہ اے آدم تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں رہو۔ اور اس میں سے جہاں سے چاہو بے تکلف کھاؤ۔ مگر اس درخت (مادی دنیا کے سامانوں) کا دلدادہ نہ بننا۔ اس سے تم گناہگار ہو گے۔ (۴)

۱۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

۳۔ اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ ۔۔۔ الخ

۴۔ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔

بقرہ ۳۸ و ۳۹ ۔ سو جب مجھ سے تمہاری طرف ہدایت پہنچے۔ اس پر جو چلیگا اسے نہ خوف رہیگا نہ رنج۔ اور جو ہماری تعلیمات سے انحراف اور ان کی تکذیب کریں گے۔ وہ دوزخ والے ہوں گے۔ اور اسی میں رہیں گے۔ (۱)

بقرہ ۶۲۔ تحقیق اہل ایمان کیا۔ اور یہودی۔ نصرانی اور صابی کیا۔ جو بھی اللہ اور عاقبت پر ایمان لائیگا۔ اور نیک عمل کریگا۔ اپنے رب سے پھل پائیگا۔ نہ اس کے لئے خوف ہوگا۔ نہ رنج۔ (۲)

بقرہ ۸۱ و ۸۲ بے شک جس نے برائی کمائی۔ اور اپنے گناہوں سے گھر گیا۔ وہ دوزخ والا ہے۔ اور جنہوں نے ایمان لاکر نیک عمل کئے۔ وہ اہل جنت ہیں۔ (۳)

بقرہ ۱۱۲ و ۱۱۱ کہتے ہیں۔ کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ سوائے اس کے جو یہودی ہو یا نصرانی۔ یہ ان کی کہنے کی ہی بات ہے کہو۔ اگر سچے ہو۔ تو اپنا ثبوت لاؤ اجی یہ ہے۔ کہ جس نے اپنا رُخ اللہ کی طرف پھیر لیا۔ اور نیک عمل بنا اسی کو اپنے رب کے ہاں اجر ملیگا۔ اور نہ انہیں خوف ہوگا نہ رنج (۴) یہی منشا بقرہ ۲۷۷۔ آل عمران ۹۴ و مایدہ ۶۹ کا ہے۔

بقرہ ۱۴۱ میں کہا ہے۔ یہ گذرے ہوئے لوگ ہیں۔ ان کے واسطے جو انہوں نے کیا۔ اور تمہارے واسطے جو تم نے کیا۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائیگا۔ کہ وہ کیا عمل کرتے تھے۔ (۵)

بقرہ ۲۸۱۔ آل عمران ۲۴۔ ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ (۶)

آل عمران ۔ ۱۹۵ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل ضائع نہیں کرتا۔ خواہ مرد ہو۔ خواہ عورت ۔ ۷ ۔

نساء ۔ ۳۲۔ اللہ نے جو تم میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے رکھی ہے۔ اس کا ارمان نہ کرو۔ مردوں نے جیسے کرم کئے ہوں۔ ان کو ان کا بھاگ اور عورتوں نے جیسے عمل کئے ہوں۔ ان کو ان کا بھاگ۔ (۸)

نساء ۔ ۱۲۳ ۔ فلاح نہ تمہاری آرزوؤں پر ہے۔ نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر بلکہ عمل پر موقوف ہے پس جو برا کام کریگا۔ اس کی سزا پائیگا۔

انعام ۔ ۱۳۳ ۔ جیسے جیسے عمل لوگوں نے کئے ہیں۔ ان کی ہی رو سے ان سب کے درجے ہوں گے۔

---

۱ ۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

۲ ۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ (۳) بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

۴ ۔ وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۔ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

۵ ۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۔

۶ ۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

۷ ۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ج

۸ ۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۔

اعراف ۸ و ۹۔ تول اس دن صحیح ہوگی۔ جن کے نیک عمل کا وزن بھاری ہوگا۔ کامیاب ہوں گے۔ اور جن کے نیک عملوں کا وزن ہلکا ہوگا۔ وہی ہماری آیتوں کی نافرمانی کرتا رہنے کی وجہ سے نقصان اٹھائیں گے۔ (۱)

ھود۔ ۱۱۱۔ اور تمہارا پروردگار ان سب کو ان کے اعمال کا بدلہ ضرور پورا پورا دیگا۔ کیونکہ جیسے جیسے عمل یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اس کو سب خبر ہے۔ ایسا نہ سمجھنا۔ کہ خدا ظالموں کے اعمال سے غافل ہے۔ (۲) انبیاء ۴۷۔ اور قیامت کے دن ہم سچی ڈنڈیاں لگا دیں گے۔ کسی پر ذرہ بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا۔ تو ہم مجرا دیں گے۔ اور حساب لینا بس ہم پر ختم ہے۔ (۳)

۱۱۵۔ کراماً کاتبین

جس طرح ویدک دھرمی لوگ مانتے ہیں۔ کہ کرم سب سنسکاروں کی شکل میں ہمارے اندر رہتے ہیں۔ اسی طرح قرآن میں جگہ بہ جگہ کہا ہے۔ کہ انسان کے اوپر لکھنے والے مقرر ہیں۔ سنسکاروں کو باقیات کہا ہے۔ کہیں اپنے ہاتھ یا اعضا کی کمائی اور جیسے ویدک دھرم میں چترگپت دو دیوتا مانے۔ ویسے ہی قرآن نے کراماً کاتبین دو فرشتے کہے۔

سورۃ الانفطار آیت ۵ و ۶ میں انسان کو مخاطب کیا ہے۔ کہ خدا نے تمہیں عجیب و غریب صورت اور اوصاف عطا فرمائیں۔ مگر تم دھرم سے بے پرواہ ہو۔ اس گمراہی کی وجہ کیا ہے؟ ارے گناہ کرنے والے انسان! یاد رکھ! "یقیناً تم پر حفاظت کرنے والے تعینات ہیں کون؟ کراماً کاتبین جو کچھ تم کرتے ہو۔ وہ جانتے ہیں۔ انفطار ۔ ۱۲ (۴)

ان سنسکاروں کو ہی قرآن بہترین اندوختہ کہتا ہے۔ اور جیسے ویدک دھرمی مانتے ہیں۔ کہ ان سنسکاروں کے مطابق ہی گتی ہوتی ہے۔ ویسے ہی قرآن بھی کہتا ہے۔ کہ خدا ان کی کمائی ان کے آگے رکھ دیگا۔ یا ان کے اعمال ان پر واضح کر دیگا۔ کہیں یہ لکھا ہے۔ کہ ہاتھ پیر وغیرہ اعضا گواہی دیں گے۔ اور یہ بھی بتایا ہے۔ کہ جس خدا نے ہاتھ پیر وغیرہ کو کام کی طاقت دی ہے۔ وہی انہیں اس وقت طاقت گویائی دیگا۔ مطلب یہ کہ جیسے رات کو خواب میں انسان کے ہاتھ پیر وغیرہ نہیں چلتے۔ مگر ان کے عملوں کی یادداشتوں کے بل پر سب کام ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ سنسکار اپنی زبان حال سے بتاتے ہیں۔ کہ ان اعضا سے کیا کیا حرکات کی گئیں۔ سورۃ المجادلۃ آیت ۶ میں کہا ہے۔

اللہ اس وقت ان کے عمل ان کے سامنے رکھیگا۔ اس نے انہیں محفوظ رکھا ہے۔ خواہ انسان انہیں بھول گیا ہو۔ اس کے بعد خدا کو حاضر ناظر بتایا۔ اور سمجھایا گیا ہے۔ کہ انسان کہیں بھی ہو۔ خدا اس کے پاس اس کا نگران ہے۔ جیسے وید میں اسے ساکشی چیتن کہا ہے۔ سورۃ لقمان آیت ۱۵ و ۱۶ میں کہا ہے۔ آخر لوٹنا تم نے ہماری طرف ہے سو

۱۔ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ۔

۲۔ وَإِنَّ كُلًّا لَمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

۳۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ۔

۴۔ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ

۵۔ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔

جیسے عمل تم کرتے رہے ہو۔ ہم تم پر واضح کردیں گے۔ بیٹا اگر رائی کے دانے کے برابر کوئی فعل ہو۔ اور وہ کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں پر یا زمین میں ہو۔ تو وہ بھی اللہ لا حاضر کریگا۔ تحقیق وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔ (۱)

اگر غور کیا جاوے۔ تو سچے انصاف کا مدار ہی ایسی شہادت پر ہو سکتا ہے۔ جس میں امکان غلطی کا نہ ہو۔ اور یہ قدرت کا عجیب انتظام ہے۔ کہ سنسکاروں کی بدولت روح اپنے لئے خود شہادت مجسم بنا ہوتا ہے۔ انسانی عدالتیں ہر مقدمہ کے متعلق فیصلہ کا انحصار مثل مقدمہ پر رکھتی ہیں جس میں موقعہ واردات اور وقوعہ کے متعلق تمام حالات کو جیوں کا تیوں نقش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بذریعہ شہادت و نقشہ وغیرہ کے۔ یہ سارا انتظام اسی سنسکاروں والے انتظام کی ہی نقل ہے۔

۱۱۶۔ توبہ و معافی

ویدک تعلیم کی رو سے ہر گناہ کی سزا لازمی طور پر ملتی ہے۔ مگر بعض علماء اسلام قرآن کے رو سے توبہ کرنے پر گناہ کے معاف ہونے کے غلط عقیدہ کے قایل ہیں۔ یہ ظاہر یہ اعتقاد ویدک تعلیم سے مختلف ہے۔ لیکن حقیقت کے لحاظ سے اس کے عین مطابق ہے۔ توبہ کرنا۔ معافی مانگنا۔ گڑگڑانا وغیرہ بذات خود سزا ہے۔ خفیف سی بری حرکت پر فوراً اس سے پچھتانا اور آئندہ اس سے باز رہنے کا ارادہ کرنا۔ گو کتنی بھی خفیف سزا سمجھا جاوے جرم کی نوعیت کے لحاظ سے وہ ضرور منصفانہ سزا ہوگی۔ درگذر کرنا یا معافی دینا محض سخت سزا کی عدم ضرورت کا نام ہے۔ اور قرآن توبہ و معافی وغیرہ کا مفہوم محض یہی بیان کرتا ہے۔ کہ انسان خود اپنی ضمیر کی آواز سے یا سوسائٹی سے ندامت پاکر اپنی اصلاح خود کرے و پچھتاوے۔ گویا توبہ سزا سے چھوٹنا نہیں۔ بلکہ برائی سے بچ کر نیکی کی طرف لوٹنا ہے سبلے سمجھی اور عدم تدبیر پر مبنی معافی کا خیال گناہ کی ترقی کا موجب ہے۔ بہ مصداق ؏ کر جائے تو کر د مار اگستاخ شاعر نے اسی غلطی کا خاکہ ان لفظوں میں کھینچا ہے۔

صد سال بدیں غرض گناہ خواہم کرد تا بینم کہ فضل تست بیش یا گناہ من

واقعی سزا نہ ملنے کا اعتقاد خدا کے ذوالفضل ہونے کی صفت کے انتہائی مضر مفہوم کو چیلنج کرتا ہے۔ اور قرآن ایسی توبہ و معافی کو کہیں بھی قابل تسلیم قرار نہیں دیتا۔

بقر۔ ۱۶۰۔ مگر جن لوگوں نے پشچاتاپ کیا۔ اور اپنی اصلاح کی اور صاف صاف گناہ کا اقبال کیا۔ ان کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ (۲)

آل عمران۔ ۸۹۔ ہاں گناہ کرنے کے بعد جو لوگ پچھتاویں اور اپنی اصلاح کر لیں۔ تو تحقیق خدا غفور اور رحیم ہے۔ (۳)

۱۔ ثم الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون یا بنی انها ان تک مثقال حبة من خردل فتکن فی صخرة او فی السموات او فی الارض یات بها الله ان الله لطیف خبیر

۲۔ الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا فاولئک اتوب علیهم وانا التواب الرحیم

۳۔ الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور رحیم

آل عمران ۔ ۹۰ ۔ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کریں۔ اور کفر میں ترقی کرتے جاویں۔ ان کی توبہ کسی طرح قبول نہ ہوگی۔ یہی گمراہ لوگ ہیں۔ (۱)

نساء ۔ ۱۷ ۔ اللہ ان ہی لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھتے اور پھر جلدی ہی پشچاتاپ کرتے ہیں۔

نساء ۔ ۱۶ ۔ اور کوئی دو ہستیاں تم میں سے بدکاری کی مرتکب ہوں۔ تو انہیں مارو۔ پیٹو۔ پھر اگر توبہ کریں۔ اور اپنی حالت کو سدھار لیں۔ تو ان سے تعرض نہ کرو۔ (۲)

نساء ۔ ۱۸ ۔ ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو عمر بھر برے کام کرتے ہیں۔ مگر جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہوتی ہے۔ تو کہنے لگتے ہیں۔ اب میری توبہ اور ان کیلئے ہی نہیں۔ جو کفر کی حالت میں مر گئے۔ سب کے لئے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے۔ (۳)

نساء ۔ ۱۴۶ ۔ مگر جن لوگوں نے توبہ کی۔ اپنی حالت سدھار لی۔ اللہ پر تقویٰ کر لیا۔ اور اپنے دین کو خدا کے لئے خالص کر لیا۔ وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے۔ (۴)

اسی طرح مائدہ ۔ ۳۹ وغیرہ کتنی ہی آیات میں اس اصول کو بیان کیا گیا ہے۔

جرم کا مدار نیت پر ہے۔ لہذا جو پہلی مرتبہ محض مرکب الخطا ہونے سے برائی کرتا ہے۔ اس کے دل میں گناہ کا اثر پشچاتاپ سے اٹھ جاتا اور وہ پاک ہو جاتا ہے۔ پس ظاہری سزا انسان کے اندرونی خیالات اور اس کے مخصوص گناہ کی نوعیت کے مطابق مختلف قسم کی ہو سکتی ہے۔ معدوم کسی صورت میں مانی نہیں جا سکتی۔ سزا کا معدوم ہونا تو کہاں۔ گمراہ منکروں اور کافروں کی توبہ کی کچھ وقعت ہی نہیں۔

غرضیکہ اس پہلو میں بھی قرآن وید کی پوزیشن کے عین مطابق ہے۔

۱۱۷ ۔ نہ شفاعت نہ رشوت

بقرہ ۴۸ و ۱۲۳ ۔ اور ڈرو اس وقت سے کہ کوئی کسی کے کام نہ آئیگا۔ اور نہ کوئی شفاعت قبول ہوگی۔ نہ معاوضہ لیا جائیگا۔ اور نہ کوئی مدد مل سکیگی۔ (۵)

انعام ۔ ۵۱ ۔ قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو ڈراؤ۔ جو خوف رکھتے ہیں۔ کہ ان کا حشر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کے سوائے ان کا نہ کوئی دوست ہوگا۔ نہ شفیع۔ اس طرح شاید یہ پرہیزگار ہوں۔

---

۱ ۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝

۲ ۔ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (۱۷) وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝

۳ ۔ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ (أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝)

۴ ۔ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ (الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝)

۵ ۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝

اختیار کریں۔ (۱)

انعام - ۷۰ - جنہوں نے دھرم کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے۔ اور جنہیں دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ایسے لوگوں کو نظر انداز کر۔ ہاں انہیں نصیحت دیتا رہ۔ مبادا کوئی اپنی کرتوت کے بدلے مبتلائے آفت ہو جائے۔ خدا کے سوائے اس کا نہ کوئی حامی ہوگا نہ سفارشی اور خواہ وہ کتنے ہی معاوضہ دے۔ اس سے کوئی معاوضہ نہ لیا جائیگا۔ یہی ہیں جو اپنے عمل سے مبتلائے آفت ہوئے ہیں۔ (۲)

بقر - ۲۵۴ - اے ایمان لانے والو! ہمارے دیئے ہیں سے خرچ کرو۔ قبل اس کے کہ وہ وقت آوے کہ نہ کوئی سودا ہو سکے۔ نہ دوستی نہ سفارش۔ (۳)

بقر - ۲۵۵ - و یونس ۳ اس کے اپنے اذن (مشیت) کے سوا کون ہے۔ جو اس کے پاس کسی کی سفارش کر سکے۔ (۴)

المائدہ - ۳۶ و رعد - ۱۸ - جن لوگوں نے کفر کیا۔ اگر ان کے پاس تمام روئے زمین کا مال ومتاع ہو اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو۔ اور وہ یہ سب کچھ دے کر قیامت کے عذاب سے بچنا چاہیں۔ تو بھی یہ ان سے قبول نہ ہوگا۔ وہ عذاب ہی پائیں گے (۵)

مریم - ۸۸ - وہاں شفاعت کا اختیار نہ ہوگا۔ ہاں رحمان والے عہد کا ایفا ہی شفاعت ہوگا۔ (۶)

آل عمران ۹ و ۱۱۶ - اللہ کے ہاں منکروں کے نہ مال کام آئیں گے۔ نہ ان کی اولاد۔ یہی ہیں دوزخ کے ایندھن (۷)

۱۱۸ - فلاح کا مدار محض نیکی پر

جہاں رشوت و شفاعت کا خدا کے انصاف میں کوئی دخل نہیں۔ وہاں نیکی کرنے پر اچھا پھل نہ ملنے کا بھی کوئی امکان نہیں

اور قرآن تمام امور کا خیال چھوڑ کر نیکی اور محض نیکی یعنی صحیح علم اور عمل پر ہی بھروسہ کرنے کی انسان کو ہدایت دیتا ہے۔

۲- وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ
۱- وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا
شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝
۳- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ
۴- مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۝
۵- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
۶- لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝
۷- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۝

نساء۔ ۱۶۲۔ ان میں سے جو پختہ علم والے مسلمان ہیں۔ وہ ان کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو تم پر اور تم سے پہلوں پر ظاہر ہوئیں۔ وہ نمازیں پڑھتے۔ زکوٰۃ دیتے۔ اور اللہ اور پرلوک (عاقبت) پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کو ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔ (۱)

آل عمران ۱۱۳ تا ۱۱۵۔ اہل ایمان سب یکساں نہیں۔ کچھ لوگ راتوں کو کھڑے رہ کر آیات الٰہی پڑھتے اور سجدے کرتے ہیں۔ ۱۱۴۔ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے۔ نیک کاموں کے کرنے کو کہتے۔ برے کاموں سے روکتے۔ اور نیک کاموں میں لپس کو دہی پڑتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہمارے نیک بندوں میں داخل ہیں۔ ۱۱۴۔ اور نیکی کسی طرح کی کریں۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ کہ ان کی اس نیکی کی قدر نہ کی جائے۔ اللہ پرہیزگاروں سے خوب واقف ہے۔ ۱۱۵۔ (۲)

نساء۔ ۱۳۲۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ کا ہی ہے۔ اور وکالت بس اللہ پر ہی ختم ہے (۳)

اس طرح بہت سی آیتوں میں پر زور تعلیم دی گئی ہے۔ کہ اچھا پھل ملنے کے لئے سوائے اپنے نیک عمل اور انصاف الٰہی کے کوئی اور ذریعہ نہیں۔

اتھروید کانڈ ۱۲۔ سوکت ۳ منتر ۴۸ میں کہا ہے۔ ایشور کے قانون عمل میں کوئی بھول نہیں ہو سکتی نہ سفارش وغیرہ کا سہارا ہو سکتا ہے۔ نہ مددگاروں کے ساتھ جا کر بدعملوں کے نتیجہ سے بچاؤ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا اعمالنامہ جیوں کا تیوں بلا کسی کمی بیشی کے پوشیدہ طور پر محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور کرم پھل کا پکی پکائی فصل ہی کرم کرنے یا پکانے والے کو پھر پھر ملتی رہتی ہے۔ یعنی اعمال کا نتیجہ ہی انسان کی پراربدھ یا تقدیر ہے (۴)

اس منتر کے لفظ پاتر کا ترجمہ ہم نے اعمالنامہ کیا ہے۔ اس کی توضیح ۲۷ ویں باب میں کی جاوے گی۔ یہاں محض یہ بتانا ہے۔ کہ قانون عمل کے متعلق ہر پہلو کو قرآن صحیح صحیح تسلیم اور بیان کرتا ہے۔ اور اس منتر میں قریباً ان تمام اصولوں کا اجمالی بیان موجود ہے۔ ویدک دھرمی اور اہل اسلام دونوں نے دھرم یا سچائی کی حقیقت کو نہ جان کر رواجات کا نام دھرم رکھا ہے۔ لیکن وید نے کھیتی اور فصل کی حقیقت سے واضح کر دیا ہے۔ کہ کسی نمائشی خیال سے کام نہیں چل سکتا۔ قرآن سورۃ البقر آیت ۱۷۷ میں اچھی طرح کان کھولتا ہے۔ کہ ظاہری رواج کا نام صحیح علم و عمل نہیں۔ اور ساتھ ہی تمام نیک اعمال کی توضیح بھی بالکل وید والی کرتا ہے۔ اس

۱۔ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا

۲۔ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۔

۳۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا

न कि ल्विबपत्र नाधारो अस्तित्न मित्रैः सममान एति ।

अनूनं पात्रं निहितं न एतत् पक्तारं पक्वः पुनराविशाति ॥ ४

अ० १२।३।४८ ॥

آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

نیکی اس کا نام نہیں۔ کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف۔ بلکہ نیکی یہ ہے۔ کہ تم خدا۔ عاقبت۔ نیک عالم لوگوں۔ کتاب الہٰی اور نبیوں کو مانو۔ اور اس کی محبت پر اپنے قریبی لوگوں۔ یتیموں۔ مسکینوں۔ مسافروں (اتیتھیوں) بھکھاریوں اور حفاظت کے کاموں میں مال کا استعمال کرو۔ نماز کے پکے۔ زکوٰۃ کے دینے والے اور عہد کر کے اپنے عہد کا ایفا کرنے والے مصیبت اور تکلیف کے وقت اور دوران مصیبت میں مستقل مزاج رہو۔ بس ایسے ہی لوگ صادق ہیں۔ اور یہی متقی ہیں۔ (۱)

نہ صرف کان کھول کر سناتا ہے۔ عقل کی آنکھ سے دیکھنے کی ہدایت دیتا ہے۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے آنکھیں تو تمہارے پاس ہیں۔ پس جو دیکھے یا سمجھے اس کا نفع اس کی ذات کو ہے۔ اور جو دیدہ دانستہ اندھا رہیگا۔ اس کا بار بھی اسی پر ہوگا۔ انعام - ۱۰۵ - (۲)

ان عملوں سے بے پرواہ یا ان کے خلاف عمل کرنے والوں سے قرآن کفر کا الزام منسوب کرتا ہے۔ اور ان کو شدت کے عذاب کے لازمی طور پر ملنے کا ذکر کر کے مثالوں سے عبرت دیتا ہے۔

انعام ۵۶ میں فرمایا ہے۔ کافروں پر بھی کچھ گذریگا۔ جو فرعون کے لوگوں اور اس سے پہلوں پر گذرا۔ انہوں نے احکام خدا کی بے توقیری کی۔ اور خدا نے انہیں ملیا مبیٹ کر دیا۔ اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا۔ کہ وہ ظالم تھے۔

ایک آل فرعون کیا۔ قرآن تمام گذشتہ قوموں کی اسی تقدیر کا اشارہ کر کے برائی سے بچنے اور بھلائی کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ انعام - ۶ میں کہا ہے۔

کیا ان لوگوں کو خیال نہیں۔ کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی امتوں کی امتوں کو تباہ کیا ہے۔ ان کی دنیا میں ہم نے وہ دھاک باندھ دی تھی۔ کہ ابھی تک تمہاری نہیں بندھی۔ ہم نے ان پر موسلا دھار مینہ برسایا۔ ان کے لئے نہریں رواں کر دیں۔ مگر جب انہوں نے گناہ کئے۔ ہم نے انہیں سزا دی۔ ان کا ناش کیا۔ اور دوسری امتوں کو ان کی جگہ برسر اقبال کر دیا۔ (۳)

غرضیکہ نیک اعمال کے لئے ترغیب اور تحریص دینے کے لئے اور بدی سے ہٹانے کے لئے قرآن نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور جس طرح ویدک دھرمیوں نے گناہوں کے بدلے میں دکھ ملنے کے اصول کو نرک کے لفظ میں بند کیا۔ اور دکھوں کی آگ یا نار کی وجہ سے ہی اس کا یہ نام رکھا۔ قرآن نے بھی دوزخ یا آگ

۱- لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

۲- قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ

۳- اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ

وغیرہ ہی دکھ کی حالت کا نام رکھے ہیں۔ ویدک دھرمیوں نے آگ میں جلنے۔ گرزوں سے پیٹا جانے۔ سانپوں سے ڈسا جانے۔ پیاس کے مارے زبان نکالنے۔ مگر پانی نہ ملنے۔ الٹا کھولتے ہوئے پانی سے زبان جلنے اور کھانے کے لئے پیپ وغیرہ قسم کی گندگی و نجاست نگلنے۔ آروں سے چیرا جانے وغیرہ کے خوفناک چتر جس ڈرو کھانے کے لئے کھینچے ہیں۔ قرآن میں بھی اسی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اور ہدایت دی ہے۔ کاش تو دیکھے کس طرح فرشتے کافروں کو موت دیتے۔ اور ان کے چہروں اور پشتوں پر ضربیں لگاتے۔ اور وہ آتش عذاب میں جلتے ہیں۔ یہ تمہارے ان عملوں کا نتیجہ ہیں جو تم نے اپنے ہاتھوں زاد راہ بنا کر بھیجے۔ ورنہ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔
انفال - ۵۲ ـ ۵۱ (۱)

غرضیکہ دکھوں سے بچنے کے لئے محض اوپر بیان شدہ نیک اعمال کی ہی ضرورت ہے۔ اور اسی کو اپنا نصب العین بنانے کی ہدایت قرآن بقر۔ ۱۴۸ میں دیتا ہے۔

اور ہر ایک کا اپنا اپنا نشانہ ہے۔ یعنی مذاق جس کی طرف اس کا رجحان رہتا ہے۔ لہذا تم نیکیوں میں سبقت لے جاؤ۔ اس سے جہاں بھی تم ہو گے۔ اللہ سب کو وہیں کھینچ لائیگا۔ (۲)

۱۱۹۔ نفس کشی

وید میں جسم کے تمام اعضا سے کام لینے والا من کو کہا ہے۔ اور کام کے متعلق ہدایت یہ ہے۔ کہ وہ گیان یا سچے علم کے مطابق ہو۔ اس علم کا احساس کرنیوالا آلہ عقل ہے۔ پس من کا کام عقل سلیم کے ماتحت ہونا لازمی ہے۔ اور اسی لئے گائتری منتر یا سورۃ فاتحہ میں عقل کی روشنی یا راہ ہدایت کی دعا مانگی گئی ہے۔ اور اگر عقل کی رہنمائی نہ رہے یا عقل علمی روشنی سے اس قدر محروم ہو کہ من کو قابو میں رکھے یا راہ نہ دکھا سکے۔ تو من تمام حواس سے کام اس طریق پر لیتا ہے کہ بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ اور عموماً انسان نقصان کو ہی نفع سمجھ لیتا ہے۔ ایسے خود سر یا باغی من کو پھر علم اور عقل کی رہنمائی میں قائم کرنے کے لئے جو عمل کیا جاتا ہے۔ ایسے من کا مارنا۔ مغلوب کرنا یا قتل کرنا کہا جاتا ہے۔ اور بے قابو یا خودسر من کو نفس امارہ یا شیطان کہا جاتا ہے۔ وید میں اہی شبد ہے جس کے معنے بادل ہے۔ جو روشنی یا سورج کے آگے روک ہے۔ اسی طرح سرکش من بھی علم حق کے مطابق عمل نہیں کرنے دیتا۔ سانپ انسان کی ہستی کو ہی مٹاتا ہے۔ غرضیکہ بادل۔ شیطان۔ سانپ من سب اہی کے مفہوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور قدیم کتب میں جہاں اہی کا لفظ آتا تھا۔ وہاں مترجموں نے موقعہ و محل و اصول کا علم نہ ہونے سے کوئی سا لفظ لکھ دیا ہے۔ چنانچہ برے انسان یا نفس کی بجائے بائبل والے نے حوا کے بہکانے والا سانپ کو لکھ دیا۔ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ میں صفرا کا لفظ ہے۔ لغات میں اور معنوں کے علاوہ اس کے معنے آدمی کے اندر کا یا پیٹ والا سانپ کہا ہے۔ اور یہ نفس امارہ کے لئے ہے۔ فارسی میں سعدی کے شعر میں کہا ہے۔ کہ نالائق بیٹے سانپ سے بھی برے ہیں۔ مکاشفات

۱۔ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ
ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ۔

۲۔ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

میں رلیس۔ بادل۔ اجگر یہ سانپ کو ایک ہی معنی ظاہر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہی لفظ ایک ہی ہے۔ جس کے سارے معنے مختلف موقعوں پر بلا تمیز موقعہ کے لکھے گئے ہیں۔ پارسیوں میں شیطان کا نام اہرمن ہے۔ یہ درحقیقت سنسکرت کا لفظ تھا۔ : अहिमन یعنی اہی من ہے۔ قرآن میں بھی من کو ہی اندر کا سانپ اور ابلیس اور شیطان کہا ہے۔ اگر کوئی آدمی کافر یا شیطان کہلاتا ہے۔ تو وہ محض اسی بے قابو من کی حقیقت واضح کرتا ہے۔ شیطان کی کوئی جداہستی نہیں۔ نیک عمل کرنے کے لئے وید میں من کو شیو سنکلپ بنانے کی ہدایت ہے۔ اور بھوے خیالات والے من کو مارے بغیر نیک عمل کا ہونا ناممکن بتایا۔ اور یہی کچھ قرآن نے سورۃ البقر میں موسیٰ کے نام سے ان لفظوں میں بتایا ہے۔ کہ میرے بھائیو! تم نے بچھڑا بنا کر یا پوج کر اپنے آپ کا ہی نقصان کیا ہے۔ پس جناب باری کی طرف رجوع کرو۔ اپنے نفس کو مارو۔ یہی خدا کی جناب میں تمہارے لئے بہتر ہے۔

اسی نفس کے لئے آگے چل کر بقر کا لفظ آیا ہے۔ جس کو لوگوں کے نہ سمجھنے پر مختلف اوصاف نفس بتا کر سمجھایا گیا ہے۔ اور اس کو ذبح کرنے کا مطلب صاف طور پر نفس کشی کو بتایا ہے۔ اور اس کا نتیجہ نور یا گیان کا حصول یا آتما کی پوشیدہ طاقتوں کا ظہور بتایا ہے۔ اس قسم کے اشارات پر غور کیا جاوے۔ تو ویدک دہرم اور اسلام میں گمراہ اور بدعمل لوگوں کو راہ پر لانے یا نیک عمل کرنے کے لئے من کو قابو کرنے کی ایک ہی ترکیب بتائی گئی ہے۔

یہ خیال کہ شیطان لوگوں کو بہکاتا پھرتا ہے۔ محض من کی خودسری کا ہی مترادف ہے۔ لہذا قانون عمل کی کامیابی کے ساتھ پابندی کرنے کے لئے اس نفس کشی کا خیال لازمی ہے۔ اور بڑے سے بڑے مرتاض لوگوں کے واقعات ویدک دہرمی لوگوں اور مسلمانوں میں بھی نفس کشی کی ہی اہمیت کا احساس کراتے ہیں۔ جیتا کر من جیتے جگ جیت یا ایسی ہی اور ضرب المثلوں میں نفس اماره جیسے موذی کا مارنا انسان کو فاتح جہان کا خطاب دیتا ہے۔ اس فتح کا اصل مطلب علم اور عقل کی طاقت کا ترقی پانا ہے۔ وید بھی سچے علم سے من اور حواس کی رہنمائی پر زور دیتا ہے۔ اور قرآن بھی سورۃ المایدہ آیت ۴ میں کہتا ہے۔ کہ جائز حق یا حلال کا پتہ خدا کے دیئے ہوئے علم سے اپنی کام کی طاقتوں کی تربیت کرنے پر ملتا ہے۔ (۱)

وید یجرو وید کے پہلے منتر میں کہتا ہے۔ اشیائے عالم کو بے ضرر طریق پر حاصل کرو۔ اور قرآن بھی یہی کہتا ہے۔ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ۔ ان کو کھاؤ۔ جن سے تکلیف ملے۔

۱۲۰- نقد حساب

وید کے مطابق ثمرۂ اعمال انصاف الہی سے ساتھ کے ساتھ مل رہا ہے۔ مکتی۔ بندھن سکھ دکھ کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اور یہی پوزیشن قرآن کی ہے۔ جیسا کہ اکثر جگہ خدا کو سریع الحساب وغیرہ کہنے سے ظاہر ہے۔

آل عمران - ۱۸ - جو لوگ خدا کی آیتوں سے منکر ہیں۔ اللہ ان سے جلد حساب لینے والا ہے۔ یعنی سزا جزا دیتے ہوئے اسے دیر نہیں لگتی۔ (۲)

آل عمران - ۱۹۹ - اہل کتاب میں سے بے شک کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز اس پر جو تم پر اور

۱- قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ؛

۲- وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۔

تم سے پہلوں پر نازل ہوا۔ وہ اللہ کے آگے جھکے رہتے ہیں۔ اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑے سے پر فروخت نہیں کرتے ان کا اجر ان کے پروردگار کے ہاں ہے۔ اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ (۱)

اسی طرح کئی آیتوں میں خدا کو سریع العقاب کہا ہے۔ یعنی جلد سزا دینے والا۔ ایسا ہی ذوانتقام اور شدید العقاب وغیرہ الفاظ کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ وہ ہمیشہ سزا جزا دینے والا ہے۔ یہ خیال کہ موہوم قیامت کے دن خدا انصاف کریگا۔ اور لوگوں کو بہشت دوزخ میں ڈالیگا۔ درندار نہیں ہو سکتا۔ جب اس سے پہلے عملاً ساری دنیا کو سکھ دکھ مل رہا ہے۔ تو بہشت دوزخ کیا باقی رہ گئے۔ بعض آیات مثلاً یونس ۱۱ وغیرہ میں کہا ہے۔ کہ خدا سزا دینے کے لئے جلدی نہیں کرتا۔ تاہم اس کا مطلب محض یہ ہے۔ کہ وہ کم ظرف اوچھے آدمیوں کی طرح غصہ اور طیش میں آ کر مخالفین حق کو ایذا نہیں دیتا۔ بلکہ اپنے کامل انصاف سے جس وقت اور جس ترتیب سے جس جس فعل کی سزا یا جزا دینا مناسب ہے۔ اسی وقت اور اسی ترتیب سے دیتا ہے۔

۱۲۱۔ قانونِ عمل اٹل ہے

قرآن میں جب یہ کہا گیا۔ کہ نہ شفاعت نہ رشوت کی خدا کے قانون کے عملدرآمد میں پیش جا سکتی ہے۔ نہ کل دنیا کی کیا اتنی ہی اور دولت کا معاوضہ دے کر بھی کوئی سزا سے چھوٹ سکتا ہے۔ تب یہ ظاہر ہے۔ کہ قانونِ عمل اٹل ہے۔ لیکن آنحضرت اس اصول کی پختگی کو اور طرح بھی واضح کرتے ہیں۔ وہ خدا کو بے مثال اور لاشریک مانتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جہاں انسان قانون بدلنے میں مجبور ہے۔ وہاں کوئی اور طاقت بھی اس کو بدل نہیں سکتی۔ نہ خدا کسی کام میں کوئی کا شریک ہے۔ نہ اس جیسا کوئی اور خدا ہے۔ تب انسان کو دنیوی دولت و رشتہ داروں کی طرح کوئی اور بڑی ہستی ماننے کی بھی نوبت نہیں آ سکتی۔ جو خدا سے اپنی طاقت سے سچے انصاف کے خلاف کچھ کرا سکے۔ ایک خیال ہو سکتا ہے۔ کہ سچے رسول کی شفاعت والا اعتقاد صحیح ہو۔ سو اس کے لئے آنحضرت خود فرماتے ہیں۔ کہ

"میں تو خود ڈرتا ہوں۔ کہ اگر مجھ سے گناہ ہو گیا۔ تو بڑے دن یعنی برھم دن کا عذاب پاؤنگا۔ یونس۔ ۱۵ (۲)
آل عمران آیت ۱۶۱ میں کہا ہے۔ کہ اگر نبی بھی خیانت کریگا۔ تو قیامت کے دن اس کا نتیجہ بھگتے گا۔ (۳)
مطلب یہ کہ ہر شخص عمل کے مطابق پھل پائیگا۔ کسی کے متعلق انصاف ڈھیلا نہ ہوگا۔

اعراف ۱۸۸ و یونس ۴۹ میں کہا ہے۔

میرا اپنا ذاتی نفع نقصان بھی میرے اختیار میں نہیں۔ جو خدا چاہے وہی ہوتا ہے) (۴)
اسی طرح وہ بار بار قانون عمل کے متعلق انسانوں کی ذمہ داری کے ٹلنے کی کوئی صورت نہ ہونے کا پرزور

۱۔ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔

۲۔ إِنِّيْ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔

۳۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّغُلَّ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

۴۔ قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ۔

بیان کرتے ہیں۔ سبحان اللہ میں کیا چیز ہوں۔ محض تم سا ایک البشر۔ محمد کیا ہے۔ محض ایک رسول اور رسول کون ہے۔ محض لوگوں تک کلام الٰہی کا پیغام پہنچانے والا۔ اور محض حکم خدا کے مطابق کہنے سے قابل قبول۔ آنحضرت اپنے آپ کو نابینا اور بینا خدا کے رستہ دکھانے کا محتاج اور اسی کی ہدایت پر چلنے کے ذمہ وار بتاتے ہیں۔ اور خدا فرماتا ہے۔ کہ تم ان تک ہدایت پہنچا دو۔ بس آگے تمہارا اس سے واسطہ نہیں۔ کہ وہ اس پر عمل کرتے ہیں یا نہیں۔ اس کے متعلق بس میں جانوں اور وہ۔ آل عمران آیت ۱۲۸ میں کہا ہے۔ کہ تیرا اس باب میں کوئی دخل نہیں۔ کہ خدا ان پر رحم کرے یا انہیں عذاب دے۔ کاشکہ دنیا وید کے اس اصول کو آنحضرت کی طرح سمجھ سکے۔ کہ

पदा परीारें राध सो निबोधस्व मह्रा आसि। नहित्वा कंचन प्रति ॥

کیا زور سے اور صاف صاف سنا دیا ہے۔ کہ پربھو اتنا مہان اور اس کا قانون اتنا اٹل ہے۔ کہ کوئی اس میں مخل نہیں ہو سکتا۔ اور ہو بھی کیسے۔ جب کوئی اس کا پرتی نہیں۔ یعنی بڑا یا مخالف یا برابر یا اس کا قائمقام غرضیکہ وید اور قرآن کا متفقہ زور اسی پر ہے۔ کہ انسان پختہ اعتقاد رکھیں۔ کہ دکھ سے بچنے کا سوائے خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کے کوئی ذریعہ نہیں۔

نواں باب - آواگون

۱۲۲- اصولی مطابقت

جب قانونِ عمل میں وید اور قرآن کی تعلیمی مطابقت مسلمہ ہے۔ تو آواگون کے متعلق اختلاف ہونا محالات سے ہے۔ کیونکہ آواگون محض اس قانونِ عمل کا عملی پہلو ہے۔ سورگ اور بہشت کی مطابقت جو ساتویں باب میں دکھائی ہے۔ وہ بھی آواگون کا ہی ایک نام ہے۔ روح جب سکھ کی حالت یا راحت بخش کرہ میں ہے یا مادی تعلقات سے آزاد ہو کر اس سرور یا لذات پربھو کا وصل پاتا ہے۔ تو وہ گویا ایک حالت سے دوسری حالت میں آتا ہے۔ اور جب پھر دکھی یا مادی تعلقات والی حالت کو لوٹتا ہے۔ تو وہ پھر اسی پہلی حالت میں جاتا ہے۔ پس سورگ اور بہشت یا قانون عمل کی مطابقت آواگون کے متعلق اصولی مطابقت کا ثبوت ہیں۔ اور اس کے علاوہ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں ہم نے ایک خاص اعتراض پر بحث کرتے ہوئے اس مضمون پر جامع بحث کر دی ہے۔ تاہم مجملاً اس باب میں بھی کچھ ثبوت پیش کرنا ضروری ہے۔

۱۲۳- دو راستے

یجر وید ادھیائے ۱۹ منتر ۴۷ میں ہے۔ دو راستے ہیں۔ ایک گیانیوں کا جن سے سکھ اور نجات کا حصول ہوتا ہے۔ دوسرا اگیانیوں یا پاپیوں کا۔ جس سے دکھ اور جنم مرن ہوتا ہے۔ ان دیو اور پتری یان نام دو مارگوں میں سنسار چکر لگا رہا ہے۔ اور آواگون ہو رہا ہے۔ (۱)

۱- द्वे सृति ऽअशृणवं पितृणामहं देवानामुत मर्त्यानाम्।
ताभ्यामिदं विश्वमेजत्समेति यदन्तरा पितरं मातरं च ॥

یہ عالمگیر اصول آج تک روئے زمین کی تمام قوموں سے برابر مانا گیا ہے۔ بنیادی اصولوں کی لاعلمی سے اگر کوئی آواگون یا مکتی اور بندہ کا لفظ نہیں بولتا۔ نہ ہی سکھ اور دکھ۔ علم اور جہالت۔ نیک اور بد۔ ثواب اور گناہ۔ دھرم ادھرم یا دین اور کفر اور خدا اور شیطان کی حالتوں اور دو ہستیوں کا اقبال سب کو ہے۔ اور قرآن میں تو سورۃ فاتحہ میں ہی ان دو رستوں کا واضح بیان کر دیا ہے۔ صراط مستقیم نام ہے دیوپان کا۔ اس کو صراط الذین انعمت علیہم کہہ کر بتا دیا ہے۔ کہ نعمتوں یا سکھ اور نجات کے پانیوالے لوگوں کا راستہ ہی دیوپان ہے۔ اور غیر مغضوب علیہم والضالین کہہ کر بتا دیا ہے۔ کہ اس کی ضد دوسرا رستہ وہ ہے جس پر خدا کے غضب میں مبتلا ہونے والے دکھی یا آواگون میں بھٹکنے والے لوگ چلتے ہیں۔ اسے ہی پتری یان کہنا چاہئے۔

۱۲۴۔ آواگون قانون الہی ہے

رگوید منڈل ۱۔ سوکت ۲۴۔ منتر ۱ و ۲ میں کہا ہے[۱] (سوال منتر ۱) ہم لوگ کس کا نام پاک سمجھیں۔ کون غیر فانی اشیاء کے اندر موجود ہوتا ہمیشہ موجود بالذات سکو ظاہر کرنیوالا ہے۔ اور ہمکو اس زندگی یا مکتی کی میعاد کے بعد پھر اس دنیا میں پیدا کرتا اور ماں باپ کا دیدار دکھاتا ہے؟ (جواب منتر ۲) ہم اس تجلی بالذات۔ قدیم ہمیشہ مکت پرماتما کا نام پاک سمجھیں۔ جو ہم کو اس زندگی یا مکتی کا آنند بھوگنے کے بعد پھر دنیا میں پیدا کرتا اور ماں باپ کے درشن کراتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آواگون کو وید میں قانون الہی بتایا گیا ہے۔

قرآن میں یہ فتوے کتنے ہی مقامات پر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ذیل کی چند آیات سے واضح ہوگا۔

۱۔ خدا سے تم کس طرح منکر ہو سکتے ہو جس نے تم مردوں کو حیاتی دی۔ وہ تم کو پھر زندہ کرتا اور مارتا رہیگا۔ حتی کہ تم اس کی طرف لوٹو یا اس کا وصل پاؤ۔ بقر ۲۸ (۲)

اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جب تک نجات نہ ملے۔ آواگون برابر رہتا ہے۔ یہ قانون اپنے مقنن خدا کا بین ثبوت ہے۔

۲۔ آل عمران آیت ۲۶ میں ہے۔ کہ جس طرح رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات ہے۔ اسی طرح موت کے بعد زندگی اور زندگی کے بعد موت ہے۔ گویا دنیا کا اور انسان کا پیدائش اور فنا یعنی مکتی اور بندہ کا چکر ہمیشہ سے چل رہا ہے جیسے ضابطہ۔ سزا اور جزا کے لئے یہی اس کا قانون ہے۔ (۳)

۳۔ یونس آیت ۴۔ وہی خلقت کی ابتدا کرتا ہے۔ اور وہی پھر پھر زندگی دیتا ہے۔ کہ اہل ایمان اور نیک عمل والوں کو جزا دے (۴)

۴۔ سورہ بقر آیت ۲۵۸ میں ایک شخص کا ذکر ہے۔ کہ سلطنت از خدا داد اقبال پا کر مغرور ہو گیا۔ اور ابراہیم سے خدا کے

कस्य नूनं कतम स्या मृ ता नां मना महे चारु देव स्य नाम को नो मह्या अदितया।
पुनर्दात् पितरं च दृशेयं मातरं च ॥ १ ॥
अग्ने वयं ,प्रथम स्या मृता नां मना महे चारु देवस्य नाम । सनो मह्या
अदितये पुनर्दात पितरं च दृशेयं मातरं च ॥ २॥

۲۔ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔
۳ تُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۴) اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بالقسط

متعلق جھگڑا۔ ابراہیم نے کہا۔ میرا خدا وہ ہے۔ جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ بولا میں بھی زندہ رکھتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا۔ خدا مشرق سے سورج کو نکالتا ہے۔ تو مغرب سے نکال دکھا (۱) مطلب یہ کہ جب تو موجد سورج کو دوسری طرف سے نکالنے تک میں مجبور ہے۔ تو پیدا اور فنا کرنے پر کس طرح قادر ہو سکتا ہے۔ یقیناً انسانی نہیں۔ یہ قانون الٰہی ہے۔

۵۔ سورۃ الواقعہ آیت ۵۸ میں کہا ہے۔ سوچو تو سہی۔ کہ منی جو تم ڈالتے ہو۔ کیا اس کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے خالق ہیں۔ یقیناً ہم ہی نے تم لوگوں میں موت مقرر کی ہے۔ اور ہم اس سے عاجز نہیں۔ کہ تمہاری شکلیں بدل دیں۔ اور ایسی شکلوں میں بدل دیں۔ جو تم نہیں جانتے (۲) یجر وید ادھیائے ۱۲ منتر ۳۷ میں بتایا ہے۔ کہ جیوآتما جل۔ بنسپتی۔ گربھ سے پھر جسم لیتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جلوں میں بھی پرانی جسم لیتے ہیں۔ بنسپتی میں بھی اور گربھ میں بھی لیتے ہیں اور یہ بھی کہ (۳) ورشا جل کے ساتھ بنسپتی نام اوشدھیوں سے بنے ویریہ کے ساتھ گربھ میں آتا اور جسم لیتا ہے۔ ویریہ کو بھی پانی کا قطرہ یا نطفہ کہا جاتا ہے۔ اور بنسپتی و اوشدھی کا یہ آخری جوہر ہے۔ جو خدا کی بنائی ہوئی انسانی یا حیوانی جسم والی مشینری میں بنتا ہے۔ انسان ویریہ کو بنسپتی سے خود نہیں بنا سکتا۔

۱۲۵۔ تبدیلیٔ قالب کا مفہوم

قرآن مجید سورۃ النور آیت ۳۷ میں فرماتا ہے۔ خدا کے نور سے فیض یافتہ شخص وہ ہے۔ جسے دنیا کا کوئی لین دین خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔ وہ برابر عبادت کرتا اور دان دیتا رہتا ہے۔ اسے اس دن یعنی یوم حشر کا خوف رہتا ہے جس میں دل اور آنکھیں اور حواس بدل جاتے ہیں۔ (۳) انسان کے کاموں کا مدار دل اور جسمانی اندریوں پر ہے۔ اور پھر جسم میں پہلا دل اور حواس نہیں جاتے۔ ان کی جگہ دوسری قالب میں جیسے اوزاروں کا ملنا قانون الٰہی کے مطابق مناسب ہوتے ملتے ہیں اور اسی کی قرآن نے اس آیت میں وضاحت کی ہے۔ وید میں اس اصول کا یجر وید ادھیائے ۴ منتر ۱۵ میں بیان کیا گیا ہے۔ من پران آنکھ۔ کان جسم پھر پھر نئے ملتے ہیں۔ لہٰذا انسان کو یہی پرارتھنا کرنی چاہیئے۔ کہ وہ قادر مطلق علیم کل تمام گناہوں سے بچائے (۵) اس دعا اور قرآن کی ہدایت دونوں سے پایا جاتا ہے۔ کہ انسانوں کو اعلیٰ قالب یا نجات پانے کے ہی عمل کرنے چاہئیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل آیت ۸۰ میں یہی دعا مانگی گئی ہے۔ کہ اے میرے پروردگار مجھے صداقت والے قالب میں ہی داخل فرمائیے گا۔ اور ایسی عنایت کیجئے گا۔ کہ جب میں اس قالب سے نکلوں۔ صدق مجسم حالت میں نکلوں۔ اور اپنی جناب سے غلبہ اور نصرت (موت پر فتح) عطا کیجئے گا۔ (۴) سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں جیسا ہم نے شروع میں ہی اشارہ دیا ہے صفحہ ۵۰ تا ۵۴ میں اس مضمون پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اور قرآن مجید میں اعتقاد تناسخ کے ہر پہلو کے متعلق جو مدلل بیانات دیئے۔ اور منکران تناسخ کی جو پر زور مذمت کی ہے۔ سب پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ لہٰذا یہاں ان چند اشارات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۔ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۔ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۔

۲۔ أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُونَ أَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔

۳۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ

وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ

اوم

وید اور قرآن

حصہ دوم۔ ویدک تفسیر قرآن مجید

مصنفہ

لکھشمن آریوپدیشک

ملنے کا پتہ

ویدک پستکالیہ آریہ سماج برلا لائنس دہلی

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ أَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝

علامات و رموز اوقاف

سلسلہ کلام میں حسب ضرورت و موقعہ کم و بیش ٹھہرنا ضروری ہوتا ہے۔ انگریزی میں کاما (،) سیمی کولن (؛) کولن (:) اور فل سٹاپ (.) کی علامات مشہور ہیں۔ اسی طرح ہر رسم الخط میں کم و بیش علامات ہیں۔ قرآن مجید کے متعلق اس پہلو میں بہت احتیاط اور پابندی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس لئے تلاوت قرآن مجید سے پہلے حسب ذیل امور کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے

(۱) ○ یہ گول نشان آیت کے ختم ہونیکا ہے اسپر ٹھہر جاؤ۔ (۲) ۬○ گول نشان پر لا ہو تو ٹھہرنا امر اختیاری ہے۔ مگر یہ لا تلاوت میں معدوم سمجھا جائے۔ (۳) ٹھہرنے کی صورت میں آیت ماسبق اور مابعد کو جدا پڑھنے کے لئے حسب ذیل قواعد کی پابندی ضروری ہے۔

اوّل۔ آیت مابعد کا پہلا حرف مشدد ہو تو تشدید کو معدوم سمجھیں جیسے غَفُوْرًا ۬○ فَاذْكُرُوْا کو غَفُوْرًا ○ وَاذْكُرُوْا پڑھیں

دوم۔ اگر آیت مابعد میں پہلے ال ہو تو آ پر زبر پڑھی جائیگی جیسے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۬○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا جائیگا۔

سوئم۔ اگر آیت مابعد میں پہلے نون قطنی (نِ) ہو تو نونِ قطنی اور اسکی حرکات کو معدوم سمجھا جاوے اور آ پر زبر پڑھی جاوے جیسے قَدِیْرًا ○ نِ الَّذِیْ کو قَدِیْرًا ○ اَلَّذِیْ پڑھا جاوے

چہارم۔ اگر آیت مابعد کا پہلا حرف صرف آ ہو۔ اور اسکے بعد ساکن مضموم ہو تو آ پر پیش پڑھا جاوے اور آ کے ساتھ نون قطنی ہو تو اسے معدوم سمجھا جائے جیسے کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۬○ نِ اذْكُرُوْا کو کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○ اُذْكُرُوْا پڑھا جاوے گا۔

پنجم۔ اگر آیت مابعد کے پہلے حرف آ کے بعد ساکن مفتوح یا مکسور ہو تو ا کے نیچے زیر پڑھی جاوے گی جیسے یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۬○ ارْجِعِیْ میں مُطْمَئِنَّةُ ○ اِرْجِعِیْ پڑھا جاوے گا۔

(نوٹ۔ ۱) لا بمعنے نہیں کی علامت کا گول نشان کے اوپر آنا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ محض ٹھہرنا لازمی نہیں۔

(۴) مں یہ لازم کا اختصار ہے۔ اور اسکا مطلب یہ ہے کہ ٹھہرنا ضرور چاہیئے ورنہ مطلب بگڑ جائیگا۔ (۵) ط مطلق کا قایم مقام ہے۔ مراد یہ کہ بات تو پوری ہو لی۔ مگر قائل کو مطلب پورا کرنے کے لئے کچھ اور بھی کہنا ہے۔ (۶) ج۔ جائز کا مخفف ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ٹھہرنا بہتر ہے اور نہ ٹھہرنا جائز۔ (۷) ز۔ تجاوز سے لیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ گذرنا چاہیئے۔ (۸) ص۔ علامت وقف مرخص ہے اس سے مراد ہے کہ بغیر ٹھہرے ملا کر پڑھو لیکن اگر تھک کر ٹھہر جاؤ تو اجازت ہے۔ مگر واضح رہے کہ ص والے وقف میں ز والے وقف سے ملا کر پڑھنے کو زیادہ ترجیح ہے (۹) صلے۔ الوصل اولی کا مخفف ہے اس سے مراد ہے کہ ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔ (۱۰) ق۔ قیل سے لیا گیا ہے مراد یہ ہے کہ قول مرجوع یہ بھی ہے۔ کہ ٹھہر جائے مگر یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیئے۔ (۱۱) صل علامت قد یوصل یعنی اگرچہ عملاً ٹھہرا بھی جاتا ہے اور نہیں بھی ٹھہرا جاتا۔ تو بھی ترک وصل اولی ہے (۱۲) قف۔ صیغہ امر یعنی ٹھہر جا۔ مگر نہ ٹھہرنے پر بھی مطلب نہیں بگڑتا (۱۳) ک۔ علامت کذالک یعنی جو رمز پہلے ہے وہی یہاں سمجھو۔ (۱۴) س۔ علامت سکتہ۔ مراد یہ ہے کہ تھوڑا ٹھہرے سانس نہ توڑے (۱۵) وقفہ۔ علامت سکتہ طویل یعنی جتنی دیر میں سانس لیتے ہیں اس سے کم ٹھہرے

(نوٹ نمبر ۲) سکتہ کا رجحان وصل کی طرف ہے اور وقف کا ترک وصل کی طرف (۱۶) لا۔ اس سے مراد ٹھہرنا جائز نہیں (۱۷) جہاں اوپر نیچے دو علامتیں ہوں وہاں اوپر کی علامت پہ عمل ہوگا۔

انضباط آیاتِ قرآن مجید

۱ - دو طرح کی تقسیم

قرآن مجید میں کل آیات چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں اور ان کو سات منزلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ منزلوں کو سورتوں میں اور سورتوں کو رکوعات میں۔ دوسری طرح کی تقسیم پارہ اور آیات میں ہے۔ قرآن مجید کے تمام   میں پاروں کے رکوعات کا نمبر بھی دیا جاتا ہے اور اس سے بھی آیات کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن دراصل پاروں کی تقسیم رکوعات میں مقصود نہیں۔ دوسرا پارہ سیقول کی ۱۱۱ آیات ہیں۔ لیکن اس کے رکوع ۱۶ ہیں۔ اور یہ ۱۰۷ آیت پر ختم ہوتے ہیں۔ باقی چار آیتیں پتہ کے لحاظ سے پارہ سیقول کے رکوع میں نہیں آتیں۔ ہاں سورۃ البقر کے ۳۳ ویں رکوع میں وہ چار اور پارہ ۳ کی پہلی آیت ملا کر پانچ آیتیں ہیں۔ اگر پاروں کو رکوعات میں تقسیم کرنا مقصود ہوتا تو ۱۱۱ آیتیں ختم ہونے پر ۱۷ واں رکوع لکھا جاتا۔ اسی طرح سبھی اور پارے بھی پورے پورے رکوعات میں تقسیم نہیں ہوتے۔ پس دوسری طرح کی تقسیم درحقیقت پارہ اور آیات کی ہے۔

۲ مخفی رموز

اس تقسیم میں اول تو ایک خاص علمی اصول کام کرتا ہے جو یہ ہے کہ محدود العلم۔ محدود العقل محدود الجسم غرضیکہ ہر لحاظ سے محدود انسان کا دماغ ہر علم کو تھوڑا تھوڑا کر کے ہی محسوس کر سکتا ہے۔ یہ محض غیر محدود۔ علم بالذات طاقت کل خدا کی فطرت کا ہی تقاضا ہے کہ وہ ایک ساتھ ہر جا۔ ہر وقت کل ارواح مادہ اور کائنات عالم پر حاوی ہے۔ زمانہ مقام تبدیل حالت کی قیود و عوارضات سے وہ آزاد ہے۔ اس کے مقابلہ پر انسانی عمر ہے تو سالوں مہینوں اور دنوں سے ناپی جانے والی اسکے رہنے کی دنیا ہے۔ تو ملکوں صوبوں ضلعوں اور تحصیلوں وغیرہ میں منقسم ہے۔ سکول ہیں تو جماعت بندی کے بنا چل نہیں سکتے۔ کتابیں ہیں تو باب فصل دفعہ صفحہ فقرہ وغیرہ کی تفصیل سے ہی دماغ کی گرفت میں آتی ہیں۔ اور تو کیا انسانی جماعت خود مختلف قابلیتوں۔ کاموں اور عوارضات سے گروہوں میں منقسم ہے۔ دوسری باطنی رمز اس تقسیم میں یہ ہے کہ اس میں اس طریق کو ہی مدنظر رکھا گیا ہے۔ جو وید منتروں کو منڈل۔ سوکت کانڈ اشٹک۔ ادھیائے۔ آرچک وغیرہ میں تقسیم کرنے کا تھا۔ وید میں اگر منڈل ہے تو قرآن میں منزل ہے۔ اسلئے کہ عربی میں ڈ کا حرف ہی نہیں۔ وید میں سوکت ہے تو قرآن میں سورت ہے۔ وید میں رچائیں ہیں تو قرآن میں رکوع ہیں چ بھی عربی میں نہیں اور گ بھی نہیں اسلئے رگ اور رچہ کی جگہ رک لیا گیا اور اس سے رکوع بنا۔ رہا لفظ آیت سو تو صریحاً سنسکرت کا ہے۔ آیاتِ (आयाति) آتا ہے۔ اور یات (याति) جاتا ہے کے لفظ مشہور ہیں۔ اور گیان (علم) گمن (حرکت) اور پراپتی (حصول) ان الفاظ کے مصدری معنوں کے تعلق سے جو کچھ انسان کو ملے آیت ہے۔ علم۔ خیال اشارہ نشانی۔ سبق عبرت وغیرہ سب آیت کے مفہوم میں ہیں اور انہی معنوں میں قرآن میں یہ لفظ آیا ہے۔ رگوید میں دو طرح کی تقسیم تھی تو قرآن میں بھی دو طرح کی تقسیم ہے یجروید میں اگر ادھیائے اور منتر تھے تو قرآن میں بھی محض سورت اور آیت سے کام چلتا ہے یا پارہ اور آیت والی تقسیم ہے۔ یہی نہیں۔ قرآن مجید کے علوم کی چار قسمیں ہیں۔ شریعت۔ طریقت۔ معرفت۔ اور حقیقت تو یہ گیان۔ کرم۔ اپاسنا اور وگیان کانڈ کے مترادف ہیں۔

اوّل تفصیل منازل

منزل	نمبر شمار سورت	نام سورت	تعداد رکوع	تعداد آیات	تعداد کلمات	تعداد حروف
اول	۱	فاتحہ	۱	۷	۲۵	۱۲۲
	۲	بقر	۴۰	۲۸۶	۶۲۱۲	۲۶۷۹۲
	۳	آل عمران	۲۰	۲۰۰	۳۵۲۲	۱۵۳۳۶
	۴	نساء	۲۴	۱۷۶	۳۷۲۰	۱۶۶۶۷
دوم	۵	مائدہ	۱۶	۱۲۰	۲۸۴۲	۱۳۴۶۴
	۶	انعام	۲۰	۱۶۶	۳۱۰۰	۱۲۹۳۵
	۷	اعراف	۲۴	۲۰۶	۳۳۸۷	۱۴۶۳۵
	۸	انفال	۱۰	۷۵	۱۲۵۳	۵۵۲۲
	۹	توبہ	۱۶	۱۲۹	۲۵۳۷	۱۱۳۶۰
سوم	۱۰	یونس	۱۱	۱۰۹	۱۸۶۱	۷۷۳۳
	۱۱	ہود	۱۰	۱۲۳	۱۹۳۶	۷۹۲۴
	۱۲	یوسف	۱۲	۱۱۱	۱۸۰۸	۷۴۱۱
	۱۳	رعد	۶	۴۳	۸۶۳	۳۶۱۴
	۱۴	ابراہیم	۷	۵۲	۸۴۵	۳۶۰۱
	۱۵	حجر	۶	۹۹	۶۶۳	۲۹۰۷
	۱۶	نحل	۱۶	۱۲۸	۱۸۴۱	۷۹۷۴
چہارم	۱۷	بنی اسرائیل	۱۲	۱۱۱	۱۵۸۲	۶۴۱۰
	۱۸	کہف	۱۲	۱۱۰	۱۳۰۱	۶۶۴۰
	۱۹	مریم	۶	۹۸	۹۶۰	۳۹۸۶
	۲۰	طٰہٰ	۸	۱۳۵	۱۳۵۱	۵۴۶۶
	۲۱	انبیاء	۷	۱۱۲	۱۱۸۷	۵۱۵۴
	۲۲	حج	۱۰	۷۸	۱۲۸۳	۵۴۳۲
	۲۳	مومنون	۶	۱۱۸	۱۰۵۰	۴۵۳۸
	۲۴	نور	۹	۶۴	۱۳۴۲	۶۴۳۱
	۲۵	فرقان	۶	۷۷	۹۰۶	۳۹۱۹
پنجم	۲۶	شعراء	۱۱	۲۲۷	۱۳۴۷	۵۶۸۹
	۲۷	نمل	۷	۹۳	۱۱۶۷	۴۸۷۹
	۲۸	قصص	۹	۸۸	۱۴۵۴	۶۰۱۱
	۲۹	عنکبوت	۷	۶۹	۹۹۰	۴۴۱۰
	۳۰	روم	۶	۶۰	۸۲۷	۳۵۴۷
	۳۱	لقمان	۴	۳۴	۵۵۴	۲۲۱۷
	۳۲	سجدہ	۳	۳۰	۲۷۴	۱۵۷۷
[illegible]	۳۳	احزاب	۹	۷۳	۱۲۱۰	۵۹۰۹
	۳۴	سبا	۶	۵۴	۸۹۶	۳۶۳۶
	۳۵	فاطر	۵	۴۵	۷۹۲	۳۲۸۹
	۳۶	یٰسین	۵	۸۳	۷۳۹	۳۰۹۰
	۳۷	صافات	۵	۱۸۲	۸۷۳	۳۹۵۱
	۳۸	ص	۵	۸۸	۷۳۸	۳۱۰۷
	۳۹	زمر	۸	۷۵	۱۱۸۴	۴۹۶۵
	۴۰	مومن	۹	۸۵	۱۲۴۲	۵۲۱۳
	۴۱	حٰم السجدہ	۶	۵۴	۸۰۹	۳۴۰۶
[illegible]	۴۲	شوریٰ	۵	۵۳	۸۶۹	۳۵۸۵
	۴۳	زخرف	۷	۸۹	۸۳۸	۳۶۵۶
	۴۴	دخان	۳	۵۹	۳۴۹	۱۴۵۹
	۴۵	جاثیہ	۴	۳۷	۴۹۲	۲۱۳۱
	۴۶	احقاف	۴	۳۵	۷۵۰	۲۷۰۹
	۴۷	محمد	۴	۳۸	۵۵۸	۲۴۷۵
	۴۸	فتح	۴	۳۹	۵۶۸	۲۵۵۵
	۴۹	حجرات	۲	۱۸	۳۵۰	۱۵۷۳
	۵۰	ق	۳	۴۵	۳۷۶	۱۵۲۵
	۵۱	ذاریات	۳	۶۰	۳۶۰	۱۵۵۹
	۵۲	طور	۲	۴۹	۳۱۹	۱۳۳۴
	۵۳	نجم	۳	۶۲	۳۶۵	۱۴۵۰
[illegible]	۵۴	قمر	۳	۵۵	۳۴۸	۱۴۸۲

منزل	نمبر سورۃ	نام سورۃ	تعداد رکوع	تعداد آیات	تعداد کلمات	تعداد حروف	منزل	نمبر سورۃ	نام سورۃ	تعداد رکوع	تعداد آیات	تعداد کلمات	تعداد حروف
	۵۵	رحمن	۳	۷۸	۳۵۱	۱۶۸۳		۸۵	بروج	۱	۲۲	۱۰۹	۴۷۵
	۵۶	واقعہ	۳	۹۶	۳۸۴	۱۷۶۸		۸۶	طارق	۱	۱۷	۶۱	۲۵۴
	۵۷	حدید	۴	۲۹	۵۸۶	۲۵۹۹		۸۷	اعلی	۱	۱۹	۷۲	۲۹۹
	۵۸	مجادلۃ	۳	۲۲	۴۷۹	۲۱۰۳		۸۸	غاشیۃ	۱	۲۶	۹۳	۳۸۴
	۵۹	حشر	۳	۲۴	۴۵۵	۳۱۱۶		۸۹	فجر	۲	۳۰	۱۳۷	۵۸۵
	۶۰	ممتحنۃ	۲	۱۳	۳۷۰	۱۵۹۳		۹۰	بلد	۱	۲۰	۸۲	۳۴۷
	۶۱	صف	۲	۱۴	۲۲۳	۹۹۱		۹۱	شمس	۱	۱۵	۵۴	۲۵۴
	۶۲	جمعہ	۲	۱۱	۱۷۶	۷۸۷		۹۲	لیل	۱	۲۱	۷۱	۳۱۴
	۶۳	منافقون	۲	۱۱	۱۸۳	۸۲۱		۹۳	ضحی	۱	۱۱	۴۰	۱۶۹
	۶۴	تغابن	۲	۱۸	۲۴۷	۱۱۲۲		۹۴	انشراح	۱	۸	۲۷	۱۰۳
	۶۵	طلاق	۲	۱۲	۲۹۸	۱۳۳۷		۹۵	تین	۱	۸	۳۴	۱۴۵
	۶۶	تحریم	۲	۱۲	۲۵۳	۱۱۳۴		۹۶	علق	۱	۱۹	۷۲	۲۹۰
	۶۷	ملک	۲	۳۰	۳۳۵	۱۳۵۹		۹۷	قدر	۱	۵	۳۰	۱۱۵
	۶۸	قلم	۲	۵۲	۳۰۶	۱۲۹۵		۹۸	بینۃ	۱	۸	۹۵	۴۱۳
	۶۹	حاقۃ	۲	۵۲	۲۶۰	۱۱۳۴		۹۹	زلزال	۱	۸	۳۷	۱۰۸
[illegible]	۷۰	معارج	۲	۴۴	۲۶۰	۶۷۷	[illegible]	۱۰۰	عادیات	۱	۱۱	۴۰	۱۷۰
	۷۱	نوح	۲	۲۸	۲۳۱	۹۷۴		۱۰۱	قارعۃ	۱	۱۱	۳۵	۱۶۰
	۷۲	جن	۲	۲۸	۲۸۷	۱۱۲۶		۱۰۲	تکاثر	۱	۸	۲۸	۱۲۳
	۷۳	مزمل	۲	۲۰	۲۰۰	۸۶۴		۱۰۳	عصر	۱	۳	۱۴	۷۴
	۷۴	مدثر	۲	۵۶	۲۵۶	۱۱۴۵		۱۰۴	ہمزہ	۱	۹	۳۳	۱۳۵
	۷۵	قیامت	۲	۴۰	۱۶۴	۶۸۲		۱۰۵	فیل	۱	۵	۲۴	۹۴
	۷۶	دہر	۲	۳۱	۲۴۹	۱۰۹۹		۱۰۶	قریش	۱	۴	۱۷	۷۹
	۷۷	مرسلات	۲	۵۰	۱۸۱	۸۴۶		۱۰۷	ماعون	۱	۷	۲۵	۱۹۵
	۷۸	نبا	۲	۴۰	۱۷۴	۸۰۱		۱۰۸	کوثر	۱	۳	۱۰	۳۷
	۷۹	نزعات	۲	۴۶	۱۸۱	۷۹۱		۱۰۹	کافرون	۱	۶	۲۶	۹۹
	۸۰	عبس	۱	۴۲	۱۳۳	۵۵۳		۱۱۰	نصر	۱	۳	۱۹	۸۱
	۸۱	تکویر	۱	۲۹	۱۰۴	۴۳۶		۱۱۱	لہب	۱	۵	۲۴	۸۱
	۸۲	انفطار	۱	۱۹	۸۰	۳۳۴		۱۱۲	اخلاص	۱	۴	۱۷	۴۹
	۸۳	تطفیف	۱	۳۶	۱۷۲	۷۵۸		۱۱۳	فلق	۱	۵	۲۳	۷۳
	۸۴	انشقاق	۱	۲۵	۱۰۸	۴۴۸		۱۱۴	الناس	۱	۶	۲۰	۸۱

دوم ۔ تفصیل پارہ ہائے

نمبر شمار	نام پارہ	تعداد رکوع	تعداد آیات	نمبر شمار	نام پارہ	تعداد رکوع	تعداد آیات	نمبر شمار	نام پارہ	تعداد رکوع	تعداد آیات
۱	الم	۱۷	۱۴۸	۱۱	یعتذرون	۱۶	۱۵۰	۲۱	اتل ما اوحی	۱۹	۱۷۹
۲	سیقول	۱۶	۱۱۱	۱۲	ومامن دابۃ	۱۶	۱۷۰	۲۲	ومن یقنت	۱۸	۱۳۳
۳	تلک الرسل	۱۷	۱۲۵	۱۳	وما ابرئ نفسی	۱۹	۱۵۵	۲۳	ومالی	۱۷	۳۶۳
۴	لن تنالوا	۱۴	۱۳۲	۱۴	ربما	۲۲	۲۲۶	۲۴	فمن اظلم	۱۹	۱۷۵
۵	والمحصنت	۱۷	۱۲۴	۱۵	سبحان الذی	۲۱	۱۸۵	۲۵	الیہ یرد	۲۰	۲۴۴
۶	لا یحب اللہ	۱۳	۱۱۴	۱۶	قال الم اقل لک	۱۷	۲۱۴	۲۶	حم	۱۸	۱۹۵
۷	واذا سمعوا	۱۹	۱۴۸	۱۷	اقترب للناس	۱۷	۱۹۰	۲۷	قال فما خطبکم	۲۰	۳۹۹
۸	ولو اننا	۱۷	۱۴۲	۱۸	قد افلح المؤمنون	۱۷	۲۰۲	۲۸	قد سمع اللہ	۲۰	۱۳۷
۹	قال الملا الذین	۱۸	۱۵۹	۱۹	وقال الذین	۱۹	۳۴۳	۲۹	تبارک الذی	۲۲	۴۳۱
۱۰	واعلموا	۱۷	۱۲۸	۲۰	امن خلق	۱۶	۱۶۶	۳۰	عم یتساءلون	۳۹	۵۶۴

مکمل نقشہ میزان القرآن (منقول)

آیات عامہ	۶۶۶۶	کلمات	۸۶۴۳۰	مدات	۷۷۱	اخماص کوفی	۸۴۷
آیات بصری	۶۲۱۶	حروف	۳۲۱۲۶۵	تشدیدات	۱۲۵۲	اخماص بصری	۱۲۴۶
آیات شامی	۶۲۵۰	فتحات	۵۳۲۴۲	سورتہائے	۱۱۴	سبع عندالمتقدمین	۱۵
آیات مکی	۶۲۱۲	ضمات	۸۸۰۴	رکوعات	۵۴۰	″ عندالمتاخرین	۱۸
آیات مدنی	۶۲۱۴	کسرات	۳۹۵۸۲	اعشار کوفی	۴۳۲	سجدہ اتفاقی	۱۴
آیات کوفی	۱۲۳۶	نقاط	۱۰۵۶۸۴	اعشار بصری	۶۶۳	سجدہ اختلافی	۱۵

شمار حروف (بقول عبدالعزیز ابن عبداللہ کذا فی البستان)

ا	۴۸۸۷۲	ذ	۴۶۷۷	ظ	۷۴۲	ن	۴۵۱۹۰
ب	۱۱۴۲۸	ر	۱۱۷۹۳	ع	۹۲۲۰۰	و	۲۵۵۳۶
ت	۱۰۱۹۹	ز	۱۵۹۰	غ	۲۲۰۸	ہ	۱۹۰۷۰
ث	۱۲۷۶	س	۵۸۹۱	ف	۸۴۹۹	لا	۴۷۲۰
ج	۳۲۷۳	ش	۲۲۵۳	ق	۶۸۱۳	ء	۴۱۱۵
ح	۳۷۹۳	ص	۲۰۱۴	ک	۹۵۰۰	ی	۴۵۹۱۹
خ	۲۴۱۶	ض	۱۶۰۷	ل	۳۰۴۳۲	نوٹ:۔ اس نقشہ کی تشریح اور	
د	۵۶۰۲	ط	۱۲۷۷	م	۲۶۵۶۰	اس کے متعلق ضروری بحث خاتمہ کتاب پر ملے گی	

قرآن مجید کی مشہور تفاسیر کی فہرست

نمبر شمار	نام تفسیر	سن تصنیف ہجری	نمبر شمار	نام تفسیر	سن تصنیف ہجری	نمبر شمار	نام تفسیر	سن تصنیف ہجری
۱	احکام القرآن	۲۰۴	۲۸	تفسیر تنویر المقباس	۸۱۷	۵۶	تفسیر اکسیر اعظم	
۲	تفسیر اسحاق بن راہویہ	۲۳۸	۲۹	فصل الخطاب	۹۰۰	۵۷	تفسیر دار الاسرار	
۳	تفسیر نزہت القلوب	۳۰۳	۳۰	تیسیر الرحمان و تیسیر المنان	۸۲۵	۵۸	تفسیر فتح المنان	
۴	تفسیر الساطی	۳۰۳	۳۱	تفسیر بحر امواج	۸۴۹	۵۹	تفسیر سر سید احمد خاں	۱۳۱۴
۵	تفسیر ابن جریر	۳۱۰	۳۲	تفسیر جلالین	۸۶۴	۶۰	تفسیر عاملات الاسرار	
۶	تفسیر شفاء الصدور	۳۵۱	۳۳	تفسیر جامع البیان	۸۸۹	۶۱	تفسیر محمدی	چودھویں صدی
۷	تفسیر ابو اللیث	۳۸۳	۳۴	تفسیر حسینی	۸۲۲	۶۲	تفسیر نفح الطیب	
۸	تفسیر حقایق	۴۱۲	۳۵	تفسیر جامع البیان	۹۰۵	۶۳	حاشیہ قنوی علی البیضاوی	
۹	تفسیر ثعلبی	۴۲۷	۳۶	تفسیر الدر المنثور	۹۱۱	۶۴	حاشیہ ابن تمجید علی البیضاوی	
۱۰	تفسیر دار عزیزیہ	۴۳۶	۳۷	اتقان	۹۱۱	۶۵	تفسیر بحر الحقائق	
۱۱	تیسیر فی علم التفسیر	۴۶۸	۳۸	تفسیر ابو سعود	۹۸۲	۶۶	حاشیہ صابری علی الجلالین	
۱۲	احتجاج القرآن در قراۃ	۵۰۳	۳۹	المعروف بالجمل	۱۱۹۶	۶۷	حاشیہ الشہاب المسماۃ بہ *	
۱۳	یاقوت التاویل	۵۰۵	۴۰	تفسیر فتح القدیر	۱۲۵۵	۶۸	تفسیر توضیح المجید	
۱۴	معالم التنزیل	۵۱۶	۴۱	تاج التفاسیر	۱۲۶۵	۶۹	کتاب التفسیر	
۱۵	تفسیر کشاف	۵۲۸	۴۲	تفسیر فوز الکبیر	۱۲۶۶	۷۰	تفسیر نیشاپوری	
۱۶	تفسیر مجمع البیان	۵۶۱	۴۳	تفسیر فتح الخبیر	۱۲۶۶	۷۱	تفسیر لطائف القرآن	
۱۷	مفاتیح الغیب المعروف بہ		۴۴	فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن	۱۲۶۶	۷۲	اعجاز القرآن باقلانی	
	تفسیر کبیر	۶۰۶	۴۵	تفسیر کمالین	۱۲۸۷	۷۳	غایت البرہان	
۱۸	تفسیر عرائس البیان	۶۰۶	۴۶	تفسیر فتح العزیز	ترھویں صدی	۷۴	حمائل التفسیر	
۱۹	تفسیر کواشی	۶۰۸	۴۷	تفسیر فتح البیان	۱۳۰۱	۷۵	بیان القرآن	
۲۰	تفسیر ابن العربی	۶۲۸	۴۸	ترجمان القرآن	۱۳۰۱	۷۶	تفسیر حقانی	
۲۱	تفسیر بیضاوی	۶۸۵	۴۹	تفسیر الوجیز	۱۳۱۰			
۲۲	تفسیر مدارک	۷۱۰	۵۰	تفسیر بحر مواج	ترھویں صدی			
۲۳	تفسیر ابن کثیر	۷۲۱	۵۱	روح البیان	″			
۲۴	تفسیر اسکندری	۷۴۱	۵۲	تفسیر رؤفی	″			
۲۵	تفسیر خازن	۷۴۱	۵۳	تفسیر مظہری	۱۳۰۰			
۲۶	تفسیر سراج المنیر	۷۷۲	۵۴	لوامع التنزیل				
۲۷	تفسیر ابن عرفہ	۸۰۲	۵۵	تفسیر عمدۃ البیان				

نوٹ - نمبر ۵۴ سے ۷۶ تک کی تفاسیر چودھویں صدی کی تصنیف ہیں۔ اکثر کے مصنف زندہ ہیں۔

* عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی

فہرست کتب احادیث

نمبر شمار	نام کتاب	[illegible]	نمبر شمار	نام کتاب	[illegible]	نمبر شمار	نام کتاب	[illegible]
۱	موطا امام مالک	۱۷۹	۲۴	معجم ابن قانع	۳۵۱	۴۴	طبقات ابن سعد	۹۱۱
۲	مسند ابو داؤد و طیالسی	۲۰۴	۲۵	صحیح ابن حبان وسنن ابن		۴۵	مسند ابی نصر الدیلمی	دوسری صدی کے بعد
۳	مسند الحمیدی	۲۱۹		حبان	۳۵۴	۴۶	زباخبری	
۴	سنن سعید بن منصور	۲۲۷	۲۶	العظیمة ابی الشیخ	۳۵۴	۴۷	مسند امام شافعی	
۵	مسند مسدد	۲۲۸	۲۷	المعجم الکبیر	۳۶۰	۴۸	امالی مسند الشہاب	
۶	مسند اسحاق بن راہویہ	۲۳۵	۲۸	المعجم الاوسط	۳۶۰	۴۹	قضا الاجوائد ابن ابی الدنیا	
۷	مصنف ابن ابی شیبہ	۲۳۵	۲۹	المعجم الصغیر	۳۶۰	۵۰	مصنف عبد الرزاق	
۸	مسند احمد	۲۴۱	۳۰	سنن وعمل الیوم واللیل	۳۶۰	۵۱	ضعفاء عقیل	
۹	نوادر الاصول	۲۵۵	۳۱	ابن سینی و طب نبوی ابن	۳۶۴	۵۲	الترغیب فی الذکر	
۱۰	سنن دارمی	۲۵۵		سینی۔		۵۳	موطا امام محمد	دوسری صدی کے آخر
۱۱	جامع الصحیح بخاری	۲۵۶	۳۲	کامل ابن عدی	۳۶۵	۵۴	مسند الفردوس دیلمی	
۱۲	جامع الصحاح یا صحیح مسلم	۲۶۱	۳۳	سنن دارقطنی وافراد دارقطنی	۳۸۵	۵۵	معجم البغوی	
۱۳	سنن ابن ماجہ	۲۷۳	۳۴	شعب الایمان	۴۰۳	۵۶	فوائد سمویہ - ۱۲	
۱۴	زیادات عبد اللہ ابن احمد	تیسری صدی ہجری	۳۵	مستدرک	۴۰۵			
۱۵	سنن ابو داؤد	۲۷۵	۳۶	فضائل صحابہ ابو نعیم				
۱۶	جامع صحیح ترمذی نوادر الاصول	۲۷۹		معہ کتاب الہدی و حلیہ	۴۳۰			
۱۷	سنن نسائی	۳۰۳	۳۷	سنن الکبیر البیہقی	۴۵۸			
۱۸	کتاب الکنی	چوتھی صدی ہجری	۳۸	الصلوٰۃ المروزی	۵۰۰			
۱۹	مسند ابو علی	۳۰۷	۳۹	البخلاء و تاریخ دمشق الخطیب	۵۰۲			
۲۰	کافی کلینی۔	۳۰۲	۴۰	مختارة الضیاء المقدسی	۶۴۳			
۲۱	اعتدال القلوب	۳۲۷	۴۱	تاریخ ابن عساکر	۵۷۱			
۲۲	مسند ابی بکر بن ابی شیبہ	۳۳۵	۴۲	سنن نووی	۶۷۶			
۲۳	مسند ابی حمید	۳۴۹	۴۳	مسند احمد بن منیع	دوسری صدی کے بعد			

نوٹ:- احادیث کے متعلق چشم دید شہادت موجود نہیں یعنی ایسا نہیں کہ آنحضرت کے حین حیات میں یا آپ کے قالب عنصری کو چھوڑنے کے فوراً بعد کسی پورے محرم حال نے احادیث کو جمع کیا اور اس کی سند پر موطا امام مالک کی تصنیف ہوئی ہو بلکہ اس مسالہ کا مجموعہ تھی جو آپ کے بعد ڈیڑھ سو سال تک عوام الناس کے مختلف قسم کے مذاق و حالات پر مبنی چہ جوئی کا نتیجہ تھا۔ اور اسی لئے کسی حدیث کی سند سے آنحضرت یا قرآن مجید کے متعلق کوئی اعتراض کرنا

بارے کے متعلق یقینی رائے قائم کرنا سچی محققانہ سپرٹ کے قطعاً غیر مطابق ہے

فہرست مضامین حصّہ دوم۔ قرآن مجید کی ویدک تفسیر پارہ الم

اوم

وید اور قرآن

حصّہ دوم

قرآن شریف کی ویدک تفسیر

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ اٰيٰتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

المنزل الاول

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ③ مٰلِكِ يَوْمِ
الدِّيْنِ ④ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ⑤ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ ۴ ۵
الْمُسْتَقِيْمَ ⑥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ ۶
عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦ ۷

ع

(شروع) اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے۔

حمد (ستتی)، ہو اللہ کی جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ ۲۔ رحمان اور رحیم ہے۔ ۳۔ زمانۂ فنا (پرلے کال) کا مالک ہے۔ ۴۔ اے خدا ہم تیری ہی عبادت کریں۔ اور تجھ سے ہی مدد مانگیں۔ ۵۔ ہمیں راہِ راست (سیدھے دھرم) کی ہدایت فرمائیے۔ ۶۔ ان لوگوں کے راہ کی جن پر آپ کی نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔ نہ اُن کے راہ کی جن پر آپ کا غضب ہوتا ہے۔ اور جو (آواگون میں) بھٹک رہے ہیں۔ (۷)

۱۔ منگلا چرن

قرآن کے ترجموں میں لکھا جاتا ہے۔" رحمان اور رحیم اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں"۔ اس میں "شروع کرتا ہوں" کا فعل صیغہ واحد متکلم جو محض انسان سے استعمال ہو سکتا ہے۔ اعتراضات کا نشانہ قرآن کو بناتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت اصل آیت میں کوئی لفظ جس کا ترجمہ "شروع کرتا ہوں" ہو۔ پس آیت کا اصل مفہوم محض بنی نوع انسان کو یہ ہدایت دینا ہے۔ کہ ہر قسم کے آغاز میں ایشور کا نام لیا یا اس کی یاد کی جاوے۔ اور یہ ہدایت وید میں ہے۔ دیکھو اتھروید کانڈ ۲۰۔ سوکت ۱۵۔ منتر ۴۔

इमे त इन्द्र ते वयं पुरुष्टुत ये त्वारभ्य चरामसि प्रभु वसो ।

नहि त्वदन्यो गिर्वणो गिरः सघत् क्षोणीरिव प्रति नो हर्य तद्वचः ॥

اے قابل تعریف صاحب جاہ و جلال پرمیشور ہم آپ کو ہی پکارتے ہیں۔ بغیر آپ کے ہم بھگتوں کی پکار سننے والا کوئی نہیں۔ اس لئے ہم آغاز میں آپ کا ہی دھیان کرکے اپنے کام کو شروع کرتے ہیں جیسے پرمیشور جیسے پرتھوی (زمین) بیج بونے پر ہمیں پھل دیتی ہے۔ ایسے ہی آپ ہماری دعا کو قبول کرنے والے ہیں۔ مہرشی دیانند ستیارتھ پرکاش کے پہلے باب میں لکھتے ہیں۔ کہ اصل منگلاچرن تو یہ ہے۔ کہ کتاب کے آغاز درمیان انجام غرضیکہ ہر حصے میں سچا ہی سچا بیان ہو۔ اس کے علاوہ جو آج کل ہری اوم۔ سری گنیشائے نمہ۔ نارائنائے نمہ وغیرہ آغاز میں کہا جاتا ہے اسے وید اور قدیم طریق کے خلاف کہہ کر اوم اور اتھ کا ابتدا میں بولا جانا صحیح قرار دیتے ہیں۔ جو محض وید کے مذکورہ بالا فرمان کی تعمیل ہے۔ پارسیوں میں "بنام ایزد"۔ اور فارسی میں "بنام جہاندار جاں آفریں" وغیرہ شروع میں بولا جاتا ہے۔ منوسمرتی ادھیائے ۲ شلوک ۷۴ میں تو وید پاٹھ کے شروع اور اخیر میں بھی "اوم" بولنے کی ہدایت ہے:-

ब्राह्मणः प्रणवं कुर्यादादावन्ते च सर्वदा ।

स्रवत्यनोंकृतं पूर्वं पुरस्ताच्च विशीर्यति ॥

یعنی وید پاٹھ کے شروع اور اخیر میں سدا اوم کہنا چاہیئے۔ شروع میں نہ کہنے سے پاٹھ کا مدعا چلا جاتا ہے۔ اور اخیر میں نہ کہنے سے اس کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ چونکہ انسان کے تمام اعمال بلکہ اس کی ہر حرکت کا تعلق ایشور یا خدا کے حکم یا اپنے فرض کی تعمیل کے ساتھ ہونے سے ہی عمل یا حرکت مفید ہوتی ہے۔ اس لئے اگر اس سے غافل ہو کر کام کو شروع کیا جاتا ہے۔ تو اصل مدعا کا خیال دور رہتا ہے۔ قرآن نے قریباً ہر سورت کے آغاز میں یا ہر پہلی سورت کے خاتمہ اور مابعد کی سورت کے آغاز کے درمیان میں اس بسم اللہ والی آیت کو دوہرا کر قدیم طریق منگلاچرن کو قائم رکھا ہے۔ تاکہ انسان کے مساعی جمیلہ کا تعلق اس پاک اور کامل ذات کے ساتھ پیوست رہے۔

۲۔ اللہ

لفظ اللہ عربی میں ایشور کے ذاتی نام کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وید کے دھرمیوں کے مسلمہ اوم نام کی جگہ اللہ لفظ بولتے ہوئے بھی عام اعتقاد اسلام کا یہ ہے۔ کہ اسم اعظم اور ہے۔ اور وہ پوشیدہ ہے۔ ساتھ ہی ہر پوشیدہ یا غیبی امر کو قرآن جا بجا لوح محفوظ کتاب مبین یا ام الکتاب میں مذکور بتاتا ہے۔ اور یہ تمام نام حصہ اول میں قرآن کی کثیر التعداد آیات سے محض وید کے لئے ہی استعمال شدہ ثابت ہو چکے ہیں۔ اس لئے اسم اعظم واقعی وید کا لفظ اوم ہے۔ اس کے ماننے میں کسی کو تامل نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ کا لفظ اسی کے قائمقام کے طور پر ہے۔

۳۔ لفظ اللہ کا اصل ماخذ

بیان القرآن صفحہ ۵ میں ہم سے مختلف قسم کی رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔ لکھا ہے:

"اللہ باری تعالیٰ کا اسم ذات ہے۔ اور یہی اسم اعظم ہے۔ اور کل اسمائے الٰہی کے لئے یہ لفظ اسم جامع ہے۔ یہ آلہ سے مشتق نہیں نہ اس کا اصل اِلٰہ ہے۔ کیونکہ اِلٰہ غیر اللہ معبود پر بولا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ کا لفظ نہ اسلام میں اور نہ اسلام سے پہلے کبھی دوسرے معبود پر بولا گیا ہے۔ نہ یہ اَلاِلٰہ کا مخفف ہے۔ کیونکہ یا اللہ کہا جاتا ہے یا الالٰہ یا یا الرحمٰن نہیں کہا جاتا۔ پس ال یہاں زائد نہیں۔ عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں اللہ کا اسم ذات موجود نہیں!"

۱۔ مولانا نے یہ الفاظ محض بطور دعوے پیش کئے ہیں۔ دلیل یا ثبوت سے کام نہیں لیا۔ ۲۔ لفظ اللہ کو تو ہم بھی ایک متبرک نام سمجھتے ہیں۔ لیکن قرآن نے کہیں اسے اللہ کا ذاتی نام کہا ہو۔ یہ ہمارے علم میں تو سارے قرآن سے کہیں نہیں آیا۔ ۳۔ آلہ یا اِلٰہ وغیرہ کے ماخذ اگر صحیح نہیں۔ تو خود صحیح مادہ یا ماخذ کا پتہ بھی تو دیتے۔ ۴۔ لفظ اللہ کل اسمائے الٰہی کا جامع ہے۔ اس قسم کا دعوے تو خدا کے ہر نام کے متعلق کیا جا سکتا ہے۔ قرآن سے اسکے خصوصیت کے ساتھ جامع اسمائے الٰہی ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ نہ آپ نے اپنے دعوے کی اپنی ساری تفسیر میں کہیں توضیح کی ہے۔ (۵) اگر اللہ سوائے خدا کے کبھی کسی دوسرے معبود پر نہیں بولا گیا۔ تو نہ سہی۔ سوال یہ ہے۔ کہ اسے ذاتی نام قرار دینے کی سند کونسی ہے۔ ۶۔ یہ لکھنا کہ کسی دوسری زبان میں اللہ کا اسم ذات موجود نہیں۔ ایک قابل اعتراض بڑا ابول ہے۔ یجروید کے آخیر میں اوم کو ایشور کا ذاتی نام بتایا ہے۔ ओ३म् खं ब्रह्म (اوم کھم برہم) اس میں اوم ذاتی نام ہے۔ اور کھم برہم سے اس کی صفات وغیرہ کی وسعت کا اشارہ دیا گیا ہے۔ (۷) سنسکرت لٹریچر کی بہت سی کتب میں مدلل بحث موجود ہے۔ کہ اوم خدا کا ذاتی نام اور جامع صفات الٰہی ہے۔ ۸۔ اس کے علاوہ بائیبل کتاب مکاشفات کے آخری فقرات بھی اسی صداقت کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ لکھا ہے "میں الفا اور اومگہ ہوں۔ یعنی ابتدا اور انتہا میری ہدایت پر کوئی بڑھائے گھٹائے نہیں۔ میں پیاسے کو آبِ حیات کے چشمے سے پلاؤنگا" اس کے بعد حالت نجات کا بیان کرکے پھر لکھا ہے "میں الفا اور اومگہ ہوں۔ یعنی ابتدا اور انتہا۔ میری ہدایت پر کوئی بڑھائے گھٹائے نہیں۔ میں پیاسے کو آبِ حیات کے چشمے سے پلاؤں گا" یہ الفا اور اومگہ لاطینی زبان کے حروف تہجی ہیں۔ ان کے میل سے اوم بنتا ہے۔ وہی اوم اپنے سے وصل پانے والے روح کی پیاس بجھاتا اور روحانی سرور کا آبِ حیات پلاتا ہے۔ یہ آبِ حیات نام وید کے امرت لفظ کی جگہ ہے۔ اور نجات یافتہ روحوں کو امرت ملتا ہے۔ یہ عام مسلمہ اصول ہے۔ اس کے علاوہ الفاظ بالا میں خاص علمی رمز ہے۔ کہ اوم کھم برہم میں کھم کی آواز گلے سے شروع ہوتی۔ اور برہم کا لفظ آواز کو ختم کرنے والے ناک کے سوراخ اور ہونٹوں کے میل یعنی دونوں ذریعوں پر ختم ہوتا ہے۔ جس سے ابتدا و انتہا کے الفاظ والی کلام اور اوم نام کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر اوم کھم برہم کے الفاظ یجروید کے اخیر میں ہیں۔ اور اوپر کے الفاظ مکاشفات کے اخیر میں مکاشفات کے معنے ہیں۔ اندرونی مفہوم و معانی کا روح پر ظاہر ہونا جو وید کا مدعا ہے۔ اس لئے بائیبل کا آخری حصہ مکاشفات محض وید منتروں سے وابستہ ہے۔ مولانا صاحب کا یہ دعوے۔ کہ کسی اور زبان میں خدا کا ذاتی نام موجود نہیں غلط ہے۔ ۸۔ اگر عربی زبان میں ہی اللہ کا لفظ خدا کا ذاتی نام ہو۔ تو یہ ایک

تاریخی واقعہ ہوگا۔ نہ کہ ایک مستقل اصول۔ اور اس کا معتبر ثبوت بھی درکار ہوگا۔ کہ فلاں وقت سے یہ ذاتی نام قرار پایا۔ اور یہ وقت عربی زبان کے ظہور کے بعد کا ہوگا۔ اور یہ نام الہامی نہیں۔ بلکہ انسانی ایجاد ہوگا۔ ۹۔ تاریخی ثبوت اوم کے ذاتی نام ہونے میں تو صاف موجود ہے۔ کہ وید جو مسلمہ طور پر قدیم ترین کتاب ہے۔ اس سے لے کر خالصہ مت تک میں بھی اوم کو ذاتی نام مانا گیا ہے۔ ۱۰۔ بیان القرآن میں کہا ہے۔ کہ عربی میں جو ال زیادہ لگتا ہے۔ اللہ کے لفظ میں وہ ال نہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ یہ تو صحیح ہے۔ کہ انگریزی کے THE (دی) کی جگہ عربی میں جو آل لگتا ہے۔ وہ اللہ میں نہیں۔ لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ سنسکرت میں جو آل مصدر ہے۔ وہ اس کا اصل ماخذ ہے۔ سدھانت کومدی میں اس کا لفظ یہ بتایا ہے۔

√अल् भूषण पर्यासि धारणेषु

وید کی لوک ویوستا میں اس کے فاضل مصنف نے دیباچہ کے صفحہ ۱۳۱ پر انگریزی میں یوں لکھا ہے۔

ALLAH (Ar:) अल् To adore, be competent, able, ward off

چونکہ خدا ہی کل دنیا کی اصل زینت اور پوجا کے قابل ہونے کی صفات وغیرہ سے موصوف ہے۔ اس لئے مصدر ال سے مشتق ہوا لفظ اللہ خدا کے نہایت اعلےٰ صفاتی نام کے طور پر استعمال ہونا معقول اور بجا ہے۔

۴۔ اللہ لفظ وید کا ہے۔

وید میں الّے لفظ ماتا کے لئے آتا ہے۔ چونکہ کل جہان کو مادر حقیقی کی طرح اللہ ہی پالتا ہے۔ اس لئے یہ نام خدا کے لئے معقول ہے۔ ایک مغربی محقق صاحب کا خیال ہے۔ کہ اللہ لفظ وید کے ارہد (अर्हद्) لفظ سے بنا ہے۔ جینیوں کے معبود کا نام ارہنت دیو ہے۔ اور وہ ارہد لفظ سے بنا ہے۔ اس لئے یہ محقق صاحب اپنے خیال کو مضبوط سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ جب ال مصدر موجود ہے۔ اور معنے و مفہوم کی مطابقت بھی یہی تقاضا کرتی ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ ال سے اللہ کو مشتق ماننے کی بجائے ارہد لفظ کا اسے بگاڑ مانا جاوے۔ رگوید ۴۔۱۸۰۔۶ میں یہ لفظ موجود ہے۔

एता अर्षन्त्य कला भवन्ती ऋतता वरीरिव संकोश मानाः॥

एता विपृच्छकिमिदं मनन्ति कमापो अद्रि परिधि रुजन्ति॥

اس منتر میں ندیوں کے اللہ اللہ شبد کرتے ہوئے سمندر کی طرف جانے کا جو ذکر ہے۔ وہ محض اسی قدر بیان قابل بیان ہے۔ کہ جیسے بچہ ماتا کی ہی یاد و پکار کرتا ہے۔ ویسے ہی ندیوں کا سمندر کی یا پانی کا بادلوں کی طرف رجحان ہے۔ پس جہاں اللہ لفظ کی اصلیت اظہر من الشمس ہے۔ وہاں یہ علمی رمز بھی ظاہر ہے۔ کہ عربی میں ال لفظ جو دوسرے الفاظ کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔ یہ محض وید سے استعار لیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے معنے ہیں زیب و زینت دینا۔ سنسکرت میں سم کا لفظ ہر کام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جو صحیح سم کے مطابق ہو۔ ویسے ہی عربی میں ال کا لفظ دوسرے الفاظ کو زینت و خوبصورتی دیتا ہے۔

بیان القرآن کے الفاظ پر اعتراض کی معافی مانگتے ہوئے ہم ترجمان القرآن صفحہ ۸ کے ان الفاظ کو دور اندیشی پر مبنی سمجھتے ہیں "نزول قرآن سے پہلے عربی میں اللہ کا لفظ خدا کے لئے بطور اسم ذات کے مستعمل تھا جیسا کہ شعراء جاہلیت کے کلام سے ظاہر ہے۔ یعنی خدا کی ... ... تمام صفتیں اس کی طرف منسوب کی جاتی

تھیں۔ یہ کسی خاص صفت کے لئے نہیں بولا جاتا تھا۔ قرآن نے بھی یہی لفظ بطور اسم ذات کے اختیار کیا۔ اور تمام صفتوں کو اس کی طرف نسبت دی۔" گویا فی الحقیقت یہ ایک رواج ہے۔ نہ کہ حقیقی امر رہا۔ یہ امر کہ یہ لفظ کسی خاص صفت کے لئے نہیں بولا جاتا تھا۔ سو یہ واقعی معنے خیز ہے۔ کیونکہ وید میں بھی اللہ لفظ کسی خاص معنے میں نہیں آیا۔ ندیوں کا اللہ اللہ شبد پکارتے جانا اسے محض ایک نفظ بتاتا ہے۔ تاہم آزاد صاحب کا اُلا یا ولا کو اللہ کا ماخذ بتانا صحیح نہیں۔

۵۔ رحمان اور رحیم

رحمان یا رحیم خدا کے صفاتی نام ہیں۔ علمائے اسلام ان سے مختلف معنے منسوب کرتے ہیں جیسے بہت مہربان۔ نہایت رحم والا۔ بخشش کرنے والا مہربان۔ نہایت رحم والا مہربان وغیرہ۔ لیکن ان کی تشریحات سے پایا جاتا ہے۔ کہ ان کا مفہوم محض وہ دو صفات ہیں۔ جو ویدک لٹریچر میں دیا (رحم) اور نیائے (انصاف) کے الفاظ سے ظاہر کی جاتی ہیں۔ یہ دونوں الفاظ رحمت سے ماخوذ اور مبالغے کے صیغے ہیں۔ اور رحمت کے معنے "رقت قلب" کے ہیں۔ اس لئے ظاہر ان دونوں میں نمایاں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ اور بعض اوقات دونوں کو ہم معنے سمجھا جاتا ہے۔ لیکن قرآن میں ان دو الفاظ کا کثرت سے استعمال ہے اور بغیر جدا مفہوم کے دو نفظوں کا لکھنا معقول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دو مفہوم یوں بتائے جاتے ہیں۔ کہ سورج چاند زمین وغیرہ کی بیرونی نعمتوں کا انحصار تو رحمان کی صفت پر ہے۔ جو بلا تردد خدائے رحمان کی طرف سے کل انسانوں کے لئے میسر ہیں۔ اور ان خدا داد قوتوں سے اشیائے عالم کا روح سے جو بھلا و برا استعمال ہوتا ہے۔ اس کا بدلہ ملنا بھی اس کے رحم کا ہی تقاضا کرتا ہے۔ مگر اس رحم کا مفہوم عملوں سے وابستہ ہے۔ اور اسے انصاف یا نیائے کہا جاتا ہے جس کا تعلق صفت رحیمیت سے ہے۔ حمائل التفسیر کے صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے:

"الرحمٰن۔ یہ اللہ تعالےٰ کا وہ اسم ہے جس کے طفیل سے تمام جاندار مخلوق کو ان کے مناسب حال اعضا ملے۔ اپنی اپنی غذا کی شناخت پیدا ہوئی۔ اور اس کے حاصل کرنے اور بقائے نوع کے طریقے معلوم ہوئے۔ الرحیم وہ اسم الٰہی ہے جس پر انسان ضعیف البنیان کی تمام امید اور کامیابی منحصر ہے۔ ۔ ۔ ۔ رحمت الٰہی سچے ایمان اور سچے اعمال کے ساتھ مخصوص ہے ۔ ۔ ۔ ۔ رحمت الٰہی ان انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو تمام خدا داد طاقتوں اور لیاقتوں کو سچے اور پورے طور پر کام میں لا کر ربوبیت اور رحمانیت کے تمام سامانوں سے فائدہ اٹھاتے۔ اور اپنے سچے ایمان اور سچے اعمال اور سچی محبت سے رحمتِ الٰہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔" یہ الفاظ ایک طویل تفصیل کا اجمالی جزو ہیں۔ اور ظاہر کرتے ہیں۔ کہ رحمان اور رحیم کا مفہوم یہی ہے۔ جو سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں دیا۔ اور دیا نیائے کے متعلق دیا ہے۔ ویدک دھرم میں انسانی قالب میں جو اعمال کی ذمہ داری بتائی گئی ہے۔ اس پر قانون عمل کی مطابقت سے جو پھل ملتا ہے۔ وہ بھی گو ایشور کی دیا کا ہی ثبوت ہے۔ تاہم اس کے لئے نیائے کا جدا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور سوامی دیانند اس امر کو پختہ دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ دیا اور نیائے دونوں کی اصل غرض ایک ہی ہے۔ اور وہی رحمان اور رحیم کے دو الفاظ سے یہاں منسوب ہو رہی ہے۔ جو ایک ہی ماخذ رحمت سے مشتق ہیں۔

ا۔ بیان القرآن میں بار بار اسی اصول کا اعادہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اقتباسات ذیل سے ظاہر ہے۔

ا۔ "رحمانیت یا وہ صفت جو ہر شے کے اپنے کمال تک پہنچنے کے لئے ضروری اسباب اس کے وجود میں بھی آنے سے پہلے مہیا فرماتی ہے۔ اور رحیمیت یعنی وہ صفت جو ان سامانوں سے فائدہ اٹھانے پر یا قانون کی خلاف ورزی پر سزا دیتی

ہے: تاکہ نظام عالم قائم رہے۔ (صفحہ ۱)

۲۔ صفت رحمانیت ہیں جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ بلا بدل رحمت کرتا ہے۔ کفارہ کے عقیدہ کی تردید ہے۔ یہ رحمانیت چاہتی ہے۔ کہ خدا کا رحم انسانوں پر بلا بدل ہی ہو۔ جیسا کہ اس کی مخلوق میں ہم کو نظر آتا ہے۔ کہ انسانوں کے پیدا ہونے سے بھی پہلے وہ ان کے لئے سامان مہیا فرماتا ہے۔ صفت رحیمیت ہیں جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ انسان کے اعمال پر جو اس کے قوانین کی فرمانبرداری میں ہوں۔ اللہ تعالےٰ بڑے بڑے اجر دیتا ہے۔ (صفحہ ۲)

۳۔ اگر غور کیا جائے۔ تو سامانوں کا مہیا ہونا اور جب ان تمام سامانوں کو کام میں لایا جائے۔ تو ان پر اجر مترتب ہونا بھی سلسلہ نظام عالم ہے۔ جس پر کل کاروبار کا مدار ہے۔ جس قدر سامان زندگی اللہ تعالےٰ نے ہم کو دیئے ہیں۔ جیسے ہوا۔ پانی۔ اناج وغیرہ یہ سب کچھ صفت رحمانیت کا ظہور ہے۔ اور جب ان چیزوں کو ہم اپنے کام میں لاتے ہیں۔ تو ان سے نتائج کا پیدا ہونا صفت رحیمیت کا ظہور ہے ۔ ۔ ۔ یہی حالت ہماری روحانی ترقی کی ہے۔ کہ اس میں اللہ تعالےٰ صفت رحمانیت کے تقاضا سے ہمیں اپنی طرف سے قانون اور شرائع انبیا علیہم السلام کی وساطت سے عطا فرماتا ہے (الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ) اور جب ان شرائع و قوانین کو ہم عمل میں لاتے ہیں۔ تو ان پر نتائج مترتب فرماتا ہے۔ یعنی تمام جسمانی اور تمام روحانی دونوں کا قیام انہی دو صفات سے ہے (صفحہ ۴)

۴۔ بعض نے یوں فرق کیا ہے۔ کہ رحمان کا لفظ اس صفت پر دلالت کرتا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کی ذات میں قائم ہے۔ اور رحیم اس صفت پر جو اس شخص کے تعلق سے پیدا ہوتی ہے جس پر رحم کیا گیا ہو۔ پس رحمان وہ ذات ہے۔ جس کا رحم بہت ہی بڑا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کی پیدائش سے پہلے وہ انسان کے لئے سامان مہیا کرتا ہے۔ وہ رحمان ہے۔ اور ان سامانوں سے فائدہ اٹھانے پر جب انسان کوشش صرف کرتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ دینے والا رحیم ہے۔ زمین، پانی، آگ وغیرہ کا پیدا کرنا صفت رحمانیت کا تقاضا ہوا۔ زمین میں ہل چلا کر پانی دے کر انسان ایک دانے کے سو بنا لیتا ہے۔ یہ تقاضائے رحیمیت ہے۔ (صفحہ ۵)

پس ظاہر ہے۔ کہ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ایشور نے تمام ضروری سامان مہیا کئے۔ تو اس کے پیدا ہونے پر اس کی رہنمائی کے لئے الہامی علم بھی ضرور دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ رحمانیت و رحیمیت دونوں کا صحیح مفہوم وہی ہے۔ جو دیا اور نیائے کا ہے۔

یہاں مہرشی دیانند کے یہ الفاظ قابل غور ہیں

"دیکھو ایشور کی رحمت کا ملہ تو یہ ہے۔ کہ اس نے تمام جیودں کی حاجت براری کے لئے دنیا میں سب چیزیں پیدا کر کے عطا کر رکھی ہیں۔ پس اس سے بڑھ کر رحم اس کے ماسوا اور کونسا ہے۔ باقی رہا انصاف۔ اس کا نتیجہ صریح دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ سکھ دکھ کے کم و بیش ہونے کی حالت اس نتیجہ کو آشکارا کر رہی ہے۔ ان دونوں میں فرق اتنا ہی ہے۔ کہ من میں سب کو سکھ ہونے اور دکھ رفع ہونے کی خواہش و تدبیر رحم ہے۔ اور بیرونی حرکات یعنی قید و قطع عضو وغیرہ سے ٹھیک ٹھیک سزا دینا انصاف کہلاتا ہے۔ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ یعنی سب کو پاپ اور دکھوں سے چھڑا دینا۔ (ستیارتھ پرکاش)

۶۔ اَلحَمدُ لِلّٰہِ

حمد کا لفظ محض اللہ کی تعریف کے لئے مخصوص ہے۔ کسی انسان یا اور شے کے لئے حمد کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ تمام صفات اپنی کامل اور اصل حالت میں اللہ میں ہی موجود ہیں۔ انسان میں جملہ نیک صفات کسی حد تک محض عارضی طور پر آتی ہیں۔ والدین۔ استاد و دیگر عالم انسان یا خدا کے تعلق سے یہ صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ انسان کی ذاتی یا فطرتی نہیں۔ مگر اللہ میں کوئی صفت عارض یا حادث نہیں۔ اس لئے اس کی تعریف کا صحیح مفہوم ادا کرنے کو حمد کا ہی لفظ مخصوص ہے۔ رگوید میں سب سے پہلا لفظ ہے۔

अग्निमीळे (اِگنم ایڑے)

اس کا مقدم مفہوم بھی یہی ہے۔ کہ ایشور ہی تعریف کا سزاوار ہے۔ ویدک الفاظ کی صفت کثیر المعانی کے مطابق اگنی لفظ کے معنے مختلف موقعوں پر مختلف ہو سکتے ہیں۔ لیکن تمام رشیوں کا اور اپنشد آدی کتابوں کا مسلمہ اصول ہے۔ کہ وید منتروں کا انتہائی مفہوم یا مقصود ایک پاک ذات برہم ہی ہے۔ اور اسی ذات اقدس کی جمیع صفات کاملہ کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن میں سب سے اوّل اَلحَمدُ لِلّٰہِ کا لفظ آیا ہے۔ جو سچی توحید یا وحدت پرستی کی مضبوط بنیاد ہے:

۷۔ رَبِّ العٰلَمِینَ

تمام جہانوں کا رب۔ تمام مخلوقات اور غیر مخلوق تمام ہستیوں کا مالک محافظ اور ان کی پرورش و تربیت وغیرہ کا مقدم ترین ذریعہ ہونے سے وہی اللہ ہمیشہ سے سب کا رب ہے۔ اور عالمین سے مراد وہ کل مخلوق اشیا یا غیر مخلوق موجودات ہیں۔ جو کسی بھی زمانے میں اور کہیں بھی ہوں۔ اور بہ لحاظ نوعیت ان کی جداجدا تمیز ہو سکے۔ جیسے عالم ارواح۔ عالم حیوانات عالم نباتات۔ عالم جمادات وغیرہ۔ ایسا ہی مختلف حالتوں پر بھی یہ لفظ دلالت کرتا ہے۔ جیسے عالم بیداری۔ عالم رویا۔ عالم طفولیت۔ عالم شباب۔ عالم پیری۔ غرضیکہ انفرادی۔ مجموعی ہر نوعیت۔ ہر حالت۔ ہر شے۔ ہر جگہ اور ہر زمانے سے اس کی مالکیت وغیرہ کا تعلق ظاہر کرنے کے لئے اسے رب العالمین کہا ہے۔ ٹھیک اسی معنے میں جس میں وید اسے جگت سوامی وغیرہ واضح کرتا ہے۔ دنیا کی ہر شے اور ہر حالت خدا کی قدرت۔ اس کی حکمت وصنعت اور اس کی انتظامی کمالیت کی بے نظیر مثال ہونے سے اس کی افضل ترین ہستی کا علم دیتی ہے۔ اس لئے بجا طور پر اسے عالم کہا جاتا ہے۔ اور اللہ کو ربّ العالمین۔

۸۔ مٰلِکِ یَومِ الدِّینِ

اس کے معنے روز جزا یا انصاف کا مالک کہے جاتے ہیں۔ یا قیامت کے دن کا مالک۔ لیکن ہم نے یہاں یوم الدین لفظ کو ویدک لفظ پرلے کال سے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے کہ پہلے لفظ رب العالمین آچکا ہے۔ جو حالت پیدائش و قیام عالم کے کل مخلوق جہانوں کا مفہوم رکھتا ہے۔ ان کا مالک کہنے کے بعد صفت مالکیت کی تکمیل کے لئے محض حالتِ فنا کا ہی تعلق باقی رہتا ہے۔ اور اس زمانۂ فناء عالم کو ویدک پرلے کال کا لفظ ہی ادا کرتا ہے۔ قرآن میں قیامت کے دن سے مختلف موقعوں پر مختلف مراد لی جاتی ہے۔ زمانۂ قیام عالم نیز جہنم وغیرہ اور انصاف الٰہی کے لحاظ سے ہر لمحہ پر یہ لفظ دلالت کرتا ہے۔ ایشور کا قانون انصاف ہر وقت دنیا میں کام کر رہا ہے۔ جنم ہونے پر بھی اعمال کے مطابق سزا

جزا الحق ہے۔ اس لئے یوم الدین کے معنے کا وسیع تعلق ہے۔ ساتھ ہی واضح رہے۔ کہ قرآن میں یوم کا لفظ ۲۴ گھنٹے کے انسانی دن کے لئے ہی نہیں آتا۔ بلکہ وقت کا ہر مقررہ حصہ اپنے اپنے مخصوص موقعہ پر یوم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور خدا کو کسی خاص حصہ وقت کا مالک جتانا قرآن کو کہیں مقصود نہیں۔ محض جزا کے نکتہ نگاہ سے ہر وقت روح کا تعلق حد تک ہی محدود جتایا گیا ہے۔ تا کہ جہالت پر مبنی بت وغیرہ قسم کے معبودوں سے انسان دور رہیں۔ نہ صرف جھوٹے معبود۔ دنیوی رشتہ داروں ماں باپ۔ بیوی۔ بچے حتےٰ کہ اپنے جسم دل عقل کسی کا بھی اپنے پر یا اپنا کسی پر کوئی وزن دار اختیار نہ سمجھا جاوے۔ ہر وقت ہر کہیں بدلہ یا جزا کا تعلق محض خدا سے ہے۔ قرآن خود یوم الدین کی تعریف واضح اور جامع الفاظ میں کرتا ہے۔ سورۃ انفطار آیت ۱۷ میں سوال کیا گیا ہے۔ اور آیت نمبر ۱۸ میں سوال کو دوہرایا گیا ہے۔ تا کہ ناظرین کے کان اچھی طرح کھل جاویں۔ اور وہ اس اصطلاح کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

سوال۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۔ ۱۷۔ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ

تم کیا سمجھے کہ یوم الدین کیا ہے۔ ۱۸۔ تم سے پھر سوال ہے کہ تم کیا سمجھے کہ یوم الدین کیا ہے۔

جواب:۔ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۔ ۱۹

(یوم الدین) وہ وقت ہے (جب کسی نفس کا کسی نفس سے کوئی تعلق یا کسی کا کسی پر کوئی اختیار نہیں ہوتا محض اللہ کا ہی حکم یا اختیار ہوتا ہے)۔ پس عرصہ کی قید یوم الدین کے لئے نہیں۔ بلکہ کل دیگر تعلقات سے کنارہ جس حالت میں ہو۔ اور روح کا محض خدا پر انحصار ہو۔ وہی یوم الدین ہے۔ موت کے وقت سوائے خدا کے کسی کا اختیار نہیں۔ بدعملوں کے نتیجے میں سزا ملنے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ماں باپ۔ دوست آشنا۔ مال دولت شفاعت کسی کا کوئی تعلق نہیں۔ حتےٰ کہ روح کا اپنے آپ پر بھی اختیار نہیں رہتا۔ اب یا وہ ہے یا خدا کا قانون انصاف۔ اس کی فعل مختاری کام کر چکی۔ اور نتیجہ محض خدا کے ہاتھ ہے پس دوسرے جنم کا وقت بھی یوم الدین ہے۔ ۔۔ موت کے وقت کو قرآن میں عموماً اَلسَّاعَة کہا گیا ہے۔ جیسے عام طور پر موت کی گھڑی کہا جاتا ہے۔ سوال ان الفاظ میں ہے۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ (تجھ سے اس گھڑی کے متعلق پوچھتے ہیں) جواب میں بار بار یہی کہا ہے۔ کہ میں تو صرف اس گھڑی کا خیال دلا کر ڈرانے والا ہوں۔ وقت کا علم خدا کو ہے۔ کیا جانے وہ قریب ہی ہو۔ اسی طرح حالت فنا میں اشیا لطیف مادی علت کی حالت میں معہ ارواح کے خدا میں ہی رہتے ہیں۔ لہذا وہ بھی یوم الدین ہے پچاس ہزار سال کا یوم۔ ہزار زمانوں کا یوم۔ اور ایک ساعۃ کا بھی یوم قرآن میں مذکور ہے۔ اور ۲۴ گھنٹے کا بھی مگر قطع نظر میعاد کے بڑا چھوٹا ہونے کے۔ سورہ انفطار کی تعریف محض اس ایک شرط پر مبنی ہے۔ کہ روح پر سوائے خدا کے جس وقت کسی کا تعلق نہ ہو۔ وہ یوم الدین ہے۔ چونکہ پرلے کال میں مسلمہ طور پر خدا کا ہی اختیار ہے۔ اور پیدائش و قیام عالم کے لئے اختیار یا رب العالمین کا لفظ کہنے کے بعد نفس مضمون و موزونیت موقعہ کا تعلق بھی تقاضا کرتا ہے۔ کہ خدا کو حالت فنا کا بھی مالک بتایا جائے۔ اس لئے ہم نے یوم الدین کو پرلے کال سے تعبیر کرنا منشائے کلام کے مطابق سمجھا ہے۔

۹۔ برہم راتری

قرآن کہاں تک سورۃ فاتحہ کے لفظ یوم الدین کے متعلق ہماری پوزیشن کو صحیح قرار دیتا ہے۔ اس کے لئے ہم کو برہم راتری کی میعاد بھی قرآن سے پیش کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے۔

بیان القرآن صفحہ ۷ پر لکھا ہے "یوم سے عموماً مراد وہ وقت ہے۔ جو طلوع آفتاب سے غروب تک ہے لیکن اکثر اس سے مراد زمانہ کی کوئی مدت ہوتی ہے۔ خواہ وہ بہت ہی کم ہو۔ یا بہت ہی زیادہ (درج) چنانچہ کل یوم ھو فی شان (الرحمٰن ۵۵۔۳۰) میں یوم سے مراد ایک آن ہے۔ اور فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ (المعارج ۷۰۔۴) میں ایک یوم پچاس ہزار سال کا فرمایا"

ویدک ساہتیہ میں پہلے کال کا زمانہ چار ارب بتیس کروڑ سال کا ہے۔ اور قرآن میں بھی اسے کئی جگہ یوم عظیم کہا ہے۔ یہ ہو بہو برہم دن یا برہم راتری کا ترجمہ ہے۔ دن یا رات دونوں کے لئے یوم کا لفظ ہے۔ اور برہم کے لئے عظیم ہے۔ اور یوم عظیم وغیرہ کی صحیح میعاد کے متعلق کئی آیتوں میں لکھا ہے۔ کہ تمام میعادوں کا صحیح بیان کتاب مبین۔ کتاب الٰہی یا لوح محفوظ میں ہے۔ سورۃ ھود آیت ۶ میں ہے۔

وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا وَمُسْتَوْدَعَھَا ط کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (اور وہی ان کے قیام و فنا کے زمانے اور مقام کو جانتا ہے اور یہ سب کچھ کتاب مبین میں لکھا ہے۔ چونکہ روشن یا علم حق کی کتاب قرآن کے رو سے وید ہی ثابت ہے۔ جیسا کہ سورۃ بقر کی پہلی دو آیات کی تشریح میں ہم نے بخوبی ثابت کیا ہے۔ اس لئے اس کی صحیح میعاد کا پتہ وید سے ہی لینا چاہئے چنانچہ قیام عالم کو وید برہم دن اور حالت فنا کو برہم راتری کہتا ہے۔ اور اس کی میعاد اتھروید ۸۔۱۔۲۔۲۱ میں صاف لکھی ہے۔

शतं ते युत हायनान द्वे युगे त्रीणि चत्वारि कृणमः

قرآن صرف کتاب مبین کی طرف اشارہ نہیں کرتا اس میعاد کو سورۃ الحج آیت ۴۷ میں ان الفاظ میں ادا کرتا ہے۔

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

"اور تحقیق تمہارے رب والا زمانہ یعنی برہم دن یا برہم راتری تمہارے شمار کردہ ہزار زمانوں کے برابر ہے"۔ یہ یاد رہے۔ کہ چار ارب بتیس کروڑ سال کا زمانہ ویدک لٹریچر میں ہزار زمانوں میں ہی تقسیم کیا گیا ہے جنہیں ہزار چتر یگیاں کہا جاتا ہے۔ علماء اسلام تک بخوبی جانتے ہیں۔ کہ ویدک دھرمیوں میں وقت کی تقسیم گھڑی پل دن ہفتہ اور مہینہ سے گزر کر سال تک پہنچتی ہے۔ اور چار لاکھ بتیس ہزار سال کا کل یگ۔ اس سے دوگنی میعاد کا دواپر اس سے تگنی میعاد کا تریتا اور اس سے چوگنی میعاد کا ست یگ نام ہے۔ اور چاروں زمانوں کا مجموعی نام چتر یگی ہے۔ جس کے ۴۳ لاکھ ۲۰ ہزار سال بنتے ہیں۔ اور یہی وہ آخری شمار زمانہ کا ہے۔ جو انسانوں میں مروج ہے۔ ایسے شمار کردہ ہزار زمانوں کا برہم دن یا برہم راتری یا سورۃ فاتحہ میں واقع شدہ یوم الدین سب کا ایک ہی مفہوم اور ایک ہی میعاد وید اور قرآن سے ثابت ہے۔ جو مفسر صاحبان سنۃ کا ترجمہ سن یا سال کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ لغات میں سال کے علاوہ زمانہ، عرصہ بھی اس کے معنے لکھے ہیں۔ اور ہزار سالوں کا کوئی زمانہ انسانوں کے شمار میں مروج ہی نہیں۔ چاروں یگوں کا مجموعی شمار چتر یگی ہی مشہور ہے۔ اور ایسے ہزار زمانوں کا عرصہ برہم دن یا برہم راتری کی میعاد کتب قدیم میں درج ہے۔

۱۰- اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

اس میں اللہ کی ہی عبادت اور اسی سے مدد مانگنے کا اصول بیان کیا گیا ہے۔ عبادت محض خدا کی ہی ہوتی ہے۔ اور ہونی چاہئے۔ کیونکہ اسی سے انسان کو مدد ملتی ہے۔ اور انسان کی کمیاں پوری ہوتی ہیں۔ دنیوی لوگ تمام اپنی غرض کے غلام ہیں۔ کوئی کسی کی مدد کرنی چاہے بھی تو خود محتاج اور اپنے تفکرات میں غلطاں ہونے سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ اوّل تو سامان کی کمی۔ اور پھر کمی کا قائم رہنا بھی مشکوک و محال۔ برخلاف اس کے خدا کے ہاں ہر چیز کے ہمیشہ بھرپور اور غیر محدود خزانے ہیں۔ مادی روحانی جملہ سامان انسان کے لئے خدا ہی مہیا کرتا ہے۔ بشرطیکہ انسان کی ذاتی صلاحیت کے نقص یا اس کے حقیقی فوائد اس سامان کے استفادہ ملنے کا تقاضا نہ کرتے ہوں۔ کام کے لئے جسم اور اس کے تمام اعضا اسی کا عطیہ ہیں۔ آنکھ کو مدد دینے والا سورج ہے۔ تو اسی کا۔ کان کو مدد دینے والا آکاش ہے۔ تو اسی کا۔ اور چھونے کے لئے لمس کی صفت والی ہوا ہے۔ تو اسی کی۔ پھر ہماری اخلاقی روحانی و علمی ترقی بھی اسی کی عبادت کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ تمام عرفانِ حسنہ۔ جملہ سچے علوم۔ اور اعلیٰ ترین روحانیت کا وہی منبع اور وہی مخزن ہے اور یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ چیز وہیں سے مل سکتی ہے۔ جہاں ہو۔ بتوں میں نہ علم ہے۔ نہ اخلاق۔ نہ احساس۔ اور انسانوں میں خود کمی محدودیت اور محتاجی ہے۔ اس لئے ان پر انحصار رکھنے کا لازمی نتیجہ دکھوں اور دکھیوں کی ترقی ہے۔ اور یہی حالت خالص توحید کی عدم موجودگی میں انسانوں کی ہو رہی ہے۔ پس قرآن بجا فرماتا ہے۔ کہ تمام پہلوؤں سے کامل اور غیر محدود طاقتوں کا مجسمہ ہونے سے خدا ہی قابلِ عبادت ہے۔ اور اسی سے مدد مانگنی انسان کا فرض ہے۔ جیسے سردی سے بچنے کے لئے آگ یا گرمی کی ہی قربت تلاش کی جاتی ہے۔ ویسے ہی ہر کمی کے لئے خدا کی ہی اپاسنا چاہئے۔

۱۱- اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

اس میں دعا مانگی گئی ہے۔ کہ ہمیں راہِ راست کی ہدایت دے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ دنیا میں دو قسم کے راستے ہیں مستقیم اور غیر مستقیم۔ اور نیز یہ کہ انسان کو ہمیشہ سچے اور سیدھے رستے پر چلنا اور جہالت کے ٹیڑھے یا تاریک رستے سے بچنا چاہئے۔ وید میں بھی یہی دو رستے بتائے ہیں۔ یجروید ادھیائے ۱۹ منتر ۴۷ میں فرمایا ہے۔

द्वे सृति ऽश्रृणवं पितृणाम हं दे वान मुत मर्त्यो नाम्।
ताम्यां इदं विश्वमेजत समेति यदन्तरा पित रं मातरंच ॥

دو راستے ہیں۔ ایک گیانیوں کا جس سے سکھ اور آخر میں نجات ملتی ہے۔ دوسرا اگیانیوں یعنی جاہلوں کا راستہ جس سے دکھ اور جنم مرن ملتا ہے۔ انہی دو راستوں میں سنسار چکر لگا رہا ہے۔ اور آواگون ہو رہا ہے "دیو اور سور یہ یا دل، زندگی موت۔ پن پاپ۔ دھرم ادھرم نیکی بدی۔ علم جہالت۔ روشنی تاریکی۔ ودیا۔ اودیا کوئی سا لفظی جوڑا استعمال کرو۔ انہی دو راستوں کا پتہ دیگا۔ یجروید ادھیائے ۱ منتر ۵ میں انسان سے خاص عہد (برت) منسوب کیا جاتا ہے۔ جو حسب ذیل ہے

इदमहम अनृतात सत्यमुपैमि

میں جھوٹ سے بچ کر سچ کو حاصل کروں گا۔ اسی بھاؤ کو اپنشد میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہ

असतो मा सद गमय तमसो मा ज्योतिर्गमय ।
मृत्योर्मा ऽ मृतं गमय ॥

مجھے جھوٹ سے بچا کر سچ کی طرف۔ تاریکی سے بچا کر روشنی کی طرف اور موت سے بچا کر زندگی کی طرف لے چلئے۔ ویدک پرارتھنا کا مشہور منتر ہے۔

विश्वानि देव सवित दुरितानि परासुव ।
यद्भद्रं तन्न आसुव ॥

ہمیں تمام برائیوں سے ہٹائیے۔ اور تمام بھلائیوں سے بہرہ یاب کیجئے۔ یجر وید ادھیائے ۳۰ منتر ۳ بھی یہی دعا رکھتا ہے۔ بلکہ کل سورۃ فاتحۃ اور اس کے معانی میں غیر معمولی مشابہت ہے۔

अग्ने नय सुपथा राये ऽ स्मान विश्वानि देव वयुनानि विद्वान् ।
युयोध्य स्म ज्जुहुराण मेनो भूयिष्ठान्ते नम उक्तिं विधेम ॥

"اے علم بالذات نور مجسم سب جہان کو روشن کرنیوالے۔ تمام راحتوں کے دینے والے پرمیشور! آپ تمام علوم کے مخزن ہیں۔ از راہِ عنایت ہم لوگوں کو گیان اور راجیہ وغیرہ دولت کے حصول کے لئے نیک دھرماتما لوگوں کا راستہ دکھائیے۔ جس سے تمام پرگیان اور اعلےٰ علم حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور ہم سے کٹِلتا یکت بد افعال کو دور کیجئے۔ جس سے ہم نمرتا پوریک آپ کی ستتی کرتے ہوئے آنند میں رہیں"

غرضیکہ قرآن میں راہِ راست کی ہدائیت کے لئے ہوبہو وہی دعا ہے ... جو قدیم سے ویدک لٹریچر میں مانگی گئی ہے۔

۱۲۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ

صراط مستقیم کی دعا کے ساتھ یہ واضح کرنا بھی ضروری تھا کہ وہ ہے کیا۔ اس کے لئے اس حصہ میں بتایا ہے۔ کہ اس راستے پر چلنے والے لوگوں پر خدا کی نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔ یہ گویا دفعہ ۱۲ والے ویدمنتر (یجر وید ادھیائے ۱۹ منتر ۴۷) کے اس حصے کا ترجمہ ہے جس میں گیانیوں کے راستے کو سکھ اور نجات کا راستہ یعنی نعمتوں والا راہ قرار دیا ہے۔ اسی کو اوپر درج شدہ یجر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۱۶ کے الفاظ رایے۔ وشوانی و یونانی وغیرہ الفاظ سے ادا کیا ہے۔ اس جہان کی تمام راحتیں اور ان کے بعد نجات کی انتہائی نعمت کو پانے والے لوگ ہی فی الحقیقت دوسروں سے تقلید کیا جانے کے لائق ہیں۔ اور اسی کے لئے ان الفاظ میں ترغیب دی گئی ہے۔ ویدک دہرم میں وید کے بعد سمرتیاں یعنی خدا رسیدہ عالموں کی علمی تصنیفات اور سداچار یعنی خدا کے برگزیدہ بندوں کے طریق عمل کو بھی دھرم کے متعلق رہنمائی پانے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اور انہی کو قرآن "اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" یعنی صراط مستقیم پر چلنے والے کہتا ہے۔

۱۳۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

اس حصے میں مدعا کو اور بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ یعنی صراط مستقیم ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اور جو بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ گویا

دفعہ ۱۴ میں بیان شدہ درست راستے کا بیان ہے۔ جو دکھ پانے والے اور جنم مرن کے چکر میں بھٹکنے والوں کا راستہ ہے۔ جہاں ان کا راستہ زندگی میں دکھ اور موت کے بعد ادنےٰ قالبوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اور مختلف قالبوں میں جنم اور مرن کا شکار ہوتے رہنا ہی آواگون میں بھٹکنا ہے۔ ہندی شاعر" بھٹک بھٹک گیا ہار" لاکھ چوراسی بھٹکت بھٹکت جیو را بیبو ہے ادھیر" وغیرہ اقوال میں بھٹکنا۔ گمراہ ہونا۔ اور آواگون میں پھنسنا سب کا ایک ہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔ قرآن کی بھی ہوبہو یہی پوزیشن ہے مغضوب لوگ، تو وہ ہیں۔ جو اس زندگی میں غضب الٰہی سے دکھ پاتے ہیں۔ اور ضالین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے برے اعمال یا غیر مستقیم راہ پر چلنے کی وجہ سے آواگون میں بھٹکتے رہیں گے۔ چنانچہ اور جگہ قرآن صاف بتاتا ہے۔ کہ ضال لوگ وہ ہیں۔ جو مختلف قالبوں میں جاتے رہتے ہیں۔

۱۴- وید منتر اور سورۃ فاتحہ کی مطابقت

پس ظاہر ہے۔ کہ دفعہ ۱۴ میں مذکور یجر وید ادھیائے ۴ منتر ۱۶ اور سورۃ فاتحہ کی آیات میں الفاظ معنے اور تعلقات کے لحاظ سے صریح مطابقت ہے۔ منتر کا پہلا حصہ "اگنے نیہ سپتھا" ہوبہو عربی کے الفاظ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں ادا کیا گیا ہے۔ منتر میں اگنے دیو وغیرہ ایشور کے نام ہیں۔ تو سورۃ فاتحہ میں رب العالمین۔ رحمان۔ رحیم وغیرہ نام ہیں۔ منتر میں ہے بھوئشٹھاتے نم اُکتیم ودھیم" ہم عجز و انکساری سے آپ کی بنتی کرتے اور آپ سے سہایتا چاہتے ہیں۔ تو اس کی جگہ سورۃ فاتحہ میں ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ منتر میں رایے وشوانی ویونانی وغیرہ الفاظ راہِ راست پر گامزن لوگوں کو ملنے والی نعمتوں کا پتہ دیتے ہیں۔ تو سورۃ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ ہیں۔ اور منتر میں یو یودھیہ اشمجہو رانم کے الفاظ بداعمال یا بدطینت لوگوں سے پوری جدوجہد کے ساتھ بچنے کی ہدایت دیتے ہیں۔ تو سورۃ فاتحہ میں غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کے الفاظ ہیں۔ اگنی دیو وغیرہ الفاظ سے ہمیشہ منور بالذات اور ماضی حال و مستقبل میں کیا عالت علت اور کیا معلول ہر دو زمانوں کا مالک ایشور کو سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح خدا کو سورۃ فاتحہ میں مالک یوم الدین اور رب العالمین کہا ہے۔

غرضیکہ سورۃ فاتحہ کی حمد و ثنا۔ مناجات وغیرہ نہایت اعلےٰ صداقتوں اور علمی و روحانی رموز پر مبنی ہے۔ اور وید کے عین مطابق بلکہ ہوبہو وید کا ہی مدعا عربی الفاظ میں نہایت جامع اور واضح پیرایہ میں ادا کیا گیا ہے۔

۱۵- سورۃ فاتحہ کی بے نظیر عظمت

اوّل اسلامی لٹریچر کی رُو سے

اہل غور و فکر و محققین پر مخفی نہیں ہے کہ اس سورت کے صحیح مفہوم کے متعلق دو تین امور میں ہمارا بعض مترجمین قرآن نیز بعض دیگر مفسر صاحبان سے اختلاف ہے۔ جن کی توضیح اس سے پہلے دلیل اور ثبوت کے ساتھ موقعہ مناسب پر کچھ تو ہم کر آئے ہیں۔ اور کچھ اس سورۃ کو ختم کرنے سے پہلے کریں گے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اس پر توجہ کریں۔ ہمیں اس سورت کی مخصوص اور اعلےٰ پوزیشن کا احساس ....

کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی لٹریچر کی رُو سے تمام دیگر سورتوں اور تمام مذاہب کی تعلیم کے مقابلے پر اس کو نمایاں فوقیت حاصل ہے۔ (۱) قرآن میں سب سے اول اس سورت کو جگہ ملنا اس کی عظمت کا ہی نتیجہ ہے۔ (۲) علمی رموز کا اس میں وہ کمال پایا جاتا ہے۔ کہ دریا کوزہ میں بند ہے۔ اور (۳) قرآن کی دیگر آیات میں اس کی عظمت کا ثبوت موجود ہے۔ سورۃ بقر آیت ۲۲ میں خاص چیلنج دے کر واضح کیا ہے۔ کہ انسانی تصنیف میں اس کا مثل ہونا ناممکن ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

اور اگر تمہیں اس (سورت) میں غلطی کا خیال ہو۔ جو ہمارے بندے پر نازل ہوا ہے۔ تو تم بھی اس جیسی سورت بنا تو لاؤ۔ اور سوائے خدا کے جتنے بھی شاہد چاہو۔ بلا لو۔ اگر سچے ہو۔

یہ خیال کہ اس چیلنج کا تعلق ہر سورت سے ہے غلط ہے۔ یہ چیلنج سورۃ بقر میں ہے۔ جو دوسرا سورۃ ہے۔ پس سوائے پہلے سورۃ فاتحہ کے اس کا تعلق کسی اور سورۃ سے نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی چیلنج اور جگہوں میں بھی ہیں۔ (سورۃ ھود آیت ۱۳)

وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

(ترجمہ) یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس نے قرآن کو اپنے دل سے بنا لیا ہے۔ تم کہو کہ اگر سچے ہو۔ تو تم بھی اس طرح کی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ۔ اور خدا کے سوا جس کو بھی مدد کے لئے بلا سکو بلا لو"

اس میں دس سورتوں کے لئے چیلنج ہے۔ اس لئے کہ ھود گیارھواں سورۃ ہے۔ اس سے پہلے فاتحہ۔ بقر۔ آل عمران نساء۔ مائدہ۔ انعام۔ اعراف۔ انفال۔ توبہ اور یونس ان دس کے بعد سورۃ ھود ہے۔ جب گیارھویں سورۃ میں دس کے لئے چیلنج ہے۔ تو دوسرے سورۃ میں پہلے سورۃ فاتحہ کا ہی چیلنج ہونا لازمی ہے سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۸ میں جو چیلنج ہے۔ اس میں سورۃ کا نہیں۔ ھذا القرآن کا لفظ صاف ہے۔ اور اس کا تعلق کل قرآن سے ہو سکتا ہے۔ پس محض ایک سورۃ فاتحہ کے نکتہ نگاہ سے للکار کر تمام انسانوں کو اس جیسا بنانے میں قاصر بتانا محض سورۃ فاتحہ کی غیر معمولی خوبی کا یقین دلاتا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ بقر آیت ۸۷ میں اس کی عظمت ایک اور پہلو سے بتائی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ

"اور ہم نے دوہرائی۔ بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں عطا کیں۔ جو قرآن عظیم ہے۔"

چونکہ سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں۔ اور وہ نماز کی ہر رکعت میں دوہرائی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ آیت بھی اس سورت کی عظمت کا ہی نشان ہے۔ جسے قرآن خدا کا خاص عطیہ اور اس کی رحمت بتاتا ہے۔ مترجم و مفسر صاحبان بھی سب سے زیادہ زور اسی کی توضیح پر دیتے ہیں۔ اور اس کی خوبیوں کا احساس کرتے ہوئے مختلف موقعوں پر اس کے مختلف نام استعمال کرتے ہیں۔

۱۔ فضائل علوم کا مبدا اور سب سے اول واقعہ ہونے سے اسے فاتحہ۔ فاتحہ الکتاب۔ فاتح عظیم الشان وغیرہ کہتے ہیں۔

۲۔ اللہ کی تعریف اور سب سے اول الحمد کا لفظ ہونے سے اسے سورۃ الحمد کہتے ہیں۔

۳۔ حمد و ثناء الٰہی انسان میں شکر گذاری کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اس لئے اسے سورۃ الشکر کہا جاتا ہے۔

۴۔ حسب قول حضرت علی (منزلت سورۃ الفاتحۃ من تحت العرش) سورۃ فاتحہ عرش کے خزانے کے نیچے سے آتری ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۃ الکنز ہے۔

۵۔ نمازی اس کے ساتھ درگاہ الٰہی میں مناجات کرتا ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۃ المناجات ہے۔

۶۔ حمد و ثنا کے ساتھ شروع میں ہی عبادت الٰہی کی ہدائیت دے کر نماز کو معراج دین بتانے سے اسے سورہ وافیہ کہا ہے۔

اسی طرح سورۃ التفویض۔ سورۃ الشفا۔ سورۃ الشافیہ۔ سورۃ الرقیہ۔ سورۃ الاساس۔ سورۃ الصلوٰۃ۔ سبع المثانی۔ قرآن العظیم۔ تعلیم۔ مسئلہ۔ سورہ کافیہ۔ ام الکتاب۔ ام القرآن وغیرہ سب نام اس سورۃ کے ہیں۔ غور و فکر کرنے سے جو علمی رموز یا ہدایات اس سے اخذ ہوتی ہیں۔ انہی کے نکتہ نگاہ سے اس کے مختلف نام رکھے گئے۔ اور رکھے جا سکتے ہیں۔

اس کے علمی کمالات کے متعلق مفسر صاحبان کے طویل اقتباسات پیش کئے جائیں۔ تو ہزاروں صفحوں پر بھی سمائیں۔ اس لئے محض اشارۃً ذکر کیا جاتا ہے۔

مرزا حیرت دہلوی صاحب کا قول ہے۔ کہ فخر الدین رازی نے اس سورۃ سے دس ہزار مسئلے نکالے ہیں۔ الحمد سے انعمت علیہم تک علم اصول ثابت کیا گیا ہے۔ یعنی الحمد سے رحیم تک اس کے اوصاف بیان ہوتے ہیں۔ مالک یوم الدین میں معاد کو بخوبی ثابت کیا گیا ہے۔ انعمت علیہم میں معرفت کو بیان فرمایا ہے۔ اور اس مجموعہ کا نام علم اصول ہے۔ ایاک نعبد میں علم فروع کی تشریح کی گئی ہے۔ کیونکہ فروعات میں سب سے بڑی چیز عبادت ہے۔ خواہ مالی ہو۔ خواہ بدنی ایاک نستعین سے مستقیم تک علم اخلاق بیان کیا گیا ہے۔ اور انعمت علیہم سے اخیر تک اس امر کو ثابت کیا ہے۔ کہ اگلی امتوں میں فلاں جماعت سعید اور فلاں شقی تھی۔ اور اس کا نام علم تاریخ ہے۔

بعض مفسرین نے اس میں تین طرح کے علوم مانے ہیں۔ شریعت۔ حقیقت اور طریقت۔ اسلام کا پہلا اصول توحید اور انکساری ہے۔ وہ اس سورت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اور اس سے بہتر توحید کی تعلیم دنیا کی کسی الہامی کتاب میں نہیں مل سکتی۔ اس سورۃ سے قرآن کریم کا جلال اور بزرگی پائی جاتی ہے۔ اور یہی سورۃ اسلام کا زبردست ستون ہے۔ مکہ کو ام القریٰ کہنے سے پایا جاتا ہے۔ کہ مکہ عرب کے تمام دیگر مقامات کی فضیلتوں کا جامع ہے۔ اسی طرح سورۃ الفاتحہ کو ام القرآن کہہ کر اسے قرآن کی تمام خوبیوں کا مجموعی مظہر اور مایہ ناز مانا جاتا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث میں بہت سی روائیتیں ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے۔ کہ رسول صاحب اسے بہترین اور اعلیٰ ترین سورت کہتے تھے۔

حمائل التفسیر کے مصنف مولوی ڈاکٹر محمد عبدالحکیم خاں صاحب ایم۔ بی لکھتے ہیں:۔

"یہ سورت اگرچہ نہائیت ہی چھوٹی ہے۔ مگر اس کی ترتیب اور ترکیب ایسے اکمل اور ابلغ نظام پر واقعہ ہے۔ کہ ایسی صفات عبادات اعمال اور تقویٰ اور امراض روحانی اور اخلاقی کے متعلق جو کچھ تعلیم

اور تلقین ضروری ہے۔ وہ تمام اس سورت میں موجود ہے۔ اس کا ایک ایک جملہ اور لفظ اپنے معانی اور اسرار کے لحاظ سے ایک بحرِ بے کنار کے طور پر ہے۔ اس میں ہزارہا روحانی اور اخلاقی امراض کا علاج موجود ہے۔ جس کی مختصر تشریح کے واسطے بھی علیحدہ علیحدہ ضخیم جلدیں درکار ہیں۔

مولانا ابو الکلام صاحب آزاد تفسیر سورۃ فاتحہ میں مذکورہ بالا قسم کی تمام فضیلتوں کا اشارہ دینے کے بعد اس مضمون پر بحث کرتے ہیں۔ کہ سورۃ فاتحہ میں دینِ حق اور خدا پرستی کے تمام مقاصد کا خلاصہ موجود ہے۔ اور قرآن کے اس حصے میں اجمال اور باقی کل قرآن میں اس اجمال کی تفصیل مانتے ہیں۔ آپ کا دعویٰ ہے۔ کہ اگر ایک شخص قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھ سکے۔ صرف اس سورت کے مطالب ذہن نشین کرلے۔ جب بھی وہ دینِ حق اور خدا پرستی کے بنیادی مقاصد معلوم کرلے گا۔ اور یہی قرآن کی تمام تفصیلات کا ماحصل ہے۔

احادیث اس امر میں متفق ہیں۔ کہ لاصلوٰۃ الا بقراءۃ ام الکتاب بغیر سورۃ فاتحہ کو پڑھے نماز نہیں ہوتی۔ ام الکتاب اور ام القرآن اور قرآن عظیم وغیرہ کے ناموں سے تو اور بھی مضبوطی سے اس سورۃ کے جامع اور کل قرآن کی تعلیم کا مظہر ہونے نیز اسی کے کلامِ اعظم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

مرزا غلام احمد صاحب سورۃ فاتحہ جلد اول صفحہ ۶۳ پر لکھتے ہیں:۔

یہ عاجز اپنے ذاتی تجربہ سے بیان کرتا ہے۔ کہ فی الحقیقت سورۃ فاتحہ مظہر انوارِ الٰہی ہے۔ اس قدر عجائبات اس سورۃ کے پڑھنے کے وقت دیکھے گئے ہیں۔ کہ جن سے خدا کے پاک کلام کی قدر و منزلت معلوم ہوتی ہے۔ اس سورۃ مبارک کی برکت سے اور اس کے تلاوت کے التزام سے کشفِ مغیبات اس درجہ تک پہنچ گیا۔ کہ صدہا اخبار غیبیہ قبل از وقوع منکشف ہوئیں۔ اور ہر ایک مشکل کے وقت اس کے پڑھنے کی حالت میں عجیب طور پر رفعِ حجاب کیا گیا۔

خزینۃ المعارف جلد ۱ تفسیر سورۃ فاتحہ حصہ سوم و چہارم صفحہ ۲۴۹ پر آپ فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ اس عاجز نے اپنی نظرِ کشفی میں سورۃ فاتحہ کو دیکھا۔ کہ ایک ورق پر لکھی ہوئی اس عاجز کے ہاتھ میں ہے۔ اور ایک ایسی خوبصورت اور دل کش شکل میں ہے۔ کہ وہ کاغذ جس پر سورۃ فاتحہ لکھی ہوئی ہے۔ سرخ سرخ اور ملائم گلاب کے پھولوں سے اس قدر لدا ہوا ہے۔ کہ اس کا کچھ انتہا نہیں۔ اور جب یہ عاجز اس سورۃ کی کوئی آیت پڑھتا ہے۔ تو اس میں بہت گلاب کے پھول ایک خوش آواز کے ساتھ پرواز کرکے اوپر کو اڑتے ہیں۔ اور وہ پھول نہایت لطیف اور بڑے بڑے سندر، تر و تازہ اور خوشبودار ہیں جن کے اوپر چڑھنے کے وقت دل اور دماغ نہایت معطر ہو جاتا ہے۔ اور ایک ایسا عالمِ مستی کا پیدا کرتے ہیں۔ جو بے مثل لذتوں کی کشش سے دنیا و مافیہا سے نہایت درجہ کی نفرت دلاتے ہیں۔ اس مکاشفے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گلاب کے پھول کو سورۃ فاتحہ سے ایک روحانی مناسبت ہے"

کہاں تک لکھا جاوے۔ یہ امر واقعہ ہے۔ کہ سورۃ فاتحہ کی تعریف میں دفتروں کے دفتر اسلامی لٹریچر میں لکھے جا چکے ہیں۔ اس میں مبالغہ حسنِ ظن کھینچ تان اور نمائش کا دخل ہے یا نہیں اور ہے تو کہاں تک یہ بحث غیر متعلق ہے۔ اور چونکہ یہ سورت فی الحقیقت رکھتی بھی نہایت اعلیٰ امتیازی پوزیشن ہے۔ اس لئے اس کی عظمت کے متعلق بیانات کے تاریک پہلو کا خیال کرنا بھی غیر موزوں ہے۔ تاہم مرزا غلام احمد صاحب کے الفاظ واقعی

کھٹکنے والے اور قابل نوٹ ہیں۔ دیگر علما کی تحریروں میں جہاں اس سورۃ کے متعلق معقولیت اور عقیدت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ وہاں مرزا صاحب کے الفاظ بجائے اس سورۃ کی عظمت ظاہر کرنے کے ان کی اپنی غرض یا دلی سپرٹ کا اظہار کرتے ہیں۔ اس تعریف میں کوئی خوبی تو آپ کیا بیان کرتے۔ اپنی کشفی نظر اور خدا سے غیبی علم ملنے یا اپنی پیشگوئیوں کے منجانب اللہ ہونے کی تہارنی رٹ دی ہے۔ کہاں تو قرآن کا بار بار یہ پکارنا کہ رسول کے پاس غیب کے خزانے نہیں۔ عالم الغیب محض خدا ہے۔ اور کہ رسول یا نبی کا کام محض پیغام حق پہنچانا ہے۔ اور کہاں سورۃ فاتحہ جیسے علمی۔ اخلاقی اور روحانی اعلےٰ اصولوں کو معقولیت سے بیان کرنے والے سورۃ پر ریویو کرتے ہوئے اپنی غیب دانی وغیرہ کی غیر معقول سی باتیں لکھنا۔ لیکن کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ قرآن کا سب سے عظیم الشان حصہ اور قابل تعظیم و ہدایت مجسم سورۃ یہی سورۃ فاتحہ ہے۔ اور اگر مرزا صاحب اس کی آڑ میں اپنی اشتہار بازی کرتے ہیں۔ تو وہ عملی طور پر ثابت کرتے ہیں۔ کہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں اس کے لیئے انتہائی عقیدت دیکھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ بیٹری کے ساتھ جس طرح لوہا تر جاتا ہے۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ کی تعریف کی آڑ میں ان کے اپنے مشن کا بیڑا بھی پار ہو جاویگا۔

دوم۔ ویدک لٹریچر کی رُو سے

اسلامی لٹریچر سے اس سورۃ کی عظمت کے اشارات دینے کے بعد ہم ویدک لٹریچر سے اس کی فضیلت دکھاتے ہیں۔ اور یہی دراصل وہ راز ہے جس سے اس سورۃ کی اس قدر شہرت قائم ہوئی ہے۔ سنسکرت یا عربی زبان یا عالمگیر اصولوں کی ناواقفیت اور موجودہ فرقہ وارانہ منافرت کی وجہ سے آریہ اور مسلمان اصل پوزیشن سمجھ اور سمجھا نہیں سکتے۔ تاہم جب بھی اخلاص اور فراخدلی سے غور ہوا ہے۔ سورۃ فاتحہ کو قدیم ویدک تعلیم کا بہترین شاہد مانا گیا ہے۔ آریہ سنیاسی سوامی درشنانند جی کے ٹریکٹوں آریہ عالموں کے لکچروں اور ہماری کتنی ہی تصنیفات میں اکثر ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ سورۃ فاتحہ اگنے نیہ سپتھا .... (یجروید ۴۰-۱۶) کا ترجمہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے دفعہ ۷ میں واضح کیا ہے۔ لیکن ایک مسلمان عالم یعنی رسالہ اتحاد مذاہب عالم کی تحریر نے ہمیں یہ اشارہ دیا۔ کہ یہ سورۃ فاتحہ وید کے گائیتری منتر کا عربی زبان میں قائمقام بنایا گیا ہے۔ یہ اشارہ پاکر ہم نے غور کیا۔ تو صاف معلوم ہو گیا۔ کہ واقعی ویدک دھرمیوں میں جس طرح سب سے مقدم اور سب سے زیادہ خوبیوں کا مظہر گائیتری منتر کو مانا جاتا۔ اور اسے گورو منتر کہا جاتا ہے۔ ہو بہو اسی طرح کی بازگشت عربی میں سورۃ فاتحہ کی شکل اختیار کر رہی ہے۔ سلسلہ تعلیم کے آغاز میں ماں باپ اور استاد سب کی طرف سے گائیتری منتر ہی سکھایا جاتا ہے۔ یگیوپویت وغیرہ سنسکاروں میں اسی کی مقدم ہدایت ہوتی ہے۔ سندھیا یعنی روزانہ عبادت میں صبح شام اسی کا ورد اور وچار ہوتا ہے۔ آج کل برہمن ورن کی پہچان کا سب سے وزندار طریق یہ جانتا ہے۔ کہ وہ گائیتری منتر کو جانتا ہے یا نہیں۔ اس کی عظمت کی وجہ سے اس کو بارہا جپنے کی ہدایت ہے۔ حتیٰ کہ اکثر مالدار دکھشنا دے کر ہزارہا بلکہ لاکھوں بار اس کا جپ کراتے ہیں۔ غرضیکہ اس گورو منتر کی عظمت تمام زمانوں میں مسلمہ چلی آئی ہے۔ اور اس کی جگہ عربی میں سورۃ فاتحہ جیسا کلمۂ اعظم لوگوں کے سامنے آنے کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا۔ کہ

سے خلوص عقیدت سے سر اور ماتھے پر لیا جاوے۔ نہ صرف معانی مفہوم اور علمی رموز وغیرہ سے یہ پورے عدر کا مستحق ہے۔ قرآن خود فتوٰے دیتا ہے۔ کہ یہ سات آیتیں نعمت عظیم اور بار بار پڑھی جانے کے لائق ہیں۔ سورۃ الحجر آیت ۸۵ میں ہے۔ کہ ہم نے آسمان زمین اور ان کے درمیانی حصے (دیٹو پرتھوی اور انترکھش) کو صحیح علم سے بنایا ہے۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اس لئے اعلٰی نیکیاں کما لو۔ یہ کہہ کر آئیت ۸۶ تا ۸۹ میں نہایت قیمتی اور اعلٰے ترین ہدایات ان نیکیوں کے متعلق ان الفاظ میں دی ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

تحقیق تمہارا رب علم مجسم خالق ہے۔ ۸۶۔ (اس سے) ہم نے تمہیں وہ سات آیات دی ہیں۔ جو بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ اور جو قرآن عظیم کہاتی ہیں۔ ۸۷۔ تو اس مال و متاع کا خیال نہ کر۔ جو ہم نے کئی قسم کے لوگوں کو دیا ہے۔ نہ ان کی حالت پر رنج کر ہاں مومنوں کے آگے ہی جھک۔ ۸۸۔ اور یہی خیال رکھ کر تو بس صاف صاف ڈرانے والا ہے۔ ۸۹۔

ان آیتوں میں گائیتری منتر کی ہی جھلک ہے۔ اس لئے کہ ان میں خداوند خالق عالم کی اسی صفت علم کا خیال دلایا ہے۔ جس سے عقل کو روشنی ملتی اور تمام انسانی کام مفید اور کامیاب طریق پر سرانجام پاتے ہیں۔ اور جو گائیتری منتر کی مخصوص دعا ہے۔ علم مجسم خالق کی ہدائیت کے مطابق اس سورۃ فاتحہ کا بار بار کا جپ ہی انسان کا فرض ٹھہرایا جانا لازمی تھا۔ چنانچہ وہی ہدائیت موجود ہے۔ اور اسے قرآن عظیم یعنی گورو منتر بتا کر۔ اس کی مسلمہ عظمت کا نقش کیا گیا ہے۔ عام لوگ دنیوی مال و متاع اور عزت و اختیار کے لئے ہی دعا مانگتے ہیں۔ موجودہ عیسائی لوگ خدا سے ہر روز اس دن کی روٹی مانگتے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ یہ سب سامان عارضی اور ناپائیدار ہیں۔ پھر اس مال و متاع والے بُرے کاموں میں مبتلا پائے جاویں۔ تو قرآن فرماتا ہے۔ اس پر رنج اور دُکھ نہ مناؤ۔ ہاں اپنے تبلیغ حق کے فرض کو ہی پورا کرتے جاؤ۔ اس سے ان کی عقلیں روشن ہوں گی۔ اور وہ عارضی سامانوں پر پائیدار روحانی و اخلاقی فوائد کو ترجیح دیں گے۔ اگر اس فرض میں کوتاہی کرو گے۔ تو تم بھی دنیوی دولت کے گرویدہ ہو جاؤ گے۔ اور اگر ان کے عیاشانہ رویہ پر دل میں دکھ بھی مناؤ گے۔ تو اس سے تمہاری تو گراوٹ ہوگی۔ اور ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچیگا۔ پس خوشی غمی وغیرہ کے جذبات سے اوپر اٹھو۔ اور علم حق کی اشاعت سے عقلوں کو روشن کئے جاؤ۔

سوامی دیانند نے خاص ویدک اصول بتایا ہے۔ کہ نیک شخص خواہ کتنا ہی مفلس ہو۔ اس کی عزت و تعظیم کرو۔ اور اس سے ڈرو۔ اور بد شخص خواہ شہنشاہ عالم ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی تخریب و تذلیل کے ہی درپے رہو۔ یہی ہدائیت یہاں ہے۔ کہ مومنوں یعنی دھرماتما لوگوں کے لئے ہی اپنے دل میں محبت اور عزت رکھو۔ پس سورۃ فاتحہ عقل و علم کے لئے ہی خدا کی طرف انسان کا رُخ پھیرتا ہے۔ جیسا کہ وید میں گائیتری منتر کا واحد مدعا بتایا ہے اور اسی لئے وہ واقعی اسی عظمت اور شہرت کا مستحق تھا۔ جو اسے حاصل ہوئی ہے۔

۱۷۔ گائیتری منتر اور سورۃ فاتحہ کا میلان

یہ امر کہ سورۃ فاتحہ عربی میں گائیتری منتر ہے۔ ہر دو کے الفاظ کے معانی پر غور کرنے سے خود بخود روشن ہو جاتا ہے۔

منتر کے الفاظ یہ ہیں۔

ओ३म् भूर्भुवः स्वः तत्सवितुर्वरेण्यं भर्गो देवस्य धीमहि धियो यो नः प्रचोदयात

اور حسب ذیل امور سے ان الفاظ میں سورۃ فاتحہ کی مطابقت واضح ہوتی ہے۔

۱۔ گائیتری منتر جس طرح سب سے پہلے گورو اپنے شاگرد کو سکھاتا ہے۔ اسی طرح قرآن میں سب سے پہلے سورۃ فاتحہ کی تعلیم ہے۔

۲۔ گائیتری منتر میں سب سے پہلے اوم شبد ہے۔ جسے ایشور کا ذاتی نام مانا جاتا ہے۔ ویسے ہی سورۃ فاتحہ میں اللہ کی حمد کی ہدائیت ہے۔ اور یہ اللہ لفظ ویدک ہے۔ اور عرب میں بہ طور خدا کے ذاتی نام کے بولا جاتا تھا۔

۳۔ گائیتری منتر میں بھو۔ بھوؔہ۔ سوہ کے تین اسمائے اعظم اس کی خاص اعلےٰ صفات کے سبب سے ہیں۔ انہیں مہا دیا ہرتیاں کہا جاتا ہے۔ ان کی جگہ سورۃ فاتحہ میں رب العالمین۔ رحمان اور رحیم نام ہیں۔ بھو کے معنے تمام عالم کی زندگی کا سہارا ہیں۔ تو رب العالمین بھی تمام مخلوق جہانوں کا پروردگار ہے۔ "بھوؔہ" بمعنے اپان اگر دکھوں سے خود الگ ہے۔ اور اپنے وصل سے دوسروں کے دکھ دور کرنے والی ہستی کا نام ہے۔ تو رحمان بھی اسی رحم مجسّم ہستی کا پتہ دیتا ہے۔ جو (دیا و رحم) کی صفت سے سب کے دکھ مٹاتا ہے۔ سوہ بمعنے دیان اگر جگت میں موجود رہ کر سب کو سب سکھ پہنچانے والے ایشور کا نام ہے۔ تو رحیم بھی تمام مستحق لوگوں کو سکھ پہنچانے والے خدا کا نام ہے۔ گائیتری منتر میں اگر ایشور کو سوتہ۔ دیو۔ وریتم۔ بھرگو جیسے صفاتی نام دے کر پیدا کنندہ علم مجسّم قابل قبول اور پاکیزگی مجسّم کہا ہے۔ تو سورۃ فاتحہ میں بھی اسے مالکِ یوم الدین یعنی پرلے کال کا سوامی کہا ہے جس سے اپنے ملک یعنی مادہ کو حالت علت میں لانے کا تعلق ظاہر ہے۔ صراط مستقیم کا ہدائیت کنندہ مان کر اسے علم مجسّم۔ قابل عبادت مان کر قابل قبول اور عارفوں کو علم وغیرہ نیز نجات تک کی پاکیزہ نعمتیں دینے سے پاکیزگی مجسّم کہا ہے۔ دھی مہی سے ان تمام صفات کے جامع اوم کا دھیان کرنے کی گائیتری منتر سکھشا دیتا ہے۔ تو اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ سے سورۃ فاتحہ بھی اُسی کی عبادت کی ہدائیت دیتا ہے۔

دھیو یونہ پرچودیات سے دُعا کی جاتی ہے۔ کہ وہ ایشور ہماری عقلوں کو روشنی عطا فرما دے۔ تو سورۃ فاتحہ میں بھی اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ سے راہِ راست دکھانے یا عقل سلیم عطا کرنے کی مناجات ہے۔ یہاں یہ امر قابل نوٹ ہے۔ کہ عقلوں کی روشنی اور راہِ راست کی ہدائیت دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ کھوٹے اور کھرے یا سچ اور جھوٹھ کی تمیز ہونا۔ نیکی سے سکھ اور نعمتیں اور بدی سے غضب الٰہی اور آواگون ملنا بھی انہی دو راستوں کا پتہ دیتا ہے۔ جو عقل کی روشنی ملنے اور نہ ملنے کی دو حالتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ سورۃ اعراف کی آیت ۳۰ اس مدعا کو دو فریقوں سے بیان کرتی ہے۔

فَرِیۡقًا هَدٰی وَ فَرِیۡقًا حَقَّ عَلَیۡهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ۝

ایک فریق ہدایت پر ہے۔ اور ایک گمراہی ہیں۔ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا ولی بنایا ہے۔ مگر سمجھتے یہ ہیں۔ کہ ہم راہ راست پر ہیں۔

پس ہر لحاظ سے سورۃ فاتحہ اور گائیتری منتر باہم مطابق ہیں۔ دونوں کی عظمت اور تقدیس مسلمہ ہے۔ اور دونوں ہی عبادت الہٰی میں بار بار پڑھے جاتے ہیں۔

۱۷۔ ہماری تائید

مولانا محمد حسین صاحب ایڈیٹر رسالہ اتحاد مذاہب عالم رنگون آج سے تیس سال پہلے سورۃ فاتحہ اور گائیتری منتر کی اسی مماثلت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچ چکے ہیں۔

گائیتری اتہ یجر وید ادھیائے ۳۶ منتر ۳ کے طوطا مینا کی طرح رٹے جانے والے الفاظ محض یہ ہیں۔

اوم بھور بھوہ سوہ۔ تت سویتر ورینیم بھرگو دیوسیہ دھی ماہی دھیو یونہ پرچو دیات۔

مگر معنے یہ ہیں: اے رب العالمین! اے کل عالم کے حیات کے سہارے۔ عین راحت محیط کل۔ کل دنیاؤں کے خالق۔ عظمت بخش سبھوں سے افضل۔ قابل قبول۔ علیم مطلق۔ بے عیب۔ پاک۔ نور مجسم۔ تمام راحتوں کا عطا کنندہ! ہم تیری ہی ذات واحد کو اپنے دل میں جگہ دیں: تا کہ وہ لاثانی خدا ہماری عقلوں کی رہبری کر کے برائیوں سے باز رکھ کر بھلائیوں پر چلائے"۔

مثل اس گائیتری کے قریب المعنی الہامی ترجمے یا تو اردو مندرجہ قرآن سورۃ فاتحہ (الحمد للہ رب العالمین) کے بے شمار مقاموں پر اصلی صداقتوں کی باہمی مطابقتوں کو متفق پا کر اس کا بھی پتہ لگا کر وہ وید جو بہ لحاظ قدامت اولیت اور ذاتی جوہروں کے موجودہ تمام مذاہب کا مذہبی بڈھا باوا ہے۔ جس کے ذاتی اثر سے ہندوستان ایک زمانہ میں اعلیٰ درجہ کے فنون وعلوم روحانیت سے مالامال رہ چکا ہے۔ اور قریباً سب سے پہلے جس نے خداپرستی کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی تہذیب ایشیا میں رائج کی تھی۔ افسوس وہ وید جو روحانی وفلسفی قریباً جملہ علوم کی تعلیموں سے بھرپور ہوں۔ وہ وید جو پہلے ہند کا آفتاب تھا۔ افسوس آج اسی کی امت میں سب سے زیادہ خرابیاں بت پرستی۔ ننگ پرستی۔ توہمات پرستیاں وتینتس کروڑ دیوتا بجائے واحد لاشریک اونکار کے موجود ہو گئی ہیں۔ یہ تمام برائیاں میرے ہندو بھائیوں کے اٹھارہ پرانوں تانترک روائتوں۔ بڑھیوں جیسوں کی من گھڑت خلاف عقل کہانیوں وغیرہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ (اتحاد مذاہب عالم نمبر ۲ صفحہ ۵۲)

پس گائیتری منتر چونکہ آغاز عالم سے سب سے افضل منتر گنا اور جپا جاتا تھا۔ اور حضرت صاحب کے زمانہ کے اہل عرب نیز یہود نصاری میں اسی کے گورو منتر ہونے کے ویدک سنسکار موجود تھے۔ اس لئے جب اسے عربی جامہ میں پیش کیا گیا۔ اور اسے سورۃ فاتحہ کی شکل دی گئی۔ تو اس کا نہایت پرتپاک خیر مقدم ہوا۔ اور علمائے اسلام اسی وقت سے اب تک اس کی خوبیوں کا اس حسن عقیدت سے اعتراف کرتے آرہے ہیں۔ جس کا اشارہ ہم نے سورۃ فاتحہ کی عظمت کے مضمون میں دیا ہے۔

۱۸۔ سورۃ فاتحہ ہی اصل کلمہ اسلام ہے

مروجہ اسلام میں لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ کو کلمہ مانا جاتا ہے۔ اس کا پہلا حصہ لا الہ الا اللہ محض

سنسکرت کے قول ایکمیوادوتیم برہم وغیرہ کی جگہ ہے۔ اور شرک کے امکانات کو دور کرنے کے لئے یعنی اس اندیشہ سے کہ کہیں مسلمان محمد صاحب کو خدا نہ مان بیٹھیں۔ یا غیر معتدل مردم پرستی کا شکار نہ ہو جائیں۔ دوسرا حصہ محمد الرسول اللہ والا ملا دیا گیا ہے۔ گویا خدا کو ہی خدا سمجھا جائے۔ اور محمد صاحب کو اس کا محض ایک رسول یا مبلغ۔ اس غرض سے اس کلمہ کا استعمال شروع ہوا تھا۔ اور یہ قرآن کے مدعا کے مطابق تھا۔ کیونکہ اس میں ہدایت ہے۔ کہ دین اللہ کا ہے۔ محمد محض ایک رسول ہے۔ وہ مر جائے یا مارا جائے۔ تمہیں راہ راست سے قدم نہ ہٹانا چاہیئے۔ یہ نہایت مبارک چتاونی تھی۔ لیکن اسے مستقل کلمہ بنا کر نہایت قابل اعتراض پوزیشن پیش کی جا رہی ہے۔ تاہم یہ امر معقولیت کے لحاظ سے کسی طرح بھی شکیہ یا قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کہ اصل کلمۂ اسلام محض سورۃ فاتحہ ہے۔ جیسا کہ ویدک دھرمیوں کا گورو منتر گایتری ہے۔

۱۹۔ راہِ راست اور عقل کی روشنی کا واحد مفہوم

اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ گایتری منتر میں تو عقل کی روشنی کے لئے دعا ہے۔ اور سورۃ فاتحہ میں راہ راست کی ہدایت کے لئے دعا ہے۔ لہذا مطابقت قائم نہیں۔ لیکن یہ اعتراض بے بنیاد ہے۔ کیونکہ قرآن کثیر التعداد آیات میں یہ شہادت مہیا کرتا ہے۔ کہ ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ عقل کی روشنی کا مدعا ہی یہ ہے۔ کہ ہم عقل سے صحیح راستہ دیکھ سکیں۔ اور راہ راست دکھانے کی دعا میں عقل کی روشنی ملنے کا ہی مطلب ہے۔ بغیر اس کے راہِ راست نظر ہی نہیں آ سکتا۔ قرآن میں جہاں کہیں بھی علم کا ذکر آتا ہے۔ عقل و حکمت کا بھی ساتھ ہی بیان ہوتا ہے۔ علم اور عقل سلیم دونوں کو ایک ساتھ رکھنے کا مطلب وہی ہے۔ جو سورج اور آنکھ کے تعلق کا ہے۔ علم الہامی بمنزلہ سورج ہے۔ اور روح و عقل بمنزلہ آنکھ کے ہیں۔ سورۃ بقر آیت ۲۱۳ میں ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ اللہ جسے چاہے راہِ راست دکھائے

لیکن آیت نمبر ۲۶۹ میں اس مدعا کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝

اللہ جسے مناسب ہوتا ہے۔ عقل عطا فرماتا ہے۔ اور یقیناً جسے عقل ملی۔ اس نے بڑی دولت پائی۔ اور نصیحت بھی وہی مانتے ہیں۔ جو عقل والے ہیں۔ پس نہ صرف عقل کی روشنی اور راہِ ہدایت کا ایک ہی مطلب ہے۔ گایتری کے گورو منتر ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی۔ کہ عقل جیسی افضل ترین نعمت کے لئے اس میں دعا ہے۔ سورۃ اعراف آیت ۲۰۳ میں بھی الہامی علم عقل اور راہِ راست کی ہدایت کو بالکل ایک جان کر دیا ہے۔

هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ یہ خدا کی طرف سے بصیرت یا عقل کی باتیں ہیں۔ اور اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ عقل کی باتوں اور ہدایت کی باتوں کو یہاں ایک ہی مفہوم میں مانا گیا ہے۔

۲۰۔ سورۃ فاتحہ اور ویدک سدھانت

سورۃ فاتحہ کی بے نظیر عظمت کے متعلق تو جملہ مفسرین ہم سے متفق ہیں۔ تاہم خاص الفاظ کی تاویل میں بعض صاحبان کا ہم سے اختلاف ہونا معمولی بات ہے۔ کیونکہ حالات کے لحاظ سے ان کو الفاظ قرآن میں ویدک تعلیمات نظر نہ آسکتی تھیں۔

اول۔ مہرشی دیانند سے پہلے اس ملک میں سچے علم کی اشاعت کی طرف توجہ نہ تھی۔ ویدک دھرمی ودوان خود اصل اصولوں تک پہنچ نہ سکتے تھے۔ تو مسلم علما کی ان سے ناواقفیت میں کلام ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اور جب علماء مفسرین کے دل میں وہ تعلیم نہ ہو۔ تو الفاظ قرآن میں وہ ان کو کیسے نظر آ سکتی تھی۔

دوم۔ ویدک سنسکرت اور عربی زبان میں بہت دوری پیدا ہو چکی تھی۔

سوم۔ مفسرین قرآن کا علمی احساس حضرت صلعم کے برابر نہ ہوتے سے وہ الفاظ قرآن کی دوسری زبانوں میں صحیح تاویل نہ کر سکتے تھے۔

چہارم۔ قرآن کا کوئی صحیح اور آزاد ترجمہ ان کی رہنمائی کے لئے موجود نہ تھا۔ جب صحابی جماعت نے رسول صلعم کے بعد قرآن مجید کو ترتیب دیا۔ اس وقت احادیث کا دور دورہ تھا۔ بہ قول بخاری چھ لاکھ اور بہ قول مسلم تین لاکھ حدیثیں بن چکی تھیں۔ صحاح ستہ میں بخاری اور مسلم کی دو معتبر کتب حدیث میں محض تین چار پانچ یا چھ ہزار حدیثوں کو صحیح اور باقیوں کو بے وزن مانا گیا ہے۔ اور ان چند ہزار کے متعلق بھی صحاح ستہ تک کا اختلاف ہے۔ ایک میں جو صحیح ہے۔ دوسرے محدثا کے نزدیک وہ غیر صحیح ہے۔ اور یہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ جن احادیث کی اپنی یہ حالت ہے۔ ان کے ہی زیر اثر قرآن کے تراجم و تفاسیر ہیں۔

قرآن کا سب سے پہلا ترجمہ احکام القرآن کے نام سے ۲۰۴ھ کے قریب تیار ہوا۔ مگر موطا امام مالک نامی حدیث کی کتاب اس سے ۲۵ سال پہلے ۱۷۹ھ میں تیار ہو چکی تھی۔ اور اشاعت حدیث کا کام مختلف طریقوں سے اس سے بہت عرصہ پہلے زور پکڑ چکا تھا۔ احکام القرآن کے بعد تفسیر اسحاق بن راہویہ ۲۳۸ھ میں تیار ہوئی۔ اور دیگر ۷۰ - ۸۰ تفاسیر محض اپنے سے پہلی تفسیروں کی مدد سے اور انہی کی تقلید میں لکھی گئیں۔ غرضیکہ حدیثوں کے اثر سے پاک آج تک کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ کسی بھی آیت کا کوئی لفظ کسی حدیث میں پایا گیا۔ مفسرین نے آیت کا اسی حدیث سے تعلق جوڑ دیا۔ یا ان کے خیال میں جس طرح کسی واقعہ سے الفاظ کا تعلق موزوں معلوم ہوا۔ اسی طرح واقعہ بیان کیا گیا۔ آنحضرت کی خواہش کے مطابق تھا لیکن اصولوں کا مفہوم ادھجل میں ہی رہا۔ گویا قرآن مجید محض احادیث کا گواہ بن گیا۔ اور راویوں کے اختلافات بیان بھی قرآن پاک کے گلے کا ہار بن گئے۔ اور ویدک سدھانتوں کیخلاف مفہوم نکالے گئے

۱۲۔ قدامت رُوح و مادہ

بیان القرآن کے فاضل مصنف صاحب صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں:۔ "ان چار صفات (ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت) میں دوسرا کمال یہ ہے۔ کہ مذاہب عالم کے کل اصول باطلہ کی ان میں تردید ہے۔ صفت ربوبیت میں اس بات کا رد ہے۔ کہ خدا کی ذات وصفات میں کوئی شریک ہو سکتا ہے۔ وہ رُوح اور مادہ کا بھی رب ہے۔ اس لئے رُوح اور مادہ اس کی کسی صفت میں جیسے غیر مخلوق ہونا شریک نہیں ہو سکتے"۔ ان الفاظ کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ ویدک دھرم میں جو روح اور مادہ کو غیر مخلوق مانا جاتا ہے۔ یہ باطل اصول ہے۔ اور قرآن کا لفظ رب اس کی تردید کرتا ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر یہ کہ خدا محض مخلوق چیزوں کا رب ہے۔ غیر مخلوق کا نہیں۔ اور اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ مولانا صاحب رُوح اور مادہ کو غیر مخلوق ماننے سے شرک کا نتیجہ نکالتے" اور اس نقص کو دُور کرنے کرتے الٹا خدا کی مالکیت کو محدود کرتے ہیں۔ غیر محدود خدا اگر غیر مخلوق رُوح اور مادہ کا مالک نہیں۔ تو وہ کل مالک کہلا ہی کس طرح سکتا ہے۔ اور وہ خود غیر محدود کیسے رہ سکتا ہے

نہ ربوبیت کا یہ تقاضا ہے۔ نہ قرآن کہیں بھی روح اور مادہ کو مخلوق کہتا ہے۔ اور دلیل یا منطق سے بھی یہی عیاں ہوتا ہے۔ کہ روح اور مادہ کی ازلیت سے خدا کی غیر مخلوقیت میں کوئی شرکت پیدا نہیں ہوتی۔ ٹھیک اسی طرح جیسے روح اور مادہ کے مخلوق ماننے کی حالت میں اب خدا کی ہستی میں روح اور مادہ کو شریک نہیں مانا جاتا۔ انسان اس وقت عالم ہیں۔ بیان القرآن کے راقم مولانا صاحب خود عالم ہیں۔ لیکن ان کا یا کسی اور کا عالم ہونا خدا کی صفت علیمیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

لیکن عقلی دلائل کی بجائے ہم یہ واضح کرنا ہی ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ قرآن وید کی ہی تائید کرتا ہے۔ اس میں نہ کہیں نیستی سے پیدائش ہونے کا بیان ہے۔ نہ حدوث روح و مادہ کا۔ نہ کہیں کوئی اشارہ ہی اس امر کا ہے۔ کہ فلاں وقت فلاں وجہ سے خدا کو عدم مطلق سے روح اور مادہ کو پیدا کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ برخلاف اس کے جہاں بھی پیدائش کا ذکر آتا ہے۔ وہاں ہم کسی نہ کسی طرح علت مادی کی بھی ساتھ ہی توضیح پاتے ہیں۔ اور روح کے بھی پیدائش سے پہلے موجود ہونے کا ثبوت ہر کہیں موجود ہے۔

۲۲۔ پیدائش حق سے ہوئی

قرآن بہت جگہ فرماتا ہے۔ کہ خدا نے حق سے ہی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ اور یہ حق مادہ کی واجب الوجود ہستی کا ہی نام ہے۔ سورۃ عنکبوت آیت ۴۴ میں کہا ہے۔ (نیز سورۃ نحل آیت ۳) خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ

یعنی خدا نے آسمان کو اور زمین کو حق یعنی مادہ کی حقیقی ہستی سے پیدا کیا ہے۔

سورۃ الروم میں خاص لوگوں کی غلطی کا ذکر کیا ہے۔ کہ وہ محض ظاہری زندگی پر مر رہے ہیں۔ انہیں پر لوک کا کچھ خیال نہیں۔ اس کے بعد آیت ۸ میں کہا ہے۔

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ۔

کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا۔ کہ خدا نے دیُو پرتھوی اور انترکش کے سب لوگوں کو حق سے ہی پیدا کیا ہے۔ اب جائے غور ہے۔ کہ کیا حق حادث ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اور جب قرآن پیدائش سے پہلے حق کو موجود مانتا ہے۔ اور علیم کل خدا خالق ہے۔ تو کیا وید کے اس بیان کی تصدیق و تائید میں کوئی کسر ہے۔ کہ

ऋतंच सत्यंचा भीद्धात्तपसो ऽध्य जायत

رت یعنی گیان اور ست یعنی مادہ سے ابھیدھا تپ ظاہر ہوا۔ مادہ کو وید میں ست کہا ہے۔ اور اس کے لئے عربی میں حق کا لفظ ہی موزوں ہے۔

۲۳۔ خدا علت فاعلی ہے

قرآن سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۴ میں اس بات کو صاف طور پر قبول کرتا ہے۔ کہ خدا علت فاعلی ہے۔

جس طرح ہم نے پہلی یا سابقہ پیدائش کی تھی۔ اسی طرح ہم نے پھر کی ہے۔ یہ ہم پر واجب یا لازمی ہے تحقیق ہم فاعل ہیں۔ پیدائش کے متعلق وید کا فرمان بھی صاف یہی ہے کہ

यथा पूर्वमक ल्पयत्

کہ جیسے پورو انہیں تھی۔ اسی طرح اب ہوتی ہے۔

قرآن میں پورو کی جگہ اول کا لفظ ہے۔ اور سارا مضمون ان الفاظ والا بھی موجود ہے۔

۲۴۔ علت مادی کی موجودگی

سورۃ الحجر میں خدا سے ہی تمام کائنات کے پیدا ہونے کا ذکر ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ خود محتاج انسان دوسروں کو رزق دینے والا نہیں۔ خدا ہی سچا رازق ہے۔ اور کل جاندار جن تک انسانی جود و سخا کی رسائی تک بھی مشکل ہے۔ اسی رازق سے پرورش پا رہے ہیں۔ یہ کہکر آیت ۲۲ میں کہا ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۝

کوئی بھی چیز کیوں نہ ہو۔ ہمارے ہاں اس کے خزانے کے خزانے بھرے ہیں۔ لیکن ہم اسے مقررہ اندازے سے بھیجتے رہتے ہیں۔" اس سے ظاہر ہے۔ کہ اس دائماہست مطلق قادر مطلق علیم مجسم خدا کے قبضۂ قدرت میں ارواح اور مادی علت ہمیشہ موجود ہیں۔ اور محض مخلوقات کی ضرورت کے مطابق معلول اشیاء دنیا میں پیدا ہوتی ہیں۔ خدا کے بھیجنے کا یہ مطلب تو ہے ہی نہیں۔ کہ بنی بنائی چیزیں وہ ڈاک وغیرہ کے ذریعہ سے بھیجتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ اشیاء دھیرے دھیرے قوانین الہٰی کے مطابق تیار ہو کر قابل استعمال صورت میں آتی ہیں۔ گیہوں وغیرہ اناج اور آم وغیرہ پھل کس طرح کھیتوں میں تیار ہوتے اور پکتے ہیں۔ یہ انسانوں کے مشاہدہ میں عام طور پر آرہا ہے۔ اور ظاہر کر رہا ہے۔ کہ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ پس بھرے خزانے سے مراد مادی علت کا بافراط خدا کے قبضہ میں ہونا ہے۔ یہ بیان کہیں موجود نہیں۔ کہ یہ خزانے فلاں زمانے میں خدا کے قبضہ میں آئے۔ ہاں یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ جب سے خدا ہے۔ تب سے ہی اس کے خزانے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر قدیم تریں خدا کے روح اور مادہ کے بھنڈار بھی قدیم ہیں۔

سورۃ یونس آیت ۶۱ میں ہے۔

وَمَا یَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّکَ مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰلِکَ وَلَاۤ اَکۡبَرَ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ

تمہارے پروردگار سے ذرہ بھر شے بھی چھپی نہیں۔ کیا دیولوک میں اور کیا پرتھوی لوک میں اور نہ ذرہ سے چھوٹی نہ اس سے بڑی کوئی شے ہے۔ جو اس کے گیان کی کتاب میں مذکور نہ ہو۔

ذرہ کہتے ہیں۔ اٹوکو۔ اس سے بڑی چیز وہ ہے۔ جو زیادہ تعداد ذرات سے مل کر بنی ہو۔ اور چھوٹی وہ جسے پرمانو کہتے ہیں۔ یعنی اجزائے لاینجزی یا ناقابل تقسیم ذرات۔ قرآن کا مطلب صاف ہے۔ کہ پرمانو سے لے کر پرتھوی تک سب اشیاء کا علم خدا کی گیان والی کتاب میں ہے۔ اور ساتھ ہی یہ کہ خدا سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہو سکتی۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ خدا کے ساتھ ہی پرمانو وغیرہ بھی قدیم ہیں۔ جو ذرات سے بھی چھوٹے ہیں۔

۲۵۔ علت فاعلی اور مادی دونوں کا اقبال

سورۃ الطور آیت ۳۵۔

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ هُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ ۝

کیا وہ بغیر کسی شے (ہستی یا علت مادی) کے پیدا

ہوتے ہیں۔ کیا وہ خود اپنے خالق یا پیدا کنندہ ہیں۔

غور سے دیکھا جائے۔ تو اس چھوٹی سی آیت میں مثل دریا بہ کوزہ پیدائش کے تمام لوازمات کو بیان کیا گیا ہے۔ سرکش یا نافرمان لوگوں کی حالت پر مختلف طرح سے تبصرہ کرتے ہوئے اس آیت میں کہا ہے۔ کہ کیا یہ غیر شئے سے پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی نیستی سے قرآن اس آیت میں سرکشوں کو نیچا دکھاتا ہے۔ کہ اگر ایسے ہی نیس مارخاں تھے۔ تو غیر شئے اور نیستی سے پیدا ہو دکھاتے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ خدا کی کل مخلوقات ہستی یا مادی علت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جب یہ لوگ بھی اسی سے اور ان قوانین کے ماتحت پیدا ہوئے ہیں۔ تو سرکشی کا کیا مطلب؟ دوسرے مزے کی بات یہ کہی ہے۔ کہ کیا یہ خود اپنے خالق یا پیدا کنندہ ہیں۔ مطلب یہ کہ انہیں بھی اوروں کی طرح علت فاعلی خدا نے ہی پیدا کیا ہے۔ لہذا ان کا خدا سے کفر کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ الفاظ آیت کا لہجہ ایسا طنز آمیز ہے۔ کہ ہر سمجھدار مسلمان یہی کہے گا۔ کہ قرآن کی رُو سے نیستی سے پیدا ہونے کا ذکر ایک قسم کی دشنام ہے۔ اور ایسا ہی خدا کے بغیر کسی کو پیدا کنندہ ماننا بھی کذب بیانی ہے۔

۲۶۔ نفس واحد سے پیدائش

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ (سورۃ النساء)

اے انسانو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ جس نے تم کو ایک ہی مادہ سے پیدا کیا۔ اس طرح کہ پہلے اس سے اس نے اس کا جوڑا بنایا۔ اور پھر اس جوڑے سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔

اس آیت میں عورتوں کے حقوق کی مساوات کا بنیادی پتھر رکھا گیا ہے۔ کہ چونکہ تمام انسان کیا مرد کیا عورت ایک ہی مادہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کی مساوات ظاہر ہے۔

اس کے علاوہ ویدک طریق پیدائش عالم کی بھی سرسری طور پر تصدیق کی گئی ہے۔ وید اور منودھرم شاستر وغیرہ میں کہا ہے۔ کہ پہلے پرکرتی سے پُرش (نر) اور استری (مادی) شکتی کا ظہور ہوا۔ اور ان دو طاقتوں کے میل سے اور جوڑوں کی طرح بہت سے مرد اور عورتیں آغاز عالم میں پیدا ہوئیں۔ سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں لکھا۔ کہ ایک نہیں انیک انسان آغاز میں پیدا ہوئے۔ ٹھیک یہی کچھ آیت زیر بحث میں بیان ہو رہا ہے۔ کہ پہلے جوڑا بنا۔ اور پھر کثیر التعداد مرد اور عورت۔

۲۷۔ نفس واحد سے مراد آدم نہیں

مفسر صاحبان نفس واحد کی تعبیر حضرت آدم سے کرتے ہیں۔ اور اس آیت کو بائبل کے اس بیان کی تصدیق کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کہ پہلے خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا۔ اور پھر اس کی پسلی سے حوا کو پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت آبادی پھیلی۔ لیکن قرآن کے متعلق یہ خیال سراسر غلط ہے۔ بوجوہات ذیل:-

اول۔ آدم کی پسلی سے حوا کو پیدا کرنے کا ذکر محض موجودہ بائبل سے پیش کیا جاتا ہے۔ جو ترجمہ در ترجمہ ہوتے ہوتے ایک لمبے سلسلے کے بعد ہمارے سامنے پیش ہو رہی ہے۔ اصل بائبل جو قدیم سنسکرت کی کتابوں کا مجموعہ تھی۔ اور جس کا پہلے ہیبرو میں پھر لیٹن میں اور بعد میں اور زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ ہمارے سامنے نہیں۔ اور

چونکہ ترجموں میں زمانوں۔ زبانوں اور مترجموں کے علم اور عقل کے اختلاف سے اصل حقیقت قائم نہیں رہ سکتی۔ اور نصف ٹرہنڈ کیا سیکنڈ ہینڈ شہادت بھی قابل وقعت نہیں سمجھی جاتی۔ اور اس لئے بھی کہ خود علمائے اسلام بائیبل میں تحریف و تصریف کے قائل ہیں۔ اور قرآن نے موجودہ بائیبل کے بیان پر کہیں بھی انحصار نہیں رکھا۔ اس لئے اس قصے کو آیت زیر بحث کی حقیقت کا معیار نہیں بنایا جاسکتا۔ بالخصوص بائیبل کے یہ لفظ کہ وہ دونوں دو تن ایک جان ہونگے ظاہر کرتے ہیں۔ کہ آدم اور حوا کا بیان ہر مرد اور اس کی بیوی کی پوزیشن کی نمائندگی کرنا۔ اور ویدک دھرمی جو عورت کو مرد کا آدھا انگ کہتے ہیں۔ اسی کو استعارۃً بیان کرتے کرتے آخر پسلی سے حوا کے پیدا کیا جانے کا قصہ چلا ہے۔ نہ مرد کی پسلی سے انسان عورت کو پیدا کرسکتا ہے۔ نہ کہیں قانون ہی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ لہذا اصلی بائیبل کا مقصود محض عورت کو مرد کی اردھنگی کہنا تھا۔ اور یہ کل نوع انسان سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ کسی خاص شخص اور اس کی عورت سے۔

دوم۔ بائیبل کا لفظ آدم بائیبل سے ہی آغاز عالم والی انسانی جماعت کے لئے استعمال ہوا ثابت ہوتا ہے۔ اور ابتداء میں بہت سے مرد اور عورتوں کے پیدا ہونے کا اصول ہی بائیبل میں مذکور ہے۔ دیکھو پیدائش کی کتاب باب ۱۔ آیت ۲۷ و ۲۸۔

پرمیشور نے منش کو اپنے سوروپ کے انوسار سرجا۔ اپنے ہی سوروپ کے انوسار پرمیشور نے اس کو سرجا۔ ناری اور نر کرکے اس نے منشیوں کو سرجا۔ ۲۷۔ اور پرمیشور نے ان کو آشیش دی۔ اور ان سے کہا۔ کہ پھولو۔ اور پرتھوی میں بھر جاؤ۔" یہاں منش کا لفظ صاف طور پر انسانی جماعت کے لئے ہے۔ اور نر اور ناری کے لئے بار بار ان کا لفظ (اسم ضمیر) استعمال کرکے اور منشیوں کا لفظ صیغہ جمع میں لکھ کر اصل حقیقت کو صاف کر دیا ہے۔ نہ صرف یہی مزید غور کرنے پر باب ۵ کی آیت ۱ تا ۳ سے قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ کہ آدم ایک کا نام نہیں۔ کثیر التعداد مرد اور عورتوں کا ہے۔ جو پہلے پہل پیدا ہوئے۔ چنانچہ اصل الفاظ یہ ہیں۔

"آدم کی ونشاولی یہ ہے۔ جب پرمیشور نے منش کو سرجا تب اپنی سمانتا میں بنایا۔ نر اور ناری کرکے اس نے منشیوں کو سرجا۔ اور ان کے پیدا ہونے کے دن ان کا نام آدم رکھا"

مطلب یہ کہ ایک شخصیت نہیں۔ آغاز عالم کی کل انسانی جماعت کا نام آدم ہے۔ اور جب یہ سمجھ آتی ہے۔ کہ ویدک دھرمی آغاز میں پیدا ہوتے والوں کو आदिम آدم کہتے ہیں۔ تو اس امر میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ کہ آدم سے ہی بدل کر آدم کا لفظ مشہور ہوا ہے۔ اور اس طرح آدم اسم با مسمےٰ بھی بن جاتا ہے۔

سوم۔ یہ خیال بھی کہ قرآن میں آدم ایک خاص شخصیت کا نام ہے۔ غلط ہے۔ کیونکہ سورۃ بقر میں جہاں خلیفہ یا نائب بنانے کا ذکر ہے۔ وہاں غور کرنے پر انسان کے لئے ہی آدم کا لفظ استعمال ہوا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کل کائنات عالم پر انسان حکمران ہے۔ اسی مدعا کو آدم کے آگے سجدہ کرنے کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور سر سید احمد خاں صاحب جیسے فاضل مفسران قرآن بھی اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ آدم تمام انسانی جماعت کا نام ہے۔ بہت سے موقعوں پر آغاز میں ہونے والی انسانی جماعت کے لیے آدیشٹ کا لفظ آیا ہے۔ اور اس کا سنسکرت میں ترجمہ आदमी کی ہی صورت میں ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ سورۃ البقر میں خلیفہ کے لئے آدم کا لفظ کہا۔ تو سورۃ الحجر آیت ۲۸ و ۲۹ میں اس کے لئے بشر

(انسان) کا ہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ خدا فرشتوں کو کہتا ہے۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا یہاں آدم اور بشر لفظ ہم معنی ہیں۔ اسی سورت کی آیت ۳۳ میں شیطان کا سجدہ سے انکار کرنا مذکور ہے۔ ان الفاظ میں لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ کہ میں ایک انسان کو سجدہ نہیں کرتا۔

اس سے بھی زبردست ثبوت سورۃ الانعام آیت اخیر میں موجود ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ۔

وہی خدا ہے جس نے تم کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر درجے کے لحاظ سے فوقیت دے رکھی ہے۔ تاکہ جو کچھ اس نے تم کو عطا کر رکھا ہے۔ اس کے متعلق تمہاری آزمائش ہو جائے۔" یہاں نہ صرف اس دنیا کو انسانوں کے لئے امتحان گاہ بنایا ہے۔ اس بات کو بھی قطعی طور پر صاف کر دیا ہے۔ کہ تمام انسان خلیفہ ہیں۔ پس کیا قرآن اور کیا انجیل دونوں میں لفظ آدم انسانی جماعت کا دنیا ہی نمائندہ ہے۔ جیسا کہ منش لفظ وید و سنسکرت زبان کی دیگر کتب میں ہے۔ یا جیسا کہ مین کا لفظ man is mortal (انسان فانی ہے۔) میں ہے۔

چہارم۔ کسی بھی لغت میں نفس واحد کے معنے آدم کے نہیں لئے گئے۔ بلکہ سب میں بالاتفاق یہ معنی لکھے ہیں۔ نفس۔ جان۔ روح۔ حقیقت شے کی۔ ہستی۔ عین ہر چیز کا۔ ذات چونکہ ہستی شے کی حقیقت۔ عین ہر چیز کا۔ سب سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ پیدائش مطلق نیستی سے نہیں ہوتی۔ بلکہ ہستی یا مادہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے نفس واحد کے لئے آدم کا لفظ لینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ مضمون مساوات کا تقاضا ہی یہ تھا۔ کہ واحد کا لفظ علت مادی کے لئے آوے۔ ایک شخص سے سب کے پیدا ہونے سے یہ دلیل اخذ نہیں کی جا سکتی۔ کہ عورت اور مرد کے حقوق مساوی ہیں۔ کیونکہ مرد اور عورت کیا ایک باپ سے پیدا شدہ تمام مرد بھی اختلاف قابلیت سے یکساں نہیں مانے جا سکتے۔ علت مادی میں قابلیت کا سوال نہیں اٹھتا۔ اس لئے مساوات کا معیار اسے ٹھہرانا ہی زیادہ معقول تھا۔ آدم کی پسلی سے حوا کے پیدا ہونے کی صورت میں مساوات رہ ہی نہیں سکتی۔

پنجم۔ آدم سے اس کی عورت حوا پیدا ہوئی۔ اور ان دونوں آدم اور حوا سے بہت سے مرد اور عورتیں ہوئیں۔ اس بیان کا پہلے بیان کے مطابق ہونا قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ موجودہ انسانوں کو یہ کہا جاوے۔ کہ تم کو آدم سے پیدا کیا۔ اور سلسلہ آدم کا محض پہلی پشت تک مذکور ہو۔ یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابتدا والے مرد اور عورتیں ان سے ہوئے نہ کہ ہم موجودہ لوگ۔

ہم سب کے والدین جدا جدا ہونے سے آیت والے مخاطب لوگ نفس واحد سے پیدا شدہ نہیں ہو سکتے۔ پس نفس واحد سے مراد ایک ہی مادی علت ہے۔

ششم:۔ نفس سے یہاں مادہ کی مراد لینا ہی معقول ہے۔ کیونکہ قرآن میں روح اور مادہ دونوں کے لئے نفس کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ یہاں روح کا مفہوم لینا صحیح نہیں۔ خَلَقَكُمْ (تم کو پیدا کیا) میں روح تو مخاطب ہے۔ اور روح کی پیدائش ہوتی ہے۔ مادی جسم کے میل سے۔ پس جس نفس واحد سے روح کی پیدائش ہوتی۔ وہ دوسری چیز مادہ ہی ہے۔

۲۸۔ رُوح اور مادہ دونوں قدیم

یہ امر کہ قرآن میں لفظ نفس دونوں کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔ سورۂ الانفطار آیت ۱۷ و ۱۸ سے صاف ظاہر ہے۔ اس میں سوال کیا گیا ہے۔ کہ کیا تم جانتے ہو۔ یوم الدین کیا ہے۔ ایک بار نہیں تاکید کے لئے کہا ہے۔ ثُمَّ مَا اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ۔ پھر تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا تم جانتے ہو۔ یوم الدین کیا ہے۔ اگلے الفاظ میں ان کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝

یعنی یوم الدین یا پرلے کا زمانہ وہ ہے جس میں ایک نفس (رُوح) کا دوسرے نفس (مادہ) پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ خدا کے ہی قبضۂ قدرت میں ہوتا ہے۔

چونکہ پرلے کال میں روح کا مادہ پر اختیار نہیں رہتا۔ جیسا کہ زمانہ قیام عالم میں ہوتا ہے۔ اور چونکہ تمام معلول جہان علت مادی میں منتقل ہو کر برہم یا خدا ہی میں لین ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بیان بالکل معقول ہے۔ قرآن پرلے کال کی حقیقت ہی یوم الدین لفظ سے ادا کرتا ہے۔ اور سورۂ القدر میں صاف بیان موجود ہے۔ کہ۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

یعنی قانونِ الٰہی کے مطابق روح اور تمام اشیائے عالم تنزل کر کے اسی خدا میں لین ہوتے ہیں۔ اور اس حالت میں محفوظ رہتے ہیں حتیٰ کہ پھر فجر کا طلوع یا آغاز عالم ہوتا ہے۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہے۔ کہ مادہ اور رُوح ازلی اور ابدی ہیں۔ دنیا کی پیدائش اور فنا کا چکر چل رہا ہے۔ اور رُوح اور مادہ جب ۔۔۔ فنا یا پرلے ہوتی ہے۔ برہم میں محفوظ رہتے ہیں۔ ان ہی کا دوسری یا اگلی پیدائش میں معلول دنیا کی حالت میں ظہور ہوتا ہے۔

غرضیکہ ایک انسان کیا کل کائنات کا ظہور ایک ہی ازلی مادہ سے ہو رہا ہے۔ قرآن اس بات کو نہایت عمدگی سے واضح کر رہا ہے۔ محض سورۂ القدر میں ہی نہیں۔ سورۂ السجدہ آیت ۶ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

یعنی وہ خدا آسمان سے زمین (دیولوک سے پرتھوی لوک) تک کل نظام عالم کو چلاتا ہے۔ حتیٰ کہ کل کائنات اس کے حضور میں اس زمانہ میں نہاں ہو جاتی ہے۔ جو تمہارے شمار کردہ ہزار زمانہ کا ہے۔

۲۹۔ پیدائش کے متعلق تین اصول

سورۂ یٰسین آیت ۳۶

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

پاک ذات ہے وہ خدا جس نے یہ کل جوڑے پیدا کئے ہیں۔ نباتات ارضی سے۔ ان کی اپنی اپنی جنس سے۔ اور اس چیز سے جس کو لوگ نہیں جانتے۔

یہاں پیدائش کے متعلق تین اصول بیان کئے ہیں۔

اوّل یہ کہ جاندار زمین کی نباتات سے پیدا ہوئے ہیں۔ سو ویدک لٹریچر میں ہر کہیں سلسلہ پیدائش نبستی تک پہنچا کر پھر حیوانات کی پیدائش بیان کی گئی ہے۔ تیتریہ اُپنشد میں آکاش۔ وایو۔ اگنی۔ جل۔ پرتھوی کے سلسلہ وار پیدا

ہونے کا ذکر کرکے آگے لکھا ہے۔

पृथिव्याद ऽ न्नम अन्नाद्रेत:।। रेतस: पुरुष:।।

یعنی پرتھوی سے ان۔ ان سے ویریہ۔ ویریہ سے پرش پیدا ہوا۔ پس یہ اصول قرآن کی آیت میں مِمَّا تُنۢبِتُ الۡاَرۡضُ سے بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے۔ کہ ہر جاندار اپنی جنس سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسے گیہوں سے گیہوں اور آم سے آم۔ ویسے ہی انسان سے انسان اور گھوڑے سے گھوڑا وغیرہ اس اصول کو قرآن مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ سے ظاہر کرتا ہے۔

تیسرا اصول یہ ہے۔ کہ یہ سب نباتات یا جانداروں کے گروہ بعد میں ہیں۔ پہلے ان کی پشت میں ایک ایسی چیز ہے۔ جس کو عام انسان نہیں جانتے۔ اور وہ چیز کیا ہے۔ پرکرتی یا مادہ۔ جو لطیف ہونے سے حواس سے محسوس نہیں ہوتا۔ اس کو مِمَّا لَا يَعۡلَمُوۡنَ سے بیان کیا ہے۔ جب یہ اقبال موجود ہے۔ کہ کوئی ایسی ہستی ہے۔ جس سے پیدائش ہوئی۔ تو انسان خواہ اس کو جان وسمجھ نہ سکے۔ علّت مادی کا ثبوت موجود ہے۔ خواہ اسے پرکرتی کہیں مادہ کہیں۔ یا اور کچھ۔

۳۰۔ ناقابل بیان شے

سورۃ الدہر آیت ۱

هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـئًا مَّذۡكُوۡرًا ‏

کیا انسان پر کوئی ایسا وقت نہیں گذرا۔ جس میں کوئی ایسی شے تھی۔ جو بیان میں نہیں آسکتی۔ ان الفاظ سے بعض لوگ یہ مراد لے سکتے ہیں۔ کہ یہ ماں کے حمل میں ہونے کا ذکر ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حمل کے ہر زمانے کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اس کے متعلق غیر مذکور کا لفظ نہیں آسکتا۔

اور ہم نے انسان کو سلالۂ سے (شروع کرکے آخر) مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ کی صورت میں محفوظ جگہ میں رکھا۔ ۱۲

پھر نطفہ کو ہم نے علقہ (منجمد خون آلود لوتھڑا) بنایا۔ پھر ہم نے اس علقہ سے مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) بنایا پھر ہم نے مضغہ سے ہڈی بنائی۔ پھر ہم نے ہڈی پر گوشت چڑھایا۔ حتیٰ کہ ہم نے اسے دوسری ہی شکل میں بنا کھڑا کیا۔ یہاں نطفہ سے لے کر حمل سے باہر آنے تک کی ہر حالت میں انسان کو ایک مذکور رشئے کی شکل میں ہی ظاہر کیا ہے۔ پس آیت زیر بحث کے الفاظ کا تعلق زمانہ حمل سے نہیں۔ اور نہ حمل سے پہلے کسی قریب کے زمانہ سے تعلق ہے۔ کیونکہ مسئلہ آواگون کی رُو سے پہلے خواہ کسی قالب میں ہو یا نجات میں۔ ہر دو حالتیں انسانی ذکر و بیان میں آرہی ہیں کوئی بھی قالب ہو مخصوص نام سے تمام تحریروں و تقریروں میں مذکور پائی جاتی ہے۔ پس وہ زمانہ جس میں کوئی مذکور شئے نہ ہو۔ سوائے پیدائش عالم سے پہلے زمانے کے کوئی ہو نہیں سکتا۔ اور اس زمانہ کے متعلق ویدمیں بھی یہی کہا ہے کہ اشارات ایسے دیئے جا سکتے ہیں۔ کہ پہلے کی ہستی کا خیال عالموں کے اندر نقش ہو جائے۔ ورنہ صحیح بیان اس حالت کا کوئی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۱۲۹ میں اس پوزیشن کو نہایت عمدگی سے واضح کیا گیا ہے۔ پہلے منتر میں یہ الفاظ ہیں:-

नासदासीन्नो सदासीत्तदानीं नासीद्रजो नोव्योमा परोयत्।

یعنی پیدائش عالم سے پہلے نہ است (ہستی) تھا۔ نہ ست (ہستی) نہ رجس (یہ وسیع لوک) تھے۔ نہ اس سے بھی پرے

والا پرم آکاش دوسرے منتر میں پہلے حسب ذیل الفاظ ہیں:۔

न मृत्युरासीद् मृतं न तर्हि न रात्र्या अह्न आसीत्प्रकेतः।

اسی طرح نہ موت تھی نہ زندگی۔ نہ رات تھی نہ دن کا گیان تھا۔ تیسرے منتر میں پہلے الفاظ یہ ہیں:۔

तम आसीत्तमसा गूढ़मग्रेऽप्रकेतं सलिलं सर्वमा इदम्।

یعنی پیدائش سے پہلے یہ سب عالم تم (تاریک ناقابل تمیز۔ عدم ترکیب حالت میں) تھا۔ محض ناقابل فہم سلل (بحر اجزائے لا یتجزیٰ) سا تھا۔

چوتھے منتر میں اس حالت کا اور بھی پُر کمال اشاروں میں بیان کیا ہے۔

कामस्तदग्रे समवर्तताधि मनसो रेतः प्रथमं यदासीत्।

सतो बन्धुमसति निरविन्दन्हृदि प्रतीष्या कवयो मनीषा॥

پیدائش کے قبل من سے ہونے والی کامنا کی قسم کا ہی وہ نطفہ یا بیج تھا۔ جو پہلے موجود تھا۔ انتہائی باریک بین عالم لوگ اپنے ہردے میں بار بار غور کر کے ہی اس پوشیدہ تتو میں کسی ظاہر تتو کا تصور باندھنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے۔ کہ پہلے منتروں میں ایسے الفاظ بھی دیئے ہیں۔ جن سے اس گو نگو ہستی کا دور دان لوگ تصور باندھ سکیں۔

اور پانچویں منتر میں ان تمام اشارات کا خلاصہ یکجا دے کر مادی علت کو سورج کی طرح اوپر نیچے و یا پک اور پھیلا ہوا بتایا ہے۔ اور چھٹے منتر میں یہ بتایا ہے۔ کہ کوئی انسان اس حالت کو ٹھیک ٹھیک نہیں جان سکتا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ جب جان نہیں سکتا۔ تو بیان کیسے کر سکتا ہے۔ اس منتر کا پہلا حصہ حسب ذیل ہے۔

को अद्धा वेद क इह प्र वोचत्कुत आजाता कुत इयं विसृष्टिः।

یہ سوال کہ یہ عالم کہاں سے جلوہ گر ہوا۔ اور یہ گوناگوں رچنا کس علت اولین سے پیدا ہوئی۔ کوئی انسان ٹھیک ٹھیک نہیں جانتا۔ اور نہ کوئی اسے ٹھیک ٹھیک بیان کر سکتا ہے۔

پس قرآن کا پہلی حالت کے لئے لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا کہنا وید کے سچے سدھانت کی ہی تصدیق کرتا ہے۔

۱۳۔ موقعہ کا گواہ

لیکن آیت زیر بحث میں جو غیر مذکور شئے کا لفظ ہے۔ وہ انسان کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا کے لئے ایسا نہیں۔ اسی طرح سورہ یٰسٓ آیت ۳۶ کا حوالہ جو دفعہ ۱۵ میں دیا ہے۔ اس میں جو لفظ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ آیا ہے۔ اس کا بھی مطلب یہ ہے۔ کہ وہ علت مادی انسان کے علم میں نہ تھی۔ خدا کے علم میں تھی۔ یہی تعلیم وید کی ہے۔ اور رگ وید منڈل ۱۰ کے اسی ۱۲۹ سوکت کے آخری منتر میں کہا ہے۔

इयं विसृष्टिर्यत आबभूव यदि वा दधे यदि वा न।

यो अस्याध्यक्षः परमे व्योमन्त्सो अङ्ग वेद यदि वा न वेद॥

یعنی یہ کائنات جس علت سے پیدا ہوئی۔ اس کا صحیح علم اس کائنات کے منتظم اعلیٰ کو ہی ہے۔ خواہ وہ جگت کو دھارن کرے۔ خواہ نہ کرے۔ اور خواہ اور کوئی جانے یا نہ جانے

چونکہ پہلے منتروں سے انسان کو علت مادی کا صحیح علم نہ ہونے کے بیان سے اس کی ہستی مشتبہ ہو سکتی تھی۔

اس لئے آخر میں کہدیا۔ کہ وہ تنتو شے اس محیط کل ضابط عالم کے علم میں عین اپنی صحیح حالت میں ہے۔ اس علت کی دو حالتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک تو پیدائش عالم میں اس کا دھارن کیا جانا اور دوسری حالت فنا میں اس کا دھارن نہ کیا جانا۔ سو وید کہتا ہے۔ دونوں حالتوں میں یکساں طور پر اس کے علم میں ہے۔ مضائقہ نہیں۔ کہ کوئی انسان اس کو نہیں جانتا۔ لیکن اس پر سوال ہوسکتا ہے۔ کہ انسان کو جب بھگوان علم دیتا ہے۔ تو اس پہلی حالت کا صحیح علم کیوں نہیں دیتا۔ اس کا جواب اس سے پہلے چھٹے منتر کے دوسرے حصے میں ہی دیا جاچکا ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہے۔

अर्वाग्देवा अस्य विसर्जनेनाथा कोवेदयत आब भूव ॥

یعنی جس تنتو سے یہ مخلوقات بنی ہے۔ دیوتا (عالم لوگ) اس سے پیچھے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے جو کچھ پہلی حالت فی الحقیقت تھی۔ اسے کون عالم ٹھیک ٹھیک جان سکتا ہے۔ آہ! کیسی پختہ اور قوی دلیل ہے۔ شہادت اسی کی ہے۔ جو موقعہ پر موجود ہو۔ کیونکہ اسے ہی واقعہ کا صحیح علم ہوسکتا ہے۔ پیدائش عالم سے پہلے انسان ہی موجود نہ تھا۔ تو عالم لوگوں کو اس کا صحیح علم ہونے کے معنی کیا۔ خدا کی ذات بابرکات ہی حالت فنا میں لاتعداد ارواح اور پرکرتی کو اپنی گود میں سلا رہی تھی۔ لہذا وہی اس موقعہ اور حالت کا گواہ ہے۔ اور اسے ہی اس کا صحیح علم ہے۔ یہ وید اور قرآن دونوں کا فرمان ہے

۳۲۔ پیدائش انسان کا فلسفہ

سورۃ السجدہ آیت ۷۔ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَہٗ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ ۝

انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ اور اس کی نسل کا سلسلہ سلال سے شروع ہوکر آخر دیریہ سے چلا" گویا دو امور یہاں مذکور ہیں۔ جسم انسان اور نسل انسان کا سلسلہ۔

اور ہم نے انسان کو سلال سے شروع کرکے آخر مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ کی صورت میں محفوظ جگہ میں رکھا۔ ۱۲۔ پھر نطفہ کو ہم نے علقہ (منجمد خون آلود لوتھڑا) بنایا۔ پھر ہم نے علقہ سے مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) بنایا۔ پھر ہم نے مضغہ سے ہڈی بنائی۔ پھر ہم نے ہڈی پر گوشت مڑھا۔ حتیٰ کہ آخر ہم نے اسے دوسری ہی شکل میں بنا کھڑا کیا۔

(۳) سورۃ الحجر آیت ۲۸۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝

تیرے خدا نے فرشتوں (مخلوق دیوتاؤں) کو کہا۔ میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔ صلصال سے بناتے بناتے آخر اسے پاک مٹی سے پیدا کروں گا۔

ان آیات کی اصلیت کو جاننے کے لئے نہایت باریک بینی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اس کی توضیح کریں۔ ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اوپر کی قسم کے بیان اور بھی کئی آیتوں میں موجود ہیں۔ ہر کہیں انسان کی پیدائش مٹی سے بتائی ہے۔ یا نطفہ سے یا سلال سے یا صلصال سے۔ مگر حاشا کہ کہیں بھی عدم مطلق سے پیدا ہونے کا ذکر ہو۔

۳۳۔ روح کی مسلمہ ازلیت

اب قریباً تمام ثبوت جو ازلیت مادہ کے متعلق بیان ہوئے۔ ازلیت روح کے حق میں بھی دلیل مہیا کرتے ہیں۔ قرآن

میں کہیں بھی رُوح کو حادث نہیں کہا۔ حتیٰ کہ سوال وجواب میں خاص طور پر رُوح کی تعریف بتاتے ہوئے بھی ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا گیا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا

تم سے رُوح کے متعلق پوچھیں۔ تو دو باتیں کہہ دو۔ ایک تو یہ کہ یہ امر ربی ہے۔ اور دوسری یہ کہ تمہیں محض محدود یا تھوڑا علم ملا ہے۔ امر ربی کا مطلب صاف ہے۔ کہ وہ غیر مادی اور لطیف ہے۔ بغیر علم الٰہی کی روشنی کے وہ دیکھا نہیں جا سکتا۔ اور دوسرے یہ کہ وہ محدود العلم ہے۔ امر ربی کبھی رب سے جدا نہیں ہو سکتا۔ پس جب سے رب ہے۔ تب سے رُوح ہے۔ یوم الدین کی جو تعریف سورۃ الانفطار میں کی گئی ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝

یعنی اس وقت رُوح کا مادہ پر اختیار نہیں رہتا۔ بلکہ دونوں نفس یعنی رُوح و مادہ اللہ کے ہی ادھین ہوتا ہے۔ پس پرلے یا قیامت میں بھی اس کی ہستی ثابت ہے۔ اور ویدک تعلیم کے مطابق ہی اسے لطیف (سوکھشم) اور محدود العلم (الپگیہ) کہا ہے۔

۲۔ سورۃ الحجر آیت ۲۹ میں کہا ہے:۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝

پس جب میں اسے (انسانی جسم) کو مکمل کر کے اس میں اپنی طرف سے رُوح داخل کر چکوں۔ تم تے اس کے آگے سربسجود گر پڑنا۔

اس سے ظاہر ہے۔ کہ مادہ سے تیار شدہ جسم نہیں۔ بلکہ رُوح کی وجہ سے یہ جسم انسان نام پاتا اور دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ رُوح ازلی ہے۔ اگر رُوح پہلے سے خدا کے پاس موجود نہ ہوتی۔ اور اس کی ملک نہ ہوتی۔ تو داخل کیسے کیا جاتا۔

۳۔ سورۃ السجدہ میں کہا گیا۔ خدا ہی احسن الخالقین ہے۔ وہ انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کرتا ہے۔ اور اس کی نسل کو سلالہ سے شروع ہوئے سلسلے میں آخر ویریہ یا نطفہ سے چلاتا ہے۔ اس کے آگے کہا ہے۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۝ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

پھر اس کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ اور اس میں اپنی (ملک) روح کو پھونکا اور تمہارے لئے کان۔ آنکھ اور دل بنائے۔ پھر بھی تھوڑے ہی ہیں۔ جو اس کا شکر کرتے ہیں۔

اس سے بھی ظاہر ہے۔ کہ روح پہلے سے خدا کے قبضۂ قدرت میں موجود تھی۔

کہاں تک لکھیں۔ جہاں بھی رُوح کا ذکر ہے۔ اس کی قدامت اور ازلیت کا ہی پتہ چلتا ہے۔

(۴) سورۃ النحل آیت ۲ میں کہا ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۝

وہ پرمیشور فرشتوں (رشیوں) کے رُوح میں اپنے علم کا پرکاش کرتا ہے۔ ان رشیوں کے روح میں جنہیں وہ اپنے بندوں میں سے قابل سمجھتا ہے یا چاہتا ہے۔ پس خدا ازلی رُوح کو علم دیتا ہے۔ نہ کہ نیستی سے اسے پیدا کرتا ہے۔

اسی مضمون کے متعلق سورۂ القدر کی آیات جو پہلے آچکی ہیں۔ ان سے شہادت ملتی ہے۔ کہ برہم راتری میں ارواح اور اشیائے عالم اپنی پہلی حالت کو عود کر کے پرمیشور میں رہتے ہیں۔ اور پھر آغاز عالم میں صحیح وسالم یا محفوظ حالت میں پیدائش کے کام آتے ہیں۔ سورۂ السجدہ آیت ۵ میں بھی یہی کہا ہے۔ کہ پرمیشور دیولوک سے پرتھوی لوک تک کے تمام نظام عالم کو چلاتا ہے۔ حتیٰ کہ کل کائنات انسانوں کے شمار کردہ ہزار سالوں کے برابر عرصہ تک اسی خدا میں نہاں رہتی ہیں۔

غرضیکہ روح اور مادہ پیدائش اور فنا کی دونوں حالتوں میں ہمیشہ موجود اور قدیم و ازلی ہیں۔

۳۴۔ مذاہب الاسلام کی شہادت

مولانا محمد نجم الغنی صاحب خلف مولانا عبدالغنی صاحب مرحوم رامپوری اپنی کتاب مذاہب اسلام مطبوعہ ۱۹۰۱ء مطبع خادم التعلیم پنجاب لاہور معتزلہ کے عقائد کی تشریح کرتے ہوئے صفحہ ۵۸ پر لکھتے ہیں:۔

" ممکن اپنے عدم کے وقت میں ثابت ہے۔ اور موجود نہیں ہے۔ اور منشاء اس قول کا یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کے نزدیک وجود میں اور ماہیت میں فرق ہے۔ کبھی ماہیت ہوتی ہے۔ اور اس کو وجود عارض نہیں ہوتا۔ یہی مرتبہ تقرر کا ہے۔ اسی کو معدوم ثابت کہتے ہیں۔ مگر وجود نہیں کہہ سکتے۔ موجود جب کہیں گے۔ کہ اس کو وجود مل جائے۔" اس سے پہلے صفحہ ۵۷ پر لکھا ہے۔ کہ

سارے معتزلہ سوائے کعبی اور ابو الہذیل اور ابو الحسین بصری کے یہ کہتے ہیں۔ کہ معدوم بھی ایک شئے ہے۔ اور عالم واقعہ میں ثابت ہے۔ مگر اسی قدر ہے۔ کہ اس کو وجود نہیں ملا ہے۔ اگر وجود مل جائے۔ تو وہ موجود ہو جائے۔"

۳۵۔ نجات عارضی ہے

ایک اور غلط نتیجہ صفحہ ۱۰ بیان القرآن میں اخذ کیا گیا ہے۔ اول تو صفت رحمانیت سے بلا بدل رحم کا مطلب لے کر عیسائی مذہب کے کفارہ کی تردید اخذ کی گئی ہے۔ جو کئی وجوہات سے غیر معقول ہی ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ امر غیر متعلق ہے۔ ہاں صفت رحیمیت کے مفہوم میں۔ ایک ویدک سدھانت کے خلاف نتیجہ نکالا گیا ہے۔ لکھا ہے "صفت رحیمیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ انسان کے اعمال پر جو اس کے فرائض کی فرمانبرداری میں ہوں۔ اللہ تعالےٰ بڑے بڑے اجر دیتا ہے۔ اس سے ایسے عقائد کی تردید ہوتی ہے۔ جو انسان کے اعمال پر ان کے محدود ہونے کی وجہ سے ان کے اجر کو بھی محدود قرار دیتے ہیں۔ اور اس سے نجات کو عارضی ٹھہراتے ہیں"۔ یہ ریمارک بھی خلاف تعلیم قرآن اور مولانا صاحب کے دماغ پر موجودہ فرقہ وارانہ فضا کا خاص اثر ہونے کا ہی نتیجہ ہیں۔ کیونکہ قرآن کہیں بھی نہیں کہتا۔ کہ محدود فعل کا پھل غیر محدود ہوتا ہے۔ بہشت کے آرام و آسائش کے متعلقہ تمام سامان مثل دودھ۔ شہد۔ شراب۔ زیور وغیرہ سب محدود ہیں۔ رہے بڑے بڑے اجر۔ سو ویدک دھرم خود بتاتا ہے۔ کہ انسان کو سچے گیان کے حصول پر ایشور کے وصل سے جو آنند ملتا ہے۔ وہ اتنا عرصہ رہتا ہے۔ جو چھتیس (۳۶) ہزار بار دنیا کی پیدائش و قیام میں لگتا ہے۔ یعنی ۳۱ نیل ۱ کھرب ۴۰ ارب سال (۳۱۱۰۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ہم نہیں سمجھتے۔ خدا کی شان۔۔ کے مطابق جو بڑے بڑے اجر ہونے چاہئیں۔ ان کا اس سے زیادہ اعتراف کونسا انسان کر سکتا ہے۔ اتنا بڑا اجر تو کسی بڑے سے بڑے عالم کے تخیل میں بھی کبھی نہ آیا ہوگا۔ لیکن یہ نہ سمجھا جاوے۔ کہ خدا اس میں کسی بے انصافی یا غیر معمولی اور غیر معقول دریا دلی سے کام

بنتا ہے۔ بلکہ گیان جیسی بیش بہا صفت کا تقاضا ہی لمبے عرصہ کا سکھ ملنا ہے۔ ڈاکٹر ۲ ر کا ایک ٹیکہ لگا کر اگر ایک مرتے ہوئے شخص کو بچا دے۔ اور وہ شخص اس کے بعد پچاس سال تک زندہ رہے۔ اور وہی لاکھ روپیہ کا ہو سے۔ تو اس میں ڈاکٹر کی علمی خصوصیت کام کرتی ہے۔ علم اور عقل کی بدولت اگر ڈاکٹر یا وکیل یا عہدہ والے لوگ ہزار ہا روپیہ ماہوار کمانے اور ان سے بڑھیا جسم یا ڈیل ڈول والے مزدور محض ہم روپیہ پاتے ہیں۔ تو یہ فرق علمی صفت یا قابلیت کا ہے۔ بے انصافی کی وجہ سے نہیں۔ اس کے علاوہ یاد رہے۔ کہ اجر خواہ کتنا ہی بڑا ہو۔ غیر محدود نہیں ہوگا۔ کیونکہ خود قرآن زور سے کہتا ہے۔ کہ محدودیت روح کا فطرتی خاصہ ہے۔ اور فطرتی خاصہ کسی بھی حالت میں روح سے جدا ہو۔ یہ ناممکن ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا

تجھ سے روح کے متعلق استفسار کرتے ہیں۔ انہیں یوں جواب دو۔ کہ روح امر ربی ہے۔ اور نیز یہ کہ تمہیں محض محدود علم دیا گیا ہے۔"

اس آیت کے متعلق مترجموں کے الفاظ کے نکتہ نگاہ سے اعتراض ہوتا ہے۔ کہ قرآن روح کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ لہذا جواب کو ٹالتا ہے۔ لیکن درحقیقت اوپر کے الفاظ میں تسلی جواب موجود ہے۔ اور معترض خود خاص لطیفہ کا مصداق بن رہے ہیں۔ ایک شخص بینگن کا خیال رکھ کر دوسرے سے پوچھتا ہے۔ کہ شام رنگ۔ گول گول اور سر پر مکٹ رکھنے والی شے کونسی ہے۔ جواب والا کہتا ہے۔ "بتاؤں" سوال والا کہتا ہے۔ "بتاؤ" جواب ملتا ہے۔ "بتاؤں"! وہ پھر کہتا ہے۔ بتاؤ۔ (جواب) "بتاؤں"! سوال والا حیران ہے۔ کہ بار بار اجازت مانگتا ہے۔ کہ کیا میں بتاؤں۔ مگر بتاتا نہیں۔ اور مجیب حیران ہے۔ کہ میں نے اس چیز کا صحیح نام بھی بتایا ہے۔ پھر بھی یہ بار بار بتاؤ کہے جاتے ہیں۔ اب حقیقت تو یہ ہے۔ کہ پوچھنے والے کو اس چیز کا نام بینگن معلوم ہے۔ اور اس کا دوسرا نام "بتاؤں" معلوم نہیں۔ اور مجیب کو اس کی اس لاعلمی کا علم نہیں۔ نتیجہ میں دونوں مغز پچی کا شکار ہو رہے ہیں۔ بعینہ امر ربی کہکر قرآن نے بتادیا۔ کہ روح کوئی کثیف یا حواس سے محسوس ہونے والی شے نہیں۔ وہ امر ربی ہے۔ یعنی لطیف۔ اور ساتھ ہی تم روحوں کو تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ یعنی تم الپگیہ ہو۔ ویدک دھرمی لوگ بھی روح کو لطیف مانتے ہیں۔ اور الپگیہ یا محدود العلم۔ اور قرآن بھی روح کی یہی تعریف بتاتا ہے۔ مگر باوجود اس کے مسلمان اور آریہ غلط سمجھ رہے ہیں۔ کہ قرآن جواب کو ٹالتا ہے۔ ایسا ہی ایک اور مشہور لطیفہ ہے۔ کہ ایک شخص نے جو خود عربی نہ جانتا تھا۔ اپنے بیٹے کو ایک مولوی کے ہاں عربی زبان کی تعلیم دلائی۔ تین چار سال گذرنے پر ایک دن آپ کو بیٹے کا امتحان لینے کی سوجھتی ہے۔ اور ایک کتاب لے کر آپ بیٹے کے سامنے رکھ کر کہتے ہیں۔ کہ جس لفظ پر میری انگلی ہے۔ اس کو پڑھو۔ بیٹا پڑھتا ہے "لا اعلم" باپ پوچھتا ہے۔ اس کے معنے کیا ہیں۔ بیٹا کہتا ہے "میں نہیں جانتا"! اس کا یہ کہنا ہی تھا۔ کہ والد بزرگوار اپنے پیارے اور ہونہار بیٹے کے منہ پر ایک چانٹا رسید کرتے ہیں۔ کہ نالائق اتنے سال کے بعد بھی اگر تو اس ایک لفظ کے معنے نہیں جانتا۔ تو پڑھا کیا ہے۔ خاک۔ بیٹا کہتا ہے۔ والد بزرگوار میں کروں کیا۔ جو لفظ آپ نے مجھ سے پڑھوایا ہے۔ اس کے معنے ہی یہ ہیں۔ کہ میں نہیں جانتا۔ غرضیکہ حقیقت الامر کے لحاظ سے روح کی فطرتی محدودیت اس کی نجات کی محدودیت کا تقاضا کرتی ہے۔ قرآن میں شفاعت کی تردید اور پورا پورا انصاف ہونے حتیٰ کہ تل برابر

بھی بے انصافی نہ ہونے کا ہی ذکر ہے۔ پس غیر محدود اجر تو کہاں انصاف کے تناسب سے تل برابر زیادہ نجات ملنا بھی ناممکن ہے۔ یہ الفاظ دیگر قرآن سے نجات کی غیر محدودیت کا مفہوم لینا خلاف منشائے اسلام و رسول ہے۔ اور فرقہ درانہ تعصب کا ظہور قرآن تو صاف فرماتا ہے (سورۃ البقر آیت ۲۸۶)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ

"خدا کسی وجود پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ سوائے اس مقدار کے جس کی اس میں قابلیت ہے جس نے اچھے کام کئے۔ اپنے لئے کئے۔ اور جس نے برے کئے۔ اپنے لئے کئے۔" اس آیت کا باقی حصہ ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اے ہمارے رب اگر ہم سے سہو یا خطا ہو جائے۔ تو ہم سے اس کا مواخذہ نہ کر۔ ہمارے پروردگار! ہم سے پہلے لوگوں پر جو عذاب پڑے ہیں۔ اس سے بچا۔ اور اے ہمارے مالک۔ ہم سے وہ کچھ نہ اٹھوا جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ہاں ہماری خطاؤں سے درگذر کر۔ ہمارے گناہوں کو ہم سے دور فرما۔ ہمارے رب! ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مالک ہمارا نجات دہندہ ہے پس ہمیں کافر لوگوں پر فتح نصیب کر۔" یہ سورۃ بقر کی آخری آیت ہے۔ اور اس آیت کے پہلے حصے میں اس اصول کا ذکر ہے۔ کہ خدا ہر شخص کو اتنی ہی سزا جزا دیتا ہے۔ جتنے اس کے فعل ہیں۔ استطاعت یا قابلیت سے زیادہ کسی کو مکلف نہیں کیا جاتا۔ اور دوسرے حصے میں روح کی دعا بھی یہی ہے۔ کہ ہمارے فطرتی تقاضائے محدودیت کا خیال رہے۔ پس قانون الہی اور روح کی فطرت دونوں کی رو سے نجات کا غیر محدود ہونا ناممکن ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ دکھ کے متعلق تو دعا ہو سکتی ہے۔ کہ ہماری طاقت برداشت سے تجاوز نہ کرے۔ لیکن سکھ پر پابندی کون چاہتا ہے۔ ہمارا جواب ہے۔ کہ کسی کی ذاتی خواہش غیر محدود سکھ کی ہو۔ تو یہ اس کی بے سمجھی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہر انسان سکھ کے مناسب مقدار سے زیادہ ملتے ہی دکھی ہوتا ہے۔ لذیذ ترین کھانا بھی اندازہ سے زیادہ کھایا نہیں کہ ذائقہ بدل جاتا ہے۔ طبیعت ایسی سیر ہوتی ہے۔ کہ ذرا زیادہ لڈو سا جانے پر قے آتی ہے۔ اس کی شکل تک دیکھنی گوارا نہیں رہتی۔ ہیضہ وغیرہ کا انسان شکار ہوتا ہے۔ قے۔ دست ہیضہ۔ بھش بدہضمی وغیرہ کی تمام بیماریاں بداعتدالی کا ثبوت ہیں۔ اور یہ بداعتدالی انسان کی جہالت پر مبنی ہے۔ نہ خدا کے رحم پر۔ تب راحت نجات کی بداعتدالی روح کے لئے کس طرح قابل برداشت ہے۔ مصنف بیان القرآن نے فی الحقیقت قرآن کے لفظ رحیم کی سخت گمراہ کن تاویل کی۔ اور نجات کے غیر محدود ہونے کا نہایت غلط نتیجہ ہی پیش نہیں کیا۔ ہمارے خیال میں کچھ اپنی ضمیر پر بھی غیر معقولانہ دباؤ ڈالا ہے۔ کیونکہ ہم نجات کے متعلقہ الفاظ جو مختلف آیات میں آئے ہیں۔ ان کا مولانا صاحب کا اپنا ترجمہ اپنے حق میں دیکھتے ہیں۔ آیات میں جہاں بھی نجات یا بہشت کے ذکر میں لفظ خَالِدِيْنَ آیا ہے۔ بیان القرآن میں اس کے لئے عرصہ دراز تک قائم رہنے والی۔ زندگی یا دیرپا زندگی ہی لکھا ہے۔ غیر محدود زندگی مانی ہی نہیں۔ ویدک دھرم میں روح کی ناپائیدار زندگی انسانی قالب میں سو سال کی اوسط والی بتائی ہے۔ اور نجات والی بڑی پائیدار زندگی برہم دن رات کے حساب سے سو سال کی یعنی تین سو ساٹھ برہم دن رات کا ایک سال اور ۱۰۰ × ۳۶۰ یعنی ۳۶۰۰۰ برہم دن رات کی میعاد نجات ہے

چونکہ ایک برہم دن ۴ ارب بتیس کروڑ سال کا ہے۔ اس لئے اس میعاد کو ۳۶۰۰۰ سے ضرب دینے پر نجات کی میعاد بنتی ہے۔ جو ہم نے پہلے لکھدی ہے۔ چونکہ یہ طویل میعاد فی الحقیقت نہایت دیرپا زندگی ہے۔ لہذا مولانا صاحب کے اپنے ترجمے سے ہی غیر محدود نجات کا خیال رد ہوتا ہے۔

۳۶۔ تناسخ

ایک اور بھاری غلطی مولانا صاحب نے لفظ مالک سے تناسخ کی تردید اخذ کرنے میں کی ہے۔ بیان القرآن صفحہ ۲ پر آپ لکھتے ہیں۔

"صفت مالکیت میں جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اگر قانون کی نافرمانی پر سزا دیتا ہے۔ مگر اس کا معاملہ اپنی خلق کے ساتھ مالک کا معاملہ اپنی ملکیت کے ساتھ ہے۔ تناسخ وغیرہ عقائد کی تردید ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کوئی گناہ معاف نہیں کرسکتا۔ اور اس لئے ہر گناہ کی پاداش میں انسان کو بیشمار جونوں میں سے گذرنا پڑتا ہے"

ہمیں تعجب ہے۔ کہ فاضل مولانا صاحب نے قرآن یا کسی اور مذہبی یا علمی کتاب یا عقلی دلیل سے یہ امر واضح ہی نہیں کیا۔ کہ مالک کا معاملہ اپنے ملک کے ساتھ لازمی طور پر فلاں قسم کا ہوتا ہے۔ نہ یہ واضح کیا ہے۔ کہ قانون کی نافرمانی پر سزا دینے والے خدا کو معافی دینے والا ماننے میں متضاد بیان ثابت نہیں ہوتا۔ کیا قائلان تناسخ نے کبھی یہ دعوٰی بھی کیا ہے۔ کہ آواگون قانون کی نافرمانی کی وجہ سے نہیں۔ جب آپ تو د اقبال کرتے ہیں۔ کہ قانون کی نافرمانی پر خدا سزا دیتا ہے۔ تو فرمائیے۔ مرنے والے کو سزا سوائے تناسخ یا مختلف جونوں کے کس ذریعے سے دی جاتی ہے۔ ایسا ہی یہ امر بھی کہیں واضح نہیں کیا۔ کہ قانون کی نافرمانی کو نظر انداز کرکے مالک اور ملک کے تعلق کا کونسا پہلو ہے جس کے لحاظ سے معافی کرنا خدا کا فرض ٹھہرتا ہے۔ جس خدا کو قرآن عادل مانتا۔ ایسا عادل کہ رائی کے دانہ برابر بھی ناانصافی نہیں کرتا۔ جیسے سریع الحساب یعنی گناہ کی پاداش میں نقد سزا دینے والا۔ شدید العقاب یعنی سخت سزا دینے والا ذو انتقام یعنی گناہ کا پورا بدلہ لینے والا مانتا ہے جس کے متعلق کہیں بھی بلا وجہ معافی کا قرآن میں ذکر نہیں۔ اس سے ایسا غیر معقول خیال منسوب ہونا ٹھیک نہیں۔ توبہ پر معافی ہونے کا جو بیان آتا ہے۔ اس کے متعلق ہر کہیں یہ لکھا ہے۔ کہ جو انسان پچھتائے اپنی اصلاح کرے۔ اور پھر وہ گناہ نہ کرے۔ اسی کا گناہ معاف ہوتا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ معمولی سے معمولی گناہ پر بھی پچھتاوہ، ندامت وغیرہ اور آئیندہ کے لئے پوری احتیاط رکھنے کی سزا بھوگنی پڑتی ہے۔ گویا اس معافی میں سزا بھی موجود ہے۔ اور انسان کے دل سے ارتکاب گناہ کے اسباب کو دور کرنے کا بھی بیان ہے۔ جیسے وید میں آتا ہے۔ दुरितानि परासुव یعنی ہماری برائیاں دور کیجئے۔ کامل انصاف ہی نہیں۔

خدا کے دیگر اوصاف مندرجہ قرآن بھی اس بے بنیاد اعتقاد اور غیر معقول جذبہ کی تردید ہی کرتے ہیں۔ شفاعت کا خدا کے انصاف میں کہیں بھی دخل مانا نہیں گیا۔ نہ رشوت کی گنجائش مانی ہے۔ کل دنیا کی دولت اور اتنی ہی اور دولت کے فدیہ سے بھی خدا کا عذاب ٹل نہیں سکتا۔ تب اسے مالک لفظ کی آڑ میں اپنی تمام صفات حق و انصاف کو توڑنے والا بیان کرنا جھوٹی افترا یا بہتان کے بنا کچھ نام نہیں پا سکتا۔ مولانا صاحب نے بعض جاہل یا بے اصولے مالکوں کے عمل کو قدرت کا عالمگیر اصول سمجھنے میں سخت غلطی کھائی ہے۔ اس پر تو اندھیر نگری چوپٹ راجہ کی مثال صادق آتی ہے۔ کہ بے قصور کو اس لئے پھانسی دیدے۔ کہ رسہ اس کے موٹے گلے میں ٹھیٹ آتا

ہے۔ اور بدچلن بدمعاش کو موجیں اڑانے دے۔ اس لئے کہ اس سے خدا کی فیاضی ثابت ہوتی ہے۔ قرآن خدا کو علیم حکیم خبیر مانتا ہے۔ رسول صاحب فرماتے ہیں۔ میں بھی اپنے اعمال کا جوابدہ ہوں۔ اور حکم الٰہی کی خلاف ورزی پر مستوجب سزا۔ پس خدا کی صفت مالکیت یا سورۃ فاتحہ کے کسی لفظ سے گناہ کی معافی یا تناسخ کی تردید منسوب کرنا قرآنی تعلیم کی عظمت کو مٹاتا ہے۔ اس سورۃ میں صاف طور پر نیکوں کو نعمتیں ملنے اور بدوں کے غضب الٰہی میں مبتلا ہونے اور (جنم مرن کے چکر میں) بھٹکنے کا ذکر موجود ہے۔ اگر آواگون نہ مانا جائے اور گناہوں کی معافی کا اصول صحیح ہوتا۔ تو نہ سورۃ فاتحہ خدا کی عبادت کا خیال دلاتا نہ لوگوں کے لئے نماز زکوٰۃ وغیرہ کے فرائض ہوتے نہ راہِ راست کی ہدایت کے لئے دعا مانگی جاتی۔

۳۷۔ غلط فہمی

پنرجنم کے لفظی معنی تو ہیں پنہ یعنی پھر یا دوبارہ پیدا یا زندہ ہونا اور اس کے اصطلاحی معنی ہیں۔ آواگون یا جنم مرن کا چکر۔ ایک زندگی کے بعد دوسری زندگی مانی جائے۔ تو دوسری زندگی کے بعد بھی پھر پیدا ہونے کا اطلاق کرنے سے باربار پیدا ہونا و مرنا کا ہی مفہوم نکلیگا۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمان مترجمان و مفسران قرآن نے اصطلاحی معنی کو نہیں سمجھا۔ اور قرآن کی جس بھی آیت میں دوبارہ پیدا ہونے کا ذکر آیا۔ انہوں نے صرف دو ہی بار کی زندگی مانی۔ اور انہیں یہی دور کی سوجھی۔ کہ ایک تو یہ۔ موجودہ زندگی دوسری ہونی چاہئے۔ خاتمہ دنیا پر۔ اور اس کے لئے قیامت کے دن مردوں کے قبروں سے نکلنے کی خاص فلاسفی سوچی گئی۔ جو نہ صحیح ہے۔ نہ معقول۔ دوبارہ جنم ہونا ہے روح کا۔ وہ روح جسم سے خارج ہوا تبھی موت ہوئی۔ قبر میں دفنایا گیا مردہ جسم۔ روح وہاں ہے نہیں۔ تو قیامت کے دن زندہ کون ہوگا۔ جسم یا لاش بھی سو دو سو برس کے بعد قبروں میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ بقول

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند   کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند
واں پیر لاشہ راکہ سپردند زیر خاک   خاکش چناں بخورد کزو استخواں نماند

قبروں میں دفن شدہ بڑی سے بڑی نامور ہستیوں کا بھی نام و نشان کہاں۔ جب کہ زمین کا پیٹ انہیں اسی طرح ذرات ہم جنس کی طرف منتقل کر چکا ہے۔ جس طرح انسان کے پیٹ میں غذا مختلف دھاتوؤں میں منتقل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تمام مردہ جسم قبروں میں دفنائے ہی نہیں جاتے۔ زیادہ تر جلائے جاتے ہیں۔ کئی آگ لگنے سے جل کر مرتے ہیں۔ کئی مردہ جسم مختلف درندوں یا پرندوں کا کھاجا بنتے ہیں۔ وہ قبروں میں رکھے ہی نہیں گئے۔ پس یہ غیر معقول خیال محض پنرجنم کی حقیقت کو نہ سمجھنے اور غلط فہمی کا شکار ہونے کا ہی نتیجہ ہے۔ ہم یہاں کثیر التعداد اور صاف صاف قرآنی آیات پیش کرتے ہیں۔ اور ناظرین سے التجا کرتے ہیں۔ کہ وہ پورے غور سے اطمینان کریں۔ کہ محض آخری بعثت کے لئے قرآن شریف میں کہیں بھی قیامت کا لفظ نہیں آیا بعض مترجم صاحبان ہی خط وحدانی کے اندر اپنی طرف سے قیامت کا لفظ ایزاد کئے جاتے ہیں۔

۳۸۔ سورۂ فاتحہ اور پنرجنم

قرآن شریف کے جس سب سے پہلے سورۂ فاتحہ کی عظمت اور فضیلت میں کل اسلامی لٹریچر متفقہ طور پر رطب اللسان ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ پنرجنم کی صداقت کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ اللہ رحمان اور رحیم ہے۔ اس لئے روح کو بعد موت نیا جنم یا مکتی ملنا لازمی ہے۔ بغیر اس کے

روح کو نہ ترقی کا موقعہ مل سکتا ہے۔ اور نہ سچی راحت کا۔ اور نہ اللہ کی ان صفات کا کوئی عملی فائدہ ہو سکتا ہے۔ وہ مالک یوم الدین ہے۔ انسان کی موت کے وقت بھی وہی مالک ہے۔ اور کل جہان کی موت یعنی پرلے یا قیامت میں بھی ہر دو صورتوں میں اپنے ملک کو اس کی قابلیت کے مطابق کام میں لانا اللہ کا کام ہے۔ روح کو مادی سامانوں کو کام میں لانے کے لئے اس کی قابلیت کے مطابق جسم دینا اور مردہ جسم کے مادی ذرات کو نئے سامانوں میں استعمال کرنا اگر بند ہو جائے۔ تو اس کی ساری ملک نکمی ہو جائے۔ اللہ کی عبادت اور اعانت کے متعلقہ دعا بھی پنر جنم کا تقاضا کرتی ہے یا مکتی کا اگر دعا کرتے کرتے روح کسی قدر عرفان تک رسائی حاصل کرتی ہے۔ اور موت لاحق ہوتی ہے۔ تو کامل عرفان کی منزل تک پہنچنے کے لئے اسے کیوں پھر موقعہ نہ ملے۔ یقیناً خدا ایسی نیک خواہشوں کے آگے کبھی روک نہیں بن سکتا۔ (اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ) میں جس راہ راست کی ہدایت کے لئے دعا ہے۔ وہ تو مردہ عابد کے لئے آئندہ زندگی کا مطالبہ کرتی ہی ہے۔ آخری دو آیتیں کل دنیا کے انسانوں کی حالت کا نقشہ کھینچ کر پنر جنم کی صداقت پر مہر ثبت کرتی ہیں۔ وہ جن پر خدا نعمتوں کی بارش کرتا ہے۔ اور وہ جن پر اس کا غضب نازل ہوتا ہے۔ انصاف مجسم اور رحیم کامل خدا سے پہلی زندگی کے اعمال کا نتیجہ ملنے کا ثبوت ہے۔ اور ضالین جن بھٹکنے والوں کا اشارہ کرتا ہے۔ وہ آواگون کے چکر میں پڑے ہوئے ارواح ہیں۔ بھٹکنے کا لفظ روح کے ساتھ استعمال ہونے پر سوائے اس کے کچھ مطلب نہیں دیتا۔ اس کل سورۃ کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ راہ راست پر چل کر انسان سکھ و نجات پا دیں۔ اور اس سے منحرف ہو کر دکھ وغیرہ نہ پا دیں۔ یجر وید ادھیائے ۱۹ منتر ۴۷ (द्वे सृती) میں کہا ہے۔ کہ دو راستے ہیں۔ ایک تو ہے عارفوں کا جو راحت و نعمت حتیٰ کہ نجات تک پہنچاتا ہے۔ اور دوسرا ہے معمولی انسانوں یا جاہلوں کا راستہ۔ جو دکھ یا بندھن کا موجب ہے۔ ان ہی دو راستوں میں سارا سنسار چل رہا ہے۔ اور آواگون ہو رہا ہے۔ گایتری منتر میں جو یہ دعا ہے۔ کہ ہماری بدعملیوں کو پرے کاشت کرو۔ اگنے نیہ سیجھتا میں جو یہ دعا ہے۔ کہ اے خدا ہمیں راہ راست دکھاؤ۔ اپنشد میں جو یہ پرارتھنا ہے۔ کہ استوما سدگمیہ وغیرہ یعنی ہمیں جھوٹھ سے بچا کر سچائی کی طرف چلاؤ۔ اندھکار سے بچا کر روشنی کی طرف اور موت سے بچا کر زندگی کی طرف لے چلو۔ سب کا جو منشاء ہے۔ ہو بہو سورۂ فاتحہ میں وہی بیان ہو رہا ہے۔ اور آواگون کی صداقت کو نہایت معقول طور پر واضح کرتا ہے۔

۳۹۔ پنر جنم کا نہایت واضح ثبوت

كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَكُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡيَاكُمۡ‌ۚ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ بقرہ ۲۸

تم اس ایشور سے کس طرح منکر ہو سکتے ہو۔ جس نے تمہیں مردہ حالت سے زندہ کیا۔ پھر وہی تمہیں مارے گا۔ اور وہی زندہ کرے گا۔ حتیٰ کہ تم اس سے وصل حاصل کرو۔

اس آیت میں صریحاً بار بار کا جنم مرن تاوقتیکہ نجات نہ ملے۔ ہو بہو ویدک سدھانت کے مطابق مذکور ہے۔ فاضل علماء اسلام پہلے موت کے لفظ کو عدم مطلق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور دوبارہ زندہ کرنے کے ساتھ قیامت کے دن کا تعلق جوڑتے ہیں۔ پر یہاں عدم مطلق یا قیامت کا کوئی ذکر نہیں۔ پس خواہ مخواہ اپنے ذاتی اوہام یا وساوس کو گھسیڑ کر ترجمے کو اصل آیت کے منشاء کو فوت کرنے کا موجب بنانا کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتا۔ ایک اور نکتہ

یہاں قابل غور ہے۔ آیت زیر بحث خدا کی طرف لوٹائے جانے تک جنم مرن کا چکر جاری رہنا ظاہر کرتی ہے۔ لیکن قیامت کے دن تمام ارواح خدا سے واصل نہیں ہوں گی۔ کچھ تو جائیں گی جنت میں اور کچھ جائیں گی دوزخ میں۔ پس خدا کی طرف لوٹ جانے کا مفہوم محض ویدک اعتقاد مکتی کی جگہ ہے۔ مکتی کی ہی حالت میں جنم مرن کا سلسلہ بند ہوتا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب قرآن مجید مترجم دغرائب القرآن) میں قیامت کا لفظ اس آیت کے ترجمہ میں ایزاد تو کرتے ہیں۔ لیکن حاشیہ والی عبارت میں ان کے یہ الفاظ ان کی اندرونی حالت کا اشارہ دیتے ہیں۔ کہ

" وحی ہم کو یہ بتاتی ہے۔ کہ بعد مرگ بھی ایک طرح کی ہستی ہوگی۔ اور ہمارا دل بھی اس ہستی کے ہونے کو قبول کرتا ہے۔ اس ہستی کے تفصیلی حالات کا ہم کو علم نہیں ہے۔"

گویا ڈپٹی صاحب انسانی فطرت کا تقاضا بتلاتے ہیں۔ کہ پنر جنم کو مانا جاوے۔

۴۔ جنم مرن کا سلسلہ بار رات دن کا چکر

پھر منی دیانند سرشٹی کے پرواہ سے انادی ہونے کی تشریح میں رات اور دن کے چکر کی مثال دیتے ہیں۔ اور جنم مرن کے سلسلے میں بھی ٹھیک وہی بیان قرآن کی کئی آیات میں موجود ہے۔ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ال عمران ۲۶

وہی رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لاتا ہے اسی طرح وہ مردہ کے بعد زندہ اور زندہ کے بعد مردہ کرتا ہے۔ اور مشیت ایزدی کے مطابق کسی کو بےحساب رزق ملتا ہے۔ معمولی سا غور بھی ہر بے تعصب محقق کو یقین دلاتا ہے۔ کہ سرشٹی کا پرواہ سے انادی ہونا اور پنر جنم کے دونوں امور اس آیت کا اصل نشانہ ہیں۔

اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ بقرہ ۲۵۸

ابراہیم نے کہا۔ میرا رب وہ ہے۔ جو زندہ کرتا اور مارتا رہتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ

خدا ہی دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا ہے۔ جو زندہ کو مُردہ سے ظاہر کرتا اور وہی زندہ کو مردہ کرتا ہے۔ وہی تو خدا ہے۔ پھر اس سے انحراف کیسا۔

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ اعراف ۲۹

جس طرح تم پہلے پیدا کئے گئے تھے۔ دوبارہ بھی پیدا کئے جاؤ گے۔

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ (اعراف ۱۵۸) توبہ ۱۱۶

آسمان اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔

هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔ (یونس ۵۶)

وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اور وہی تمہاری منزل مقصود ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ ۔ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝

پوچھو کہ تمہارے ٹھہرائے شریکوں میں کوئی ہے جو مخلوقات کو پیدا کرے۔ پھر انہیں مار کر دوبارہ پیدا کرے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہہ دو کہ اللہ ہی مخلوقات کو پیدا کرتا ہے۔ اور وہی انہیں مار کر پھر پیدا کرے گا۔ پس تم انحراف کیسے کر سکتے ہو؟

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ (حجر ۲۳)

ہم ہی زندہ کرتے اور ہم ہی مارتے رہتے ہیں۔ اور ہم ہی سب کے والی وارث ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

وہی ہے۔ جو اپنی رحمت کی خوشخبری کے طور پر ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھاری بادل کو اٹھا لاتی ہیں۔ تب ہم اسے مردہ زمین کی طرف بھیج دیتے ہیں۔ اور اس سے پانی برسا کر ہر قسم کے پھل پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ تاکہ تم غور کر کے حقیقت کو جان سکو۔

وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۝

یہ کہتے ہیں۔ کہ جب ہم ہڈیاں اور راکھ ہو جائیں گے۔ کیا اس کے بعد بھی ہمیں از سر نو پیدا کیا جا سکیگا۔ ۴۹۔ کہہ دو کہ خواہ تم پتھر ہو یا لوہا (۵۰) یا ایسی اور بڑی سخت چیز جو تمہارے نزدیک پیدا نہ ہو سکتی ہو۔ ضرور پیدا ہو گے۔ اس پر کہیں گے۔ کون ہم کو پھر پیدا کرے گا؟ کہہ دو وہی جس نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا۔

وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ۝ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۝

یہ کہتے ہیں۔ کہ جب ہم ہڈیاں اور ذرہ ذرہ ہو جائیں گے۔ کیا اس کے بعد بھی ہم کو از سر نو پیدا کیا جا سکیگا۔ ۹۸۔ کیا ان لوگوں نے سمجھا نہیں۔ کہ اللہ جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اس پر بھی قادر ہے۔ کہ ان جیسے دوبارہ پیدا کر دے۔ ۹۹ (بنی اسرائیل)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ (۵) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ الحج ۵ و ۶

اے لوگو! اگر تم کو بعث کے متعلق شک ہو۔ تو تم دیکھو ہم نے اول تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے۔ پھر خون کے لوتھڑے سے۔ پھر مکمل اور غیر مکمل مضغہ سے تاکہ تم پر اپنی قدرت ظاہر کریں۔ اور رحم میں ہم جسے چاہیں مقررہ وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے پھر پالتے ہیں۔ تاکہ تم جوانی کو پہنچو۔ کوئی ایسے بڑھاپے کو پہنچتا ہے۔ کہ سب کچھ جاننے پیچھے کچھ سمجھتا نہیں۔ نیز زمین کو دیکھو۔ کہ بے حس و حرکت تھی۔ ہم نے پانی برسایا۔ تو وہ لہلہائی۔ اور پھولی پھلی۔ اور ہر طرح کی خوشنما پیداوار ہوئی۔ ۵۔ یہ تمام اس

امر کی دلیل ہیں۔ کہ اللہ برحق ہے۔ اور یقیناً وہ مردوں کو زندہ کرتا اور ہر شے پر قادر ہے۔

أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۝ نمل - ۶۴

وہ کون ہے۔ جو مخلوقات کو پیدا کرنے کی ابتدا کرتا۔ اور پھر اسی طرح کی مخلوقات بار بار پیدا کرتا رہتا ہے۔ اور کون تم کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۝ روم - ۲۷

وہی ہے۔ جو مخلوقات کو اول بار پیدا کر کے پھر پیدا کرتا رہے گا۔ یہ اس کے لئے نہایت آسان ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَٰلِكُمْ ۝ روم ۴۰

اللہ ہی ہے۔ جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم کو روزی دی۔ وہی پھر تم کو مارے گا۔ پھر جلائے گا۔ جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو۔ کیا کوئی بھی ان میں سے کوئی کام کر سکتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ مومنون - ۸۰

وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ رات اور دن کا ردوبدل کرتا ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ ق - ۱۵

کیا ہم اول بار پیدا کرنے میں تھک گئے تھے۔ (کہ پھر پیدا نہ کر سکیں) نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ ان کو پنر جنم کے متعلق بھرانتی سی ہو گئی ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۝ ق - ۴۳

بے شک ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں۔ اور ہماری ہی طرف لوگوں کو آنا ہے۔

(ایسے ہی ایک آیت میں یوں کہا ہے)

کیا وہ پہلے منی کا قطرہ نہیں تھا۔ جو رحم میں ٹپکائی گئی پھر لوتھڑا ہوا۔ پھر خدا نے اسے بنایا، اس کے جوڑ بند درست کئے۔ اور آخر میں اس کی دو قسمیں کیں۔ مذکر اور مؤنث۔ کیا وہ خدا جس نے یہ سب کچھ کیا۔ پھر زندہ نہ کر سکیگا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ

ایسے ہزاروں لوگوں کے حال پر غور کرو۔ جو موت کے خوف سے گھروں سے بھاگ نکلتے ہیں۔ لیکن اللہ کے حکم سے مرتے ہیں۔ اور اللہ انہیں نیا جنم دیتا ہے۔ بقرہ - ۲۴۳

۴۱ پنر جنم کا مدعا۔ ثمرۂ اعمال

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝ اعراف - ۱۶۶

جب وہ ممنوعہ کام میں حد سے بڑھ گئے۔ تو ہم نے ان کو حکم دیا۔ کہ ذلیل و خوار بندر بنجاؤ۔

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

سب کی منزل مقصود وہی ہے۔ اس کا قول سچا ہے۔ وہی پہلے خلقت کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہی ان کو پھر زندگی دیگا۔ تاکہ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے لوگ انصاف کے ساتھ بدلہ پا سکیں۔ یونس - ۴

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ ۴۳

وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ مائدہ — ۶۰

(ان لوگوں سے) کہو کیا میں بتاؤں۔ کہ خدا کے نزدیک کون بدتر بدلہ پانے کے حقدار ہیں۔ سو یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی۔ اور اپنا غضب نازل کیا۔ اور بعض کو بندر اور سوٴر بنا دیا۔ انہوں نے شیطان کی پرستش کی۔ اس لیئے یہ درجے میں بدتر ٹھہرے اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے

۴۲۔ منکران تناسخ کی مذمت از روئے قرآن

اور بھی بہت سی آیات میں پنر جنم کا اقبال ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ قابل غور یہ امر ہے۔ کہ قرآن منکران تناسخ کو بڑی طرح جھاڑتا اور ان کی مذمت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے لیئے وہ تمام برے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جو غیر مسلموں کے لیئے ہیں۔ چنانچہ ایک آیت میں کہا ہے۔ کہ

کافر کہتے ہیں۔ کہ جو یہ ہماری موجودہ زندگی ہے۔ اس کے علاوہ اور زندگی نہیں۔ اور یہ غلط ہے۔ کہ ہم مرے پیچھے پھر زندہ کئے جائیں گے"۔

ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن سچے مسلمانوں سے پنر جنم کا انکار منسوب ہی نہیں کرتا۔ وہ اس کے منکروں کے لیئے کافر کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ رعد۔ ۵

اگر عجیب بات جاننا چاہو۔ تو کافروں کے اس کہنے کو عجیب سمجھو۔ کہ کیا ہم کو مٹی میں مل جانے یا گل سڑ جانے کے بعد نیا جنم ملیگا۔ یہی لوگ ہیں۔ جو اپنے مالک کی قدرت کے منکر ہیں۔ اور ان ہی کی گردنوں میں آخر کو طوق پڑیں گے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

اور یہ منکر خدا کی بڑی قسمیں کھاتے ہیں۔ کہ جو مر جاتا ہے۔ خدا اسے زندہ نہیں کریگا۔ لیکن نہیں خدا کا قول سچا ہے۔ خواہ اکثر لوگوں کو اس کا علم نہ ہو۔ النحل۔ ۳۸

اس آیت سے پہلے منکر منافق کافر گمراہ کاذب وغیرہ لوگوں کا ذکر ہے۔ اور ان ہی سے پنر جنم کے خلاف قسمیں کھانے کا عمل منسوب کیا گیا ہے۔

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ھود۔ ۷

اور اگر تم کہو۔ کہ مرے پیچھے تم زندہ کئے جاؤ گے۔ تو منکر لوگ ضرور یہی کہیں گے۔ یہ تو بس صریح جادو ہے۔ پس کسی سچے مسلمان یا معتقد رسول و قرآن کو پنر جنم سے انکار نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مسلمان تو کیا کافر کے انکار تناسخ کو بھی قرآن عجیب غلطی قرار دیتا ہے۔

۴۳۔ پنر جنم کے متعلق قرآنی دلائل

قرآن کیوں انکار تناسخ پر اس قدر تعجب اور مذمت کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے۔ کہ جب اپنی موجودہ زندگی کو سب مانتے ہیں۔ تو پھر جنم ہونے میں شک کیسا کیا قادر مطلق خدا کو پھر پیدا کرنے کے نا اہل ماننا کسی خدا پرست کا کام ہو سکتا ہے۔ مشکل تو پہلی پیدائش کی ہو سکتی

ہے۔ جب وہ ہوئی اور مانی گئی۔ تو آگے تو بالکل آسانی ہی آسانی ہے۔ سورہ مومنون آیت ۸۲ و ۸۳ میں منکروں کی پوزیشن اس طرح بیان کی ہے۔

"کہتے ہیں۔ کہ جب ہم مر جائیں گے۔ اور مٹی ہو جائیں گے۔ اور ہڈیاں اس وقت کیا ہم پھر زندہ کئے جائیں گے۔ (۸۲)
ہم سے اور ہمارے آباو اجداد سے یہ قول تو ہوتا آیا ہے۔ مگر یہ صرف پہلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں (۸۳)"

اس کے بعد آیت ۸۴ تا ۸۹ میں اس کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ اس طرح کہ پہلے منکروں سے یہ سوال کیا گیا ہے۔ کہ کیا تم جانتے ہو۔ کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے۔ کس کا ہے ؟ (۸۴) منکروں کا جواب بتایا ہے۔ اللہ کا۔ اس پر تعجب کیا گیا ہے۔ کہ یہ جانتے و مانتے ہوئے کیا تم اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ کہ وہ پھر زندہ کر سکتا ہے۔ پھر سوال ہے۔ سات آسمانوں کا مالک کون ہے۔ اور عرش عالیشان کا کون ؟

جواب فریق دوم یہ بتایا ہے۔ کہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ اس پر کہا ہے۔ کہ یہ جانتے و مانتے ہوئے بھی اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے۔ یعنی کیوں بلا وجہ پنر جنم سے منکر ہو۔ آیت ۸۸ و ۸۹ میں پوچھا ہے کس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے۔ جو پناہ دیتا ہے جس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ جواب یہ ہے۔ کہ یہ سب صفتیں تو اللہ کی ہی ہیں۔ اس پر منکروں کو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ جانتے و مانتے ہوئے تمہاری عقل اس وقت کہاں جاتی ہے۔ جب پنر جنم کا سوال پیش ہوتا ہے۔

معترز علماء اسلام اگر ذرا بھی غور سے کام لینے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ تو نہیں ماننا پڑے گا۔ کہ یہاں زیر بحث صرف ایک دوسرا جنم نہیں۔ بلکہ مسئلہ آواگون اپنے وسیع معنے میں زیر بحث ہے۔ کیونکہ یہاں پہلے آباؤ اجداد سے جس مسئلہ کو منسوب کیا گیا ہے۔ اور جسے پہلے لوگوں کے ڈھکوسلے کہا ہے۔ وہ سوائے آواگون کے ہو نہیں سکتا۔

سورہ النحل آیت ۳۸ میں یہ واضح کیا گیا تھا۔ کہ لوگوں کو خواہ کسی امر کا علم ہو نہ ہو۔ خدا کا قول اس کے متعلق صحیح ہے۔ اس کا صاف مفہوم یہ ہے۔ کہ چونکہ خدا کا فرمان تناسخ کو برحق بتاتا ہے۔ اس لئے مخالف انسانی علم یا اعتقاد کا اس پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ اس کے علاوہ آیت ۳۹ میں ایک اور دلیل دی ہے۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ۝

پنر جنم اس لئے ضروری ہے۔ کہ جن جن امور میں انسان حق سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کی اصل حقیقت کو وہ صاف دیکھ سکیں۔ اور کافروں کو معلوم ہو جاوے۔ کہ ہم واقعی کاذب تھے۔

یہ ہو بہو وہ دلیل ہے۔ جو ہم شروع میں دے آئے ہیں۔ ایک انسان کسی سچے اصول سے اختلاف رکھتا ہے۔ وہ اس کی اصلیت کو سمجھنے کے واسطے یتن کر رہا ہے۔ کہ اس کی موت ہو جاتی ہے۔ تب کیا اس کے مشن کی تکمیل کا موقعہ اسے نہ دینا خدا کا کام ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں یہی حال تمام نیک خواہشات کا ہے۔ اس کے علاوہ بدعمل والا اگر جنم میں نہ پڑے۔ تو اسے اپنے کفر و کذب کے لئے پچھتانے اور اپنا سدھار کرنے کا موقعہ نہ ملنا اور بھی ظلم ہے۔ اس کے آگے آیت نمبر ۴۰ میں اور دلیل دی ہے۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

جب ہم کسی کام کا ہونا چاہتے ہیں۔ تو ہمارا اتنا کہنا ہی کافی ہوتا ہے۔ کہ ہو اور وہ ہو جاتا ہے۔ کن فیکون پر عام طور پر اعتراض ہوتے ہیں۔ لیکن ہم اپنی تصنیف وید کے سدھانتوں کی دیا پکتا اور اسلام میں جلوہ وید وغیرہ میں واضح

کر چکے ہیں۔ کہ اس کا مطلب محض خدا کے لئے پیدائش وغیرہ کے کام کا آسان ہونا ہے۔ اپنشد میں جو یہ کہا ہے۔ کہ
سوبھاوکی گیان بل کریا چہ یعنی پرمیشور میں سوبھاوک یعنی فطرتاً ہی علم طاقت اور عمل ہے۔ اسے
کسی قسم کے تردد کے بغیر کل نظام عالم کو برقرار رکھنے کا فطرتی خاصہ حاصل ہے۔ اسی مدعا کو قرآن بار بار خدا کے لئے
آسان اور اچھا کے ہونے ہی کام ہو جاتے وغیرہ سے ظاہر کرتا ہے۔ اور یہی پرمیشر کے امر واقعہ ہونے اور جاری
رہنے کی زبردست دلیل ہے۔

اس سے اگلی آیت میں اور بھی بڑھیا دلیل ہے۔
وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ
جن لوگوں نے مظلوم ہو کر اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ ان کو ضرور ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانا ملنا چاہئے۔ گو آخرت کا
اجر بڑا ہے جس کا انہیں علم نہیں۔

ہماری رائے میں یہ دلیل پہلی دلیلوں میں شامل ہے۔ لیکن حضرت صاحب نے اسے صاف طور پر جدا لکھنے میں
کمال کی دور اندیشی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ یہ بات عقلوں کو نہایت زور سے اپیل کرتی ہے۔ کہ جو لوگ راستی کی خاطر دنیوی
رشتوں وغیرہ کی پرواہ نہ کریں۔ اور راستی کی خاطر انہیں فریق مخالف اذیتیں دیوے۔ جس سے انہیں پیارے گھر اور وطن
تک کو خیرباد کہہ کر خانہ بدوش رہنا یا ہجرت کرنی پڑے۔ وہ آخرت کے بڑے اجر کو کچھ بھی نہ سمجھیں۔ انہیں یہ خیال
ضرور ہوتا ہے۔ کہ کاش ہم کہیں آرام کی جگہ میں رہ سکیں۔ انہیں اکثر دکھ سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ او خدا کتنا اندھیر ہے
منکر اور کافر تو اپنے محلوں میں بیٹھے موج اڑا دیں۔ اور ہم خدا کی فرمانبرداری کرنے والے دشت نوردی کریں۔ ایسے
مظلوموں کی خواہش جس مرکز پر جمع ہے۔ اس کے گرد دائرہ کھینچنا لازمی ہے۔ موت اگر روک ثابت ہوتی ہے۔ تو خدا کی
طرف سے نہایت محفوظ مقام پر اور اعلیٰ حالت میں ان کے تمام نقصانوں کی تلافی کرنے والی آئندہ زندگی ملنی چاہیے

۴۴۔ پرمیشر کی منکر اولاد سے خدا کی پناہ

سورۂ احقاف میں مومن باپ اپنے اور اپنے ماں باپ کے متعلق دعا مانگنے اور خدا کی شکر گذاری کے بعد اپنی اولاد کے لئے دعا کرتا ہے

وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ احقاف - ۱۵
اے میرے پروردگار! میری اولاد میں نیک بختی پیدا کر۔ وہ میرے لئے موجب راحت ہو۔ میں آپ کی ہی طرف رجوع
کرتا اور آپ کے ہی فرمانبردار بندوں میں ہوں۔

اس آیت میں نیک بختی یا اِصْلِحْ کا خاص مطلب تناسخ کو ماننا ہے۔ کیونکہ بغیر اس اعتقاد کے خدا۔ اس کے
انصاف۔ اس کے رحم اپنے نیک اعمال سب کے متعلق انسان کا اعتقاد و عمل کچا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ایسی
دعا مانگنے والے کی حوصلہ افزائی کے کلمات کہنے کے بعد آیت میں اس اصل حقیقت کو صاف طور پر بیان کر دیا ہے۔

اور تناسخ کی منکر اولاد کے متعلق والدین کے جذبات کا فاکہ اس طرح کھینچا گیا ہے۔
وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ
وَيْلَكَ اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ښ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝
اور جس نے اپنے والدین کو کہا۔ کہ تم پر تف ہے۔ کیا تم مجھے پتے دیتے ہو۔ کہ میں پھر زندہ کیا جاؤنگا۔ حالانکہ کئی گذشتہ

اُمت کو ہرگز زندہ ہوتے دیکھا نہیں گیا۔ اس پر والدین دہائی دیتے ہیں۔ کہ بہت تیرا جائے ناش! ایمان لا۔ بے شک خدا کا قول سچا ہے۔ وہ اس پر بھی کہتا ہے۔ یہ تو محض پہلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ اس پر اگلی آیت میں انہیں عذاب کے مستحق لوگوں میں شامل بتایا گیا ہے۔

۵۴۔ مختلف قالبوں کا اصول

ویدک دھرمی لوگ آواگون کے اصول کے متعلق یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔ کہ روح کو اپنے اعمال بد کی وجہ سے مختلف قالبوں میں جانا پڑتا ہے۔ ان قالبوں کے لئے کہیں یونی کا لفظ آیا ہے۔ کہیں لوک کا۔ کہیں استھان کا کہیں، دسفا کا۔

असूर्य्या नाम ते लोका अन्धेन तमसा ऽऽ वृता:।

तांस्ते प्रेत्यापि गच्छन्ति ये के चात्म हनोजना :॥ यजु० ४०।३

جو لوگ آتم ہتیا کرتے یعنی علم اور نیک اعمال کی بجائے جہالت اور گناہوں کے دلدادہ ہیں۔ وہ مرنے کے بعد گہری تاریکی کے مجسمہ قالبوں میں داخل ہوتے ہیں۔ جنہیں اسریہ یا پشو وغیرہ کہتے ہیں۔

अन्धन्तम: प्रविशन्ति येऽ संभूति मुपासते।

ततो भूय इवते तमो य उ संभूत्य। १० रता:

جو لوگ غیر معلول مادے کے اپاسک ہیں۔ وہ گہرے اندھیرے (جہالت مجسم) قالبوں کو پاتے ہیں۔ اور جو معلول مادی اشیاء کی عبادت کرتے یا ان میں مستغرق ہیں۔ وہ اور بھی زیادہ تاریک یا تنچ قالبوں میں داخل ہوتے ہیں۔

اسی مدعا کو سورۂ نور میں واضح کیا گیا ہے۔ نمازی اور زکوٰۃ دینے والوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ وہ۔

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝

اس دن سے ڈرتے ہیں۔ جس میں دل اور آنکھیں منقلب ہوں گی۔" اس کے بعد جن لوگوں کی تقدیر کا وید منتر میں ذکر کیا ہے۔ ان کا خاکہ آیت ۳۹، ۴۰ میں کھینچا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ ۳۹

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا ۗ وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ ۝ ۴۰

جو کافر ہیں۔ ان کے اعمال مثل سراب ریگستان کے ہیں۔ جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے۔ مگر جب پاس پہنچتا ہے۔ تو کچھ نہیں پاتا۔ ہاں خدا کو پاتا ہے۔ جو اس کا حساب اسے پورا پورا دیتا ہے۔ کیونکہ خدا کے ہاں نقد حساب ہے۔ ۳۹۔ یا یوں سمجھو کہ گہرے سمندر میں اندھیرے ہیں ان کے اوپر لہر۔ اس پر اور لہر۔ اس پہ بادل کی تاریکی جو اوپر کے اور بادلوں سے ڈھک رہی ہے۔ گویا ہاتھ پسارا دیکھا نہ جائے۔ بے شک جسے اللہ روشنی نہ دے۔ اسے کہیں سے روشنی نہیں مل سکتی۔

ویدک دھرم میں مانا جاتا ہے۔ کہ جیسے دنیا میں اہل علم کے درجے ہیں۔ ایک سے ایک بڑھیا عالم ہے۔ اور جیسے حالت نجات میں بھی گیان کے ایک دوسرے سے بڑھ کر مدارج ہیں۔ جس روح کو جتنا زیادہ گیان ہے۔ اتنا ہی زیادہ

اُسے آنند حاصل ہوتا ہے۔ ایسے ہی جہالت کے درجوں کا بھی ٹھکانا نہیں۔ انسان بھی بڑھ چڑھ کر جاہل ہیں۔ اور ان سے بھی زیادہ جہالت والے مختلف قالب حیوانی ہیں۔ حتیٰ کہ انتہائی جہالت کے مجسمہ درختوں کے قالب ہیں۔ اسی کے مقابلہ پر کافروں کے لئے جو سراب عالم پر عمر برباد کر جاتے ہیں۔ درجہ بدرجہ تاریکیوں والی قالبوں کو تہ در تہ اندھیروں کی مثال سے بیان کیا ہے۔ ویدک دہریوں کے بھوساگر کے لفظ کی جگہ یہاں سمندر کو لے کر تاریکی در تاریکی کا خیال ظاہر کیا ہے۔ اسی سورت کی آیت نمبر ۴۴ میں يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ دن رات کے چکر سے جنم مرن کو صدہا اور چکھوں کی طرح تشبیہ دی ہے۔ اور آیت نمبر ۴۵ میں مختلف قالبوں کا خیال دلایا ہے۔ کوئی پیٹ پر چلنے والا۔ کوئی دو پاؤں والا کوئی چار پاؤں والا۔ یہاں یہ امر بھی قابل نوٹ ہے۔ کہ قرآن میں جو الفاظ قلب کے مشتقات ہیں سب کے اندر قالبوں کی ہیر پھیری کا مفہوم ہے۔ الشعراء کی آخری آیت میں یہ الفاظ ہیں۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ وگنہگار لوگ جان لیں گے۔ کہ کس کس قالب میں وہ پھر پھر کر جاتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سی آیتوں سے مضمون زیر بحث کی شہادت ملتی ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۔ طٰہٰ ۱۲۴

اور جو کوئی میری عبادت سے منہ پھیرے گا۔ اس کے لئے تنگی کی زندگی ہوگی۔ اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

عبادت یا تعمیل ارشادات الٰہی سے منہ پھیرنے والوں کو تنگی کی زندگی ملنا اور نیز ان کا اندھا پیدا ہونا صریح طور پر آواگون کی مختلف قالبوں کا ہی اصول ہے۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۝ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ النمل ۸۳

اور جب قول (موت کا آنا) ان پر واقع ہو جائے گا۔ ہم ان کے لئے زمین سے جانور نکالیں گے۔ جو ان میں (زبان حال سے) یہ دیکھ کہیگا۔ کہ ہماری ہدایات پر یہ لوگ یقین نہ کرتے تھے۔ ۸۲۔ اور جس دن ہر قسم کی یونی میں ہماری ہدایتوں کی تکذیب کرنے والے گروہ در گروہ پیدا ہوں گے۔ وہ گناہ سے رک جائیں گے۔ ۸۳۔ اگرچہ دیگر تفاسیر میں ترجمہ ہم سے مختلف ہے۔ تاہم موقعہ و محل یا ماقبل اور مابعد اور نیز معقولیت کے لحاظ سے سوائے اس کے کوئی مفہوم اس کا لیا ہی نہیں جا سکتا۔ کہ نافرمان لوگ دوسرے ادنیٰ قالبوں میں جائینگے۔ مدعا یہ کہ جن قوا کو برا استعمال کرنے کا عادی روح ہو چکا ہے۔ وہ خاص قواء نہ ملنے سے وہ گناہ نہ کر سکے۔ اور سدھر جاوے۔ اسی کو قرآن رک جانا کہتا ہے۔ ادنیٰ قالبیں واقعی اس امر کو واضح کرتی ہیں۔ کہ ہدایات الٰہی سے انحراف ہوا تھا۔ اگلی آیات میں یہ ہی ذکر ہے۔ کہ وہ بات نہ کریں گے۔ چونکہ نطق کا تعلق بھی ادنیٰ قالبوں میں نہیں رہتا۔ اس لئے ویدک سدھانت سے پوری مطابقت ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ فرقان ۳۴

جن لوگوں کی تقدیر میں مونہہ کے بل دوزخ کی طرف جانا ہے۔ وہ گمراہ برے یا دکھدائی قالبوں میں جائیں گے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

یہی وہ لوگ ہیں۔ جو منکر جنوں اور انسانوں کے سابقہ گروہوں کے ساتھ ہی وعدہ عذاب کے مستحق ٹھہرائے گئے ہیں۔ یقیناً یہ زیاں کار ہی تھے۔ احقاف ۱۹

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ۲۰

اور اپنے اپنے عمل کے مطابق سب کے اچھے یا بُرے درجے ہوں گے۔ تاکہ خدا ان لوگوں کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور کسی طرح کی بے انصافی نہ ہو چونکہ اعمال میں بہت فرق ہیں۔ اس لئے ان کا پھل دینے کے لئے بھی بہت قسم کے قالبوں کا ہونا ضروری ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝

اور یوں دعا مانگا کر کہ اے میرے پروردگار! مجھے اچھے قالب میں داخل فرمائیگا۔ اور اچھے ہی قالب سے نکالیے گا۔ اور اپنے ہاں سے مجھے موت و دشمنوں پر کامیابی و فتح دیجئے گا۔ بنی اسرائیل - ۸

اکثر فاضل مترجمین قرآن اس آیت کا تعلق مکہ کے چھوڑنے اور مدینہ میں داخل ہونے اور بطور ایک مظفر و منصور کے مکہ میں آنے سے جوڑتے ہیں۔ لیکن (۱) رسول صاحب ہر کہیں عالمگیر تعلیم پیش کرنا چاہتے ہیں۔ شخصی یا ذاتی حالات یا تاریخ پیش کرنا نہیں چاہتے (۲) رسول صاحب حدیثوں سے واسطہ رکھنا نہ چاہتے تھے۔ اور وہ اس طریق سے منع بھی کرتے تھے۔ چونکہ قرآن کو حدیثوں کے تابع کرنا یا ان کا محتاج بنانا قرآن اور رسول کی توہین ہے۔ اس لئے ترجمہ پر ہجرت کی حدیث کو حاوی کرنا مناسب نہیں۔ ۳۔ یہ دعا ہر شخص کی طرف سے پڑھنے کے لئے ہوسکتی ہے اور ہر شخص کو نہ مکہ چھوڑنا نہ مدینہ جانا۔ پس دعا کے مدعا کو فوت کرنا چہ معنی؟ ۴۔ ہجرت سے تعلق زیادہ تعداد کا ہے دعا کا تعلق انفرادی ہے۔ ۵۔ مدخل اور مخرج کے دو لفظ یہاں قالب کے بغیر اور معنی رکھ ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ روح قالب میں ہی داخل ہونا اور قالب سے ہی نکلنا ہے۔ اگر مکہ اور مدینہ سے مراد لی جائے گی، تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ جیسے ناموافق حالات پیدا ہوتے سے مکہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ ویسے ہی حالات مدینہ میں پیدا ہونے اور وہاں سے نکالے جانے کی دُعا مانگی جا رہی ہے۔ اور یہ سراسر محال عقلی ہے۔ ۶۔ ایک سچے خدا پرست کی دُعا سب سے بڑھیا یہی ہوسکتی ہے۔ کہ جب روح اس جسم کے مخرج سے نکلے۔ آرام سے نکلے۔ نہ اسے جسمانی تکلیف محسوس ہو۔ نہ موت کا اس کو رنج ہو۔ یعنی وہ نفس پر حکمران کی طرح کوڑا رکھ سکے۔ اور موت پر فتح پا سکے۔ (۷) یہی مدعا آیات ماقبل کے مطابق ہے۔ چنانچہ آیت نمبر ۷۸ و ۷۹ میں عبادت وغیرہ کی ہدایت ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ ۷۸
وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ۷۹

آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کرو۔ اور صبح کی قرآن یعنی سوادھیائے کا فرض بھی ادا کرو۔ کیونکہ صبح کے سوادھیائے کا وقت نور ظہور کا وقت ہے۔ (۷۸) اور کچھ رات رہی میں تہجد پڑھا کرو۔ یہ تمہاری نفل ہے۔ عجب نہیں کہ اس طرح تمہارا رب تمہیں مقام محمود پہنچا دے ۔ ۷۹۔

چونکہ یہاں صاف الفاظ میں نماز یا عبادت اور مطالعہ پر غور و فکر کی ہدایت ہے۔ اور آخر میں مقام محمود یعنی اعلیٰ درجہ یا نجات پر پہنچنے کی خوشخبری ہے۔ اس لئے اس سے اگلی آیت میں مدخل و مخرج کا لفظ قالب یا درجہ وغیرہ کے سوا اور مطلب نہیں رکھ سکتا۔ مابعد کی یعنی ۸۱ - ۸۲ کی آیات بھی ہمارے دعوے کی ہی تائید کرتی ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

وَقُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ ۸۱
وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۸۲

کہدو کہ حق آیا اور باطل گیا۔ اور باطل تو ہے ہی نشٹ ہونے کے لئے ۸۱۔ اور ہم قرآن میں ایسی ایسی باتیں نازل کرتے ہیں۔ جو اہلِ ایمان کے لئے روحانی شفاء اور موجب رحمت ہیں۔ ۸۲۔ پس یہ سارا بیان اصولی اور اعلیٰ درجہ یا نجات کے لئے عبادتِ الٰہی کی ہدایت دینے کو ہے۔ اور جھوٹ یا گناہ یا دکھ سے بچنے کو۔

اس کے علاوہ دفعہ ۶ میں اعراف۔ ۱۶۷ کے حوالہ سے نافرمانوں کو بندر کا قالب ملنے کا بیان پہلے آچکا ہے۔ اور مائدہ ۶۰ کے حوالہ سے بندر اور سوٗر کے قالبوں کا بیان بھی اسی دفعہ میں آچکا ہے۔ سورۂ واقعہ میں مرنے پرنئی اور مختلف شکلوں میں جنم ہونے کا بھی علم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہوگا۔

۴۷۔ پُنر جنم پر پُر زور دہا کھیان

یوں تو قرآن شروع سے اخیر تک پنر جنم کے اصول کی صداقت کو واضح کرتا ہے۔ مگر سورۂ واقعہ میں اور بھی نفیس طریق پر پُر زور دہا کھیان موجود ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ٥
نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۔ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥

اب بھی ہم نے ہی تم کو پیدا کیا ہے۔ تب تم پھر پیدا کئے جانے کو سچ کیوں نہیں سمجھتے۔ سوچو تو سہی۔ کہ منی جو تم ڈالتے ہو۔ کیا اس کو تم نے پیدا کیا ہے۔ یا ہم اس کے خالق ہیں۔ یقیناً ہم نے تم لوگوں میں موت مقرر کی ہے۔ اور ہم اس سے عاجز نہیں۔ کہ تمہاری شکلیں بدل دیں۔ اور ایسی شکلوں میں تمہیں پھر پیدا کریں۔ جو تم نہیں جانتے۔ واقعہ ۵۷ تا ۶۱۔

یہاں صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ قیامت کے دن قبروں سے مردوں کا جی اٹھنا۔ دوسری زندگی کا صحیح مفہوم نہیں۔ بلکہ آواگون کا اصول ہی مد نظر ہے۔ کیونکہ موجودہ شکل سے غیر شکلوں میں پیدا ہونا محض آواگون سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ نہ صرف یہ جو لوگ کہتے ہیں۔ ماں اور باپ کے میل سے اولاد ہو سکتی ہے۔ اس سے خدا کا کیا تعلق۔ ان کے بھی کان کھول دیئے گئے ہیں۔ کہ ویریہ در رج جو پیدائش کا موجب ہے۔ وہ کوئی باپ یا ماں بنا تو دکھائے۔ پس وہ سچا خالق اس امر پر بخوبی قادر ہے۔ کہ مختلف قالبوں میں روح کو داخل کرے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ٥ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ
الزّٰرِعُوْنَ ٥ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ٥ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ٥ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ٥

اور جب تم کو پہلی پیدائش کا اقبال ہے۔ تب پنر جنم کو کیوں نہیں مانتے ۶۲۔ بھلا دیکھو۔ تو سہی۔ کہ تم لوگ جو کھیتی کرتے ہو۔ ۶۳۔ اس کو تم اگاتے ہو۔ یا ہم اگاتے ہیں۔ ۶۴۔ ہم چاہیں۔ تو اسے چورا چورا کر دیں۔ اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔ ۶۵۔ کہ ہم پر تو چٹی پڑ گئی۔ ۶۶۔ بلکہ ہمارے نصیب پھوٹ گئے۔ ۶۷۔

یہاں اور بھی صاف طور پر بتایا ہے۔ کہ پیدائش کا کام صرف خدا کا ہے۔ انسان کو اس میں درک نہیں۔ اس لئے پنر جنم کے متعلق شک کرنے کا اسے حق نہیں۔

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۶۸ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۶۹۔ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ
اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۷۰۔ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۷۱۔ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۷۲
نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۷۳۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۷۴

ایسے ہی جو پانی تم پیتے ہو۔ ۶۸۔ کیا بادل سے اس کو تم برساتے ہو۔ یا ہم برساتے ہیں۔ ۶۹۔ ہم چاہیں۔ تو اس کو ایسا

کھاری کر دیں۔ کہ زبان پر بھی نہ رکھ سکو۔ پس تم کیوں شکر نہیں کرتے۔ ایسے ہی ذرا سوچو۔ تو کہ آگ جو تم سلگاتے ہو۔ ۷۱۔ اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے۔ یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ۷۲۔ ہم نے اسے یاد الٰہی اور تمام قوتوں والی پونجی کے طور پر پیدا کیا ہے۔ ۷۳۔ پس اس پُر جلال رب کے نام کی تسبیح و تقدیس کیا کرو۔

ان۔ پانی۔ آگ سب کا پیدا کنندہ اور محافظ خدا کو بتا کر پوچھا یہ گیا ہے۔ کہ جب تمام پیدائش کا چکر ہے۔ بیج سے ان اور ان سے بیج ہوتا ہے۔ بادل سے جل اور جل سے بادل بنتا رہتا ہے۔ تو انسانی جسم کے چکر سے انکار کیسا؟

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۷۵۔ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۷۶۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۷۷۔ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۷۸۔ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۷۹۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۸۰۔ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۸۱۔ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۸۲۔ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۸۳۔ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۸۴۔

پھر ہم ستاروں کے مقام کی تقسیم کرتے ہیں۔ اور سمجھو۔ تو یہ بڑی تقسیم ہے۔ یہ قرآن کریم ہے۔ جو اس کتاب میں نہاں ہے جس کو سوائے پاک لوگوں کے کوئی چھو نہیں سکتا۔ وہ پروردگار عالم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ کیا تم اس کی اس (پنر جنم کی) حدیث سے انکار کرتے ہو۔ کیا تم نے اسے جھٹلانے میں ہی اپنی کمائی سمجھ رکھی ہے۔ پس ہو گا کیا۔ اسی حال میں پران گلے میں آجائیں گے۔ اور تم بمصداق ٹک ٹک دیدم دم نکشیدم۔ کچھ نہ کر سکو گے۔

آہ! کس خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات سے متحرک ہو کر اور کس بچے اور معقول جوش کے ساتھ پنر جنم کے اصول کو دلوں پر نقش کرنے کی کوشش جا رہی ہے۔ ان۔ آگ۔ پانی و زمین سے ہٹا کر اب نظام شمسی یا برہمانڈ کی طرف انسان کی توجہ دلا کر کہا گیا ہے۔ کہ یہ نظارہ عجیب و غریب ہے۔ اس کا پیدا کرنے والا خدا ہے۔ اور یہ دیو لوک کی ضخیم کھلی کتاب ہر منکر کو جو نیک نیت ہے۔ ایشور کے پھر پیدا کرنے پر پورا قادر ہونے کا یقین دلاتی ہے۔ اس دیو لوک کا پورا حال آغاز عالم سے نازل شدہ محفوظ علمی کتاب وید میں ہے۔ یعنی اس کتاب میں جس کے معنی محض روحانی پاکیزگی حاصل کئے ہوئے رشی منی یوگی پورش سمجھ سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر زیر بحث حدیث یعنی پنر جنم کے پیغام کو اس کتاب کا پیغام بتایا۔ اور بجا طور پر بار عب اپدیش دیا گیا ہے۔ کہ اس پاک کتاب کے بیان پر ایمان نہ لا کر مرنا ذلیل موت مرنا ہے۔ فی الحقیقت قرآن کی ان آیات کا مفہوم یہ ہے۔ کہ بغیر پنر جنم کو مانے انسان اس زندگی میں سچے معنوں میں نیک اعمال کی طرف راغب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ چارواک کا یہ اعتقاد اس امر کا گواہ ہے۔

यावज्जीवं सुखं जीवे ऋणं कृत्वा घृतं पिबेत् ।

भस्मी भूतस्य देहस्य पुनरागमनं कुत : ॥

جب تک زندہ رہے۔ تب تک سکھ سے زندگی بسر کرے۔ قرضہ لے کر گھی پیئے۔ یہ جسم راکھ ہو جاتا ہے۔ پھر کس نے آنا اور کون دینے کا ہے۔ گویا پرلوک یا پنر جنم کا اعتقاد بالکل نہ رہے۔ تو دنیا میں بد اعمالی ہی بد اعمالی بڑھ جاوے۔

۴۷۔ حضرت ابراہیم کا پنر جنم کے متعلق اطمینان

دلائل وغیرہ کے علاوہ قرآن بڑے بڑے اعلیٰ درشٹانتوں سے پنر جنم کے متعلق شکوک کو دور کرتا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقر میں ہی حضرت ابراہیم کے متعلق ایک عجیب قصہ بیان ہوا۔ مترجم و مفسر صاحبان اس کی صحیح عظمت کا احساس نہیں کر سکے۔ اس لئے غیر معقول تاویلات سے حضرت صاحب کا اصل مطلب ہی فوت ہو گیا ہے۔ تاہم کوئی بھی نیک نیت عالم اصل الفاظ قرآن

پر جب بھی غور کرے فضل الٰہی سے اس پر اصل راز جیوں کا تیوں منکشف ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو آیت نمبر ۲۶۰
وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

حضرت ابراہیم نے خدا سے درخواست کی۔ کہ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھا۔ کہ تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ خدا نے فرمایا۔ کیا تجھ کو یقین نہیں۔ بولا ہے تو سہی۔ پر چاہتا ہوں۔ کہ دل کو پورا پورا اطمینان ہو جائے۔ فرمایا۔ کہ چار پرندے کر اپنی طرف ملاؤ۔ پھر ان میں سے ایک ایک کر کے الگ الگ پہاڑ پر بٹھا دو۔ اور ان کو بلاؤ۔ تمہاری طرف دوڑے چلے آئیں گے۔

کئی ترجموں میں لکھا ہے۔ کہ ان پرندوں کی بوٹی بوٹی کر کے اس میں سے ایک ایک ٹکڑا پہاڑ پر رکھا۔ تفسیر کبیر مولانا فخر الدین صاحب رازی کی تفسیر کا ترجمہ ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ "اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا۔ کہ تم چار پرندے لاؤ۔ اور ان کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اور ان میں کا کچھ کچھ حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھ آؤ۔ پھر اپنے قیام پر پہنچ کر ان کو بلاؤ۔ سو ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ اور جب ان کو بلایا۔ تو ہر پہاڑ سے اس کا حصہ ان کی طرف دوڑا اور راستے ہی میں ہوا میں ملے جلے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنے حصوں میں آن ملے۔ جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھے۔ اور سب کے سب یعنی چاروں زندہ ہو گئے۔ واللہ اعلم کہتے ہیں۔ کہ یہ چار پرند مور۔ گدھ۔ کوّا اور مرغا تھے" صفحہ ۱۴۹

بعض مترجم ٹکڑا ٹکڑا کی بجائے قیمہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ایسا کوئی بیان نہ معقول ہے۔ نہ ممکن الوقوع نہ قابل تسلیم۔ (اور حسب قول راقم حمایل التفسیر نہ الفاظ قرآنی سے ثابت ہے۔ نہ کسی حدیث اور نہ کسی اور معتبر سند سے آپ کہتے ہیں۔ اگر قیمہ سے زندہ جانور کر کے دکھانا تھا۔ تو چار پرندوں اور ان کے بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام تو خالص کرشمہ نمائی کا تھا۔ (جیسا کہ اکثر مداری دکھاتے ہیں۔)

دیگر تفاسیر پر مخالفانہ رائے زنی کر کے راقم صاحب اصل مطلب آیت زیر بحث کا ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ کہ خدا ابراہیم کو فرماتا ہے۔ کہ پرندوں کے تیرے پاس آنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ جن پرندوں کو تو نے تھوڑی سی مدت پرورش کیا۔ ان میں ایسی کشش تیرے ساتھ ہو گئی۔ کہ تو نے دُور دُور پہاڑوں پر ان کو بٹھلا دیا۔ اور وہ بلانے سے دوڑے چلے آئے۔ اسی طرح تمام ذرّات اور ارواح عالم جو ہمیشہ سے خداوند عالم کی ربوبیت میں پرورش پا رہے ہیں۔ ان کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جائیں گے۔"

ہم اس تاویل میں خاص صداقت اور زور سمجھتے ہیں۔ اور یہ معقول بھی ہے۔ دیگر مترجم صاحبان جزو لفظ کی وجہ سے دھوکا کھا رہے ہیں۔ اور قیمہ یا ٹکڑے ٹکڑے کے الفاظ جزو لفظ کے لئے ہی رکھے گئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت چار پرندے چار جگہ رکھے جانے سے ہر ایک کُل چار کا جزو مانا جا رہا ہے۔ اور چونکہ کاٹنے وغیرہ کا کوئی لفظ اصل آیت میں ہے نہیں۔ ساتھ ہی پہاڑ پر رکھ کر جو بلانے کا حکم ہے۔ وہ سوائے زندہ پرندوں کے کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ اصل مدعا یعنی مترجم پر اس آیت کو معقولیت سے چسپاں کرنے کے لئے بھی ایک طرف انسان اور پرندوں اور دوسری طرف خدا اور رُوح و مادہ کی باہمی کشش و تعلق کا لازمی تعلق ہے۔ پس یہ تاویل معقول اور پُر مطلب ہے مگر باوجود اس کے ہماری رائے میں مصنف قرآن کے اصل مدعا کو یہ تاویل پورا پورا ادا نہیں کرتی۔ مترجم کے متعلق دیگر

سدھانت یہ ہے۔ کہ آتما اور مادی ذرّات سے بنے ہوئے جسم کا میل ہونا جنم یا پیدائش ہے۔ اور رُوح کا جسم سے علیحدہ ہونا موت ہے۔ اسے سنسکرت ساہتیہ میں یُوں کہا ہے۔ کہ سنیوگ جنم ہے۔ اور ویوگ مرن۔ مادی ذرّات جن سے جسم بنتاہے چار قسم کے ہیں۔ آگ۔ ہوا۔ پانی اور مٹی۔ انہی کو اربعہ عناصر کہا جاتا ہے۔ اور ان ہی کو مدّنظر رکھ کر چار پرندے کا لفظ تجویز کیا گیا ہے۔ ایک وقت میں ابراہیم کو پرندوں کو اپنی طرف ملانے یعنی انہیں پالنے کا حکم ہے جس کا مفہوم ہے۔ کہ پرندوں اور ابراہیم میں کشش کا قایم کرنا مقدم ہے۔ دوسرے وقت میں حسب الحکم خداوہ ابراہیم سے الگ کرکے جُدا جُدا مقاموں پر رکھے جاتے ہیں۔ یہ دو حالتیں سنیوگ اور ویوگ یعنی زندگی اور موت کی ہیں۔ ابراہیم نامی رُوح چار پرند نامی عناصر کے جسم سے اور وہ عناصر باہم پہلے ملتے اور پھر جُدا ہوتے ہیں۔ اب وہ اصل بات آتی ہے جس کے لئے یہ سارا قصّہ بیان ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ تیسری حالت میں ابراہیم انہیں بلاتا ہے۔ اور وہ پرند اس سے مانوس ہونے کی وجہ سے اس کی طرف آ ملتے ہیں۔ گویا حضرت صاحب نے نہائیت صاف اور معقول اور کامل طور پر قرآن میں پُنر جنم کے متعلق بڑے سے بڑے شک کا ازالہ کر دیا ہے۔ اور سمجھا دیا ہے۔ کہ پُنر جنم روز کے عام مشاہدات اور تجربات سے بالکل عیاں ہے۔ اور جیسے دُنیا میں کسی قسم کے وصل کے بعد جُدائی اور جدائی کے بعد وصل ہوتے ہیں۔ ویسے ہی موت کے بعد زندگی ہوتی رہتی ہے۔ اور روح کے اندر مادہ کا پریم پُنر جنم کا محرک ہے۔

۴۸۔ پُنر جنم کے متعلق شکوک کا ازالہ

۲۵۸ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

کیا تم نے اس شخص کا خیال نہیں کیا۔ جو خدا سے سلطنت ملنے پر مارے شیخی کے ابراہیم کے ساتھ خدا کے بارے میں جھگڑا ابراہیم نے کہا۔ میرا خدا وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس نے کہا۔ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا۔ اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تو مغرب سے نکال دکھا۔ اس پر وہ ہکّا بکّا رہ گیا۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہدائیت نہیں دیتا۔

یہاں یہ جتایا ہے۔ کہ جو انسان دولت عزت اور مرتبہ پا کر مغرور ہو جاتے ہیں۔ وہ سچائی کے متعلق اٹّ سٹّ باتیں کہنے لگتے ہیں۔ اگر زندہ کرنا اور مارنا اللہ سے منسوب ہو تو وہ حماقت سے کہتے ہیں۔ کیا ہم جو لوگوں کی جان بخشتے اور انہیں مار سکتے ہیں خدا سے کم ہیں۔ اس میں ہم سے زیادہ خصوصیت کیا ہے۔ ان کو اگر یہ کہا جاوے کہ اللہ جس طرح پیدائش کرتا ہے۔ یعنی رحم مادر و نطفہ پدر کے ذریعہ۔ تم کسی اور طرح پیدا تو کر دکھاؤ۔ پس جب انسان کسی اور طرح پیدائش نہیں کر سکتا۔ تو خدا کے جنم اور مرن کے عمل پر اس کی حجت بازی فضول ہے۔

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ

کیا اس شخص کا خیال کیا جو ایک اُجڑی بستی کے پاس سے گذرا جس کی چھتیں گری پڑی تھیں۔ اسے خیال گذرا۔ کہ اللہ اس اُجڑے دیار کو کیسے آباد کرے گا۔ اس پر اللہ نے اس پر سو سال کی موت طاری کی۔ اور پھر اسے زندہ کر کے کہا۔ کتنی مدت مردہ رہے ہو؟۔ وہ بولا کوئی دن بھر یا کم رہا ہوں گا۔ فرمایا نہیں۔ تم تو سو برس رہے۔ اب اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھو۔ کوئی بُسی یا پرانی نہیں۔ سب تر و تازہ ہیں۔ ایسے ہی اپنے گدھے کی طرف دیکھو۔ اور لوگوں کے لئے نشان ہدایت بنو۔ اور ہڈیوں کی طرف غور کرو ہم کس طرح انہیں بناتے اور ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پس جب اس پر حقیقت کھلی۔ بول اٹھا میں جان گیا۔ کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اکثر مفسرین اس آیت کا تعلق حضرت نحمیا یا حزقیل علیہ السلام سے جوڑتے ہیں۔ بخت نصر نے ۵۸۶ قبل مسیح میں بیت المقدس کو فتح کر کے مسجد کو جلا دیا۔ اور شہر کو ویران کر دیا تھا۔ ۴۴۵ قبل مسیح میں نحمیا نبی کو یہ نظارہ دیکھ کر افسوس ہوا۔ اس وقت ان کو خدا نے کشفی طور پر سو سال کی موت دی۔ اور ان کو مایوسی سے بچایا۔ بعد میں ارتخششتا کے بادشاہ نے بیت المقدس کی تعمیر کی اجازت دی۔ اس قصہ کا تفصیلی حال اور مفسرین کی حاشیہ آرائیاں نہایت طویل ہیں۔ اور بغیر ان پر مدلل و باثبوت بحث کئے انہیں توہمات باطلہ کی اشاعت کا موجب ہونے سے روکنا ناممکن سا ہے۔ اس لئے ہم محض یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ رسول صاحب کا مدعا یہاں خانہ کعبہ سے ہے۔ نہ کسی نبی سے۔ وہ تو محض پُنر جنم کی صداقت کے لئے اسے پیش کرتے ہیں۔ اور یہ جتاتے ہیں۔ کہ اب جن چیزوں کو جس حالت میں دیکھا جاتا ہے۔ سو سال بعد دیکھو۔ تو اسی حالت میں وہ چیزیں ملتی ہیں۔ سبزی۔ دودھ آٹا اناج جو اب ہے۔ سو سال پہلے بھی تھا۔ گدھا۔ گھوڑا جو اب ملتے ہیں۔ سو سال بعد بھی اسی حالت میں مل سکتے ہیں۔ چونکہ ان ہی چیزوں کا سو سال قائم رہنا اور ان کی حالت نہ بدلنا ناممکن ہے۔ اس لئے سو سال بعد ان کا تر و تازہ یا جوان اور کام کے قابل ملنا ان کے ناش ہوتے اور بنتا رہنے یا مرتے اور پیدا ہوتے رہنے کی دلیل ہے۔ یہی رہسیہ سبزی وغیرہ میں ہے۔ یہی گدھے وغیرہ میں اور یہی بستی وغیرہ میں۔ بربادی اور آبادی کا سلسلہ جاری ہی رہتا ہے۔ ایک دن یا اس سے کم کا مطلب یہاں در حقیقت کشن ماتر ہے۔ کہ جیسے ایک آن کی آن میں چیزیں جیوں کی تیوں دکھائی دیتی ہیں۔ ویسی ہی سو سال کے بعد بھی اسی طرح مل سکتی ہیں۔ محض پُنر جنم کی برکت سے نئے نئے پنجر بنتے ہیں۔ ہڈیاں ظاہر ہیں۔ ان پر گوشت چڑھا جاتا ہے۔ اور کارخانہ پیدائش جاری رہتا ہے۔ ہندی شاعر کہتا ہے۔ ہڈیوں کے پنجر نے تبل۔ اکت لگائے تیل۔ تو چا کا چڑھائے پردہ چام دہر مڑھی ہے۔

۴۹۔ مکتی یا نجات والا پُنر جنم

جسم کی موت اور پیدائش کا چھوٹا چکر ہے۔ اور کل عالم کی پیدائش اور فنا کا بہت بڑا چکر ہے۔ اور روح کی مکتی اور بندھن کا چکر اور بھی بڑا ہے۔ وید میں پہلے چکر کی سو سال دوسرے کی چار ارب بتیس کروڑ سال اور تیسرے کی ۳۶ نیل دس کھرب ۴۰ ارب سال عمر بتائی ہے۔ چونکہ اتنا لمبا عرصہ جنم نہیں ہوتا۔ اس لئے عام بول چال میں نجات نام جنم مرن سے چھوٹ جانے کا ہے۔ اب پُنر جنم کی بحث ختم ہونے کے بعد یہ اعتراض ہوگا۔ کہ دنیا بار بار پیدا ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت قرآن میں کہاں ہے۔ سو ہم سورہ قدر کی آیات اور جگہ پیش کر آئے ہیں۔ کہ برہم راتری یا لیلۃ القدر میں جملہ اشیاء اور ارواح برہم میں لین ہونے اور آغاز پیدائش ہونے پر نکلتے ہیں۔ اب سوال ہوگا کہ وہ مکتی جس میں جسمانی پیدائش نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں کہاں

ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ اس کے لئے سورۃ صافات موجود ہے۔

مہرشی دیانند ستیارتھ پرکاش سملاس ۹ میں مکتی کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "مکت جیو بے انتہا ہر جگہ موجود برہم کے اندر اپنی خوشی کے موافق چلتا پھرتا ہے۔ پاک علم سے تمام کائنات کو دیکھتا ہے۔ دوسرے مکتی پائے ہوؤں کے ساتھ ملتا ہے۔ پیدائش کی حکمت کو ترتیب وار دیکھتا ہوا تمام مختلف دنیاؤں کو دیکھتا ہے۔" اس کے مقابلے پر قرآنی آیات دیکھئے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ۔ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ کَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ۝ یَّقُوْلُ اَئِنَّکَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ کِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَکُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۝ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۔

پھر یہ جنتی یا نجات یافتہ باہم پوچھا پاچھی کرتے ہیں۔ ۵۰۔ ایک کہتا ہے۔ دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا۔ ۵۱۔ جو کہتا تھا کیا تو بھی آواگون کے قابل ہے۔ ۵۲۔ کیا فی الحقیقت ہمیں مر جانے اور مٹی اور ہڈی ہو جانے کے بعد پھر جنم اور کرم کا پھل ملیگا۔ ۵۳۔ وہ کہے گا۔ کیا تم جھانکنا چاہتے ہو۔ ۵۴۔ یہ کہہ کر وہ جھانکتا ہے۔ تو اسے دوزخ کے بیچوں بیچ پاتا ہے ۵۵۔ بول اٹھتا ہے۔ خدا جانتا ہے۔ تو مجھے تباہ ہی کرنے کو تھا۔ ۵۶۔ اور اگر خدا کا فضل نہ ہوتا۔ تو میں بھی ان ہی لوگوں میں ہوتا۔ جو گرفتار ہیں۔ ہم نے جو پہلی بار مرنا تھا مر لیے۔ ۵۸۔ اب آگے نہ ہمیں مرنا نہ دکھ پانا۔ ۵۹۔ بے شک یہ بڑی کامیابی ہے۔ ۶۰۔ چاہیئے۔ کہ ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والے لوگ عمل کریں۔ ۶۱۔

ان آیات میں نجات کی حالت کو خاص طرز بیان سے ادا کیا گیا ہے۔ تو بھی جنتی یا نجات یافتہ روحوں کا باہم ملنا اور پاک علم سے تمام دنیاؤں کو دیکھنا کائنات کی حقیقت کو جاننا سب ظاہر ہے۔ اور سب سے بڑھیا بات یہ کہتا ہے۔ کہ اب ہم پیدائش اور دکھ سے آزاد ہیں۔ پنر جنم و نیک اعمال سے منحرف لوگوں کی طرح گرفتار نہیں۔ پس جب مرنا نہ ہوتے سے پیدا نہ ہونا بھی ہوگا۔ تو مکتی کی تعریف قرآن میں ثابت ہی ہے۔ اور چونکہ اس جنم مرن سے آزاد ہونے کو سب سے بڑی کامیابی کہا گیا ہے۔ اور اس کامیابی کے لئے انسانوں کو عمل کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اس لئے مکتی کے متعلق کل ویدک بیان اجمالی طور پر قرآن میں ثابت ہے۔ یجر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۲۔ "کروونے وییہ کرمانی" میں جو کہا ہے۔ کہ انسان کو نیک عمل کرتے ہوئے ہی سو سال تک جینے کی خواہش کرنی چاہیئے۔ یہی صحیح طریقت ہے۔ جس سے کرم بندھن کا موجب نہیں بنتے۔ بلکہ نجات کا موجب بنتے ہیں۔ اس سب کی ترجمانی قرآن کی مذکورہ بالا آخری آیات میں موجود ہے۔

۵۰۔ علماء اسلام کے لئے خاص حکم

دفعہ ۴۲ والی آیات سورۃ النحل آواگون کے اصول پر اچھی روشنی ڈالتی ہیں۔ اور یہ دلیل بھی مہیا کرتی ہیں۔ کہ راہ حق میں ہجرت کرنے اور تکلیف اٹھانے والے لوگوں کو اچھی پوزیشن ملنا لازمی ہے۔ اور آخرت میں بڑا اجر۔ ان الفاظ سے زندگی کے بعد اچھا قالب یا نجات دونوں کا اشارہ ہے۔ اور بعد کی آیات اور بھی معنی خیز ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور ہم نے تم سے پہلے جو بھی لوگ بھیجے۔ ان پر بھی وحی ہوئی تھی۔ یعنی تناسخ کا اعتقاد ان کے مافی الضمیر میں تھا پس اگر تمہیں علم نہ ہو۔ تو ان اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو جنہیں سچے اصولوں اور کتابوں والا علم ملا ہے۔ اور تیری طرف بھی وہی ذکر نازل کیا گیا ہے۔ تاکہ تو لوگوں پر وہ واضح کردے۔ جو ان پر نازل ہوا تھا۔ اور وہ سوچ سکیں۔ ان الفاظ سے حسب ذیل امور ثابت ہیں۔

اول یہ کہ آواگون کا اصول آغاز عالم سے لے کر رسول صلعم کے بزرگوں تک کے دلوں میں بمنزلہ وحی نقش تھا

دوم یہ کہ علمائے اسلام کو اس کے متعلق جو کچھ سمجھ میں نہ آوے۔ وہ خلوص عقیدت سے قدیم اہل ذکر سے پوچھ لیا کریں۔

سوم یہ کہ اہل ذکر سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جنہیں مسلمات کا علم اور الہامی کتب ملی ہوئی ہیں۔

چہارم یہ کہ رسول صاحب کو بھی پہلے والا ہی ذکر یعنی الہامی علم ملا۔ اس غرض سے کہ وہ لوگوں پر قدیم تعلیم کو ہی واضح کریں۔ اور وہ لوگ غور و فکر کر کے حق کو جان سکیں۔

پس مصنف بیان القرآن صاحب کا یہ فرض ہے۔ کہ اہل ذکر سے رفع شکوک کریں۔ نہ یہ کہ تمام گذشتہ لوگوں یا نبیوں کی طرف دی شدہ بے بدل اصول کی تردید کا مطلب قرآن مجید سے نکالیں۔ جو درحقیقت آغاز والا ہی ذکر ہے۔

۵۱۔ فرقہ ہائے اسلام کی شہادت

آواگون کے حق میں گذشتہ اور حال کے کتنے ہی عالم لوگ اپنی کتب میں دلائل و ثبوت دے چکے ہیں۔ لیکن ہمیں محض خاص مضبوط ثبوتوں یعنی قرآن مجید تک ہی محدود رہنا ہے۔ اس لئے ہم سب سے درگذر کرتے ہیں۔ تاہم یہ شہادت غیر ضروری نہیں ہو سکتی۔ کہ مذاہب الاسلام میں کتنے ہی فرقوں کا اعتقاد تناسخ پر مانا گیا ہے۔ حدثیہ۔ کاملیہ۔ جناحیہ۔ معمریہ۔ راوندیہ اسماعیلیہ وغیرہ۔

۵۲۔ خلاصہ مطلب

سورۃ فاتحہ یا گائیتری منتر کل بنی نوع انسان کے لئے گورو منتر یا کلمۂ اعظم ہے۔ اور یہ حسب ذیل قسم کی اعلےٰ ترین اور بیش بہا تعلیمات دیتا ہے۔

اول یہ کہ حمد و ثنا اور مناجات کا تعلق انسان کا محض خدا سے ہے۔ جو لوگ مردم پرستی یا بت پرستی میں مبتلا ہیں۔ وہ اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ بتوں میں تو خود انسان کی طرح بھی علم یا طاقت یا حرکت نہیں۔ اور انسانوں میں اگر کوئی صداقت یا نیک صفت یا طاقت ہے۔ تو وہ ان کی اپنی نہیں۔ عارضی طور پر انہیں خدا یا دوسرے انسانوں کے تعلق سے ملی ہے۔ پس اصل سرچشمہ تمام علوم۔ تمام نیکیوں اور تمام طاقتوں کا چونکہ خدا ہے۔ اس لئے ہمیشہ اور ہر زمانہ میں وہی قابل ستائش ہے۔ ہمیشہ تغیر و تبدل کے ماتحت کسی محدود العلم انسان کی تعظیم و تکریم اور تعریف میں لگے رہنے والے انسان اگر ایک اچھا سبق حاصل کرتے ہیں۔ تو کئی برائیاں بھی ان پر قبضہ کر لیتی ہیں۔ جو ضعیف الاعتقاد لوگوں کے کسی فانی انسان پر بھروسہ کرنے کا لازمی نتیجہ ہے۔ سوامی دیانند نے کل انسانی مذاہب کے گورو ڈم کے خطرناک نتائج پیش کر کے ایک پر مشیور اور اس کے سچے گیان کا ہی سکہ بٹھایا ہے۔ اور حضرت محمد صاحب نے بھی چودہ صدی پہلے

اسی اعلیٰ ترین اصول کو تمام تعلیمات پر فوقیت دی تھی۔

دوم یہ کہ خدا کسی انسانی جماعت یا کسی ملک یا کسی خاص شخص کا طرفدار نہیں۔ بلکہ رب العالمین ہے۔ لہٰذا اس کے سچے معتقدوں کو کسی حصہ زمین یا گروہ کا طرفدار نہ بننا چاہیئے۔ بلکہ کل انسانوں اور حیوانوں وغیرہ کی بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرنا چاہیئے۔ اور اس کی رحمانیت اور رحیمیت کی صفات کو مدنظر رکھتے ہوئے رحم اور انصاف کی دونوں صفات اختیار کرنی چاہئیں۔

سوم۔ حمد و ثنا کے ساتھ خدا سے جو پرارتھنا کی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس جمیع صفات کاملہ کے بھنڈار سے نیک اوصاف اور ہر کام کی کامیابی کے وسائل روح کو بطور ورثہ کے ملتے ہیں۔ ورزش جسمانی سے جسم کو طاقت ملتی ہے۔ تو اس خدا کے کامل کے حضور میں نیک ارادوں اور خواہشات کے بار بار کے اظہار کی ورزش روحانی طاقت دیتی ہے۔

چہارم۔ انسان کے لئے سب سے بڑھ کر مفید اور کارآمد شئے علم اور عقل ہے۔ اور سچے علم سے عقل کو روشنی کا ملنا ہدائت کہلاتا ہے۔ اس علم وعقل یا ہدائت کا ہی ہر کامیابی سے تعلق ہے۔ بے عقل یا بے علم انسان کوئی کام صحیح طور پر کر ہی نہیں سکتے۔ تو وہ کامیاب کیسے ہوں۔ برخلاف اس کے جسم۔ روح۔ ملک قوم سب کے لئے مفید اور ضروری کاموں کو علم اور عقل ہی کامیاب بنا سکتی ہے۔ اسی لئے قرآن گائیتری منتر یا سورۃ فاتحہ میں راہ راست کی ہدائت کے لئے دعا مانگنا سکھاتا اور صاف کہتا ہے۔ جس نے عقل پائی سب کچھ پا لیا۔ پس خدا سے روٹی یا دولت یا زمین یا اولاد یا مقدمہ کی فتح وغیرہ کے لئے دعا مانگنا صحیح نہیں۔ راہ راست کی ہدائت یا عقل کی روشنی والی دعا کی مقبولیت تمام مشکلوں کو دور کر کے ہر کوشش کو کامیاب کر دے گی۔

پنجم۔ انسان جسم اور روح کا میل ہے۔ مادی جسم کو غیر معتدل طور پر پیار کرنا۔ مادہ پرست بناتا اور روح کا تعلق دنیا کی مصیبتوں اور آلائشوں سے بڑھاتا اور اسے ادنےٰ ترین قالبوں میں بھٹکاتا ہے برخلاف اس کے اس روح عالم یا خدا سے پیار کرنا روحانیت کے اعلےٰ معراج پر انسان کو پہنچاتا ہے۔ پہلی حالت آواگون کی ہے۔ اور دوسری نجات تک پہنچاتی ہے۔ پس علم وعقل یا ہدائت کی دعا کا مفہوم راہ نجات پر چلنا ہے۔ انسانی عمل تپ کہاتا ہے۔ اور یہ تپ دونوں طرح کے لئے کرنا ہوتا ہے۔ گو نتیجہ بالکل جدا اور مختلف ہے۔ ایک طریق ہے۔ تپ سے راج اور راج سے نرک۔ اور دوسرا طریق تپ سے گیان اور گیان سے مکتی کا مفہوم رکھتا ہے۔ سورۃ فاتحہ انسانی تپ کو دوسرے مفہوم سے ہی جوڑنے کی ہدائت دیتا ہے۔

ششم۔ نجات والا طریق ہی صراط مستقیم ہے۔ یہ کسی خاص مذہب یا ریفارمر کا ایجاد کردہ نہیں۔ خدا کا بے بدل وکامل عطیہ دین حق یا دھرم ہی سیدھا راستہ ہے۔ جس طرح خدا کو کسی کی رورعایت سے غرض نہیں اسی طرح اس کا صراط مستقیم ہر انسان کے لئے کھلا ہے۔ کوئی بھی اس پر چلے۔ دنیا میں بھی راحت پائے اور عاقبت میں بھی سربلند اور سرخرو ہو۔ وشیشک درشن میں لوک اور پرلوک یا دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی دینے والا دھرم کہاتا ہے۔ اور سورۃ فاتحہ میں بھی ایسی نعمتیں پانے والوں سے ہی صراط مستقیم کا تعلق جوڑا ہے۔

سورۃ البقرۃ مدنیۃ وھی مائتان و ست و ثمانون اٰیۃ و اربعون رکوعا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ⓵ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ⓶ الَّذِيْنَ

يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ⓷

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ

هُمْ يُوْقِنُوْنَ ⓸ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⓹

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⓺

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۙ وَّلَهُمْ

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⓻

۱۔ کتاب الٰہی اور متقی و کافر لوگ

کامل ہے۔ ۱۔ وہ منزہ من الخطا کتاب الٰہی جو متقی لوگوں کو ہدایت دیتی ہے۔ ۲۔ متقی وہ ہیں۔ جو غیب پر اعتقاد رکھتے۔ عبادت الٰہی باقاعدہ کرتے۔ اور ہم سے ملی ہوئی دولت میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ۳۔ نیز جو تجھ پر اور تجھ سے پہلوں پر ظاہر شدہ سچائی کو قبول کرتے۔ اور آخرت (پرلوک) پر یقین رکھتے ہیں۔ ۴۔ یہی لوگ اپنے پروردگار کے سیدھے رستے پر ہیں۔ اور یہی فلاح (کلیان) پائیں گے۔ ۵۔ تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا۔ ان کے لئے ڈرانا نہ ڈرانا یکساں ہے۔ وہ ماننے کے نہیں۔ ۶۔ ان کے دلوں اور کانوں پر (گویا) اللہ کی مہر لگ رہی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پٹی (دھندھ) رہی ہے۔ اور وہ عذاب عظیم کے مستحق ہیں۔ ۷

۲۔ وجہ تسمیہ

بقر کے مروجہ معنے گائے یا بیل کے ہیں۔ بہ طور جنس کے۔ لیکن آنحضرت بقر کا لفظ ویدکے گوشبد کی جگہ لیتے ہیں۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ عربی زبان کے پہلے عالموں یا موجدوں کا بقر لفظ سے ویدکا کثیر المعانی گوشبد ہی مراد تھا۔ جس کے معنے گتی یا حرکت والی یا حرکت کی موجب ہر شے تھا۔ چنانچہ زمین بھی متحرک ہونے کی وجہ سے گو ہے۔ جسم کی اندریاں بھی گو ہیں۔ زبان جو منہ کے اندر حرکت کرتی ہے۔ گو ہے۔ گائے جس پر انسانی جماعت کی ترقی اور مرفہ حالی یا اچھی گتی کا انحصار ہے۔ گو ہے۔ سورج کی

کرتیں کہاں سے کہاں پہنچ رہی ہیں۔ من یا نفس کتنا تیزی سے کہیں کا کہیں پہنچتا ہے۔ یہ سب گو ہیں۔ سورۃ البقر میں الہامی علم جس کی شعاعیں روح کو منور کرتی ہیں۔ اس کا بیان ہے۔ ہر زمانہ اور ملک کے عالموں کی اصلاح کرنے والی تصنیفات کا ذکر ہے۔ ان سچے علوم سے بے پرواہ لوگوں کی جہالت اور کذب پر مبنی حالت جہنم اور اس علمی نعمت سے مالامال لوگوں کی حالت جنت مذکور ہے۔ اکثر قوانین مذہبی و اخلاقی جن سے روحانی اور جسمانی ترقیات کا تعلق ہے۔ اس سورت میں موجود ہیں۔ گویا سورۃ فاتحہ میں جیسی راہِ راست کی ہدایت کی دعا تھی۔ اس کا بیان مفصل اس سورۃ میں موجود ہے۔ اور اسی لئے اس کو سورۃ فاتحہ سے دوسرے درجے پر خدا کی اعلےٰ ترین نعمت مانا جاتا ہے۔

کامل کتاب الہی اور اس کے مطابق رشیوں یا منیوں کی تصنیفات کو ماننے والے لوگوں کو فلاح کا مستحق بتا کر یاسی باز۔ دروغ بیان۔ فاسق۔ منافق کافر وغیرہ لوگوں کا جو بیان ہے، وہ دلوں کی تاریکی پر مبنی ہے۔ اسی تاریکی کو موسیٰ کے لوگوں کی بچھڑے کی مشرکانہ پرستش کی شکل دے کر نفس کو مارنے کی ہدایت دی ہے۔ اسی نفس کو ابلیس کے روپ میں لیا ہے۔ کہ تمام اشیائے عالم پر تو انسان قابو پا رہا ہے۔ مگر یہ شیطان اس کے آگے سجدہ نہیں کرتا۔ یعنی نفس انسان کے قابو کا نہیں۔ اسی نفس کو بقر کے نام سے ذبح کرنے کی ہدایت موسیٰ کے منہ سے دلائی ہے۔ اور اس بقر کو ذبح کرنے کا مفہوم صاف طور پر نفس کشی کو بتایا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ اس نفس کشی کا نتیجہ ہی نور اور گیان کا ملنا ہے۔ پس کیا نفس اعدحواس کے لحاظ سے اور کیا گو شبد کے معانی کی مطابقت سے اس سورۃ کو سورۃ البقر کہنا عین موزوں ہے۔

۳۔ لغوی معنے

عربی لغات میں بَقَر تَبَقَّر کے معنے ماندہ شدن کے ہیں۔ اور انسانی جماعت جب ظالمانہ تکلیفات سے عاجز آجاتی ہے۔ تو خدا کے حضور میں گائے کی شکل میں پکار کرتی ہوئی کئی مذاہب میں بیان کی جاتی ہے۔

پھر بقر بسکون الوسط شگافتن یا فراخ کشادن کے معنے رکھتا ہے۔ تبقّر کہتے ہیں "فراخی در مال وعلم" کو۔ دیکھو صراح صفحہ ۲۸۶۔

پس سورۃ البقر وسیع علمی رموز و ہدایات کا بیان کرنے سے بھی اسم با مسمےٰ ہے۔

۴۔ دیباچہ یجر وید کی سپرٹ

سورۃ البقر میں درحقیقت یجر وید کے پہلے منتر کی توضیح ہے جو بجا طور پر یجر وید کا دیباچہ کہا جا سکتا ہے۔ اور جس میں کرم کانڈ کا مقصد کامیابی کے وسائل کے حصول اور ناکامی کے اسباب کا تدارک موجود ہے۔ اور دعا کی ہے کہ ([illegible]) (اگھنیا یا نہ مارنے یا نہ نقصان پہنچانے والی اور نہ ماری یا تکلیف پہنچائی یا خراب کی جانے والی اشیاء) ترقی پاویں۔ ان اشیا کے مالک کو اسی منتر میں "گو پتوؤ" کہا ہے۔ پس اگھنیا اور گو کے دونو الفاظ یہاں مترادف ہیں۔ اور گائے کے علاوہ ان کا مفہوم کل وہ اشیاء ہیں جن سے انسان سکھ پاتا اور اسی لئے ان کی ترقی وحصول کے لئے جدوجہد کرتا ہے کھانے کے قابل اشیاء ٹھیک طریق پر استعمال میں آنے سے صحت اور طاقت دیتی ہیں۔ اور بصورت مخالف انسان کو تباہ کرتی ہیں۔ اسی طرح ایمانداری سے کمایا گیا مال اور علم وغیرہ کے اعلےٰ اوصاف انسانی راحت کو بڑھانے

اور تَتَبَقَّرُ لفظ کے معانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسی لئے سورۃ البقرآن کی فراخی و وسعت کے متعلق ہر پہلو سے بحث کرنے میں زبانِ حال سے اپنی خوبی کا خود بیان کر رہی ہے۔

۵۔ آلم

ا۔ ل۔ م کا یہ مرکب لفظ اب تک علماء اسلام سے مخصوص مفہوم کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکا۔ مفسرین کہتے ہیں۔ کہ یہ حروف مقطعات میں سے ہیں۔ جن کا مفہوم سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ تاہم قیاس آرائیاں مختلف طور پر جاری ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے۔ کہ الم کے الف سے مراد ہے۔ کہ خدا احد اول آخر ازلی ابدی ہے۔ ل سے لطیف اور م سے مالک مجید منان مراد ہے۔ بعض بزرگ ا سے آدم۔ ل سے بنی اسرائیل اور م سے موسے مراد لیتے ہیں۔ ایک رائے یہ ہے۔ کہ یہ اس امر کی پیشگوئی ہے۔ کہ کسی زمانے میں حروف سے ناموں کی تعبیر ہوگی۔ جیسے ابن۔ سی نہالچند یا نانک چند کی جگہ اور ایم۔ ڈی محمد دین کے لئے لکھا جاتا ہے۔ لیکن ایسا کوئی خیال صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ بولنے اور لکھنے میں جو لفظ آ گیا۔ اس کے معنے کا پردۂ راز میں رکھا جانا چہ معنے۔ پھر خدا کی پاک ذات وہ ہے۔ کہ اپنے بندوں کے لئے ہر وقت سب کچھ ظاہر کر رہی ہے۔ روشن سورج کی غرض ہی یہ ہے۔ کہ کوئی مادی شئے پوشیدہ نہ رہے۔ اور اس کے علم الہام کی غرض یہ ہے۔ کہ کوئی علمی راز روح پر مخفی نہ رہے۔ ملک اور قوم کا تعلق اس کے عالمگیر اصول کو محدود نہیں کرتا۔ اور زمانہ اس کے لئے تعین کی قید سے آزاد ہے۔ وہ نورِ مجسم روشنی کل ہمیشہ ایک ہی طرح سے اپنی پاک فطرت سے تمام اصولوں پر روشنی ڈال رہا ہے۔ انسانی روح یا عقل جہالت سے کسی چیز کا ادراک نہ کر سکے۔ یہ جدا بات ہے۔ خدا کے لئے یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس نے کوئی علم پوشیدہ یا اپنے لئے مخصوص رکھا ہے۔ ساتھ ہی یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ اگر مقطعات کی طرح الم وغیرہ الفاظ کے مختلف قیاسی معنے لئے جاویں گے تو جتنے منہ اتنی باتیں ہونے سے قرآن کی کوئی مقررہ اور یقینی پوزیشن سمجھنا غیر ضروری ہو جائے گا۔ اور مشکل بھی۔ حمائل التفسیر کا حسب ذیل اقتباس اس امر پر روشنی ڈالنے کو کافی ہے۔ کہ مفسرین کی موجودہ پوزیشن کس قدر مبہم ہے۔

"اسرار قرآن میں سے مقطعات بھی ایک راز ہیں۔ جن کی حقیقت پر ابھی تک اختلاف ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق فرماتے ہیں۔ کہ ہر کتاب میں خدا تعالےٰ کا راز ہے۔ اور قرآن پاک میں اس کا راز اوائل سور ہیں۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ ہر کتاب میں ایک ایسی چیز ہے۔ جس کا علم خدا تعالےٰ نے اپنے پاس رکھا ہے۔ اور اس کتاب میں ایسی چیز حروف تہجی ہیں۔ ابن عباس سے روایت ہے۔ عَجَزَتِ الْعُلَمَاءُ عَنْ اِدْرَاکِهَا۔ علماء ان کے ادراک میں عاجز ہیں۔ متکلمین نے آیات اور حدیث کی بناء پر ان کے معانی بیان کرنے میں کوشش کی ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ کسی وقت میں ان کی حقیقت پر یقینی علم ہو کر اتفاق ہو جائے۔ کیونکہ قرآن کریم وعدہ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۲۹/۱۵ تحقیق جو لوگ ہم میں ہو کر یعنی ہماری خوشنودی کے لئے مجاہدہ کریں گے۔ ہم ضرور ان کو اپنے رستے دکھائیں گے۔ چنانچہ اب تک جو ان کے مختلف معانی بیان کئے گئے ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ابن عباس رضہ فرماتے ہیں۔ الم کے ا سے مراد ہے۔ کہ خدا احد اول آخر ازلی ابدی ہے۔ اور ل سے مراد ہے۔ کہ وہ لطیف ہے۔ اور م سے مراد ہے۔ کہ وہ مالک مجید منان ہے۔ اسی طرح وہ کہیعص کی تعبیر

ہیں فرماتے ہیں۔ کاف سے مراد ہے کافی۔ ھا سے ھادی۔ عین سے عالم صاد سے صادق۔ دوسرے معنے ابن عباس یہ کرتے ہیں۔ الم سے مراد ہے۔ اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ المص سے مراد ہے۔ اَنَا اللّٰہُ اَفْضَلُ الرا سے مراد ہے۔ اَنَا اللّٰہُ اَرٰی

۲۔ بعض صوفیہ الم سے مراد لیتے ہیں۔ آنا لی منی۔

۳۔ بعض اکابر نے الم میں ا سے مراد آدم لؔ سے مراد بنی اسرائیل اور م سے مراد موسیٰ لی ہے۔ کیونکہ اس سورت میں ان تینوں کا ذکر ہے

۴۔ میری سمجھ میں یہ آتا ہے۔ کہ یہ حروف مقطعات پیشگوئی کے طور پر ایک زمانہ کی طرف دلالت کرتے ہیں۔ جس میں مقطعات پر خطابوں عہدوں کارخانوں ملکوں اور انسانوں وغیرہ کے نام بکثرت رکھے جائیں گے۔ جو روحانی اور جسمانی ترقیات کے لحاظ سے عظیم الشان عجائبات کا زمانہ ہوگا۔ جیسا کہ فی زمانہ ہو رہا ہے۔ اشیاء کے نام خطابوں عہدوں اور کارخانوں کے نام مقطعات پر رکھے جاتے ہیں۔ علمی ترقیات کی کچھ انتہا نہیں۔ ہر کام کے واسطے عجیب در عجیب کلیں ایجاد ہو رہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندہ روح کل ادیان پر دین حق کا جلال ظاہر کر رہی ہے۔ اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کے آثار ہر ملک و ہر دیار میں نظر آ رہے ہیں۔ چھاپہ خانوں کی کثرت سے کتابوں۔ اخباروں اور اشتہاروں کے ذریعہ سے تمام دنیا میں اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے۔

۵۔ حروف مقطعات میں ایک یہ بھی اشارہ ہے۔ کہ آسانی اور کمالیت کے لحاظ سے قرآن مجید کو حروف تہجی کے ساتھ مشابہت ہے۔ جس طرح پر حروف تمام الفاظ اور عبارتوں کی بنیاد ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر قرآن مجید تمام کلمات اور مسائل دینیہ کی بنیاد ہے۔ جس طرح پر چھوٹے اور آسان الفاظ سے لے کر بڑی سے بڑی عبارتیں حروف سے بنتی ہیں۔ اسی طرح ہر ادنیٰ مسائل سے شروع ہو کر اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادق سے ادق مسائل دینی بھی اس قرآن سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح پر کہ حروف کی اصلیت اور ضرورت پر اعتراض کرنا یا ان کے مفید ہونے میں شبہ کرنا سراسر بیہودگی ہے۔ اسی طرح پر قرآن کی صداقت اور ضرورت میں شبہ کرنا یا اس کے لاانتہا برکات سے انکار کرنا سراسر لغو ہے"

اس کے بعد قرآن کی فضیلت کے متعلق اور بھی حسن ظن کا اظہار ہے۔ جس کا قرآن ہر طرح مستحق ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ کیا قرآن کی خوبیوں کے بیان سے اس حقیقت الامر کو چھپایا جا سکتا ہے۔ کہ الم اور ایسی قسم کے دیگر الفاظ کی اصلیت خود علماء اسلام کے علم میں اب تک نہیں آئی۔ نہ کسی نے جرأت سے اب تک یہ دعویٰ بھی کیا ہے۔ کہ مجھ پر الم کے معانی کا صحیح انکشاف ہو گیا ہے۔ برخلاف اس کے قیاسی تشریحات اور اٹکل کی تفصیلات شکوک کو بڑھا رہی ہیں۔ خدا یقیناً کوئی امر نہیں چھپاتا۔ نہ کوئی کلمہ بغیر معنے کے ہو سکتا ہے۔ پس سورج۔ چاند ان۔ اناج۔ زمین۔ ہوا۔ پانی۔ آگ۔ بجلی تک سب کچھ ہمیں دینے والا فیاض خدا الم کی حقیقت انسان سے چھپائے یا پوشیدہ رکھے۔ محض خیال خام ہے۔ وہ ہر خودغرضی یا طرفداری سے اوپر ہے۔ اور اگر اس کا مخفی رکھنا صحیح ہو۔ تو علماء کو اس کی تحقیقات کی طرف راغب کرنے کا کیا مطلب۔ اور مذکورہ بالا جدوجہد کرنے والے علما خدا کے نافرمان یا فضول کے تضیع اوقات کرنے والے کیوں نہ سمجھے جاویں۔ کیا ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ خدا حضرت جبرئیل اور حضرت محمد صاحب سے کسی اور شخص کو بڑا درجہ دے۔ اور

جو کچھ ان سے مخفی رکھا ہے۔ وہ کسی اور عالم پر ظاہر کرے۔ پس اصل حقیقت محض یہ ہے۔ کہ مفسرین الم لفظ کی حقیقت معلوم نہیں کر سکے۔

۶۔ الم لفظ وید کا ہے!

در حقیقت الم وید کا لفظ ہے۔ اتھر وید ۶۔۱۰۹ منتر ۳۔

पिप्पली क्षिप्तभेषज्यु उतातिविद्ध
भेषजी । तां देवा : समकल्पयन्नियं जीवितवा अलम्॥

یہاں الم کافی یا کامل کے معنے میں آیا ہے۔ اور یقیناً اسی معنے میں سورہ بقر میں اول ہی یہ لفظ آیا ہے۔ علم اور سچائی کا اظہار کرتے وقت پہلے علیم کامل خدا یا اس کے کامل الہام کا ہی ذکر ہونا چاہئے۔ رگوید میں سب سے اول اگنی کی تعریف بتائی گئی ہے۔ جس کے مقدم معنے علم مطلق خدا یا گیان ہے۔ جو ہر قسم کی روشنی کا موجب ہے۔ صوفیہ جو انا لی معنی مراد لیتے ہیں۔ وہ الم کو اللہ کا نام قرار دیتے ہیں۔ ابن عباس نے مختلف بیان دیئے ہیں۔ تاہم انا اللہ اعلم (میں اللہ جانتا ہوں) بھی صوفی علما کی ہی تائید کرتا ہے۔

مولانا محمد علی صاحب نے جو اس کا یہ ترجمہ دیا ہے۔ کہ میں اللہ کامل علم رکھتا ہوں۔ یہ بھی ان صوفیہ کی ہی تقلید اور معقول بات ہے۔ انا معنے میں۔ اور الم اتی معنے کامل۔ اور اگر مذکورہ بالا وید منتر کا کسی کو خیال ہوتا۔ تو اب تک یہ مبہم اور مشکوک بیان تفاسیر سے معدوم ہو چکے ہوتے۔ خدا اور اس کی خاص صفات کا بیان سورۃ فاتحہ میں کر کے اب اس کے الہام کا ذکر ہونا تھا۔ اور عملاً الم کے بعد ذالک الکتاب کا لفظ ہے۔ نیز سورۃ کے شروع میں اللہ رحمان اور رحیم کے نام سے بسم اللہ بھی ہو چکی ہے۔ اس لئے یہاں الم کو خدا کے معنے میں لینا غیر ضروری سا ہی ہے۔ ہاں کتاب الٰہی کے کامل ہونے کا مفہوم ہی یہاں الم لفظ سے موزوں ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ کامل ہے۔ وہ کتاب الٰہی۔ ویدک دھرمی لوگ اب تک الم لفظ کا استعمال پورا یا کامل ہونے کے معنے میں کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی خط یا تحریر پوری ہوتی ہے۔ نیچے لکھا جاتا ہے

الم اِتی   अलमिति   یا اِتی الم   इत्यलम

۷۔ ذالِکَ الکتاب

الم کے بعد ذالک الکتاب کا لفظ ہے۔ اور ترجمہ یہ ہے۔ کہ "کامل ہے وہ کتاب" سوال ہوگا۔ کونسی کتاب۔ مترجم صاحبان جواب دیتے ہیں۔ قرآن مجید" وہ ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ الم۔ یہ وہ کتاب ہے۔ اور یہ سے مراد قرآن کی ہے لیکن ذالک لفظ اشارہ بعید کے لئے ہی آ سکتا ہے۔ عربی قرآن کا ذکر اس کے آگے آیت ۴ میں ان الفاظ میں موجود ہے۔ کہ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ جو تجھ پر نازل ہوا ہے پس دوسری آیت میں بیان شدہ کتاب محض بعد کے زمانہ والی بلکہ آغاز عالم سے ظاہر شدہ کتاب ہی ہو سکتی ہے۔ اور قرآن ذالک لفظ سے یقیناً وید کو ہی مشارالیہ قرار دیتا ہے۔

۸۔ توریت وغیرہ ذالک کا مشارالیہ نہیں

کہا جا سکتا ہے۔ کہ توریت انجیل ژند یا ژند بھی گذشتہ زمانہ کی کتب ہیں۔ ان میں سے کسی کی طرف ذالک لفظ اشارہ کر سکتا ہے۔ لیکن پارسی مت کی کتاب مقدس ژند یا ژند تو قرآن کی کسی بھی آیت میں اشارہ یا کنایہ سے بھی مذکور نہیں رہی توریت انجیل وغیرہ ان کا کئی جگہ

ذکر ہے۔ مگر کہیں بھی ان میں سے کسی کو کامل نہیں مانا۔ ہاں یہ بیان ضرور ہے۔ کہ توریت انجیل سے بہت پہلے کے مذہب کے ہم پیرو ہیں۔

سورۃ البقر آیت ۱۳۵ میں ہے۔ (۱)

کہتے ہیں۔ کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ۔ تو ہدایت پر آ جاؤ۔ ان سے کہدو۔ کہ ہم تو حق پرست ابراہیم کے دھرم کو مانتے ہیں۔ وہ مشرک نہ تھا" پس جب وہ یہودی یا نصاری کو مانتے ہی نہیں۔ ابراہیم کی ملت میں ہونے پر فخر کرتے ہیں تو توریت انجیل کو کامل کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اس سے پہلے آیت ۱۳۰ میں آتا ہے۔ (۲)

اور سوائے بیوقوف یا بے عقل شخص کے ملتہ ابراہیم سے انحراف کر ہی کون سکتا ہے۔

چونکہ ابراہیم۔ ابرام۔ ابرہم وغیرہ ایک ہی شخصیت کے مختلف نام برہما لفظ کا بگڑا ہوا روپ ہیں۔ اور جیسا کہ ہم نے ان آیات کی تفسیر میں ثابت کیا ہے۔ قرآن کے حضرت ابراہیم کی کل باتیں ویدک برہما والی ہی ہیں اور یہ بہاڑ گری ہے۔ چاروں ویدوں کے عالم کی۔ کیونکہ آغاز عالم کے رشیوں سے جس نے چاروں وید پڑھے۔ برہما کہا یا۔ نیز قدیم سے ہی ویدک دھرم برہما کا دھرم کہا تا آیا ہے۔ حتیٰ کہ سناتن دھرمی لوگ چار رشیوں کی بجائے برہما پر ہی ویدوں کا نازل ہونا ماننے لگے ہیں۔ اس لئے معاملہ بالکل صاف ہے۔ کہ قرآن وید کو کامل مانتا ہے۔ توریت انجیل کو نہیں۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ممکن ہے۔ برہما سے ابراہیم کی شخصیت جدا ہو۔ اور یہود و نصاری کا ابراہیم توریت والا ہی مذہب رکھتا ہو۔ اس کا جواب سورہ آل عمران آیت ۶۴ میں قرآن نہایت واضح طور پر دیتا ہے (۳)

اے اہل کتاب! ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو۔ (کہ وہ یہودی ہے یا نصرانی) کیونکہ توریت اور انجیل کا تو نزول ہی ان کے بعد ہوا ہے۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔"

کیا اس آیت میں اس امر کا قطعی فیصلہ نہیں۔ کہ توریت اور انجیل کے مذہب کو آنحضرت اپنی ملت نہیں سمجھتے ہاں ان مذاہب سے پہلے کا ابراہیم والا دھرم ہی ان کا دھرم ہے۔ اور اسی کی تلقین قرآن مجید کے ذریعے آپ نے کی سورۃ فاتحہ والا کلمہ اعظم یا گورو منتر وید کے گائیتری منتر کا ہی عربی ترجمہ ہے۔

لہذا سورۃ فاتحہ کے بعد یہ جتانا ضروری تھا۔ کہ یہ کلمہ اعظم کامل کتاب الہی والا ہے۔ اور اس لئے گائیتری وغیرہ چھندوں والے وید کو ہی سورہ بقر میں کامل کتاب مانا جانا واجب ہے۔ چنانچہ قرآن کی کتنی ہی آیتوں میں مذکور ہے۔ کہ ہر امر کا صحیح بیان آغاز عالم سے کتاب الہی میں موجود ہے۔ جیسا کہ عربی قرآن بھی اسی ام الکتاب... میں ہے۔

۱۔ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

۲۔ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۝

۳۔ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

۹- ذالک کا اشارہ الیہ ویدہی ہے

جب تمام قرآن میں قدیم دھرم اور وید کی عظمت ہے۔ توریت انجیل وغیرہ سے پہلے ابراہیم کا مذہب سوائے وید کے کوئی ہونا ممکن ہی نہیں۔ اور وید کے ہی کامل الہام الہی ہونے کے اس قدر ثبوت موجود ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے۔ ذالک کا مشارٌ الیہ بھی ویدہی ہے۔ ذا اسم مبہم برائے اشارہ بعید ل برائے بُعد مشارٌ الیہ اور کاف برائے خطاب اب باقی رہا۔ یہ امر کہ کتاب کا لفظ کاغذ پر چھپی ہوئی کتاب کا ہی مفہوم رکھتا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ یہ مصدر ہے۔ اور کتبت الشیٔ اذ اجمعتہ سے بنا ہے۔ اور علوم کے جمع ہونے کا مفہوم رکھتا ہے۔ چونکہ قرآن ہر کہیں کتاب مبین یا ام الکتاب ویدہی تمام علوم کو جمع مانتا ہے۔ جسے اگر قرآن عربی کو بھی اس میں تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے ذالک الکتاب سے محض آغاز عالم کا وہ کامل الہام الہی یا وید ہی مراد ہے۔ خواہ رشیوں کے آتما میں ظہور ہونے کی صورت میں اور خواہ لوح یا کاغذ پر لکھا جانے کی صورت میں۔ (دیکھو۔ حوالہ جات مندرجہ حصہ اول باب سوم)

۱۰- لَارَیْبَ فِیْہِ

رَیب کے معنے شک کے لے کر ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔ جس میں شک نہیں۔ بعض یوں لکھتے ہیں۔ جس کے (کلام الہی ہونے میں) کوئی شک نہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے۔ کہ یہ معنے لینے سے اصل مفہوم سے کچھ انحراف ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ شک تو ہر کتاب ہر انسان اور ہر شئے پر ہو سکتا ہے۔ شک کا تعلق خدا سے نہیں انسان سے ہے۔ اور اس کی وجہ محض انسان کی محدودیت ہے۔ کتابیں اور چیزیں تو کیا انسان خدا تک کے متعلق شک کرتے بلکہ صریح انکار کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ پھر آیات قرآن میں لوگوں کے اعتراض اور شکوک درج کر کے ان کی تردید بھی کی گئی ہے۔ اس لئے یہ ترجمہ کرنا صحیح نہیں۔ نہ یہ کہ اس کے کلام الہی ہوتے میں شک نہیں۔ کیونکہ خود قرآن میں ان شکوک کا ذکر ہے۔ پہلے جو کامل کتاب کا لفظ کہا۔ اس کا مطالبہ یا تقاضا یہی ہو سکتا ہے۔ کہ اگلے الفاظ میں اسے ہر نقص یا غلطی سے پاک مانا جائے۔ علم کی دو صورتیں مسلمہ ہیں۔ ایک میں تو اس کا تعلق حواس ... سے ہے۔ اور دوسری میں روح سے۔ اسی لئے قدیم کتب میں اپرا اور پرا ودیا کا بیان ہے۔ مادی حواس خمسہ تو کیا عقل بھی ناقص اور انتہائی صداقت کا ادراک نہیں کر سکتی۔ عقلی دلائل تبھی تک رہتی ہیں۔ جب تک شکوک بنے رہتے ہیں۔ روح جب علم کا براہ راست احساس کرتا ہے۔ شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ اور اسی حالت کا علم غلطی سے مبرا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ علیم کل خدا کے تعلق سے ملتا ہے۔ اور غلطی نقص یا شکوک وغیرہ عوارضات سے پاک ہونے کی وجہ سے ویدک لٹریچر میں نربھرانت اور سوتہ پرمان یعنی منزہ من الخطا اور مستند بالذات کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہی متقی لوگوں کو ہدایت دے سکتا ہے۔ خود جس کی سند اوروں پر منحصر ہو یا جس میں غلطی وغیرہ عوارضات ہوں۔ وہ ہی اگر انسانوں کو ہدایت دینے کا ذریعہ ہو۔ تو گمراہی کا پھیلنا لازمی ہے۔ انسان پہلے ہی محدود العقل اور اس کو رہنما بھی ملا سہو و خطا کا پتلہ۔ تو گمراہی میں شک ہی کیا ہے۔ رشی یا رسول یا مبلغ جو ہدایت ہم پہنچاتے ہیں۔ وہ اپنے الفاظ میں اپنے سمجھے ہوئے مدعائے کامل الہام کو دوسروں پر ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان کے پیرو اپنی عقل کی رسائی کے مطابق اس مدعا کو سمجھتے ہیں۔ اس لئے کسی انسان کا کہنا یا لوگوں کا کچھ سمجھنا مستند بالذات نہیں۔ ہاں اس کامل الہام کے مطابق سمجھا جانے سے ہی اس کی سند ہو سکتی ہے۔ رسول یا مبلغ خود متقی

ہیں۔ ان کا دکھایا ہوا طریق کامل اور سچا الہام نہیں۔ بلکہ الہام کامل وہ ہے۔ جو ان کو بھی رستہ دکھاتا ہے۔ پس جب سے متقی انسان دنیا میں ہوئے۔ تب سے ہی راہِ حق دکھانے والی منزہ من الخطا اور مستند بالذات جو کتاب ہے۔ وہی یہاں مذکور ہے۔ کسی اور کے زمانے کی کوئی کتاب نہیں۔

۱۱۔ متقی کون ہیں

متقی لفظ کی تعریف آیت ۳ میں وہی ہے۔ جو آریہ لفظ کی کہی سکتی ہے۔ دوج یا دیوتا یا نیک انسان پر بھی اس تعریف کو چسپاں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ سوائے آریہ (شکشت) لوگوں کے علم الٰہی سے نہ کوئی ہدائیت پاتا ہے۔ نہ پا سکتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ جو متقی ہے۔ اسے ہدائیت کی ضرورت کیا ہے۔ یعنی اگر ہدائیت ملنے سے پہلے متقی ہو سکتا ہے۔ تو راہِ حق کے بغیر کوئی اور ذریعہ زیادہ مفید ماننا پڑتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اتقا جس سے متقی لفظ بنا ہے۔ پرہیز کے معنے رکھتا ہے۔ بیمار جس طرح سے اسی صورت میں فائدہ پا سکتا ہے۔ کہ وہ پرہیز رکھے۔ اور ڈاکٹر کی ہدائیت کے مطابق دوائی کا استعمال کرے۔ اسی طرح علم الٰہی سے فائدہ پانے کے لئے جن صفات کی ضرورت ہے۔ ان کو رکھنے والا انسان متقی ہے۔ اندھا سورج سے فائدہ نہیں پا سکتا۔ اور بینا کے لئے سورج غیر ضروری نہیں ہو سکتا۔ لہذا وعظ حق سے فائدہ پانے والے غالب الحواس یا راہِ حق کے طالب انسان ہی متقی ہیں۔ انہی کا نام آریہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو لوگ عقل اور علم سے محروم ہیں۔ انہیں شودر نام ویدک دھرم میں دیا گیا ہے۔ وہ محض جسمانی کام کے قابل ہیں۔ روحانی یا علمی امور ان کی سمجھ میں آ نہیں سکتے۔ اور برہمن۔ کشتری اور ویش علم کی دولت رکھتے ہیں۔ ان کا نام دوجنما ہے یا دوج۔ وہ علم الٰہی سے ہدائیت پانے والے ہیں۔ لہذا ان کو بھی متقی کہا گیا ہے۔ اور ان کی جو تعریف بتائی گئی ہے۔ وہ بھی دوج آریوں پر ہی عائد ہوتی ہے۔ جیسا کہ اگلی دفعہ میں بیان ہوتا ہے۔

۱۲۔ یُؤمِنُونَ بِالْغَیْبِ

پہلی صفت متقی کی یہ ہے۔ کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ غیب کیا ہے۔ "حاستے سے غائب"۔ ایشور جیو اور پرکرتی کی تین ازلی ابدی ہستیاں جو حواس کی پہنچ سے پرے ہیں۔ وہ غیب یا (سنسکرت لٹریچر کی رو سے) پروکش کہاتی ہیں۔ اور عالم لوگ جسمانی حواس سے محسوس ہونے والی کثیف چیزوں تک محدود نہ رہ کر ان لطیف ہستیوں پر غور کرتے ہیں۔ شودر لوگ ناقص دماغ اور کند ذہن ہونے کی وجہ سے ان کا علم حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کو کثیف اشیاء کا ہی خیال اور ہاتھ پاؤں سے ہونے والے کام ہی میں دلچسپی ہو سکتی ہے۔ لیکن علم عقل اور دماغی طاقت سے کام لینے والے دوج لوگ جسمانی زندگی ہی نہیں رکھتے۔ علم حاصل کر کے دوسری اعلےٰ یا روحانی زندگی پاتے اور دوجنما کہاتے ہیں۔ ان کو لطیف علمی مضامین ہی مرغوب ہیں۔ اسی لئے شاستر کار کہتے ہیں:

प्रोज्ञ पियाहि देव: प्रत्य क्षद्विष:

دیوتا یا عالم یا دوج لوگ پروکش (غیب یا لطیف) کے پیارے ہیں۔ وہ پرتیکش یعنی حواس سے محسوس ہونے والی وشیوں کی چنداں قدر نہیں کرتے۔ چونکہ اس غیب پر ایمان لانا متقی کا کام ہے۔ اور وہ عملاً آریہ عالموں یا دوجوں سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے متقی لفظ کا صحیح مفہوم دوج یا آریہ کا ہی ہے۔

۱۳۔ یُقِیمُوْنَ الصَّلٰوۃَ

صلوٰۃ یا نماز یا روزانہ فرائض کو قائم رکھنے۔ یعنی باقاعدہ اور بلا ناغہ عبادت وغیرہ کرنے والے لوگ بھی آریہ ہی کہلاتے ہیں۔ آغاز عالم سے صبح وشام دونوں وقت برہم یگیہ کرنا اور کل کاموں کو حکم و ہدایت الٰہی کے مطابق کرنا دوجوں کا فرض چلا آتا ہے۔ اس لئے متقی کا یہ وصف بھی آریوں کا ہی ہے۔ آریہ دوج کی زندگی میں ترقی کا معیار سنیاس تک پہنچتا ہے۔ اور سنیاسی کا برہم یگیہ ہر وقت جاری ہے۔ برہم کا وچار۔ خلق خدا کا استعمار نیز کتاب الٰہی کا پاٹھ اور اس کی وعظ یہ ہی ان کا شغل ہے۔ پس اگر آریوں کے روزانہ فرائض یعنی پانچ مہایگیوں میں سے سب سے مقدم برہم یگیہ کی حقیقت پر غور کیا جاوے۔ تو یُقِیمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کا مفہوم صاف طور پر سمجھ میں آتا اور متقی اور آریہ کو ہم معنے بتاتا ہے۔

۱۴۔ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ

ایشور کے دیئے ہوئے رزق میں سے راہ حق میں خرچ کرنے کا مفہوم بجنسہ وہی ہے جو یجر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۱ کے ان الفاظ کا مطلب ہے۔ کہ

तेन त्यक्तेने भुंजी था

مفسرین عموماً اسے دولت دنیوی میں سے زکوٰۃ نکالنے تک محدود سمجھتے ہیں۔ لیکن وید منتر کے منشا کے مطابق علم طاقت اخلاق اولاد صحت وغیرہ سب رزق یا دولت میں شامل ہیں۔ جسمانی طاقت اگر کھشتری کو ملی ہے۔ تو وہ اس دولت میں سے کمزور لوگوں کی حفاظت کے لئے خرچ کرتا ہے۔ علم کی دولت اگر برہمن کو ملی ہے۔ تو وہ اس دولت کو تمام دوسرے انسانوں کی جہالت دور کرنے میں صرف کرتا ہے۔ علیٰ ہذا لقیاس ہر شخص اپنی ہر قسم کی دولت کو جو خدا نے دی ہے۔ اپنے ہم جنسوں کے مفاد کے لئے خرچ کر کے متقی لفظ کو بامعنے ثابت کر سکتا ہے۔ پھر جہاں دوسروں کی خدمت مدنظر ہے۔ وہاں حرام یا بد دیانتی کی کمائی سے روکا گیا ہے۔ نیک نیتی اور ایمانداری سے کی گئی کوشش کے نتیجے میں انصاف الٰہی سے جو کمائی ملتی ہے۔ وہی حلال ہے۔ اور اس میں سے خرچ کرنے کی یہاں ہدایت ہے۔ کیونکہ خدا کی دی ہوئی دولت حلال کی ہی کمائی کا نام ہے۔

۱۵۔ یگیہ لفظ ان کل صفات کا جامع ہے

یہاں یہ امر قابل غور ہے۔ کہ یجر وید میں جس یگیہ کا بیان ہے اس میں یہ تمام صفات موجود ہیں۔ جو متقی کی بیان ہوئی ہیں۔ یگیہ کے معنے ہیں۔ دیو پوجا د عالموں اور تمام اشیائے عالم کی قدر و عزت اور ان کا بجا استعمال) سنگتی کرن (ملانا فراہم کرنا) اور دان (دینا یا علیحدہ کرنا۔ غیب پر ایمان لانا چونکہ ازلی ابدی ہستیوں کے متعلق صحیح علم حاصل کرنے کا وصف رکھتا ہے۔ اس لئے یہ دیو پوجا میں آتا ہے۔ نماز یا عبادت کا باقاعدہ کرنا چونکہ اس خالق حقیقی یعنی علیم کل ... سے بڑے دیو کی پرستش ہے۔ اس لئے یہ بھی دیو پوجا میں ہی ہے۔ اور اسی طرح خدا سے اس کی عبادت کے ذریعے وصل پانا اور اس کے حکم کے مطابق نیک کمائی فراہم کرنا سنگتی کرن میں ہے۔ اور تمام قسم کی نیک کمائی کو راہ حق میں خرچ کرنا دان ہے۔ پس یہ تینوں صفات درحقیقت یگیہ لفظ کی تشریح ہیں۔ اور سب دوجما لوگوں پر تینوں قسموں کا یگیہ فرض ہے۔ اس لئے متقی کی یہ تعریف بھی ہماری اوپر کی تحریر کی ہی تائید کرتی ہے۔

۱۶۔ وید منتر

ان آیتوں میں پہلے تو سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقر کا تعلق جوڑا گیا ہے۔ کہ سورۃ فاتحہ یا گائیتری منتر کی حقیقت بیان کرنے والی کتاب ہی کا ل ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کتاب

ہیں فلاں وصف ہیں۔ اور لطف یہ کہ اس کتاب کا سارا وصف وہی کہا ہے۔ جو وید کا وید میں بتایا ہے۔ دیکھئے رگ وید اشٹک ۱۔ ادھیائے ۱۰ ورگ ۱۰ منتر ۱۱

चोदयित्री सुनृता नां चेतन्ती सुमतीनां यज्ञं दधे सरस्वती

سرسوتی (کلام وید) سچے علم اور عمل والے لوگوں کو ہدایت دیتی۔ اہل عقل کو چیتائے رکھتی ہے۔ نیز یگیہ یعنی فیض عام کے کاموں کو اختیار کراتی ہے۔ اس میں سنسکرت لفظ انہی ددوج لوگوں کے لئے ہے۔ اور پہلا لفظ "چودیتری سُنرِتانام" کا صحیح ترجمہ عربی میں ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْن ہے۔ ایک اور وید منتر میں وید کی جامع تعریف یوں کی گئی ہے۔

स्तुता मया वरदा वेदमाता प्रचोदयन्तां पावमानी द्विजानाम ।
आयुं प्राणां प्रजां पशुं कीर्तिं द्रविणं ब्रह्मवर्चसं मह्यं दत्त्वा व्रजत ब्रह्मलोकम

(اتھروید کانڈ ۱۹ سوکت ۷۱ منتر ۱)۔ اس میں وید ماتا کا لفظ عربی میں اُمّ الکتاب کا نام پا رہا ہے۔ اور اس کی تعریف یہ کی ہے۔ کہ وہ ور دینے والی یعنی نیک ارادوں کو کامیابی کی طرف لے جانے والی۔ ددوجوں (متقی) لوگوں کو پاک کرنے والی اور راہ راست کی طرف لے جانے والی ہے۔ آیو۔ پران۔ پرجا۔ پشو۔ کیرتی۔ دروِن۔ برہم ورچس غرضیکہ سب کچھ مجھے دے کر آخیر میں برہم لوک یعنی حالت نجات میں پہنچاتی ہے۔ قرآن میں رزق۔ عزت۔ عمر۔ دولت شہرت اولاد۔ مال مویشی۔ عقل۔ علم۔ راحت نجات کو رزق کہا ہے۔ اور انہی سب رزقوں کا وید منتر میں ذکر ہے۔ اور جنہیں پہلے منتر میں سُنرِتا کہا۔ انہیں اس منتر میں ددوج کہا جس سے ظاہر ہے۔ کہ متقی اور سُنرِتا اور ددوج کا مفہوم اس جگہ ایک ہی ہے۔ اور کلام وید ان کو ہدایت دیتی ہے۔ اگلے حصے میں کہا۔ یہ اہل عقل کو چیتائے رکھتی ہے جس کا مطلب قرآن غیب پر ایمان لانے والوں سے منسوب کرتا ہے۔ اور چونکہ علم و عقل والے ددوج لوگ لطیف مضامین سے باخبر رہتے ہیں۔ اس لئے وید کا لفظ چیتنتی نہایت موزوں طور پر قرآن میں واضح ہو رہا ہے۔ اگلی صفات عبادت و نماز اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو راہ حق میں خرچ کرنے کی وید منتر کے ان الفاظ میں ہیں۔ کہ "یگیم ددھے سرسوتی" کلام وید یگیہ یعنی عبادت الٰہی اور فیض عام کے کاموں کو اختیار کراتی ہے۔ یگیہ کے معنے ہے دیو پوجا۔ اس کے لئے عبادت کو قائم کرنا کہا۔ دوسرے معنے ہیں سنگتی کرن۔ اس کے لئے پرمیشور کا رزق دینا کہا۔ اور تیسرے معنے ہیں دان اس کے لئے خرچ کرنا کہا۔ پس عربی میں اس وید منتر کا فصیح ترجمہ ہی پہلی تین آیتوں میں پیش ہوا ہے۔ رہی یہ بات کہ پہلے حوالے میں تعریف موجود ہے۔ تو دوسرے منتر میں وید کی تعریف کی کیا ضرورت تھی۔ اور نیز یہ کہ دونوں تعریفوں میں الفاظ جدا ہیں۔ اس کے لئے واضح رہے۔ کہ سرسوتی یعنی علمی کلام جو ہدایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی اس وصف کے نکتہ نگاہ سے پہلے حوالے والی ہی تعریف ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے حوالے میں وید کے لئے ماتا کا لفظ ہے۔ اس لئے ماتا کے تعلق سے جو جو کچھ اولاد کو مل سکتا ہے۔ اسی کے لحاظ سے دوسرے حوالے میں واضح تعریف کی گئی ہے۔

۷ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ

اس کے معنے ہیں۔ جو تجھ پر نازل ہوا۔ متقی کی تعریف جو پہلے ہوئی۔ اس میں اور اضافہ کی گئی ہے۔ کہ کتاب الٰہی سے ہدایت پانے والے متقی لوگ اس صداقت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جو تجھ رسول یا مبلغ کے ذریعے ان تک پہنچے۔ کیونکہ سچائی میں فرق نہیں ہوتا۔ ازلی ابدی الہام کامل کے ہی سرچشمے سے سچائی نکلتی اور مبلغوں کے ذریعے۔۔

عوام الناس تک پہنچتی ہے۔ اور جو بیان کلام الہی کے مطابق نہیں ہوتا۔ وہ سچائی کے زمرے میں آ ہی نہیں سکتا۔

۱۸۔ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

اور جو تجھ سے پہلوں پر نازل ہوا۔ وہ بھی متقی لوگوں کے لئے قابل قبول ہے۔ کیونکہ قرآن میں بہت جگہ یہ واضح کیا گیا ہے۔ کہ یہ امر ہو نہیں سکتا۔ کہ خدا کسی کو علم عقل اور نبوت دے۔ اور وہ لوگوں کو حق کے خلاف کہے۔ پس گذشتہ سچے مبلغوں کے متعلق حسن ظن کا تقاضا ہے۔ کہ وہ ان پر ظاہر شدہ صداقتوں پر بھی ایمان لاویں۔ سورۃ النسا آیت ۶۴ میں اس کا اصل قرآن الفاظ میں آتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط ہم جو بھی رسول بھیجتے ہیں۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ کے حکم کے تحت سے اس کا کہنا مانا جاوے۔

۱۹۔ منوسمرتی کی شہادت

کلام الہی میں عام لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف راغب کرنے کے لئے برہمن اور سنیاسی یا واعظ لوگ ہیں۔ قرآن سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳ میں فرمایا ہے(۱) تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے۔ جو نیکی کی طرف دعوت دے۔ معروف یعنی حکم الہی کے مطابق باتوں کی طرف مائل کرے اور خدا سے منع کی گئی باتوں سے روکے۔ سورہ انعام آیت ۸۹ میں ہے۔ کہ یہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی ہے۔ پس اگر لوگ انکار کریں۔ تو کریں۔ ہم نے تو اس کام کے لئے ایک قوم کو متعین کر دیا ہے۔(۲)

یہ ہدایت محض برہمن یا سنیاسی پر ہی عاید ہوتی ہے۔ اور ان لوگوں کو کئی موقعوں پر اعلا انسان کہا ہے۔ پس بحکم الہی کے ماتحت تبلیغ کرنے والے بھی قابل تسلیم ہیں۔ اور اس لئے کہا گیا۔ کہ تجھ پر نازل ہوا۔ اور جو تجھ سے پہلوں پر نازل ہوا۔ قابل قبول ہے۔ منوسمرتی میں دہرم یا حق کی تحقیق کے لئے پرم پرمان یا مستند بالذات تو محض کلام الہی یا شرتی کو کہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے شلوک یعنی ادھیائے ۲ شلوک ۱۲ میں کہا ہے۔

वेद: स्मृति: सदाचार: स्वस्य च प्रियमात्मन: ।
एतच्चतुर्विधं प्राह: साक्षाद्धर्मस्य लक्षणम् ॥

اس میں وید (کلام الہی) کو سب سے مقدم رکھ کر تین اور ذریعے بھی تمیز حق کے بتلائے ہیں۔ ۱۔ سمرتی یعنی عابد لوگوں کے وید کے مطابق بتلائے ہوئے شاستر (۲) سدا چار یعنی نیک لوگوں کا رویہ اور (۳) اپنے ضمیر آتما کی پسندیدگی۔ قرآن میں جو تجھ سے پہلے نازل ہوا کہکر سمرتی اور سدا چار کی بات کہی ہے۔ کیونکہ گذشتہ عابدوں کی تصنیفات جہاں سمرتی شاستر ہیں۔ وہاں ان کے نیک اعمال کے تاریخی بیان بھی رہنمائی کرتے ہیں۔ رہی اپنے آتما کی پسندیدگی۔ سو یہ تمام مذاہب میں اخلاق کا صحیح بنیادی اصول مانا جاسکتا ہے اور مشہور ضرب المثل ہر چہ بر خود پسندی بر دیگراں مپسند کی تعلیم اسی کا نتیجہ ہے پس اپنے آتما کی پسندیدگی یا ضمیر کی رہنمائی بھی ہر انسان پاتا ہی ہے۔ "جو تجھ پر نازل ہوا" کا مفہوم جہاں آنحضرت

(۱) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(۲) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ج فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا

یا کسی اور رسول پر علم کا منکشف ہوتا ہے۔ وہاں ہر انسانی روح بھی اس ہدائیت کا مخاطب ہے۔ کہ اے انسان جو تیرے اندر سچا علم منکشف ہوتا۔ جو تیرا روح یا ما فی الضمیر بتاتا ہے۔ کہ حق ہے۔ وہ بھی تحقیق حق میں وزن دار ہے۔

۲۰۔ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ

آخرت پر یقین بھی متقی لوگوں کو ہونا ضروری ہے۔ یہ اگرچہ اوپر بیان شدہ ہدائیت کا جزو ہے۔ لیکن اس کو خاص طور پر بیان کرنا اس لئے ضروری تھا۔ کہ عام لوگ اسی زندگی کو پہلی اور آخری زندگی سمجھ کر عیاشی میں مستغرق ہوتے جاتے تھے۔ اور یہ فلاسفی زور پکڑ رہی تھی۔ کہ جب تک جیو سکھ سے جیو۔ قرض لے کر گھی پیو۔ نہ کسی نے پھر آنا۔ اور نہ کسی کا دینا۔ یا اب تو آرام سے گذرتی ہے۔ عاقبت کی خیر خدا جانے کا ہی جاپ ہو رہا تھا۔ ویشیشک درشن میں دہرم کی تعریف یہ کی گئی ہے۔ کہ

यतो ऽभ्युदय निःश्रेयस्सिद्धिसधर्मः ।

جس سے دنیا و دین یا لوک پرلوک دونوں کا بھلا ہو۔ وہ دہرم ہے۔ یعنی زندگی میں ہر قسم کی دولت اور سکھ اور موت کے بعد راحت اور نجات ملے۔ چونکہ ہمیشہ سے ویدک دھرمیوں میں اس موجودہ زندگی کو محض بعد کی زندگی کے لئے تیاری کا موقعہ کہا جاتا رہا ہے۔ اس لئے وہ نجات کے طالب رہ کر ہمیشہ نیک اعمال میں راغب رہتے تھے۔ اگر نجات کی طلب نہ رہے۔ تو نیک اعمال سے تعلق وہ نہیں سکتا۔ لہذا آخرۃ کا ایمان بھی متقی کے لئے لازمی ہے۔ اور یہی ایمان ہے۔ جو اسے کتاب الہی اور احکام الہی کی طرف کھینچتا ہے۔

۲۱۔ هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ

مذکورہ بالا صفتوں والے متقی لوگ ہی قرآن کے نکتہ نگاہ سے اپنے رب کے راہ ہدائیت پر ہیں۔ گو یا سچا علم اور عمل خواہ براہ راست کتاب الہی سے بجائیے مراقبہ حاصل ہو۔ خواہ خدا کے نیک اور عالم لوگوں کی تصنیفات یا صحبت وغیرہ سے سب متقی یا آریہ بنانے والا اور خود خدا کی طرف سے ہی ہے۔ کیونکہ نیک عالم انسان ذاتی خیالات کی نہیں۔ علم الہی کی تبلیغ کرتے ہیں۔

۲۲۔ اَلْمُفْلِحُوْنَ

فلاح کا لفظ درحقیقت کہ फल (پھل) کی جگہ ہے۔ کیونکہ عربی میں پ نہ ہونے سے ف کے ذریعے ہی تلفظ ظاہر ہو سکتا تھا۔ راہ ہدائیت حق پر چلنے والے متقی ہوئے۔ اور یہ راہ یعنی دہرم ہوا ہی راحت کی طرف لے جانیوالا۔ اور حسب قول سنسکرت لٹریچر دھرم۔ ارتھ۔ کام اور موکھش کا پھل دلانے والا تو قرآن میں بھی یہ کہنا کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ نہائیت موزوں ہے۔ دفعہ ۱۶ میں اتھروکانڈ ۱۹ سوکت ۶۹ منتر ۳ میں جو آیو پران وغیرہ کے پھل گنائے گئے۔ وہ بھی بجا طور پر فلاح کی ہی ذیل میں ہیں۔ یجروید کے پہلے منتر میں بھی کہا ہے۔ کہ جو لوگ اشیائے عالم کے مالک بن کر ان کا راہ حق میں استعمال کرتے ہیں۔ وہ سچے معنے میں یجمان یا یگیہ کرنے والے ہیں۔ اور انہی کے مال و دولت وغیرہ محفوظ رہتے ہیں۔ وید کے لفظ یہ ہیں यजमानस्व पशून पाहि واقعی ایسے لوگوں کا اقبال دیرپا رہ سکتا ہے ورنہ حسب قول "مایا کاگ بنیرے دا" دولت کوّے کے دیوار پر بیٹھنے اور اڑ جانے کے ہی مشابہ ہے۔

۴۳۔ کانوں اور دلوں پر مہر

قرآن کے ان الفاظ پر عام اعتراض ہوتا ہے۔ کہ جب خدا نے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے۔ تب اگر وہ راہِ راست پر نہیں آتے۔ تو ان کا کیا قصور۔ اس کا ذمہ وار تو خدا ہی ہوا۔ لیکن واضح رہے۔ کہ محض خاص طرز میں ایک عام سچائی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یہاں منتفی کی ضد کا فر ہے۔ یعنی جو علم عقل عاقبت سے بے پرواہ ہیں۔ اور حقیقی ترقی اور اس کے وسایل سے غافل ہیں۔ کتنے ہی لائق سے لائق واعظ ان کو ہدایت دیں۔ وہ اپنے خیال کے خلاف نہ سننا چاہتے اور نہ مانتے ہیں۔ تمام مبلغوں کو اکثر ایسے لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ نیک ہدایت کے لئے قدرتاً اور فطرتاً ان لوگوں میں رغبت نہیں ہوتی۔ اس لئے قانون الٰہی کے مطابق ان پر ہدایات کا اثر نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کے لئے ویدک لٹریچر اور تمام اور کتابوں میں کہا ہے۔ کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے سنتے ہوئے نہیں سنتے۔ ان کے دل ہیں۔ پر اس سے کام نہیں لیتے۔ اور اسی امر کو قرآن دلوں اور کانوں پر خدا کی مہر کے محاورہ سے ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جہالت کے خیالات جب دل پر قابو پاتے ہیں۔ تو سننے والا آدمی خواہ کتنا ہی ناراستی پر ہو۔ اسے سوجھتا ہی نہیں۔ کہ میرے خیال کے غلط ہونے کا بھی امکان ہو سکتا ہے۔ یہ تو ہمات باطلہ اور خیالات فاسدہ بمنزلہ مہر کے ہیں۔ اور جاہلوں کے دل ان میں جکڑے رہتے ہیں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ اگر خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے۔ تو رسول یا اپدیشک لوگوں کا وعظ کرنا چہ معنے۔ اور قرآن خود کہتا ہے۔ کہ ان کو سمجھانا نہ سمجھانا برابر ہے۔ لیکن یاد رہے۔ کہ جب تک ان کے خیال کو پلٹا نہیں ملتا۔ تب تک کے لئے ہی ان الفاظ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ یا غیر محدود زمانے تک وہ ایسے ہی رہیں گے۔ ہمیشہ کی تو ان کی زندگی ہی نہیں۔ پس جن کو خدا روشنی نہ دے۔ ان کو کوئی روشنی نہیں دے سکتا۔ کے مطابق ہی یہاں بھی سمجھنا چاہئے۔ کہ جب وہ جہالت سے نکلیں گے۔ خدا ان پر عنایت کرے گا۔ اور وہ حق کو قبول کریں گے۔ محدود انسان کے متعلق ہر بیان محدود معنوں میں لیا جائیگا۔ جیسا کہ مکتی تک کو ہم محدود ثابت کر آئے ہیں۔ دنیا میں ایک عالم شخص کسی دوسرے کو مصیبت میں دیکھ کر محتاط ہو جاتا ہے۔ کہ وہ بھی ایسے کاموں سے بچے۔ جن کا نتیجہ دکھ ہوتا ہے۔ لیکن وہ بھی ہیں۔ کہ ایک کیا ہزاروں کو مصیبت میں دیکھتے ہوئے بھی سوچتے اور سنبھلتے نہیں۔ پس یہی کہا جاتا ہے۔ کہ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھ رہی ہے۔ تبلیغ حق کو سن کر جو لوگ حق کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ سچے مبلغ کی مخالفت کرتے اور اسے اذیتیں دیتے ہیں۔ ان کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی کہی جاتی ہے۔ پس بجائے اعتراض کے اصل مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ مہر گویا جہالت پر مبنی خیالات و افعال کے بدلے عذاب عظیم ملنے کے قانون کی صداقت کا پیش خیمہ ہے۔ اس کے بعد پالیسی باز چالاک لوگوں کا بیان ہے۔

۴۴۔ پالیسی باز چالاک لوگ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰ
خِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَ

عُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ② فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ
اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ③ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ④
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑤ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ
لَا يَعْلَمُوْنَ ⑥ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ
قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑦ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ
يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑧ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ
بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑨

پھر بعض انسان ایسے ہیں۔ کہ کہنے تو یہ ہیں۔ کہ ہم اللہ اور آخرت کو مانتے ہیں۔ مگر در اصل وہ مانتے نہیں۔ ۱۔ اس طرح وہ خدا اور اس کے ماننے والوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ مگر وہ سوائے اپنی ذات کے کسی کو دھوکہ نہیں دیتے۔ اور وہ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں۔ ۲۔ ان کے دلوں میں بیماری تھی۔ وہ اللہ نے اور بڑھادی۔ اور چونکہ انہوں نے کذب بیانی کی۔ اس لئے عذاب دردناک کے مستحق ہوئے۔ ۳۔ ان لوگوں کو اگر کہا جائے۔ کہ دنیا میں فساد نہ پھیلاؤ۔ تو کہتے ہیں۔ ہم تو محض میل جول کرنے والے ہیں۔ ۴۔ مگر سمجھ لو۔ کہ یہ ہیں فسادی گو سمجھتے نہیں۔ ۵۔ اور جب ان کو کہا جاتا ہے۔ کہ جیسے اور لوگ حق کو مان گئے۔ تم بھی ایمان لاؤ۔ تو کہتے ہیں۔ کیا ہم ان بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں۔ لیکن یاد رکھو۔ کہ ہیں بیوقوف خود۔ ہاں اپنی بیوقوفی کو محسوس نہیں کرتے۔ ۶۔ پھر ان کی یہ حالت ہے۔ کہ) ایمان لانے والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں۔ ہم آپ کو سچا مانتے ہیں۔ مگر جب اپنے ساتھی شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ملتے ہیں۔ تو ان کو کہتے ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ تو ہم مخول کر رہے تھے۔ ۷۔ مگر اللہ ان کی وہ تضحیک کرتا ہے۔ اور ان کو ایسا کھلاتا ہے۔ کہ اپنی بدعنوانیوں میں حیران و سرگرداں پھرتے ہیں۔ ۸۔ یہی لوگ ہیں۔ جو نور ہدایت کی جگہ جہالت خرید رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ تو انہیں تجارتی (دنیوی) فائدہ ہوگا۔ اور نہ راہ راست یا نور ہدایت ملیگا۔ ۹۔

۲۵۔ اپنے آپ کو دھوکا دینا

جو لوگ غلط بیانی کرکے اپنے آپ کو ایماندار بناتے ہیں۔ وہ اپنے مخاطب کو کسی اپنی غرض کے لئے دھوکا دیکر کام نکالنا چاہتے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ دوسرے کو نہیں۔ وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ نمائشی باتوں ہیں ہی گھر پورا کرتے ہیں نہ مومنوں کے ساتھ ہوکر تعلیم حق پاتے نہ نیک عمل کرتے۔ لہذا برائیوں میں لگے رہ کر عذاب الہی کا شکار ہوتے ہیں۔ غلط بیانی سے اگر انسان کوئی دھوکا کھا بھی جاوے۔ تو خدا سے تو اس کا اندرونہ بھی چھپ نہیں سکتا۔ اور نہ دکھ کی سزا سے کوئی بچ سکتا ہے۔ پس اس نے کوشش تو کی کسی فائدے کے لئے۔ لیکن ملا عذاب۔ تو یہ اس کا اپنی ذات کو ہی دھوکا دینا ہوا۔ پھر خدا سے ایسے دہوکا باز کو آخر سزا کے ملنے پر ہی یہ دھوکا معلوم نہیں ہوتا۔ اس انسان سے بھی اکثر صریح دھوکہ ہوتا ہے۔ جس کو دھوکا دے کر کام نکالا جاتا ہے۔ زید کا بکر کے پاس سو روپیہ جمع ہے۔ وہ عمر کا سو روپیہ چراتا اور وہ بھی بکر کے پاس جمع کراتا ہے۔ اب دو سو روپیہ زید کا بکر کے پاس ہے۔ عمرو کی رپورٹ پر پولیس تلاشی لیتی ہے۔ تو زید کے پاس کچھ نہیں نکلتا۔ اور وہ پولیس کو دھوکا دینے کے لئے حلفیہ بیان دیتا ہے۔ کہ میرا نہ بکر کے ہاں کچھ جمع ہے۔ نہ کہیں اور۔ اس بیان سے وہ بری تو ہوتا ہے۔ مگر جب چند ماہ بعد بکر سے روپیہ طلب کرتا ہے۔ تو وہ مکر جاتا ہے۔ اور وہی پولیس والا بیان اُسے اُلٹا جھوٹا قرار دیتا ہے۔ تب اسے ہوش آتی ہے۔ کہ او وہ کتنا دھوکا ہیں نے خود کھایا۔ کہ نہ صرف چوری والا اپنا سو روپیہ بھی گنوایا۔

۲۶۔ اللہ کا بیماری بڑھانا

اس سے خدا پر یا قرآن پر اعتراض کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ کسی نیک آدمی کو دکھی کرنے کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ انہی دھوکا دینے والے چالاک لوگوں کا ذکر ہے۔ جن کا عمل ان کی اپنی ذات کو دھوکا دینے والا کہا ہے۔ چونکہ قانون الہی کے مطابق پرہیز نہ رکھنے والا یا دوائی کا باقاعدہ استعمال نہ کرنے والا انسان زیادہ سے زیادہ مریض ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے جو لوگ مذہبی مبلغوں سے ہدایت سننے سے کتراتے یا ایماندار لوگوں سے زبانی جمع خرچ کرکے پرے رہتے ہیں۔ ان کے اندر اصلی نیک تعلیم داخل ہی نہیں ہوسکتی۔ اور گناہ یا برائی والے خیال اور بد اعمال یا خواہشات سے دلتنگی کی ترقی ہوتی ہے۔ اور یہی ان کی مرض کا بڑھنا ہے۔ چونکہ یہ قانون الہی کے مطابق ہے۔ اس لئے مرض کا بڑھنا اللہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف جب انسان علم حق کی تحصیل اور نیک عالموں کی صحبت سے نیکی میں ترقی کرکے راحت پاتا ہے۔ تو بھی اسے خدا سے راہ حق کی ہدایت ملنا ہی کہا جاتا ہے۔

۲۷۔ بے اصولاپن

پالیسی باز چالاک لوگ کسی سچے اصول پر قائم نہیں ہوتے۔ وہ گنگا گئے۔ تو گنگا داس اور جمنا گئے۔ تو جمنا داس۔ ان کے عمل سے اختلاف دور نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بڑھتا ہی ہے۔ کیونکہ وہ محض ابن الوقت ہیں۔ سب فریقوں سے اپنا کام نکالتے ہیں۔ اور جیسا موقعہ ہو۔ ادھر کی آدھر لگاتے ہیں۔ انہیں کہو۔ کہ آپ کے طریق سے اختلاف اور فساد بڑھتا ہے۔ تو کہتے ہیں۔ نہیں ہم تو دونوں سے محبت رکھتے اور میل جول کراتے ہیں۔ چونکہ سچے اصول کے بغیر میل جول ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے ان کی پیچیدہ اور دورخی باتیں غلط فہمی ہی پھیلاتی ہیں۔ دنیا کی تاریخ پر غور کریں۔ تو ہر ملک اور قوم میں نیک نیتی پر مبنی سمجھوتے کی کوششیں بھی مستقل میل نہیں کرا سکیں۔ بلکہ نفاق کی بنیاد کو مضبوط کرتی آرہی ہیں۔ تب

مطلب پرست لوگوں کی سمجھوتے اور میل جول کی نمائشی باتوں سے کیا بنتا ہے۔ نتیجہ فساد یا اختلاف کی ترقی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ قرآن کی ہدایت یہ ہے۔ کہ میل یا اصلاح کے لئے محض سچے با اصول عالموں سے ہی کارگر کوشش ہو سکتی ہے۔ بے اصولے مطلب پرست پالیسی باز لوگ خواہ کتنے دعوے میل جول کے کریں۔ وہ درحقیقت موجب فساد ہی ہوں گے۔ انہیں یہ سمجھ نہیں آتی۔ کہ ہم چونکہ فی الحقیقت حق پر ایمان نہیں لائے۔ اس لئے ہماری طفیل میل جول ہو ہی کیسے سکتا ہے۔

۲۸- پالیسی باز لوگ دراصل بیوقوف ہیں

آیت ۱۳ میں واقعی بڑے تجربے کی اور معرکے کی بات کہی ہے۔ جس قدر لوگ حکمت یا بناوٹی باتوں سے مطلب براری کرنے کے عادی ہیں۔ وہ درحقیقت دوسروں کو بیوقوف بنانا یا انہیں دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں۔ ہم بڑے عقلمند ہیں۔ اور انہیں اتنا غرور ہوتا ہے۔ کہ اگر انہیں کہا جائے۔ کہ بناوٹی باتوں کو چھوڑ دو۔ اور جس خلوص عقیدت سے اوروں نے حق کو قبول کیا ہے۔ تم بھی کر دو۔ تب وہ کہتے ہیں۔ اجی ان لوگوں کو عقل ہی کیا ہے۔ دھرم دھرم کرتے ہوئے برباد ہو جاتے ہیں۔ ہم دھرم کو ملتے بھی ہیں۔ اور دنیوی نقصان بھی نہیں اٹھاتے۔ بات عقلمندی کی یہی ہے۔ ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان کیوں لائیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ کہ ان کی عقل انہیں خود غرضی کا پتلا بناتی۔ ان سے ناکردنی کراتی ہمجنسوں کی نظروں سے گراتی اور خدا کے عذاب میں انہیں پھنساتی ہے۔ اور اس طرح معمولی دنیوی فائدہ کی بجائے نقصان عظیم اٹھانے سے درحقیقت وہ خود بیوقوف ہیں۔ مگر اس کا احساس غرور کی وجہ سے وہ پہلے کر نہیں سکتے۔ واقعی پائیدار روحانی فوائد سے غافل رہنے سے بڑھ کر بیوقوفی ہو ہی کیا سکتی ہے۔

۲۹- اللہ کا تضحیک کرنا

آیت ۱۴ میں ان لوگوں کا اور بھی اچھا خاکہ کھینچا ہے۔ کہ یہ دل سے تو کسی طرف کے نہیں۔ محض غرض پرست ہیں۔ مسلمانوں سے ملتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اسلام سے بڑھ کر ہمیں اور کیا چاہئے۔ لیکن مخالفین اسلام سے ملتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ ہمارا مسلمانوں سے کیا مطلب۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ ہونے کی بات تو محض ہنسی مذاق کی ہے۔ مگر قرآن کہتا ہے۔ کہ اوروں کے ساتھ مخول کیا۔ یہ خود خدا کی طرف سے قابل تضحیک ہیں۔ اور وہ اپنی بدعنوانیوں یا خلاف حق عملوں میں آخرا تنے منہمک ہوتے ہیں۔ کہ دکھوں میں حیران و سرگرداں ہیں۔ انہیں سمجھ ہی نہیں آتی۔ کہ کس طرح اب دکھوں سے نکلیں۔ تیزی طراری سب معطل ہو جاتی ہے۔ نہ دنیوی فائدہ ملتا ہے۔ نہ دینی۔ بعض تو آفات میں برباد ہوتے ہیں۔ بعض عیاشی میں اپنے تئیں اجاڑتے ہیں۔ روشنی کی بجائے تاریکی میں مبتلا ہو کر انصاف الہی کے مطابق دکھ اٹھاتے ہیں۔ دین کو چھوڑا دنیا کے لئے۔ اور دنیا میں ہوئی ناکامیابی یہیں وہی بات ہوئی۔ کہ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم		نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے ہوئے

۳۰- ایک قابل نوٹ نکتہ

ان آیات میں اگر انسان کے خدا کو دھوکا دینے کا ذکر آیا ہے۔ تو خدا کا اس انسان کو دھوکا دینا نہ کور ہے۔ اور اگر ہنسی یا مضحکہ

کا ذکر ہے۔ تو خدا کا اس کی تضحیک کرنا مذکور ہے۔ اس امر کا مجمل بیان ہم اوپر کر چکے ہیں۔ لیکن اس کی ابتدا میں یہ بتانا ضروری ہے۔ کہ قرآن میں دراصل خاص طرزِ کلام ایسا اختیار کیا گیا ہے۔ کہ انسان کوئی بھی برائی کرے۔ وہی برائی بدلے میں اس کی اپنی ذات پر عاید کی جاتی ہے۔ اس امر کو نہ سمجھ کر لوگ مختلف اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ سورۃ النساء آیت ۱۴۲ میں بھی ہے۔ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ منافق لوگ تو اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور اللہ ان کو دھوکا دیتا ہے۔ سورۃ نمل کی آیت ۵۰ میں ہے۔ وَمَکَرُوْا مَکْرًا وَّمَکَرْنَا مَکْرًا وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ اور انہوں نے ایک مکر کیا۔ اور ہم نے بھی ایک مکر کیا۔ کہ وہ جانتے ہی نہ تھے۔

اب اس قسم کی آیتوں کا یہ مطلب نہیں۔ کہ خدا دھوکا یا مکر کرتا ہے۔ بلکہ حقیقت محض اتنی ہے۔ کہ جو کچھ انسان بوتا ہے۔ وہی کاٹتا ہے۔ جو دوسروں سے دھوکا یا مکر کرتا ہے۔ خدا کی طرف سے وہ سلوک پاتا ہے۔ کہ خود اس تکلیف میں مبتلا ہو۔ جو وہ دوسروں کو دینا چاہتا ہے۔ ایک شخص کسی کو قتل کرنے کے لئے وار کرنے کو دوڑتا ہے۔ معمولی خربوزہ کے چھلکے سے اس کا پاؤں پھسلتا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر کر چوٹ کھاتا بلکہ مر بھی جاتا ہے۔ تو کہیں گے۔ کہ اس نے تو وار کیا ہی تھا۔ پر خدا نے کہا۔ جاتا کہاں ہے۔ میرا بھی تو وار دیکھ لے۔ پس مکر لفظ کے معنے تدبیر ہو حکمت ہو یا مکر کسی انسان کے برے عمل کے موقعہ پر اس کے معاوضہ میں جو کچھ بھی اس کے ساتھ ہونا تقاضائے انصاف الٰہی ہو۔ اس کے لئے وہی لفظ خدا کی طرف سے اس پر عاید کیا جاویگا۔ جس سے اس کا قابل اعتراض عمل بیان ہوا تھا۔

۱۱۱۔ بُرائی کی بیخ کنی!

اس قسم کے لوگوں سے خبردار اور محتاط رہنے کے لئے قرآن میں یہ باتیں بڑے تجربے کی لکھی ہیں۔ اور یہ وید کی اس ہدایت کی ہی ذیل میں ہیں جو یجر وید ادھیائے ۱۳ منتر ۱۰ میں ہے۔ کہ تم برے لوگوں یا راکششوں کی بیخ کنی کرو۔ جو لوگ دھرم کے یا نیک عمل نہیں کرتے۔ ان کو بھی نیست ونابود کرو۔ کسطرح؟ ایسے سلوک سے کہ بدخصلت۔ بداعمال لوگوں کو ہمیشہ خجالت اور ندامت سے ذلیل ہونا پڑے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تمہارے اردگرد راحت بخش کرہ قائم رہے گا۔ نیتی کار کہتے ہیں۔ بدعمل شخص کا زبان سے بھی آدر نہ کرنا چاہئے۔ اور واقعی اگر جھوٹے چور شرابی۔ کبابی لوگوں یا عبادت الٰہی اور خیرات وغیرہ نیک عملوں سے غافل انسانوں کو سوسائٹی میں ذلت نصیب ہو۔ اور راجہ و برادری کے ڈنڈ سے انہیں ہر وقت اپنے کئے پر پچھتانے کا خیال ہو۔ تو کل سوسائٹی تمام خطرات سے محفوظ۔ راحت سے محفوظ اور دولت امن سے مالامال ہو سکتی ہے۔ علمی اخلاقی روحانی ہر قسم کی ترقی محض ان برائیوں کی بیخ کنی سے ہو سکتی ہے۔ اگرچہ راجہ خاص صورتوں میں پھانسی کی سزا سے برے انسان کے وجود کو ہی مٹاتا ہے۔ تاہم یہ اسی حالت میں ہے۔ کہ اس کے سدھار سے مایوسی ہو۔ ورنہ قید۔ تنبیہ۔ جرمانہ۔ اظہار نفرت سب بد انسانوں کو پچھتانے اور توبہ کرنے پر ہی مائل کرتی ہیں۔ خاص کر عالم لوگوں کا وعظ نہایت موثر اور زوردار الفاظ میں ان کے دلوں کو چونکا دیتا ہے۔ اور اسی لئے قرآن ایسے لوگوں کو خوف دلاتا ہے۔ کہ نور کی بجائے انہیں تاریکی ملیگی۔ نہ دنیوی اغراض جن پر یہ لٹو ہیں۔ پوری ہونگی نہ راہِ راست ملیگا۔ پس تبلیغ حق سب سے مقدم اور موثر ذریعہ ہے۔ جس سے برا انسان بھلا بن سکتا۔ یعنی اس کی برائی بھی دور ہوتی ہے۔ اور وہ خود محفوظ ہو جاتا ہے۔

۳۲ - دو درشٹانت

مَثَلُهُمْ

كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ
بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِى ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ۝۱۰ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ
فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝۱۱ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَٰتٌ وَ
رَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَٰبِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ الصَّوَٰعِقِ حَذَرَ
الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌۢ بِالْكَٰفِرِينَ ۝۱۲ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَٰرَهُمْ ۖ
كُلَّمَآ أَضَآءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَآءَ
اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَٰرِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۳

ان لوگوں کی حالت اس شخص کے واقعہ کی مانند ہے۔ جس نے آگ جلائی۔ مگر جب اس آگ سے اس کے ارد گرد کی چیزیں روشن ہوئیں۔ تو خدا نے ان کی آنکھوں کا نور سلب کر لیا۔ اور وہ تاریکی ہی میں رہ گئے۔ کچھ دیکھ نہیں سکتے۔ ۱۰۔ گویا بہرے۔ گونگے۔ اندھے ہیں۔ کہ کسی طرح راہِ حق کی طرف نہیں آ سکتے۔ ۱۱۔ یا یوں سمجھو کہ بادل سے مینہ برستا ہے۔ اور اس میں گھٹا ٹوپ تاریکی گرج اور بجلی ہے۔ وہ زور کی کڑک کی وجہ سے موت کے خوف کے مارے کانوں میں انگلیاں دے رہے ہیں۔ اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ ۱۲۔ ہو سکتا ہے۔ کہ بجلی ان کی آنکھوں کو چندھیا دے۔ یا کچھ روشنی ملے۔ تو چل دیں۔ اور اندھیرا چھا جائے۔ تو کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ اور اگر خدا چاہے۔ تو ان کی قوتِ سامع و باصرہ کو ہی سلب کر دے بے شک خدا ہر بات پر قادر ہے۔ ۱۳۔

۳۳ - کافروں کی مثال

اوپر کی آیتوں میں دو قسم کے بُرے لوگوں کا ذکر آیا تھا۔ ان میں سے ایک تو کافر ہیں۔ اور دوسرے چالاک پالیسی باز۔ یا گندم نما جو فروش لوگ۔ انہی دو قسموں کی دو مثالیں ان آیتوں میں دے کر ان کی حقیقت واضح کی ہے۔ کافروں کی مثال کا تعلق ایک شخص کے واقعہ سے بتایا ہے۔ کہ اندھیری رات میں اس نے آگ جلائی۔ اور آگ کی روشنی سے اس کے ارد گرد کی چیزیں

جگمگا اٹھیں۔ لیکن افسوس ان پر جن کی بینائی خدا نے سلب کر لی۔ وہ تو ان کو روز روشن میں دیکھ نہیں سکتے۔ تو رات کو اس آگ سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ پس ان کے لئے تو جیسا اندھیرا تھا۔ ویسا ہی اب بھی اندھیرا ہے۔ مطلب اس تمثیل سے یہ ہے۔ کہ جہالت کی تاریکی میں رسول یا مبلغ لوگ وعظ حق سے راہِ حق دکھاتے ہیں۔ اور انسانوں کی ترقی کے لئے تمام برائیوں کی تردید کر کے سچے اصولوں کی عظمت ظاہر کرتے ہیں۔ جس سے تاریک رات میں آگ کی روشنی کا نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ سب حقیقتوں کا انکشاف عوام الناس پر ہو جاتا ہے۔ مگر کافروں کی اس پر توجہ ہی نہیں ہوتی۔ وہ اس کی مانند ہیں۔ جس کی آنکھ کی روشنی خدا نے سلب کر لی ہے۔ نہیں وعظ حق نہ سننا نہ اس پر غور کرنا۔ اندھیرا اور روشنی یا جہالت اور علم ان کے لئے دونوں ایک سے ہیں۔ اسی لئے ڈرانا نہ ڈرانا ان کے لئے یکساں ہے۔ رسول یا اس کی علمی قابلیت سے فائدہ نہیں پا سکتے۔ لیکن یہ نہ سمجھا جاوے۔ کہ جیسے اندھا آدمی روشنی سے فائدہ نہیں پا سکتا۔ تو کان سے سن کے تو راستہ کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ اور زبان سے پوچھ کر تو جان سکتا ہے۔ ویسے ہی کافر لوگ کسی اور طرح رسول سے فائدہ پا لیں گے۔ قرآن فرماتا ہے۔ کافروں کے متعلق ایسا خیال نہ کرو۔ بلکہ اندھا آدمی جس طرح دیکھنے سے معذور ہونے کے علاوہ گونگا اور بہرہ ہونے سے بولنے و سننے سے بھی معذور ہو۔ اسی طرح کافروں کی حالت ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ان میں ہر طرح کی ناقابلیت ہے۔ نہ کان سے حق کو سن سکتے ہیں۔ نہ زبان سے حق کی بابت پوچھ سکتے ہیں۔ نہ آنکھ سے روشنی میں دیکھ سکتے ہیں۔ ان سے تو راہِ راست پر آنے کی توقع ہی نہ رکھنی چاہیئے۔ بہ الفاظ دیگر جو لوگ حق کو قبول کرنے کا رجحان ہی نہیں رکھتے وہ کافر ہیں۔

۴۳۔ پالیسی بازوں کی مثال

دوسری قسم کے پالیسی باز لوگوں کے لئے یہ مثال دی ہے۔ کہ جیسے بارش خاص نعمت الٰہی ہے۔ مگر اس کے ساتھ بادل کی تاریکی بھی ہے۔ بجلی کی کڑک و گرج بھی ہے۔ اور بجلی کے گرنے سے موت بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی رحمت کے ساتھ زحمت اور دہشت وغیرہ بھی وابستہ ہیں۔ بجلی کی کڑک موت کے پیغام کی طرح ایک ہولناک آواز ہے۔ ایسی کہ کانوں کے پردوں کو پھٹنے سے بچانے کے لئے کانوں میں انگلیاں دی جاتی ہیں۔ اسی طرح رسول یا مبلغ لوگ بادل ہیں۔ ان کا وعظ حق بارش ہے۔ اس سے روحانی کھیتی سرسبز ہو کر راحت جاودانی کا بیج بویا جاتا ہے۔ مگر واعظانِ حق کا بے خوف ہو کر غلط اعتقادات کا کھنڈن کرنا اور گنہگاروں کو للکارنا ان چال بازوں کے لئے بجلی کی دہشتناک کڑک کے مشابہ ہے۔ کانوں میں انگلیاں دینے کی مانند ان کی یہ حالت ہے۔ کہ وہ وعظ کو گوش ہوش سے سنتے ہی نہیں۔ ہاں اپنی اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے سچے ہادیوں سے دور رہنے کی ہی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے کنی کترانے سے ان کا بن کچھ نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ رسول جس سچے حاکم کے ایجنٹ ہیں۔ وہ تو ان کو محیط کر رہا ہے۔ اس کی پکڑ سے ان کا بچنا ناممکن ہے۔ اس دوسری قسم کے لوگوں کی مختلف حالتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ کانوں میں انگلیاں دیتے اور بجلی کی ناقابل برداشت ہولناک آواز سے بچنے کے لئے واعظان حق کی بات کو دل میں جگہ ہی نہیں دیتے۔ بلکہ کوشش کرتے ہیں۔ کہ وعظ کو سننے کا موقعہ ہی انہیں نہ ملے۔ دوسرے یہ کہ جیسے بجلی کی تیز روشنی میں آنکھ چندھیا جاتی ہے۔ اور دیکھ نہیں سکتی۔ اسی طرح ان کی عقل ان کو حق و باطل کے فیصلے میں مدد نہیں دیتی۔ یہ درجہ ان کی عقل کی رسائی سے بالا ہی رہتا ہے۔

تیسری حالت یہ ہے۔ کہ جیسے تاریکی میں مبتلا لوگوں کو بجلی کی چمک بعض اوقات صحیح رستہ دکھا جاتی ہے۔ اسی طرح ان کی عقلیں وعظ کو سن کر انہیں حق کی طرف مائل کرتی ہیں۔ لیکن جیسے بجلی کی چمک نہایت قلیل عرصے تک رہتی ہے۔ اور اس سے مسلسل راستہ دکھائی نہیں دے سکتا۔ اور چند قدم چل کر پھر تاریکی میں گھرے ہوئے انسان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ جلدی ہی پھر مثل سابق گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چوتھی حالت یہ ہو سکتی ہے۔ کہ خدا ان کو پہلی قسم کے کافر لوگوں کا سا بنا دے۔ یعنی ان کی سننے اور دیکھنے کی قدرت کو ہی سلب کر دے۔ جہاں یہ ممکن ہے۔ کہ وہ وعظ سے کنارہ کئے رہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ ان کی چشم عقل چندھیا جاوے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ وہ وعظ سے کچھ عارضی فائدہ پا دیں۔ وہاں یہ بھی ممکن ہے۔ کہ ان کی عقلیں پہلی قسم کے کافروں کی سی ہو جاویں۔ اس لئے قرآن نے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈال دی ہے۔ اور بارش کی مثال کو ان پر پورا صادق کر دکھایا ہے۔

۳۵۔ الفاظ غور طلب

آیت نمبر ۲۰ میں لَوْ شَاءَ اللّٰہُ کا لفظ قابل غور ہے۔ قرآن میں شَاءَ کا لفظ چاہنے کے معنے میں ہی عموماً لیا جاتا ہے۔ اس پر معترض کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ کہتے ہو کہ اللہ چاہے سو کرے۔ تو اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ خدا محض ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح کسی قاعدہ یا قانون کا پابند نہیں۔ اپنی خود رائی سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرتا ہے۔ انصاف کا پابند نہیں۔ دوسرا لفظ قابل غور شئے ہے۔ اور تیسرا لفظ قدیر۔ خدا کل کاموں یا چیزوں کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کا مفہوم بعض علماء اسلام یہ لیتے ہیں۔ کہ وہ روح اور مادہ کو بھی پیدا کرتا ہے۔ یعنی اس کے قادر مطلق ہونے کی صفت میں روح اور مادہ کو پیدا کرنے کا وصف بھی شامل ہے۔ آریہ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اگر اس کی قدرت کے مفہوم میں کوئی پابندی نہیں۔ تو کیا خدا خود بھی موت یا عدم کا شکار ہو سکتا ہے۔ جھوٹ بول۔ چوری کر زنا وغیرہ کا مرتکب ہو سکتا یا دوسرا خدا بنا سکتا ہے۔ غرض دلیل یہ ہے۔ کہ اگر اور باتیں اس کے لئے ناممکن مانی جانے پر بھی وہ قادر مطلق ہی مانا جائیگا پس محض اس دلیل پر انحصار رکھنا صحیح نہیں۔

اسی طرح اللہ کے چاہنے کا مطلب بھی غیر قانونی یا بے انصافانہ عمل کا نہیں ہو سکتا۔ خدا کے چاہنے میں محض مناسب موزوں یا انصاف پر مبنی امور ہی آسکتے ہیں۔ خدا جسے چاہے راہ راست دکھائے۔ جسے چاہے گمراہ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو جس قابل ہوتا ہے۔ اسے اس حالت میں بناتا ہے۔ خدا کی خواہش میں جاہل انسانوں کی ناقص خواہشوں کا کچھ تعلق نہیں۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ کا تعلق ایک طرف مشیت ایزدی سے ہے۔ اور دوسری طرف انسان متعلقہ کی قابلیت سے بیان القرآن کے صفحہ ۳۲ پر لکھے حسب ذیل الفاظ اس پہلو میں قابل غور ہیں۔

"اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس پر یہ اعتراض آریہ سماج کی طرف سے ہوا ہے۔ کہ پھر وہ اپنے جیسا قادر مطلق خدا بنا سکتا ہے یا نہیں اور اپنی ملکیت سے کسی کو خارج کر سکتا ہے یا نہیں یہ امور اس کی صفات کاملہ کے خلاف ہیں۔ اس لئے وہ ایسا نہیں کرتا۔ قدرت کا سوال ہی اس بات پر آتا ہے۔ جو اس کی صفات کے خلاف نہ ہو مثلاً اگر کہا جاوے۔ کہ فلاں شخص اتنا امیر ہے۔ کہ وہ جو چاہے کھائے اور جو چاہے پہنے۔ تو یہ ایک احمقانہ سوال ہے۔ کہ کیا وہ غلاظت کھا سکتا ہے یا گندے چیتھڑے پہن سکتا ہے علاوہ ازیں لفظ شئی کو اختیار کر کے قرآن شریف نے خود بتا دیا۔ کہ اس کی قدرت ان چیزوں پر ہے۔ جو وہ چاہتا ہے۔ یعنی جو اس کی صفات کے

تقاضا کے خلاف نہیں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ دوسرے قادر مطلق خدا کا ہونا یا اس کی مملکت سے باہر کسی اور ملکیت کا ہونا اس کی صفات کے تقاضا کے خلاف ہے۔ اور اسی لئے شئی کا اطلاق ہی اس پر نہیں ہو سکتا۔ مگر اس سے بڑھ کر یہ بات ہے۔ کہ آج سے سینکڑوں سال پیشتر جب ان اعتراضات کا نام نہ تھا اس وقت بھی قدیر کے معنے ائمہ لغت نے یہی کئے ہیں۔ کہ اس چیز کا کرنے والا جیسے وہ چاہے اور اس اندازے پر جو اقتضائے حکمت کے مطابق ہو۔ نہ اس سے زیادہ ہو اور نہ کم بس خود لغت ہی ان اعتراضات کا فیصلہ کرنے کو کافی ہے !! اس سے پہلے صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے۔

"قدیر قدرت سے ہے۔ اور جب یہ انسان کی صفت ہو۔ تو مراد اس سے ایسی حالت ہے۔ جس میں انسان کسی چیز کے کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اور جب اللہ تعالےٰ کی صفت ہو۔ تو مراد اس سے ہر قسم کے عجز یا کمزوری کی نفی ہوتی ہے۔ اور سوائے اللہ تعالےٰ کے قدرت مطلقہ کا لفظ دوسرے پر بولا نہیں جاتا۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ فلاں امر پر قادر ہے۔ اور قدیر کے معنی ہیں۔ الفاعل لما یشاء علی قدر ما تقتضی الحکمۃ لا زائدا علیہ ولا ناقصا عنہ یعنی کرنیوالا اس کا جیسے وہ چاہے اس اندازے پر جو حکمت کا اقتضا ہے۔ نہ اس سے زیادہ اور نہ اس سے کم (رغ)

مولانا صاحب نے ان الفاظ میں ہو بہو آریہ سماج کی دلائل کو نقل ہی نہیں کیا۔ بلکہ یہ بھی ثبوت پیش کیا ہے۔ کہ آریہ سماج کی دلائل کو لغت بھی معقول بتاتی ہے۔ اور وہ خود بھی۔ ہاں فرق ہے۔ تو محض یہ کہ مولانا صاحب طرفداری کے جذبہ سے اوپر نہیں اٹھ سکے۔ جو قرآن جیسی بے نظیر کتاب کے مفسر کا لازمی فرض تھا۔ صفات الٰہی کے تقاضے کا اصول مانتے ہوئے بھی اور خلاف صفات الٰہی کو اس کی قدرت کا ملہ سے خارج مانتے ہوئے بھی حدوث روح و مادہ کے متعلق جب آریہ سماج اس دلیل کو پیش کرتا ہے۔ اس پر غور نہیں فرماتے۔

اسی صفحہ پر آپ خدا اور انسان کی صفات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ کہ ہیں تو انسان میں بھی وہی صفات مگر اللہ تعالےٰ کی صفات اس پر غالب ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کی مشیت کو بھی انسان کی مشیت پر غالب بتایا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ ہم اگر اللہ تعالےٰ کی مشیت کے ماتحت نہ ہوں۔ تو ہماری مشیت بھی اس کی مشیت کی طرح کامل ہو گی۔ اور یہ شرک ہے"۔ کیا ہی بہتر ہو۔ کہ مولانا صاحب اپنے منطق کا اطلاق انصاف کے ساتھ کریں۔ جب آپ سمجھتے ہیں۔ کہ خدا کی قدرت ان چیزوں پر ہے۔ جو اس کی صفات کے تقاضا کے خلاف نہ ہوں تو روح اور مادہ کو حادث مانتے ہیں آپ غلطی پر کیوں نہیں۔ کیونکہ غیر حادث خدا کی صفت کا تقاضا یہی ہے۔ کہ اس کی ملک غیر حادث ہو۔ ورنہ خدا کا مالک رازق عالم۔ خالق رحمان۔ رحیم۔ رب العالمین ہونا وغیرہ کی کل صفات حادث ہوں گی۔ کیونکہ روح اور مادہ کے حدوث کے بعد ہی ان صفتوں کا اس پر اطلاق ہو سکیگا۔ رہی لغت۔ اس کی آپ تاویل ہی غلط کر رہے ہیں۔ کسی چیز کو مقرر اندازے کے مطابق پیدا کرنا نہ قابل اعتراض ہے۔ نہ اس امر کا یہاں تعلق ہے۔ کیونکہ نیستی سے یا بغیر علت کے پیدا کرنا تو کہیں لکھا ہی نہیں۔ اور پیدا کرنا کے معنے ظاہر کرنا ہے۔ اس چیز کا جو مردہ یا پوشیدہ ہے۔ پس لغت اعتراضات کا فیصلہ نہیں کرتی۔ بلکہ ان کی تائید کرتی ہے۔ جب آپ خدا اور انسان میں ایک ہی قسم کی صفات مانتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی صفات یا مشیت کو انسان کی صفات یا مشیت پر غالب مانتے ہیں۔ تو روح اور مادہ کا غیر حادث ہونا خود بخود ثابت ہے۔ اس سے صفات بھی یکساں ثابت ہوں گی۔ اور خدا کی مشیت کا غلبہ بھی ہوگا۔ حدوث کی صورت میں حدوث سے پہلے خدا کی انسان کی سی صفات اور اس کے غلبۂ مشیت کا عدم محض ہوگا۔ جو

ماننا اللہ ہر قسم کے شرک سے بھی بڑا گناہ اور بُری طرح کا دہریہ پن ہے۔ یہ خیال کہ رُوح اور مادہ کی ازلیت ماننے سے یہ دونوں ہستیاں خدا کے برابر ہوں گی۔ اور شرک کا نقص عائد ہوگا۔ بالکل غلط ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں۔ کہ رُوح اور مادہ حادث ہونے کی صُورت میں بھی اس وقت موجود ہیں۔ اور خدا بھی موجود ہے۔ اس سے آپ انکار نہیں کر سکتے۔ بلکہ بہ طور امر واقعہ مانتے ہیں۔ کہ تینوں اس وقت ایک ہی زمانہ میں اور ایک ہی قسم کے جہانوں میں موجود ہیں۔ اور ہستی کی صفت کے لحاظ سے تینوں کامل طور پر یکساں ہیں۔ اچھا تو جب تینوں کی موجودگی میں بھی آپ علے الاعلان خدا کو لاشریک مان رہے ہیں۔ تو آپ کے موہومہ حدوث سے قبل بھی اگر تینوں ہستیاں موجود ہوں۔ تو خدا کس وجہ سے اس وقت لاشریک نہیں رہیگا۔

سوامی دیانندجی ستیارتھ پرکاش میں آپ سے پہلے سرو شکتیمان یا قادر مطلق کا مطلب یہ واضح کر گئے ہیں۔ کہ "ایشور اپنے کام یعنی پیدائش پرورش فنا وغیرہ کرنے اور تمام جیووں کے پُن پاپ کے متعلق آئین کو واجب طور پر چلانے میں کسی کی ذرّہ بھی امداد نہیں لیتا۔ اس کے بعد اس خیال کی تردید کرتے ہیں۔ کہ ایشور جا ہے سو کرے۔ آپ سوال کرتے ہیں "کیا پرمیشور اپنے آپ کو مار سکتا ہے۔ بہت سے ایشور بنا سکتا ہے۔ خود بے علم ہو سکتا ہے۔ چوری۔ بدکاری وغیرہ پاپ کے کرم کر سکتا ہے۔ اور دکھی بھی ہو سکتا ہے؟ یہ کام اگر ایشور کے صفات فعل اور عادات کے خلاف ہیں۔ تو تمہارا یہ قول کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا"

ہم پھر کہتے ہیں۔ کہ بیان القرآن والا اقتباس محض یہ ثبوت مہیا کرتا ہے۔ کہ سوامی جی کے الفاظ کا ہی اعادہ کیا گیا۔ اور لغت کے حوالے سے فریقین کی باہمی پرانی مطابقت کا پتہ دیا گیا ہے۔ مگر طرفداری کے جذبہ کے زیر اثر الفاظ کے پردہ میں تاویل اُلٹی کر دیگئی ہے۔ ورنہ اگر آپ رُوح اور مادہ کو پیدا کرنے والا خدا کو مانتے ہیں۔ تو اور خداؤں کا پیدا کرنا بھی لازمی بلکہ رُوح اور مادہ سے بھی زیادہ ضروری ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ انسانی رُوح جیسا کم علم اور محدود العقل و محدود الطاقت رُوح اور بے علم۔ بے حس وحرکت جڑ مادہ کو پیدا کرنے سے خدا کی قدرت کا ملہ ظاہر نہیں ہوتی۔ ایسا نتیجہ نکالنا بہت اغلب ہے۔ کامل قدرت کا تقاضا تو یہی ہوتا۔ کہ وہ اپنے جیسے بے شمار کامل خدا بنا دکھاتا"

جس طرح ملک میں ایک بادشاہ ماننے کا یہ مطلب نہیں۔ کہ صُوبوں کے حاکم یا وزیر یا رعیت کے اور لوگ کوئی نہیں۔ اور نہ یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ بادشاہ کے ساتھ دوسرے حاکموں کا وجود ماننے سے بادشاہ کی ہستی کے متعلق کوئی شک یا اس سے بغاوت کا قیام ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح رُوح اور مادہ کا ازل سے ہونا خدا کی ذات میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ ہم قرآن کے کثیر التعداد حوالوں سے ہی قدامت رُوح و مادہ کا صحیح ہونا حصہ اوّل میں ثابت کر چکے ہیں۔ لہذا قرآن کے خلاف ان وسوسوں کو کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی۔

۳۶۔ فیضانِ الٰہی

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۲

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ
بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ
فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ
مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ
كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ
لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ
لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٤﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا
مِّنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً
فَمَا فَوْقَهَا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ
وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهٖ
كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٦﴾ الَّذِيْنَ
يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ
اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٧﴾

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا
فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ
سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹﴾

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ جس نے تمہیں اور تم سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی ہو۔ ۱۔ (تمہارا رب وہ ہے) جس نے تمہارے لئے زمین کا وسیع فرش اور آسمان کو بمنزلہ عمارت بنایا۔ اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے لئے قسم قسم کے پھلوں سے رزق پیدا کیا۔ پس اگر سمجھدار ہو۔ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو یعنی کسی کو اس کا ہمسر نہ بناؤ۔ ۲۔ اور جو سورت ہم نے اپنے بندے پر ظاہر کی ہے۔ اگر تمہیں اس کی صداقت میں شک ہو۔ اور تم صادق ہو۔ تو تم بھی اس جیسی سورت بنا دکھاؤ۔ اور ماسوائے اللہ کے اپنے شاہدوں کو بھی دعوت دے کر دیکھ لو۔ ۳۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو۔ اور یقیناً نہ کر سکو گے۔ تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اور جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ ۴۔ اور بشارت ہو ان کو جو حق کو مانتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے میں نہریں بہتی ہیں۔ اور جب اس باغ کے پھلوں کی نعمتیں ملتی ہیں۔ تو کہتے ہیں آہا یہ تو وہ نعمتیں ہیں۔ جو ہمیں پہلے ملی تھیں۔ اور مشابہت والے بھی ملیں گے۔ اور وہاں ان کے لئے ازواج مطہرہ ہوں گی۔ اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ ۵۔ تحقیق اللہ کو کسی مثال کے بیان کرنے میں عار نہیں۔ خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر حقیر چیز کی۔ سو حق کو قبول کرنے والے تو کہتے ہیں۔ کہ یہ صحیح ہے۔ اور ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ مگر منکر لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس مثال کے بیان کرنے کی خدا کو کیا غرض تھی۔ اکثروں کو وہ اس سے گمراہ کرتا ہے۔ اور اکثروں کو ہدایت دیتا ہے۔ مگر گمراہ ہوتے ہیں۔ تو فاسق ہی ہوتے ہیں۔ ۶۔ یعنی وہ لوگ جو عہدِ الٰہی کو پختہ کرنے کے بعد ان سے انحراف کرتے ہیں۔ اور جس کے جوڑنے اور حاصل کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس سے قطع تعلق کر کے دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ۷۔ تم اس خدا سے کس طرح انکار کر سکتے ہو۔ جس نے تمہیں مردہ ہونے پر زندہ کیا۔ وہ تمہیں پھر مارے گا۔ پھر جلائے گا۔ حتیٰ کہ تم اس کی طرف لوٹ جاؤ۔ یعنی اس سے واصل ہو جاؤ۔ ۸۔ وہی خدا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی کل کائنات پیدا کی۔ اور زمین سے اوپر کی طرف بھی اسی کا ظہور ہے۔ کہ اس نے سات آسمان آراستہ کر دیئے۔ کیونکہ وہ کل چیزوں کا علم رکھتا ہے۔ ۹۔

۳۷ - فیضانِ الٰہی اور انسانوں کا فرض	ان آیتوں میں خدا کی مہربانیوں اور بخششوں کا بیان کر کے انسان کو اس قسم کے مقدم فرض کا خیال دلایا ہے۔ کہ وہ خدا

کی عبادت کرکے اپنی زندگی کو کامیاب بنادے۔ ہمیں خدا نے پیدا کیا۔ جن بزرگوں نے ہمیں پالا۔ اور ہمیں دنیا میں کسی قابل بنایا۔ ان کا پیدا کنندہ بھی خدا ہے۔ اسی نے بارش برسائی۔ جس سے اَن اناج اور پھل وغیرہ نعمتیں ہیں۔ اور ہمارے جسم بڑھے اور قائم رہے۔ اسی نے انسان کو علم دیا۔ سورۃ فاتحہ یا گائیتری منتر جیسا رموزِ غیبی کا جامع گورمنتر اس سچے پرم گورو کا ہی عطیہ ہے۔ وہ عطیہ جس کی تعلیم کی نظیر سب انسان مل کر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ وہی صراطِ مستقیم سے منحرف لوگوں کو دکھوں میں مبتلا کرتا ہے۔ تاکہ آئندہ کے لئے وہ اپنے دکھوں کا سامان کرنے اور دوسرے لوگوں کی تکلیف یا گمراہی کا موجب نہ ہوں۔ وہی نیک اور ایماندار لوگوں کو راحتیں اور نعمتیں دیتا ہے۔ قسم قسم کے سچے علوم اصول اور احکامات سے انسانوں کو راہِ راست کی ہدایت دیتا ہے۔ وہی زندہ کرتا وہی مارتا وہی نجات دیتا ہے۔ وہی زمین اس کی کل کائنات۔ عالم بالائی اور سات طبقات سماوی کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہی علیم کل ہے۔ لہذا وہی عبادت کا مستحق ہے۔ کوئی اور ہستی اتنا فیض نہیں پہنچا سکتی۔ اتنا کیا سمندر کے مقابلے پر بوند جتنا بھی بھلا نہیں کر سکتی۔ اس لئے اس کے برابر نہ کوئی ہمارا محافظ ہے نہ مددگار نہ ہماری عبادت کا مستحق۔ لہذا اس معبودِ حقیقی کی ہی عبادت کرنا جملہ انسانوں کا مقدم فرض ہے۔ قرآن میں جہاں اور کئی مقامات پر بھی خدا کے فیضان کا مؤثر بیان ہے۔ وہاں وید کے انیک منتروں میں بھی یہی کچھ منکشف کیا گیا ہے۔ ہم وہ وید منتر اور آیات جن میں ایک ہی مضمون اس فرض کے متعلق ہے۔ ایک خاص ضمیمہ میں بالمقابل دکھائیں گے۔ یہاں محض ایک مشہور منتر کو پیش کر دینا ہی کافی ہے۔

हिरराय गर्भः सम वर्त्त ताग्रे भूत स्य जात : पति रेक आसीत ।
सदाधार पृथिवीं द्यामुते मां कस्मै देवाय हविषा विधेम ॥

رگوید منڈل ۱۰۔ سوکت ۱۲۱۔ منتر ۱

اس میں فرمایا ہے۔ کہ اے انسانو! تم سب کو اس راحت مجسّم خدا کی عبادت کرنی چاہیئے۔ جو تمام روشن کروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ سب کی پیدائش سے پہلے موجود بالذات۔ ساری مخلوق غیر مخلوق دنیا کا واحد مالک زمین اور دیو یعنی نظامِ شمسی یا کرہ سماوی کا پیدا کنندہ اور ان کا قائم رکھنے والا ہے۔ اسی طرح ہر کہیں اسے علم مجسّم انسانوں کی رہنمائی کے لئے الہامی علم کا دینے والا۔ بارش کے ذریعے سے تمام جانداروں کی پرورش کے لئے اَن اناج اور نباتات کو پیدا کرنیوالا۔ اگیانیوں کو آواگون میں بھٹکانے اور دکھ دینے والا اور گیانیوں کو سکھ دینے اکہ نجات کے راحت بخش فضا میں پہنچانے والا ہے۔ غرضیکہ آرام تکلیف زندگی موت سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا تمام انسان خلوص عقیدت سے اس پرماتما کی عبادت کریں۔

۳۸۔ عبادت الٰہی کا مقصد

انسان جن چیزوں کا چنتن یعنی جن پر غور یا دھیان کرتا رہتا ہے۔ انہی کے اوصاف سے وہ متاثر ہو سکتا ہے۔ صحبت کا اثر ایک عالمگیر اصول ہے۔ نیک صحبت سے اور نیک عادات و افعال میں لگا رہنے سے نیک بننا اور نیکی میں ترقی کرتے جانا لازمی ہے۔ خدا چونکہ تمام نیک صفات اور افعال حسنہ کا مجسّمہ ہے۔ اس لئے اسی کے اوصاف کا چنتن کرنے سے انسان پر سب سے زیادہ نیک اثرات پڑتے اور انسانیت کا کمال حاصل ہوتا ہے۔ وید میں ایسی دعا مانگی گئی ہے۔ کہ ہے ایشورا! تو تیج ہے مجھ میں تیج ڈال۔ تو بل یا طاقت مجسّم ہے۔ مجھ کو طاقت

دے۔ وغیرہ حقیقت یہ ہے۔ کہ انسانی روح فطرتی طور پر تمام صفات الہی سے محروم ہے۔ لیکن اس میں یہ صلاحیت ہے۔ کہ وہ صحبت کے اثر کو قبول کرتا ہے۔ مادی اشیاء کے تعلق سے اس میں جہالت یا جڑپنا آتا ہے۔ اور ایشور کی طرف رجوع کرنے سے علم وغیرہ اعلےٰ اوصاف حاصل کرتا ہے۔ یعنی انسان کی بھلی بری حالت سب عارضی ہے۔ فطرتی نہیں۔ سنگت یا عارضہ کے بدلنے سے اس کی حالت بدل جاتی ہے۔ اسی لیے وہ انسان مبارک سمجھے جاتے ہیں۔ جو خدا کی یاد میں مصروف رہتے ہیں کیونکہ اس سے ان پر نیک اوصاف نازل ہوتے ہیں۔ جن سے وہ نیک عمل اور نتیجے میں راحت پاتے ہیں۔ سنسکرت میں ستتی پرارتھنا اور اپاسنا کے الفاظ بڑے پر مطلب ہیں۔ ستتی سے ایشور کے اوصاف کا بیان کرنا اس لئے ہے۔ کہ اس سے ان اوصاف کی طرف زیادہ سے زیادہ کشش ہمارے اندر ہوتی جاتی ہے۔ اور پرارتھنا کا یہ مطلب ہے۔ کہ انسان کے اندر ان اوصاف کی مانگ بڑھتی ہے۔ ان کے حاصل کرنے کے لئے خواہش پیدا ہو کر کوشش ہوتی ہے۔ اور اپاسنا کے معنے پاس بیٹھنا کے ہیں۔ کہ انسان خدا کے نزدیک ہو جس طرح آگ کی قربت سردی سے محفوظ کرتی ہے۔ اسی طرح خدا کی عبادت دکھوں سے بچاتی ہے۔ اور انسان کو نیک اوصاف کا مالک بناتی ہے۔ اور ان نیک اوصاف والوں کو آریہ یا متقی کہا جاتا ہے۔ اور اسی لئے قرآن فرماتا ہے کہ خدا کی عبادت کرو۔ تاکہ تم متقی بنو۔ اور فلاح دارین حاصل کر سکو۔

۳۹۔ کھلا چیلنج

خدا کی خاص الخاص مہربانی یہ ہے۔ کہ اس نے علم انسان کو دیا۔ خدا کا علم نقص سے پاک ہے۔ حضرت محمد صاحب آغاز سے ملے ہوئے الہامی علم کی ہی اشاعت کرتے تھے۔ اور سورۃ فاتحہ کو یا گائیتری منتر کو افضل ترین کلمہ سمجھتے تھے۔ ان کا اعتقاد بالکل بجا تھا۔ کہ جیسے کوئی انسان سورج یا چاند نہیں بنا سکتا۔ نہ زمین اسی طرح وہ علم بھی ایجاد نہیں کر سکتا۔ اور نہ علم الہی کا یا سورۃ فاتحہ کی تعلیم کا مقابلہ کسی انسانی اختراع سے ہونا ممکن ہے۔ اس پختہ اعتقاد کا ہی نتیجہ وہ چیلنج ہے۔ جو آیت ۲۳ میں دیا گیا ہے۔ مفسرین کا اس کے متعلق باہمی اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے۔ کہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے سورۃ فاتحہ کی یکتائی ظاہر کی گئی ہے۔ کیونکہ نزول قرآن کے وقت عرب میں فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا۔ شعر موزوں کر دینا معمولی سی بات تھی۔ لونڈیاں تک مختلف مضامین میں ایسے برجستہ اشعار کہہ دیا کرتی تھیں۔ کہ آج اچھے سے اچھا ادیب ان کی مثل نہیں کہہ سکتا۔ ایسے وقت میں ایک ان پڑھ پیغمبر کا پکار پکار کر یہ کہنا کہ اس طرح کی ایک ہی سورۃ بنا یا بنوا لاؤ۔ بڑی وقعت رکھتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے۔ کہ تا قیامت ہے۔ لیکن یہ پوزیشن صحیح نہیں۔ نہ حضرت محمد صاحب اس معنے میں امی تھے۔ کہ وہ بالکل بے علم تھے۔ کیونکہ عربی ان کی مادری زبان تھی۔ اور وہ بڑے ذہین اور تجربہ کار شخص واقع ہوئے تھے۔ نہ زباندانی یا فصاحت کا مقابلہ علم الہی کے ماننے والے کے نزدیک وقعت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت اور اصل معانی کا شیدائی ہے۔ نہ کہ بیرونی لفظی غلاف کا۔ نہ کوئی امی شخص خود ایسا یقین کر سکتا ہے۔ کہ واقعی فلاں کلام یا جزو کلام فصاحت کے لحاظ سے بے نظیر ہے نہ وہ اپنے دعوے کی امتیازی پوزیشن کو بمقابلہ اوروں کے محسوس کر سکتا ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ اہل عرب علم الہی سے منحرف تھے۔ ان کی شعر گوئی بھی برے مذاق کی تھی۔ اس لئے سورۃ الشعرا آیت ۲۲۴ میں کہا گیا۔ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ۔

شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ پھر کہا وہ ہر وادی میں سرگرداں ہیں۔ کیا جھوٹی تعریف جھوٹی مذمت اور کیا مبالغہ آمیز غیر منطقیانہ خیالات۔ جو ان میں سے راہِ راست پر آکر نیک عمل ہو جاویں۔ ان کے علاوہ کیلئے یہ کہا کہ ان ظالموں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس کس قالب میں منقلب ہوتے ہیں"۔ علم عروض میں زباندانی کا کمال ہے۔ لیکن عرب کے شعراء نے اسے سچائی اور نیکی سے جدا کر دیا تھا۔ اور مذہبی امور کے متعلق وہ طبع آزمائی کرتے ہی نہ تھے۔ جس سے مذہبی تعلیم سے تعلق رکھنے والے کلام فصیح و بلیغ کا مقابلہ شعراء کیلئے ناممکن تھا۔ پس فصاحت اور بلاغت کے ساتھ مضامین کی لطافت اور خیالات کی رفعت یا علم الٰہی پر مبنی سورۃ فاتحہ کے معانی کا مقابلہ کرنے کو ہی یہ چیلنج مقصود تھا۔ محض زباندانی والی فصاحت و بلاغت سے آنحضرتؐ کو سروکار نہ تھا۔ ان کا دعوے محض اپنی مذہبی تعلیم کے منجانب اللہ اور قدیم دہرم کے مطابق ہونے کا تھا جس کا مقابلہ کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ جو حقیقی لاثانی فضیلت آنحضرتؐ عربی قرآن میں سمجھتے تھے۔ وہ آپ نے خود ہی واضح بھی کر دی ہے۔ سورہ یونس آیت ۳۷ میں کہا ہے۔ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ "یہ قرآن اس قسم کی کتاب نہیں۔ کہ خدا کے سوا کوئی اسے بنا سکے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ اس کی قدیم سے موجود قوانین کی تصدیق کرتا ہے۔ اور رب العالمین کی منزہ من الخطا کتاب کی تفصیل ہے۔

پس جو وجہ خود قرآن بالکل صاف طور پر پیش کر رہا ہے۔ اسے چھوڑ کر قرآن کے چیلنجوں کے متعلق مفسرین کا ذاتی خیالات پر مبنی تفصیلوں کو پیش کرنا کسی طرح معقول نہیں ہو سکتا۔

۴۰۔ فَاتَّقُوا النَّارَ

پس آگ سے ڈرو۔ اس آگ کا مفہوم دکھوں کی آگ سے ہے۔ اور اسے قرآن میں جہنم۔ عذاب عظیم۔ عذاب الیم۔ نارِ جہنم وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض جگہ ہمیشہ جلتا رہے۔ اور پینے کو کھولتا پانی ملنے وغیرہ کا ذکر ہے۔ لیکن ہر طرز بیان سے مقصود دکھوں کا ملنا ہے۔ اور سارے بیان موجودہ ہندوؤں کے پرانوں کے نرک کے بیان کی طرح ہیں۔ جن کا فائدہ ان لوگوں نے نہایت خوفناک تصویروں میں کھینچا ہے۔ گرز مارے جا رہے ہیں۔ آروں سے چیرے جا رہے ہیں۔ آگ میں جل رہے ہیں۔ پیاس سے زبان باہر لٹک رہی ہے۔ وغیرہ۔ یہ سب کچھ اس ہدایت کے لئے مقصود ہے کہ انسان دہرم یا سچائی سے منحرف نہ ہوں۔ گناہ کے بدلے خوفناک سزا کا نظارہ عام لوگوں کو بدی کرنے سے روکتا ہے۔ آنریبل سر سید احمد صاحب نے بھی جہنم کے متعلقہ کل بیانات قرآن کا مفہوم دکھ یا رنج سے ہی لیتے ہیں۔ اور واقعی یہی صحیح ہے۔ چونکہ آیت ۲۴ میں اس آگ کا پتہ دیا ہے۔ کہ اس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ مراد دکھوں سے ہے۔ کیونکہ مادی آگ جو جلتی ہے اس میں لکڑی کا ایندھن ہوتا ہے۔ انسانی جسم کا نہیں۔ موت کے بعد اگر جسم جلایا جاتا ہے۔ تو وہ ایندھن والی آگ سے جلایا جاتا ہے۔ خود بطور ایندھن انسانی جسم جلے۔ ایسی ضرورت کبھی پیش نہیں آسکتی۔ نہ ایسا ہوتا ہے۔ پس جس طرح یہ کہا جاتا ہے۔ کہ غم انسان کا گوشت کھاتا ہے۔ اسی طرح یہ کہتا ہے۔ کہ بد انسان اس (دکھوں والی) آگ میں جلائے جاتے ہیں جس کا ایندھن آدمی ہیں۔ ساتھ ہی یہ لفظ پتھر کا۔ پتھر کا کوئلہ تو ایندھن کا کام دیتا ہے۔ پتھر نہیں۔ اور انسانوں کے ساتھ پتھر کا ذکر آنے سے عیاں ہے۔ کہ مراد ایسے لوگوں سے ہے۔ جو بڑے پتھروں سے تشبیہ پاتے ہیں۔ یعنی مشہور مقولہ کے بڑے سنگدل لوگ

جو بڑے کاموں کی وجہ سے قادر مطلق خدا کے قانون سے سزا پاتے ہیں۔ وید کے طریق پر نار کو پتھر جیسے مضبوط لوگوں کو جلانے والا اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ گیان یا تپ کی آگ سے بڑے بڑے پختہ بُرے خیالات بھی جل جاتے ہیں۔ پتھر دل بھی سچائی کی آگ سے پگھل جاتے یا نرم ہو سکتے ہیں۔ ایسے ہی سچائی یا گیان کے معنی ہیں موز کو ہیں۔ تو چیلنج دینے اور یہ کہنے کے بعد کہ انسان ہرگز ہرگز سارے مل کر بھی ایسی سورت نہیں بنا سکتے فاتقوا النار کا مفہوم یہ ہوگا۔ کہ علم الٰہی والی آگ پر تقوے کرو۔ وہ سارے تعصبات اور بڑی سے بڑی جہالت کی باتوں کا صفایا کر دے گی۔ کافروں کے لئے یہ آگ مخصوص اس لئے ہے۔ کہ ان کے توہمات باطلہ وخیالات کے لئے محض علم الٰہی کی آگ ہی کام دے سکتی ہے۔ اگرچہ مطلب دونوں طرح سے اچھا نکلتا ہے۔ تو بھی عام استعمال اس نار لفظ کا دوزخ یعنی دکھوں والی آگ کے معنے میں ہی ہوتا ہے۔

۴۱ ۔ جنّت

آیت ۲۵ میں نیک لوگوں کے لئے جس جنت کا ذکر ہے۔ اس سے مراد دنیا کا سورگ بھی ہے۔ اور روحانی نجات بھی اس کا مفصّل بیان حصّہ اول باب ہفتم میں آچکا ہے۔ وہیں دیکھنا چاہیے یہ کہنا کہ یہ وہ نعمتیں ہیں۔ جو ہمیں پہلے ملی تھیں۔ ظاہر کرتا ہے۔ کہ دنیوی سامان ملنے پر انسان اگر ان کا برا استعمال کر کے دکھ پاتا ہے۔ تو انہی کا اچھا استعمال کر کے سورگ بھی بھوگتا ہے۔ سامان وہی ہے۔ جو نرک یا دوزخ کی مصیبت لا سکتا ہے۔ اور نیک لوگ اس پر خدا کا شکر کرتے ہیں۔ کہ سچائی نیکی اور علم کی بدولت وہی سامان ہمارے سکھ کا موجب بن گئے ہیں

۴۲ ۔ متشابہ پھل

متشابہ پھل کا تعلق نجات سے ہے۔ دنیوی سورگ میں جس طرح کی جسمانی راحتیں ملتی ہیں نجات میں اسی قسم کی روحانی نعمتیں ملتی ہیں۔ یا یوں کہو۔ کہ جو کام ہم دنیوی زندگی میں حواس وغیرہ کے ذریعے کرتے ہیں۔ انہی کے مشابہ کام نجات میں روح اپنی ذاتی طاقت سے کرتا ہے۔ گو جسمانی اور روحانی سکھ مختلف ہیں۔ لیکن سکھ کے لحاظ سے وہ باہم مشابہ ضرور ہیں۔ زبان سے ذائقہ ہم اب لیتے ہیں۔ لیکن نجات میں اسی کے مشابہ لذت روح اپنی ذاتی طاقت سے رس روپ ہو کر براہ راست لیتا ہے۔

۴۳ ۔ ازواج مطہرہ

عفت اور عصمت کی مجسمہ نیک پاک یا پورے طور پر برہمچریہ پر عمل کرنے کے بعد شادی کرنے والی عورتیں دنیا میں بہترین قسم کا سورگ قائم کرتی ہیں۔ اور بدچلن عورت جہنم مجسم ہے۔ بہ قول ؎

زنِ بد در سرائے مرد نکو ہم دریں عالم است دوزخ او

پس ازواج مطہرہ کا جنت میں ملنا واقعی صحیح ہے۔ لیکن حالت نجات میں ازدواج مطہرہ نام روح کی ذاتی چوبیس قسم کی طاقتوں کا ہے۔ جو روح کے ساتھ عالم نجات میں اس کے آنند بھوگنے کا سادھن ہیں۔ ازواج کے معنی لغت میں درحقیقت ساتھی ہی ہیں۔

۴۴ ۔ تمثیل

سورگ اور نجات کے ساتھ نعمتوں اور عورتوں کا ذکر سن کر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ بالخصوص نجات میں ازدواج کا لفظ اعتراض کا نشانہ بن سکتا ہے۔ لیکن قرآن آیت ۲۶ میں واضح کرتا ہے۔ کہ علمی اصول تمثیلوں سے بیان کرنا معقول

ہے۔ مثال خواہ مچھر اور مکھی جیسی حقیر ہستیوں کی ہو۔ نیک لوگ اس سے اصل مفہوم کو سمجھ کر راہِ حق پر چلتے ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ کہ بعض لوگ اُلٹے اور گندے مطلب نکالتے ہیں۔ کیونکہ یہ نتیجہ ان کے اپنے اندرونی گندے خیالات کا ہے۔ مثال کا نہیں۔

۴۵۔ فاسق

آیت ۲۶ میں یہ کہا گیا تھا۔ کہ کسی مثال سے بُرا اثر پانے یا گمراہ ہونے والے صرف وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو فاسق ہیں۔ اس پر سوال ہُوا۔ کہ فاسق سے یہاں کیا مراد ہے۔ اس کا جواب آیت ۲۷ میں یوں دیا۔ کہ فاسق وہ لوگ ہیں۔ جو عہدِ الٰہی کے اس روزِ ازل سے پختہ ہونے پر بھی اس سے انحراف کرتے ہیں یعنی حق جس کے حاصل کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ یہ ایک مستقل عہد ہے۔ جب سے خدا ہے۔ اور جب سے انسان ہے۔ تب سے ہی اس عہد کا دائمی تعلق ہونا لازمی ہے۔ قرآن میں اور جگہوں میں بھی اس عہد کی طرف اشارہ ہے۔ اور کئی جگہ بہت سے عہدوں کا ذکر ہے۔ جیسے سورۃ آل عمران میں ہے۔ اے حق پرستو! "اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ اگرچہ نظرِ عمیق سے قرآن کا مطالعہ کرنے والے ان عہدوں کی حقیقت قرآن سے اچھی طرح جان سکتے ہیں۔ تاہم صریح اور صاف الفاظ میں ان کا بیان نہیں ہوا۔ اور قرآن کا لہجہ یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ عہد پہلے سب لوگوں کو معلوم ہیں۔ لہٰذا اگلی دفعہ میں عہدِ الٰہی کی توضیح کر کے باقی عہدوں کا حسبِ موقعہ بیان کیا جائیگا۔

۴۶۔ عہد اللہ

قرآن کی طرح بائیبل میں بھی عہد اللہ اور دوسرے عہدوں کا ذکر موجود ہے۔ مگر اس کی صحیح اور معقول توضیح وہاں بھی صاف الفاظ میں نہیں۔ کہیں ختنہ کو عہد اللہ کہنے کا اشارہ ملتا ہے۔ کہیں کسی اور بات کو بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ حمل کی تکلیف سے رہائی پانے کے لئے ہر طرح دعا مانگنا اور پیدا ہو کر عبادت اور نیکی کرنے کا اقرار کرنا ہے۔ وہی اس عہد اللہ کا اصل مفہوم ہے۔ لیکن ایسے تمام قیاسات نہ کسی علمی اصول کا نام پا سکتے ہیں۔ نہ ان کو کسی مسلمہ سند کی بناء پر صحیح مانا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ قرآن وید کو ہی کامل الہام مانتا ہے۔ اور اس میں بیان شدہ تمام سچے اصول اُمُّ الْکِتَاب میں موجود ہیں۔ جیسا کہ سورۃ آلِ عمران کی آیت ۶ کے ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ "هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ" یعنی قرآن میں جو محکم یا سچے علمی اصولوں کو بیان کرنے والی آیتیں ہیں۔ وہ ام الکتاب کی ہیں۔ یعنی وید کی۔ چونکہ عہدِ الٰہی ایک مستقل علمی اصول ہے۔ اس لئے یہ عہد وہی ہونا لازمی ہے۔ جو وید میں مذکور ہے۔ اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہی معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یجر وید ادھیائے ۱ منتر ۵ میں اس عہد کا بیان روزانہ آریوں کے مطالعہ میں اب بھی آتا ہے۔ یہ منتر حسبِ ذیل ہے۔

अग्ने व्रतपते व्रतं चरिष्यामि तच्छकेयं तन्मे राध्यताम्। इदमहमनृतात्सत्यमुपैमि॥ यजु० १।५।

اے تمام عہدوں (برتوں) کے مالک یا پورا کرنے والے! میں ست (عہد) دھارن کرتا ہوں۔ آپ عنایت کیجئے۔ کہ میں اسے پورا کر سکوں۔ وہ عہد کیا ہے؟ یہ کہ "میں جھوٹ کو ترک کر کے حق کو قبول کرتا رہونگا"۔

انسانی سوسائٹی کی کامیابی کی اصل جان محض اس عہد کا ایفا ہے۔ اور تمام گراوٹوں اور تکلیفوں کا اصل موجب اس عہد کو توڑنا ہے۔ نفاق۔ فساد اور دکھوں کا ایکدم قلع قمع ہی ہو جائے۔ اگر قبول حق کا خیال انسانی جماعت میں عملی طور پر جاگزیں ہو جاوے۔ آیت ۲۷ میں فاسق کا خاصہ یہ بتایا ہے۔ کہ جس کے حاصل کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اس سے قطع تعلق کرتا ہے۔ وید منتر سے صاف ظاہر ہے۔ کہ خدا کا حکم ستیہ (حق) سے وصل اختیار کرنا۔ اور انرت (باطل) سے فصل یا جدائی اختیار کرنا ہے۔ ہر سمجھدار شخص جانتا ہے۔ کہ ہر سوسائٹی یا کمپنی کی ممبری اختیار کرتے ہوئے۔ تخت حکومت پر بیٹھے ہوئے کسی کونسل یا پارلیمنٹ کے متعلق ذمہ داری لیتے ہوئے ہر شخص یا بادشاہ وغیرہ کو اپنے اپنے عہدہ کی نوعیت کے مطابق حلف لینا پڑتا ہے۔ آریہ سماج یا کسی اسلامی انجمن یا کانگرس کے ممبران کو خاص مقاصد اور قواعد کی پابندی کے لئے فارم پر دستخط کرنے ہوتے ہیں۔ یہ سب ایک قسم کا عہد ہے۔ اور انسان کی تعلیم کی ابتدا اس عہد سے ہوئی ہے۔ جو مذکورہ بالا منتر میں مذکور اور عہد اللہ کے نام سے قرآن میں مرقوم ہے۔ اور یقیناً اس عہد حق کو توڑنے کا فاسقانہ عمل ہی انسانی جماعت کے تمام نقصانوں کا اصل موجب ہے۔

۴۷ - آواگون اور آستکتا

آیت نمبر ۲۸ میں یہ بتایا گیا۔ کہ ہم پہلے مرے تھے۔ اور خدا نے ہمیں اس موت کے بعد پیدا کیا ہے۔ چونکہ مرتا وہی ہے۔ جو زندہ ہو۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ ہم پہلے زندہ تھے۔ خدا نے ہمیں مرنے کے بعد پھر یہ زندگی دی ہے۔ وہ ہمیں پھر مارے گا۔ اور پھر زندہ کریگا۔ حتےٰ کہ ہم اس کی طرف لوٹیں یا نجات پائیں گے۔ اس آیت میں بار بار کے پیدا ہونے یا مرنے کا صاف ذکر کر کے مسئلہ آواگون کی صداقت پر مہر کی گئی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ایک خاص اصول اور بھی واضح کیا گیا ہے۔ کہ اس آواگون کے معتقد کا ناستک یا دہریہ ہونا محال بلکہ ناممکن ہے۔ زندگی موت۔ نجات سب کو خدا سے منسوب کیا ہے۔ کیونکہ انسان خود مرنا نہیں چاہتا۔ اور مر کر پیدا ہونا روح کے اپنے بس کی بات نہیں۔ چہ جائکہ نجات پانے پر وہ خود قادر ہو۔ قرآن کا اصول صاف ہے۔ کہ زندگی۔ موت اور نجات جس اعلےٰ طاقت کے اختیار میں ہے۔ اس کو تسلیم نہ کرنا شرط عقل نہیں۔ یا بہ الفاظ دیگر آواگون اور آستکتا کا اعتقاد لازم ملزوم ہیں۔ اور آواگون کو نہ ماننے سے خدا پرستی اعتقاد ہونا محال ہے۔ اسی لئے سوال کیا گیا ہے۔ کہ تم اس ایشور سے کس طرح انکار کر سکتے ہو۔ جو تمہیں وصل الٰہی یا نجات کے حاصل ہونے تک زندہ کرتا و مارتا رہتا ہے۔ یہ وہی اصول ہے جو رگ وید ۱-۲۴-۱ میں اس سوال کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ غیر فانی اشیاء میں سے وہ کونسا دیوتا ہے۔ جو ہمیشہ موجود بالذات اور سب کو پیدا یا ظاہر کرنے والا ہے۔ اور ہم کو مکتی کی راحت بھگتوا کر اس دنیا میں پیدا کرتا۔ اور ماں باپ کا دیدار دکھاتا ہے۔ ان معنوں کے لحاظ سے تو سوال یہ ہے۔ کہ مکتی سے بندھن میں ڈالنے والا کون ہے۔ لیکن دوسرے معنے یہ ہیں۔ کہ موت کے بعد ہمیں زندگی دینے والا کون ہے؟ اس کا جواب اگلے منتر میں بدیں الفاظ دیا گیا ہے۔

अग्नेर्वयं प्रथमस्या मृतानां मना महे चारु देवस्य नाम ।
सनो मह्यां अदित्यै पुनर्दात पितरं च दृशेयं मातरं च ॥

اے لوگو! ہمیں اس تجلی بالذات۔ قدیم۔ ہمیشہ مکت پرماتما کے نام کو پاک سمجھنا چاہیئے۔ جو ہمیں مکتی

کا سکھ بھگتوا کر دنیا میں پھر جنم دینا اور ماں باپ کے درشن کرانا ہے۔ اس منتر کا مدعا محض یہ ہے۔ کہ زندگی موت اور نجات دینے والا وہ پرمیشور ہے۔ یا یہ کہ زندگی اور موت وغیرہ کو دنیا میں دیکھتا ہوا انسان ایشور سے انکار کر ہی نہیں سکتا۔ چونکہ اس کے بعد مضمون آغاز عالم کے انسانوں کی پیدائش کا چلتا ہے۔ اور ویدگیان کو دھارن کرنے والے کئی سے لئے تھے رشیوں کا اس لئے قرآن آیت کا رگو ید کے منتر کے مدعا کو لے کر پہلے واقعہ ہونا نہایت معنے خیز ہے ؎

۴۸۔ سات آسمان

پیدائش عالم کا بیان مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ ایک طریق یہ ہے۔ کہ کل پیدائش کو ارض و سما کے دو لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے وید میں دیاوا پرتھوی द्यावा पृथिवी کہا ہے۔ جس پر ہم رہتے ہیں۔ وہ زمین مع کل مخلوقات کے اس صورت میں ارض ہے۔ اور زمین کے اوپر کی طرف کل اشیا یا ستاروں حتےٰ کہ کرۂ آفتاب تک کو سماء لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی کے مطابق قرآن میں اس کرۂ ارض کے متعلق کہا۔ کہ یہ زمین خدا نے بنائی۔ اور اس کے اوپر کی طرف کی تمام پیدا شدہ چیزوں یا کروں کا خالق بھی وہی ہے۔ چنانچہ اس نے سات آسمان آراستہ کئے ہیں۔ بعض لوگ یہ مانتے ہیں۔ کہ یہ آسمان ایک دوسرے سے بہت دور اور مختلف دھاتوں کے مثل چھت کے بنے ہوئے ہیں۔ لیکن درحقیقت سات کیا ایک بھی آسمان ایسا نہیں جس چیز کو آج عام انسان آسمان کہتے ہیں۔ وہ محض بخارات ہیں۔ جو دور سے ملے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور چھت یا خیمہ سا معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن پہاڑوں پر وہی آسمان بخارات کی صورت میں اڑتے۔ بلکہ پاؤں کی طرف گہری کھڈوں میں منتشر نظر آتے ہیں۔ پس سات آسمان کی حقیقت کچھ اور ہی ہے۔

۴۹۔ سات پردہی

اور اس کا پتہ یجروید پرش سوکت منتر ۱۵ سے چلتا ہے۔

सप्ता सयासन परि ध्य रिस्त्र सप्त समिधा : कृता ॥

یعنی سات پردہی ہیں۔ اور اکیس سمدھا ہیں۔ سمدھا سے کیا مراد ہے۔ اور اکیس سمدھا کون کون سی ہیں۔ ان کا یہاں تعلق نہیں۔ غرض سات پردہی سے ہے۔ اور ان کی توضیح مہرشی دیانند نے رگوید آدی بھاشیہ بھومکا میں اس طرح کی ہے۔

"اس عالم میں جس قدر دنیائیں ہیں۔ ان کے گرد سات کرے ہیں۔ پہلے کرۂ آب یا سمندر ہے۔ اور اس کے اوپر ترسرینو سے بھری ہوئی ہوا کا کرہ ہے۔ پھر اس کے اوپر بادلوں کی وایو ہے۔ چوتھا کرۂ آب باراں کا ہے۔ پانچواں کرۂ ایک اور ہوا ہے۔ جو اس سے بھی اوپر ہے۔ چھٹا کرۂ نہایت لطیف دھننجے ہوا والا کرہ ہے۔ اور سب جگہ محیط سوترآتما یعنی بجلی کا ساتواں کرہ ہے۔ اس طرح ہر دنیا کے سات سات پردے ہوتے ہیں جن کو پردہی کہتے ہیں۔ انہی سات پردہی کو قرآن میں سات آسمان کہا ہے۔

۵۰۔ سماء

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ آسمان محض پردہی کے ہی معنوں میں آتا ہے۔ بلکہ بائیبل اور قرآن میں مختلف موقعوں پر یہ لفظ مختلف معنے رکھتا ہے۔ ارض و سما کہنے پر تو کل مخلوقات کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک زمین اور ایک اس کے اوپر۔ اور اس صورت میں اوپر کی ہوا۔ آکاش۔ ستارے۔ سورج وغیرہ سب سماء لفظ کے اندر ہیں۔ اور جہاں کہیں

زمین کا ذکر ہے۔ ارض۔ سماء۔ وَمَا بَيْنَهُمَا یعنی زمین۔ آسمان۔ اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے۔ وہاں وید والے تین لوک مراد ہیں۔ یعنی پرتھوی۔ دیولوک اور انترکھش۔ اس صورت میں سماء سے مراد دیو یا سورج وغیرہ نورانی کروں والا لوک ہے۔ اور جو کچھ زمین آسمان کے بیچ میں ہے۔ یہ الفاظ انترکھش کے لئے ہیں۔ ایسا ہی کہیں آسمان کا لفظ انترکھش کے لئے آتا ہے۔ جیسے فضا یا آکاش یا خلا بھی کہتے ہیں۔ کہیں یہ لفظ محض اوپر کی جہت کے لئے اور کہیں بادل کے لئے بھی آتا ہے۔ تاہم زیر بحث آیت نمبر ۲۹ میں سات آسمان کا لفظ سات پردہی کے لئے ہی ہے۔ کیونکہ اور صورت ہوتی۔ تو خالی سماء کا لفظ ہوتا۔ یا تین لوک کے مترادف الفاظ کا۔ اور چونکہ عام خیال ہے۔ کہ آسمان لفظ آس بمعنے چکی اور مان بمعنے مانند سے مرکب ہے۔ اور چونکہ یہ نظر آنے والی چکی محض چند میلوں کی بلندی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے سات آسمانوں کا تعلق ہر کرّہ کے گرد مانے گئے سات کرّوں یا محیطوں تک ہی ہے۔ اور اسی لئے قرآن میں ان کے لئے طبقات کا لفظ بھی آیا ہے۔

۱۵۔ آسمان بمعنے طبقات

حمائل التفسیر (مولوی ڈاکٹر محمد عبد الحکیم خانصاحب ایم۔ بی) میں ہمارے اس خیال کی پوری تائید اور وضاحت کی گئی ہے۔ جیساکہ اقتباس ذیل سے واضح ہوگا۔

"سات کے عدد سے طبقات مراد ہیں۔ جیساکہ اور مقام پر ہے۔ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۶۷/۳ سات آسمان ازروئے طبقات کے۔ کسی شے کے طبقات کئی طرح پر مقرر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ اضافی امر ہے۔ آیات قرآنی میں آسمانوں کی نسبت سات کیفیتوں کا ذکر ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ یہ سات طبقات ان کیفیتوں کے لحاظ سے ہوں یا اور طرح پر۔ واللہ اعلم۔ ذیل میں ہم وہ آیات درج کرتے ہیں جن میں سات طبقات سماوی کی طرف اشارات پائے جاتے ہیں۔

۱۔ وہ طبقہ جس میں ہمارا رزق۔ ہمارا مسکن اور دیگر ضروریات کا مخزن ہے۔ جیسے فرمایا ہے وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۵۱/۲۲ یعنی آسمان میں ہی تمہارا رزق اور موعود چیزیں ہیں۔

۲۔ وہ طبقہ جس میں پرندے اُڑتے ہیں۔ جیسے فرمایا ہے۔ أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ ۱۶/۷۹ کیا پرندوں کی طرف نہیں دیکھتے۔ جو صفیں باندھے آسمانی فضا میں (پھرتے) ہیں۔

۳۔ وہ طبقہ جس میں اولے بنتے اور کھیتوں اور باغوں کو ویران کر دیتے ہیں۔ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۲/۵۹

۴۔ وہ طبقہ جس سے مینہ آتا ہے۔ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۲/۲۲

۵۔ وہ طبقہ جس میں ستارے اور شہاب گرتے ہیں۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ۶۷/۵

۶۔ وہ طبقہ جس میں ستارے ہیں۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۱۵/۱۶

۷۔ وہ طبقہ جو ان سب سے اوپر بہشتیوں کی جگہ ہے۔ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۳/۱۳۳"

۵۲۔ غیر یقینی رائیں

بیان القرآن صفحہ ۴۰ پر لکھا ہے۔ سبع یا سات کو اعداد تامہ میں سے سمجھا گیا ہے۔ اور لسان العرب میں ہے۔ کہ عرب لوگ سات اور ستر اور سات سو کے اعداد کو کثرت کے موقعہ پہ استعمال کرتے ہیں۔ ابن اثیر نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور مثال دی ہے۔ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل (۲۶۱) گویا سات خوشوں سے مراد بہت سے خوشے ہیں۔ ان تستغفر لھم سبعین مرۃ (التوبہ۔ ۸۰) گویا ستر مرتبہ سے مراد کئی دفعہ ہے۔" اس اقتباس سے آسمانوں کی تعداد کے متعلق اختلاف رائے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن قطع نظر سوال تعداد کے بیان القرآن سے آسمانوں کا طبقات ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور سات طبقات سے یقینی انکار نہیں ثابت نہیں ہوتا۔ صفحہ ۴۱ پر لکھا ہے۔

" سبع سماوات میں ممکن ہے۔ محض تکثیر مراد ہو۔ یعنی کئی آسمان۔ یوں جو اوپر کوئی عالم ہم کو نظر آتا ہے۔ ایک تو خود ہمارا نظام شمسی ہے۔ جس میں زمین کے علاوہ سات بڑے سیارے ہیں۔ وہ سب چونکہ زمین کے اوپر ہم کو نظر آتے ہیں۔ اس لئے بلحاظ ہماری زمین کے وہ سماء ہیں۔ اور ایک جگہ ان کو سبع طرائق (المومنون ۲۳۔ ۱۷) یعنی سات رستے بھی کہا ہے۔ اور کل فی فلک یسبحون (یٰس ۳۶۔ ۴۰) میں یہ بھی بتا دیا ہے۔ کہ سیارے اپنے اپنے فلک میں گردش بھی کرتے ہیں پس ایک تفسیر سبع سماوات کی ہمارا نظام شمسی بھی ہو سکتا ہے۔ اور دوسری تفسیر کل ستارے جو ہم کو نظر آتے ہیں۔ اب تک سائینس والوں نے ان ستاروں کے جو کھلی آنکھ سے نظر آتے ہیں۔ سات طبقے لکھے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ کوئی ان میں سے بڑا اور کوئی چھوٹا نظر آتا ہے۔ ممکن ہے آئندہ جب افلاک کا علم اور بڑھ جاوے۔ تو کوئی اور سات تقسیمیں معلوم ہو جاویں"

اس قسم کے اقتباسات کے مقابلے پر ان مفسرین کے عمل کو مدنظر رکھا جاوے جنہوں نے مختلف دھاتوں کے سات آسمان مانے ہیں۔ تو واضح ہو گا۔ کہ سات آسمانوں کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ اور نیز یہ کہ کوئی بھی مفسر کوئی یقینی رائے یا دعوٰے پیش نہیں کرتا۔ اپنی اپنی معلومات و تخیلات کے مطابق غیر مقررہ سی ممکنات کا اشارہ دے کر آیات کے مفہوم کو مشتبہ سا بنانے کی طرف ہی تفسیروں کا عملی رجحان ہے۔ اس کے مقابلے پر وید منتر میں بیان شدہ سات پردہی کی جگہ قرآن میں سات آسمانوں کا کہا جانا نہایت معقول اور طبقات والا خیال عین موزوں ہے۔ پھر طبقات کے متعلقہ تفاصیل میں فروعی اختلاف کتنا بھی ہو۔ اصل آیت کا لفظ سبع سموات سات پردہی کے لئے استعمال ہونے میں اختلاف ہو نہیں سکتا ؞

۵۳۔ ساتواں طبقہ اور جنت

حمائل التفسیر میں جو ساتویں طبقے کو جنت لکھا ہے۔ یہ بظاہر کتنا ہی غیر معقول معلوم دے۔ اور ممکن ہے۔ خود مصنف نے بھی دوسروں سے نقل کرتے ہوئے اس کی اصلیت کو نہ سمجھا ہو۔ تاہم وید میں سورگ کو دِوی ([illegible]) سے منسوب کیا ہے۔ اور ددی نام ہے۔ تین ازلی ہستیوں والے عالم کا یعنی ایشور، جیو اور پرکرتی کا بلا تعلق مخلوق عالم کے چونکہ مادی جسم سوامی دیانند کی بیان کردہ ساتویں پردہی میں بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ ہاں روح نجات پا کر بے روک

ٹوک اس بلکہ اس سے بھی اوپر کے لوگوں میں آزادانہ طور پر پھرتا ہے۔ اس لیئے اس کے لئے سورگ یا جنت کا لفظ استعمال ہونے میں چنداں غیر معقولیت ہو نہیں سکتی۔

۵۴۔ آسمان دھوآں ہے

اخیر میں یہ امر بھی قابل نوٹ ہے۔ کہ قرآن میں کہیں ایسا ذکر نہیں کہ آسمان کسی دھات کے بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ جیسا ہم آسمان کو بخارات کا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ ویسا ہی سورۃ الدخان آیت ۱۰ میں لکھا ہے۔ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ۔ پس انتظار کر۔ اس وقت کا کہ آسمان صریح دھوآں ہو جاوے۔

حٰم السجدہ آیت ۱۱ میں ہے۔ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ کہ خدا آسمان میں بھی موجود ہے۔ جو بخارات یا دھوآں ہے۔

۵۵۔ ایک خاص غلطی

آیت ۲۹ کی تفسیر میں ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ کا ترجمہ عموماً یہ کیا جاتا ہے۔ کہ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن یہ ہر لحاظ سے غلط اور غیر معقول ہے۔ اول تو ثُمَّ کو ہر کہیں پھر کے معنے میں لینا غلطی ہے۔ اگر اس آیت میں اس کا ترجمہ پھر کیا جاوے۔ اور کل آیت کے مضمون میں سلاست قائم رکھی جاوے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ پہلے خدانے روئے زمین پر جو کچھ ہے۔ انسان کے لئے پیدا کیا۔ اور سب کچھ پیدا کرنے کے بعد اسے آسمانوں کے بنانے کا خیال آیا۔ یہ الفاظ دیگر پہلے انسان بنا۔ اس کے بعد اس کے لئے کل اشیاء ارضی بنیں۔ اور اس کے بعد آسمان بنا۔ پیدائش کا مسئلہ اصول ہے۔ کہ لطیف حالت سے کثیف حالت میں تبدیلی ہوتی گئی۔ اور تمام پیدائش کے بعد انسان بنا۔ اس لئے آیت ۲۹ کے یہ معنے تمسخر آمیز ہیں۔ نیز منشائے قرآن کے خلاف۔ دوم۔ استوی الی کے لغوی معنے ہیں۔ کسی چیز کی طرف پہنچنا۔ اپنی ذات سے یا تدبیر سے چونکہ خدا ہر جا موجود ہے۔ اس لئے وہ ہر کہیں ہر وقت پہنچا ہوا مانا جاتا ہے۔ اور ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ کے معنے یہی صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ کہ نیز وہ آسمانوں میں بھی موجود یا دیا پک ہے۔ کل بیان اس طرح نہایت معقول بن جاتا ہے۔ کہ کائنات ارضی کو تو خدا نے انسان کے لئے پیدا کیا ہی ہے۔ زمین کے اوپر آسمانوں میں بھی اسی کی موجودگی یا حکمت سے سب کچھ ہو رہا ہے۔ یعنی اس زمین کے متعلقہ سات طبقات اسی خدا نے آراستہ کئے ہیں۔ سورہ انعام آیت ۱۵۴ کے آخیر میں یہ الفاظ ہیں۔ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ وہ تم کو یہ نصیحت کرتا ہے۔ کہ تم پرہیزگار رہو۔ اس کے بعد اگلی آیت کا شروع یوں ہے۔ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ۔ اس کا ترجمہ اگر یہ کیا جاوے۔ کہ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ جو نیک لوگوں کے لئے کامل تھی۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ پہلے خدا نے اوروں کو پرہیزگاری کے لئے نصیحت کی۔ اور پیچھے موسیٰ کو کتاب دی۔ ہم یہی نیز کا لفظ ثُمَّ کیلئے اور آسمان میں موجود ہونے کا لفظ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ کے لئے ہم نے استعمال کیا ہے۔ ایسا ہی فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ کا ترجمہ کوئی کرتا ہے۔ سات آسمان ہموار بنائے۔ کوئی لکھتا ہے۔ انہیں ٹھیک سات آسمان بنایا۔ کوئی لکھتا ہے۔ ان کو سات آسمانوں میں درست کیا۔ اس کے علاوہ بیان القرآن میں اور بھی لطف کی بات ہے۔ ترجمہ تو ان الفاظ کا یہ کیا گیا کہ انہیں ٹھیک سات آسمان بنایا

مگر تشریح یا فٹ نوٹ میں لکھ دیا ہے۔ کہ سات اور ستر اور سات سو کثرت کا مفہوم دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ٹھیک سات آسمان نہیں بنائے۔ بہت آسمان بنائے۔ یہ صریحاً اجتماع ضدین ہے۔ یا یقینی رائے کی عدم موجودگی کا ثبوت۔ نیز قرآن کی علمی خوبیوں و کمالات کے تقاضا اور سلاست مضمون کے خلاف ہے۔

۵۶۔ حضرت انسان کی خاطر

آیت ۲۹ میں یہ بھی بتایا ہے۔ کہ جو کچھ بھی مخلوق روئے زمین پر ہے۔ سب حضرت انسان کے لئے خدا نے پیدا کی ہے۔ خدا خود بے نیاز اور مستغنی ہے۔ اسے کسی چیز کی حاجت نہیں۔ اور روح کو بذاتہ یا فطرتاً مخلوق مادی اشیاء سے کوئی لگاؤ نہیں۔ مادی جسم کے ساتھ پیدا ہونے پر ہی مخلوق مادی اشیاء سے اس کا تعلق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حیوانات وغیرہ کا مادی خوراک وغیرہ پر گذر اوقات ہوتا ہے۔ لیکن حیوان بھی انسان کی سواری باربرداری یا کھیتی وغیرہ کی ضروریات میں کام دیتے ہیں۔ پس معدنیات نباتات حیوانات سب دراصل انسان کے ہی کام آتے ہیں۔ اور ان کے بجا و بیجا استعمال کے مطابق ہی انسان کو سکھ یا دکھ ملتا ہے۔ یہ جہاں انسان کی بزرگی یا فضیلت کا ہی ثبوت ہے۔ وہاں اس سے بھی بڑھ کر خدا کی فضیلت و برتری کا ثبوت ہے۔ کیونکہ انسان کے عمل کا خدا کے علم اور حکم وغیرہ سے تعلق ہے۔ قانون الٰہی سے ہی انسان کو سزا جزا ملتی ہے۔ اور علم الٰہی کے تعلق سے ہی اسے حیوانات پر شرف حاصل ہے۔ اسی شرف سے کل مخلوقات عالم اس کے زیر نگین ہیں۔ اور اسی شرف کو مدنظر رکھ کر کہا جاتا ہے۔ کہ ؎

جو کچھ کہ ہے جہاں میں سب انساں کیلئے ہے ۔ آراستہ یہ گھر اسی مہماں کیلئے ہے

۵۷۔ شرف انسانی

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓا أَتَجْعَلُ

فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ

إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (۱) وَعَلَّمَ ءَادَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ

(۲) عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِي بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمْ صٰدِقِينَ

(۳) قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

قَالَ يٰٓـَٔادَمُ أَنۢبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ ۖ فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل

لَكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا
كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ۳۳

اور جب تیرے رب نے فرشتوں کو کہا۔ کہ میں دنیا میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو انہوں نے کہا۔ کیا تو دنیا میں اسے خلیفہ بنائے گا۔ جو اس میں فساد اور خونریزی کرے۔ اور ہم (کو نہیں جو) تیری حمد کی تسبیح اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ فرمایا۔ ہم وہ کچھ جانتے ہیں۔ جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔ ۱۔ اور خدا نے آدم کو کل چیزوں کے نام بتائے۔ پھر انہیں فرشتوں کے پیش کیا۔ کہ اگر سچے ہو۔ تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ ۲۔ انہوں نے کہا۔ تو پاک پروردگار ہے۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے جو تو ہمیں بتائے۔ تحقیق تو ہی عالم اور دانا ہے۔ ۳۔ فرمایا۔ اے آدم تو ان کو وہ نام بتا دے۔ اور جب آدم نے وہ نام بتا دیئے۔ فرمایا۔ کیا ہم نے تمہیں نہ کہا تھا۔ کہ آسمان و زمین کے سربستہ رازوں اور تمہارے سب ظاہر و باطن یعنی کثیف و لطیف حالت کو ہم جانتے ہیں۔ ۴۔

۵۸۔ علمی رموز

۱۔ ان آیات میں خدا اور فرشتوں میں ایک خاص مکالمے کا بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کی مقدم غرض انسانی قالب کو افضل ترین اور انسان کو اشرف المخلوقات ثابت کرنا ہے۔

۲۔ شرف انسانی کی وجہ محض یہ بتائی گئی ہے۔ کہ محض انسان ہی خدا سے علم حاصل کر سکتا ہے۔

۳۔ فرشتے نام تمام مخلوق اشیائے کا ہے۔ کیا جاندار اور کیا بے جان۔

۴۔ آدم نام آغاز عالم کے رشیوں کا۔ بلکہ اول پیدا شدہ جملہ انسانوں کا ہے۔ آنریبل سرسید احمد خاں صاحب کا قول ہے۔ کہ "آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں ہے۔ جس کو عوام الناس اور مسجد کے مُلّا باوا آدم کہتے ہیں۔ بلکہ اس سے نوع انسانی مراد ہے۔ جیسا کہ تفسیر کشف الاسرار و ہتک الاستار میں لکھا ہے۔ و ما المقصود بآدم آدم وحدہ اور خود خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ پس تم کا خطاب کل انسانوں کی طرف ہے۔ اور آدم سے بنی آدم یعنی نوع انسان مراد ہے"۔

۵۔ کل اشیا کے نام سکھانے کا جو ذکر ہے۔ اس سے مراد شبد یا علم الفاظ یا زبان ہے۔ جو علم الٰہی کا ظاہری یا بیرونی خول ہیں۔ یعنی جن میں الہامی علم یا حقیقی معانی محفوظ یا مخفی رہتے ہیں۔ علم کو روح قبول کرتا ہے مگر اس علم کو دوسروں تک پہنچانا تبھی ممکن ہے۔ کہ پہلے بذریعہ الفاظ دوسروں کو اس علم کا اشارہ دیا جائے۔ پس کل نام سکھانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ کامل علم کا اظہار کرنے والا مکمل شبد گیان دیا۔

۶۔ خلیفہ سے مراد ایسی ہستی ہے۔ جو مخلوقات میں خدا سے دوسرے درجے پر فضیلت رکھتا ہو۔

۷۔ چونکہ تمام مادی عنصر اور ان کے مرکبات بھی روشن صفات رکھتے ہیں۔ اور خدا سے پیدا کی گئی کل مخلوق اشیاء خدا اور روح اور مادہ کی تین ازلی علتوں کی روشن صفات کی ہی زبان حال سے تعریف کرتی یا تصدیق کرتی ہیں۔ اس لئے کل مخلوقات علت اور معلول ہر دو صورتوں میں اپنی روشن صفات کی وجہ سے فرشتہ کہاتی ہیں۔ ویدک لٹریچر میں انہیں دیوتا کہا جاتا ہے۔ یہ وجہ ان کے دویہ گنوں کے۔

۸۔ فرشتوں کا یہ کہنا۔ کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ یہ مراد رکھتا ہے۔ کہ ہر شے پر غور کرنے سے خدا کی صنعت کاملہ و حکمت بالغہ کا ثبوت ملتا ہے۔

۹۔ کل مخلوقات میں سے سوائے انسان کے کسی کو خدا نے علم نہ دیا۔ اور ان کی زبان حال سے یہ اعلان قرآن نے کرایا۔ کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جہاں مادی اشیاء علم کے احساس سے بالکل محروم اور حیوانات علم حقیقی کے دیدار یا ادراک کے ناقابل ہیں۔ وہاں انسان اس علم کو قبول کرنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے۔

۱۰۔ یہ الفاظ فرشتوں کی زبان سے اور بھی معنے خیز نکلوائے گئے ہیں۔ کہ بغیر تیرے سکھائے ہم کو کوئی علم نہیں آ سکتا۔ یہ ہو بہو وہی پوزیشن ہے۔ جو سوامی دیانند نے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے۔ کہ آغاز عالم میں خدا سے الہامی علم ملے بغیر انسانوں میں علم کا سلسلہ چلنا ناممکن ہوتا۔

۱۱۔ انسان کو جو خلافت حاصل ہوئی یا شرف۔ اس کی وجہ محض علم ہے۔ ورنہ نہ انسان حیوانوں سے افضل ہوتا۔ نہ جڑ یا بیجان مخلوق اشیاء سے۔

۱۲۔ وید اور اپنشد میں اس قسم کے استعارات ہیں۔ کہ ایشور اور اگنی وغیرہ دیوتاؤں کا مکالمہ کرا کر واضح کیا جاتا ہے۔ کہ سوائے ایشوری علم و طاقت کے کوئی دیوتا کچھ نہیں کر سکتا۔ بعض مکالموں میں فضیلت کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ جسم میں سب سے زیادہ پروپکاری پران ہے۔ ایسے مکالمے جڑ پدارتھوں کی زبان حال کو سمجھ کر ہی پیش کئے جاتے ہیں۔ اور یہاں بھی کل مخلوق اشیاء کی زبان حال سے واضح کیا گیا ہے۔ کہ ان میں علم نہیں۔ انسان ہی علم پا سکتا ہے۔ اور اگر ایشور سے اسے علم نہ ملے۔ تو وہ بھی کچھ نہیں سکتا۔ یہی نکتہ ضرورت الہام کی دلیل ہے۔

۵۹۔ ملائکہ

ہم نے اوپر جو فرشتہ کا مفہوم دیا ہے۔ وہ جامع ہے۔ لیکن بعض لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ کہ فرشتے نظر نہ آنے والی نورانی ہستیاں ہیں۔ یہ صحیح ہے۔ کہ روح لطیف مادہ اور خاص لطیف اشیاء پر ہماری پیش کردہ تشریح کے مطابق بھی نظر نہ آنے والی ہستیوں کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن اس مکالمہ میں یہ صفت قطعاً غیر ضروری ہے نظر آنے والی اشیاء بھی شعائر اللہ ہوتے سے روشن یا نورانی ہستیاں ہیں۔ اور جب مقابلہ فرشتوں کا آدم سے ہے۔ جو نظر آنیوالی ہستی ہے۔ تو خواہ ظاہری شکل وغیرہ کا ذکر نہیں۔ بلکہ علم کا فرق ہی۔ ہر دو فرق میں تمیز کراتا ہے۔ تو بھی لازمی طور پر یہاں نظر آنے والی ہستیوں کو۔ خواہ وہ مادی اشیاء ہوں خواہ انسان کے علاوہ اور ذیجان۔ فرشتہ ماننا چاہیئے۔ اور جب مضمون خلیفہ بنانے کا ہے۔ اور مخلوق اشیاء زیر بحث ہیں۔ تو نظر نہ آنے کی شرط قطعاً غیر متعلق ہے۔

بیان القرآن صفحہ ۱۷ پر یہ پوزیشن لی گئی ہے۔ کہ فرشتے اللہ تعالےٰ کی طرف سے رسول یعنی وسایط ہیں۔ اس کی دلیل آپ یہ دیتے ہیں۔ کہ دیکھنے کے لئے انسان کے اندر جو قوت ہے۔ اس کے لئے ایک واسطہ روشنی کا ہے۔ جس کے بغیر وہ قوت کام نہیں دے سکتی۔ سننے کی اندرونی قوت کے لئے بھی بیرونی قوت معاون ہے۔ اسی طرح باطنی قوتوں کے لئے باطنی وسایط چاہئیں۔

چنانچہ نیکی کی قوتوں کو محرک کرنے والے ملائکہ ہیں۔ اور بدی کی قوتوں کو جن یا شیطان حرکت دیتے ہیں"۔ ہم مانتے ہیں۔ کہ نیک عالم لوگ بھی ملائکہ ہیں۔ اور ان کی کلام یا صحبت کے فیض سے انسان کے اندر نیکی کے لئے تحریک ہوتی ہے۔ ایسے ہی بُرے لوگ برائی کے محرک ہیں۔ انسان کے اپنے خیال بھی نیکی کی طرف ہی اسے کھینچتے ہیں۔ اور بُرے خیال بدی کی طرف۔ لیکن سوال بنتا ہے۔ کہ کیا کوئی اور مخصوص اور غیر محسوس ہستیاں علاوہ خدا اور انسانوں کے ہمارے اعمال کی محرک خدا نے مقرر کر رکھی ہیں یا کیا بھلے اور بُرے کاموں میں جو انسان کرتا ہے۔ اس کی اپنی ذمہ واری نہیں ہے چونکہ راحت اور رنج کا احساس روح کو ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی اپنی فعل مختاری صاف ظاہر ہے۔ ورنہ ملائکہ اور شیطانوں کو پیدا کرنے اور انہیں انسانوں کے اعمال کی تحریک کی ڈیوٹی پر لگانیوالا خدا خود ذمہ وار ہوتا۔ نہ کہ روح۔ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ خدا کی طرف سے علم کی روشنی نیکی اور بدی کی تمیز کرنے کے لئے، انسان کو مل رہی ہے۔ اور اس علم سے بے پرواہ انسان گناہ کی طرف مائل رہتا ہے۔ پس فعل مختار انسان کے بھلے اور بُرے عملوں کا انحصار اس کے اپنے علم اور جہالت پر ہے نہ کہ موہومہ ملائکہ اور شیطانوں پر۔ روح کی نیکی کرنے کی قوت کا معاون سچا علم ہے۔ جیسا کہ اس کی دیکھنے کی قوت کا معاون سورج ہے۔ اگر انسانوں کے خیالات۔ ہادی رسول اور علم الٰہی جیسے روحانی سورج کی موجودگی میں بھی نیک عملوں کے محرک اور ملائکہ مان لئے جاویں۔ تو اس میں نہ کوئی معقولیت ہے۔ اور نہ اس طرح خدا۔ اس کے علم رسول اور پرہیزگاری کی ضرورت رہتی ہے۔ محض ان ملائکہ یا شیطانوں کے رحم پر انسان کا مقدمہ ہو گا۔ جو خود قرآن اور بیان القرآن کے تمام بیانات کے قطعاً خلاف ہے۔

ایک اور دلیل بیان القرآن کی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ جہاں دل میں کوئی بات ڈال کر انسان سے کلام کرتا ہے۔ وہاں جبرئیل نام رسول کو بھیج کر بھی کلام پہنچاتا ہے۔ پس اگر یہ محض اندرونی شے ہوتی۔ تو باہر سے یعنی رسول کے ذریعے کلام پہنچانا ناممکن ہوتا۔ بے شک یہ دلیل وزن دار ہے۔ لیکن راقم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اس سے الٹا موہومہ ملائکہ اور شیاطین کی تکذیب ہوتی ہے۔ فی الحقیقت نہ جبرئیل روح کے اندر سچا علم پہنچاتا ہے۔ نہ کوئی اور۔ رسول یا ہادی لوگ تو محض حقیقی علم یا سچائی کی طرف اپنی کلام سے متوجہ کرتے ہیں۔ جیسے آنکھ کی بیماری کو دور کرنے یا بینائی کو قوت دینے کے لئے سُرمہ ڈالا جاتا ہے۔ رسول کی کلام محض عقل کی کمزوری یا بیماری کو دور کرتی ہے۔ نہ سُرمہ بنانے والا حکیم سورج ہے۔ اور نہ رسول کی کلام کا نام حقیقی علم ہے۔ بلکہ جیسے تندرست آنکھ سورج سے روشنی پاتی ہے۔ ویسے ہی علم حقیقی کو حاصل کرنے کے لئے روح بمنزلہ آنکھ ہے۔ اور علم مجسم خدا سورج۔ قرآن خود فرماتا ہے۔ سورۃ نحل آیت ۲۔ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

"وہ اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا یا قابل پاتا ہے۔ ان کے روح میں اپنے علم کو منکشف کرتا ہے"

پس رسول محض اپنی استعداد کے مطابق لوگوں کے اندر وصل خدا یا اس کے علم کے حصول کے لئے اشتیاق پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے اثر کو قبول کرنے والا اور عقل سلیم رکھنے والا انسان خود غور و فکر یا مراقبہ سے حقیقی معانی کا انکشاف پاتا ہے۔ لہذا دلیل زیر بحث حصول علم کے حقیقی مفہوم کو مدنظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔ جب علم حقیقی سوائے خدا کے کسی میں ہے ہی نہیں۔ اور اس کا انکشاف سوائے روح کے کسی پر ہوتا ہی نہیں۔ جیسے سورج کی روشنی کو صرف آنکھ ہی قبول کرتی ہے۔ اور پھر جب خدا اور روح کے درمیان کوئی اور شئے حایل ہی نہیں۔ تو سچا علم خدا سے براہِ راست روح کو ملنا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ویدک رشی تمام جسمانی تعلقات سے اوپر اٹھ کر سماہی میں وید منتروں پر وچار کر کے ان کے حقیقی معانی کا درشن کرتے رہے۔ رسول یا مبلغ کے الفاظ ہینڈ پوسٹ (Hand post) یا ہاتھ بلا ہیں۔ وہ صحیح راستے کی طرف انگلی کرتے ہیں۔ نہ وہ منزل مقصود ہیں۔ نہ خود چلے بغیر انسان پہنچ سکتا ہے۔ لہذا ملائکہ یا شیاطین کی کوئی موہومہ ناقابل دید ہستیاں انسان کے عمل کی محرک نہیں۔ اس کی اپنی علمی یا روحانی قوتیں۔ اس کے اپنے خیال اور علم پر اس کے عملوں کا مدار ہے۔

۱۱۔ سرسید صاحب کی بحث

آنریبل سرسید احمد خاں صاحب نے اپنی تفسیر میں ملائکہ لفظ پر بڑی طویل بحث کی ہے۔ آپ ملک کے معنے ایلچی یا پیغامچی لکھ کر خدا کا پیغام نبیوں کو پہنچانے والے کے لئے قرآن میں یہ لفظ مخصوص بتاتے ہیں۔ اور توریت میں عام ایلچی۔ مذہبی۔ پیشوا۔ بادل۔ ہوا اور وبا کے لئے اسے مستعمل کہتے ہیں۔ اس کے بعد عام لوگوں کی جہالت پر مبنی خاص عادت کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"فرشتوں کے وجود کی نسبت لوگوں کے عجیب عجیب خیال ہیں۔ انسان کی یہ ایک طبعی بات ہے۔ کہ جب کسی ایسی مخلوق کا ذکر ہو۔ جس کو وہ نہیں جانتا۔ تو خواہ مخواہ اس کے دل میں اس مخلوق کے ایک جسمانی جسم مخبر کا جس کے رہنے کی کوئی جگہ بھی ہو۔ خیال جاتا ہے۔ پھر ان کے اوصاف پر خیال کرتے کرتے ان کی ایک صورت جو ان اوصاف کی مقتضی ہوتی ہے۔ اس کے خیال میں قرار پاتی ہے۔ اور پھر وہ اس بات کو تو بھول جاتا ہے۔ کہ میں اس مخلوق کو نہیں جانتا۔ نہ میں نے اس کو کبھی دیکھا ہے۔ اور یوں جاننے لگتا ہے۔ کہ وہ مخلوق ویسی ہے۔ جو میرے خیال میں ہے۔ اور جب وہ خیال لوگوں میں نسل در نسل چلا آتا ہے۔ تو ایسا مستحکم ہو جاتا ہے۔ کہ گویا اس میں شک و شبہ مطلق ہے ہی نہیں۔ یہی حال فرشتوں کی نسبت ہوا ہے۔ ان کو نوری سمجھ کر گورا گورا سفید برف کا رنگ۔ نوری شمع کی مانند با ہیں۔ بلور کیسی پنڈلیاں۔ ہیرے کیسے پاؤں۔ ایک خوبصورت انسان کی شکل۔ مگر نہ مرد نہ عورت تصور کیا ہے۔ آسمان ان کے رہنے کی جگہ قرار دی ہے۔ آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر جانے کے لئے ان کے پر لگائے ہیں۔ کسی کو شان دار اور کسی کو غصہ ور و غضبناک کسی کو کم شان کا کسی کسی کو صور پھونکنا۔ کسی کو آتشیں کوڑے سے مینہ برسانا خیال کیا ہے۔ بعض اقوام نے جو زیادہ غور و فکر کی ہے۔ تو ان کے لئے نہ جسم مانا ہے۔ اور نہ ان کا متحیز ہونا تسلیم کیا ہے۔ اور اس لئے فرشتوں کی نسبت انسانوں کے دو فرقے ہو گئے ہیں۔ ایک وہ جو فرشتوں کے وجود اور ان کے متحیز ہونے دونوں باتوں کے قایل ہیں۔ اور ایک وہ کہ ان کے متحیز ہونے کے قایل نہیں"

اسی سلسلہ میں آپ بت پرستوں کا عقیدہ نیز مجوسیوں کا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ کہ نور کی اولاد فرشتے اور

ظلمت کی اولاد شیطان ہیں۔ حکماء عقول ہی فرشتے ہیں۔ آسمانی فرشتے آسمانوں سے اس قسم کا علاقہ رکھتے ہیں جیسا قسم کا ہمارے بدن سے روح کا تعلق ہے۔ ان میں سے محض ذات باری میں استغراق کا تعلق رکھنے والے مقربین ہیں۔ ان کے علاوہ زمینی فرشتے ہیں۔ نیک کام کرنے والے فرشتہ کہلاتے ہیں۔ اور بدکام کرنے والے شیطان" اس کے بعد یہودیوں اور عرب کے بت پرستوں کے اعتقاد کا بیان کرکے آپ فرماتے ہیں کہ انسان سے فرو تر مخلوق کا سلسلہ ہے۔ تو برتر مخلوق سے انکار کرنے کی بھی کوئی دلیل نہیں۔ مگر یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ ایسی خلقت کے ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں نہ ثبوت" پھر کہا ہے "قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے۔ ثابت نہیں ہوتا۔ پھر آیات قرآن پیش کرکے لکھا ہے۔ کہ۔

"جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے۔ ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوٰی کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں۔ ملک یا ملائکہ کہا ہے۔ اس کے بعد آپ مختلف اکابر اسلام مثل امام محی الدین ابن عربی۔ شیخ عارف باللہ موید الدین ابن محمود المعروف بالجندی کی تحاریر پیش کرتے ہیں۔ کہ وہ بھی ملائکہ کا اطلاق صرف قوائے عالم پر کرتے ہیں۔

بے شک آنریبل صاحب نے اپنی اس بحث میں کئی توہمات باطلہ کو دور کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ کہ قرآن میں ملائکہ سے مراد محض قوٰی ہیں۔ جن سے مخلوقات موجود ہوئی۔ اور جو مخلوقات میں ہیں۔ اگر ایسا مانا جائے تو آدم کا مقابلہ خلافت حاصل کرنے کے لئے اپنے قوٰی سے ماننا ہوگا۔ اور چونکہ وہ قوٰی اس کے اندر خلیفہ بننے پر بھی شامل رہے۔ اس لئے مقابلہ کے اس صورت میں معنے ہی کچھ نہیں رہے۔ پس حقیقت وہی ہے۔ جو ہم نے علمی رموز کے مضمون میں بیان کی ہے۔ کہ آیات زیر بحث میں فرشتہ انسان کے علاوہ دیگر مخلوق اشیاء کو کہا ہے۔ اس کی مزید توضیح چند حقایق مستقلہ کے مضمون میں ہوگی

۱۶۔ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا

خدا نے آدم کو کل اسم سکھائے۔ اس کے متعلق سرسید صاحب فرماتے ہیں۔ "اسماء کے لفظ کے معنے اکثر مفسرین نے وہ سمجھے ہیں۔ جن کو ہم نام کہتے ہیں۔ جیسے گھوڑا۔ گدھا۔ ٹٹو یا کلو نتھو بدھو۔ مگر یہ ٹھیک نہیں ہے۔ بیضاوی نے اسماء کی تفسیر میں اس کے اشتقاقی معنے مراد لئے ہیں۔ پس عَلَّمَ اٰدَمَ الاسماء سے یہ مراد نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے سب چیزوں کے نام بتا دیئے تھے۔ جو درحقیقت اس وقت خارج میں موجود بھی نہ تھیں۔ بلکہ جو قوٰی اس میں پیدا کئے ہیں۔ اور جن کے سبب اس کا ذہن ایک نشان یا دلیل سے دوسری طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ اس کو اسماء کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ اور جو کہ یہ قوٰی ایسے تھے۔ جن سے انسان تمام چیزوں محسوسات و معقولات کو جان سکتا ہے۔ اس لئے کلھا کے لفظ سے اس کی تاکید کی ہے۔ جس سے اس بات کا اشارہ ہے۔ کہ تمام چیزوں کے جاننے کا مادہ اس میں ودیعت کیا گیا ہے۔ ان قوٰی کو جو اسماء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں بڑا دقیقہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کو نہیں جانتا۔ جو کچھ وہ جانتا ہے۔ وہ صرف اسماء ہی اسماء ہیں۔ پس عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا کہنا بالکل انسان کی فطرت کے مطابق اور اس کے بیان کے نہایت ہی مناسب ہے" اس کے بعد تفسیر کشف الاسرار سے آپ علم یا تقوی کا ذکر کرکے آیت کے یہ معنے اخذ کرتے ہیں۔ کہ خدا

تعالیٰ نے انسان میں ایسے قوائے پیدا کئے ہیں جن سے ہر ایک چیز کو سمجھ سکتا ہے۔ اور دلیل سے نتیجہ کو حاصل کر سکتا ہے۔" سرسید صاحب کی پوزیشن کو سمجھ کر اور اس کے مقابلے میں ہمارے بیان کو رکھ کر ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اور دلیل سے نتیجہ کو حاصل کر سکتا ہے کہ۔

سرسید صاحب کے الفاظ میں بیان بہت خامیاں رہ گئی ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ خدا نے وہ شبدگیان یا علمی کلام آدم یا آغاز عالم کے رشیوں کو دی۔ جو دوسرے انسانوں تک علم پہنچانے کا ذریعہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ سورۃ رحمٰن میں قرآن خود فرماتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ رحمان قرآن کی تعلیم دینے والا ہے۔ وہ انسان کو پیدا کر کے اسے اس کا بیان کرنا سکھاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جب انسان پیدا ہوا۔ خدا نے اسے قرآن (وید) کا علم دیا۔ اور دوسروں تک اسے پہنچانے کے لئے شبدیا الفاظ دیئے۔ انہی شبدگیان یا علم زبان کے لئے اسماء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور اگر اسماء کے معنے اتنے وسیع نہ مانے جاویں۔ تو بھی کل چیزوں کے نام خدا سے معلوم ہوئے بغیر انسان خود نام ایجاد نہ کر سکتا تھا۔ کل اسم سکھائے نہ کہ کل چیزوں کے اسم۔ اس سے بھی علم زبان کا ہی مفہوم نکلتا ہے۔ لیکن محض اشیاء کے نام سکھانے سے بھی قوائے علمی ملنے کا مفہوم نہیں نکل سکتا۔ قوائے علمی تو روح کی فطرت میں ہیں۔ جیسے زبان میں ذائقہ کا احساس ہے۔ ویسے ہی روح میں علم کا احساس ہے۔ لیکن جیسے انسانی آنکھ بغیر سورج کی روشنی ملے کچھ دیکھ نہیں سکتی۔ اسی طرح انسانی روح بھی خدا سے علم ملے بغیر کچھ جان نہ سکتا تھا۔ قوائے اس وقت بھی سب کو میسر ہیں لیکن بغیر تعلیم حاصل کئے کوئی عالم ہوتا نظر نہیں آتا۔ یہ کہنا کہ انسان حقیقت اور ماہیت کو نہیں جان سکتا۔ اس لئے خالی اسم کا لفظ ہی مناسب تھا۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کوئی اسم بغیر مفہوم کے اور کوئی کلمہ بغیر معنے کے نہیں ہو سکتا۔ اور مہمل الفاظ خدا کی شان سے بعید ہیں ویدک اصطلاح میں علم کے تین رکن مانے گئے ہیں۔ الفاظ معنی اور تعلقات (شبد ارتھ اور سمبندھ) پس علیم کل خدا کی طرف سے جو اسم سکھائے جائیں۔ وہ بغیر مطلب یا معانی کے نہیں ہو سکتے تھے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں۔ کہ انسان حقیقت و ماہیت کو نہیں سمجھتا۔ بلکہ بیرونی حقیقت مثل شکل وغیرہ کا احساس تو آنکھ وغیرہ سے ہر انسان کرتا ہے۔ اور اندرونی باریکیوں کا احساس عقل سے کرتا ہے۔ اور حالت مراقبہ یا خدا کی حضوری میں حقیقت کا بھی جیوں کا تیوں احساس کرتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں۔ کہ چیزیں تو خارج میں اس وقت موجود ہی نہ تھیں۔ پس نام بتائے تو کس کے۔ ہم کہتے ہیں۔ چیزیں خارج میں موجود تھیں۔ کل مادی اشیا اور پھر عالم نباتات اور حیوانات بن چکنے کے بعد ہی تو انسان پیدا کیا گیا تھا۔ اگر یہ تسلیم کیا جاوے۔ کہ آدم نے اپنے قواء کی بدولت ہی تمام محسوسات و معقولات کو جانا۔ تو نہ آغاز عالم میں وید کی ضرورت رہ سکتی ہے۔ نہ اب قرآن کی ہی۔ افسوس ہے۔ کہ قرآن کے آغاز عالم والے الہام کے اصول کو نہ سمجھنے سے سب نے مغالطہ کھایا ہے۔

۶۲۔ شیطان

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۵

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا۔ کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہ کیا۔ چنانچہ اس تکبر کرنے کی وجہ سے اس کا کافروں میں شمار ہوا۔

۶۳۔ لفظ ابلیس کی اصلیت

ابلیس لفظ درحقیقت رگوید ۱۔۳۳۔۱۲ میں واقعہ شدہ اِلی بِش (इलिबिश) کا بگاڑ ہے۔ اِلی بِش کے معنے بادل وغیرہ کے ہیں۔ جو سورج کے آگے رکاوٹ بن کر روشنی کو روکتا ہے۔ ایسے ہی نیک کاموں کو کرنے سے انسان کو روکنے والا نفس امارہ یا گمراہ کن انسان بھی الی لبش کے معنے میں آتا ہے۔ اور یہی آخری مفہوم اس آیت میں ہے۔ فرشتوں کو آدم کے آگے جھکنے کا حکم جو خدا نے دیا۔ اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ دنیا کی تمام چیزیں انسان کے زیر نگین ہیں۔ اور وہ ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتا ہے۔ مگر نفس امارہ انسان کے قابو میں نہیں۔ کوئی خاص عالم ہی روحانی طاقت سے اس پر غلبہ پاسکتے ہیں۔ اور اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ بڑے موذی کو مارا۔ نفس امارہ کو گر مارا۔ نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا۔

۶۴۔ آدم کا جنت سے نکلنا

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ
اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَ
لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۶ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ
عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۷ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ
مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۸

اور ہم نے کہا۔ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ اور اس میں سے جہاں سے چاہو۔ بے تکلف کھاؤ۔ مگر اس درخت کے پاس نہ جاؤ۔ ورنہ گنہگار ہو جاؤ گے۔ ۶۔ مگر شیطان نے انہیں بہکایا۔ اور جہاں وہ تھے وہاں سے انہیں نکلوایا۔ اور ہم نے کہا۔ نکل جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اور تمہارے لئے زمین میں ہی مقررہ وقت تک ٹھہرنا اور گذر کرتا ہوگا۔ ۷۔ پس آدم نے اپنے رب سے اس کی کلاموں کی تلقین پائی۔ اور وہ

اس پر پھرا۔ بے شک خدا التّواب اور رحیم ہے۔ ۸۔

۶۵۔ جنت کے متعلق خیالات پریشان

ہم اس سے پہلے واضح کر آئے ہیں۔ کہ جنت سکھ والی حالت یا مقام وغیرہ کا نام ہے جو وید کے لفظ سورگ کا صحیح مفہوم ہے۔ مگر علمائے اسلام میں اس کے متعلق بہت اختلافات اور خام خیال پائے جاتے ہیں۔

۱۔ ایک طرف تو قرآن سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ آغاز کے پیدا شدہ لوگوں کے لئے آدم لفظ ہے۔ لیکن دوسری طرف فرشتوں اور شیطان کا ذکر پڑھا جاتا ہے۔ تو بعض علماء یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ حضرت آدم سے پہلے دنیا میں اور قومیں آباد تھیں۔ ورنہ خلیفہ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس رائے کی تائید میں قرآن سورۃ ص آیت ۲۶ کو پیش کیا جاتا ہے۔ یٰدَاؤدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ کہ جیسے داؤد علیہ السلام کی حکومت اور عدالت کے لئے خلافت کا عہدہ ہے۔ ویسے ہی حضرت آدم کے لئے تھا۔ اور چونکہ فرشتوں کو علم نہ تھا۔ اس لئے آدم سے انہوں نے فساد اور خونریزی کو منسوب کیا۔ اور آدم صاحب کی عملی زندگی نے ان کے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ شیطان کے لئے کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ کہنے سے ہی شیطانوں کا ایک بڑا گروہ ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس خیال میں کچھ وزن نہیں۔ کیونکہ نہ کسی معتبر تاریخ سے ایسی شہادت ملتی ہے۔ نہ اصول سے جس خدا نے آغاز سے آدم تک بغیر خلیفہ کے خود دنیا کو چلایا۔ اس میں آدم کے وقت کیا کمزوری آگئی تھی۔ کہ وہ انتظام کے لئے آدم کا محتاج ہوا۔

۲۔ مجاہد ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ جن سے پہلے یہاں ایک لوگ رہتے تھے جنہیں جن۔ بن۔ طم اور رم کہا جاتا تھا۔ مگر وہ سب ناپید ہو گئے۔ (دیکھو اخبار الدول اور آثار الدول) لیکن اگر آدم صاحب ان کے خلیفہ تھے تو کیوں ہو گیا وہ خدا کے قابو کے نہ رہے تھے۔ یا کیا ان کا انتظام موجودہ کارخانہ عالم سے بھی زیادہ وسیع تھا۔ ساتھ ہی

۳۔ تفسیر فتح البیان میں ہے۔ کہ "جنوں نے زمین پر فساد برپا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ملائکہ کو بھیجا۔ وہ ان کو پہاڑوں اور سمندروں کی طرف بھگا کر ان کی جگہ آباد ہو گئے۔" یہ یا تو پارسیوں والے اہرمن کے متعلقہ بیان کی بازگشت ہے۔ یا مغربی مورخوں کے اس بیان کی کہ آریوں نے آریہ ورت میں آباد ہونے کے لئے اصلی باشندوں کو پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف بھگا دیا۔ ورنہ اگر واقعی ایسے جنوں کو بھگانے والے فرشتے ہوتے۔ تو خدا آدم کو خلیفہ نہ بناتا۔ انہی فرشتوں میں سے کسی کو خلیفہ بناتا۔ اور جب قرآن ان فرشتوں کو چیزوں کے نام تک سے ناواقف قرار دیتا ہے۔ تو ان میں جنگ کے علم اور عقل کو ماننا چہ معنے۔

۴۔ تفسیر مصر یعنی المنیر میں ہے۔ کہ جن زمانہ دراز تک دنیا میں آباد رہے۔ پھر ان میں حسد اور بغاوت پھیل کر فساد

ظاہر ہوئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ملائکہ کا گروہ بھیجا۔ جو جن کہلاتے تھے۔ یہ اس جنت کے پاسبان تھے۔ اس لئے انکا نام جن ہوا۔ ان کا سردار ابلیس تھا۔ لیکن اگر ایسا تھا۔ تو آدم کی ضرورت اور بھی منقطع ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام فرشتے بہشت کے پاسبان اور سردار بھی موجود تھا۔ جب تک واقعات کی بناء پر یہ ثابت نہ ہو۔ کہ ابلیس اور اس کے ماتحت فرشتوں نے خدا سے بغاوت کی۔ اور خدا کو اس کے فرو کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ تب تک آدم کی خلافت وغیرہ کی تدبیر کی بنیاد ہی نہیں پڑتی۔

۵۔ ایک راوی کا کہنا ہے۔ کہ امام محمد باقر کہتے تھے۔ آدم سے پہلے ہزار در ہزار آدم گذر چکے ہیں۔ اگر ویدک نادی پرواہ کے مطابق مانا جاوے۔ کہ ہر پیدائش کے آغاز میں ایسے لوگ ہوئے۔ جنہیں آدم کہا گیا۔ تب تو معقول ہے۔ ورنہ کسی بھی تاریخ کی عدم موجودگی میں ایسا بیان بے معنے ہے۔ ہزار در ہزار کہاں دوچار کا بھی تو کسی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا۔

۶۔ فتوحات مکیہ باب حدوث الدنیا میں حضرت شیخ محی الدین عربی فرماتے ہیں۔ میں ایک دفعہ کعبہ کا طواف کرتا تھا۔ کچھ لوگ طواف کرتے ملے۔ ان کی حالت سے معلوم ہوا۔ یہ کوئی روحانی گروہ ہے۔ میں نے ان میں سے ایک کو کہا۔ آپ کون لوگ ہیں۔ اس نے کہا۔ ہم تیرے پہلے باپ دادوں سے ہیں۔ میں نے کہا۔ تمہیں کتنا عرصہ ہوا۔ کہا قریب پچاس ہزار سال گئے۔ میں نے کہا۔ ہمارے اس آدم کو تو اتنے برس نہیں ہوئے۔ اس نے کہا۔ تو کس آدم کی بابت کہتا ہے۔ اس اپنے قریبی آدم کی بابت یا کسی اور آدم کی بابت۔ سوچ میں پڑ گیا۔ اتنے میں مجھے ایک حدیث یاد آ گئی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس معلوم آدم سے پہلے لاکھ آدم پیدا کئے۔" لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اگر ہزار در ہزار سے گذر کر لاکھ کی تعداد کا بیان دوسری حدیث کر سکتی ہے۔ تو کروڑ تک کا بیان کوئی اور راوی بھی کر سکتا ہے۔ اور جب ایک اور آدم کا بھی صحیح بیان کہیں نہیں ملتا۔ تو ہزار لاکھ یا کروڑ کی تعداد کا کیا مطلب۔

۷۔ ایک اور خیال یہ ہے۔ کہ فرشتوں نے جو فساد اور خونریزی کا خیال خلیفہ سے منسوب کیا۔ وہ گذشتہ تجربہ کی بناء پر تھا۔ اور ان کی لاعلمی کا ثبوت جسے انہوں نے خود آیات زیر بحث میں قبول کیا ہے۔ اور خدا نے فرشتوں پر چیزوں کے نام کے متعلق سوال کرکے انہیں لاجواب کیا۔ اور آدم کی زبان سے وہ نام کہلوا دیئے۔ یہ اس لئے تھا۔ کہ آدم کی اصلیت کا سکہ بٹھا کر انہیں آدم کی خلافت منظور کرنے پر مائل کرے۔ لیکن اس صورت میں سوال یہ ہے۔ کہ خدا نے پہلے فساد اور خونریزی کے وقت انتظام کیوں نہ کیا۔ اور کیا علم والے خلیفہ سے فساد اور خونریزی رکی۔ قابیل اور ہابیل آدم کے ہی پتر ہیں۔ اور ایک بھائی دوسرے کا خون کرتا ہے۔ اور اس کا خون زمین سے پکارتا ہے۔ تو آدم کو عالم بنانے سے خلافت میں کونسی نئی اصلاح واقع ہوئی۔ جو ابلیس کی سرداری میں نہ تھی۔

۸۔ فرشتوں کے آدم کو سجدہ کرنے کو بعض لوگ فرشتہ پن کی توہین سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کی رائے میں فرشتے دو قسم کے ہیں۔ ایک زمینی اور دوسرے عالی مقام کے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ عالی مقام والے آدم کے آگے

ہر گز ہر گز جھک نہ سکتے تھے۔ پس شیطان کا انکار اگر اس کا تکبر سمجھا گیا۔ تو اس سے ظاہر ہے۔ کہ وہ زمینی فرشتہ تھا۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اگر جنت آسمان پر تھا۔ اور خدا نے آدم کو وہیں رکھا تھا۔ تو سجدہ کرنے والے زمینی فرشتے کیسے ہو سکتے ہیں۔ اور اگر زمین پر تھا۔ تو باقی سب فرشتوں کے خلاف شیطان نے کیوں انکار کیا یعنی اس میں آسمانی فرشتوں والا جذبہ پیدا کیسے ہوا۔

۹۔ کہا جاتا ہے۔ کہ چونکہ آیت قرآن میں یہ ہے۔ کہ میں زمین میں خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ اس لئے وہ جنت زمین پر تھی۔ اور چونکہ اصل بہشت کے اوصاف یہ ہیں۔ کہ وہاں تمام خواہشات کے متعلق ضروریات مہیا ہوں گی۔ وہاں نہ لغو ہوگا۔ نہ جھوٹ نہ دکھ درد نہ رونا۔ اس لئے وہاں سے آدم کی معصیت یا حکم عدولی کا کیا تعلق۔ لیکن اس صورت میں جہاں وہ نکال کر پہنچایا گیا۔ وہاں باغ نہ تھا۔ یا ہو نہ سکتا تھا۔ اس کا مزید ثبوت کیا۔ اور باغ جنت کی جو خصوصیت خاص درخت کی ہے۔ اس کا پھل جب معصیت کا موجب ہوا۔ تو وہ جنت کیسے ہوا۔ اور جس نئی جگہ میں اسے رکھا گیا۔ جہاں شجر ممنوعہ تھا ہی نہیں اس کا نام جنت نہ ہو۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

۱۰۔ ممنوعہ درخت کی بابت ایک رائے یہ ہے کہ وہ گیہوں کا تھا۔ اور دوسری یہ کہ انگور کا تھا۔ لیکن اگر گیہوں کا تھا۔ وہ تو اب بھی سب انسان کھاتے ہیں۔ اور اگر انگور کا تھا۔ تو اب بھی ساری دنیا کھا رہی ہے۔ کسی کو کوئی سزا نہیں ملتی۔ مدارک میں ہے۔ کہ انگور کا درخت ہی سب فتنوں کی جڑ ہے۔ اور جو عداوت اس سورۃ کی ۳۶ آیت میں ہے۔ وہ بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ انگور کو الشجر اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ یہ اپنے نتائج کے لحاظ سے فساد مجسم ہے۔ اور شجر لفظ کے معنے ہی جھگڑے کے ہیں۔ یہ اشارہ انگوری شراب کی طرف ہے۔ جس کا ذکر تک قرآن میں نہیں۔ اور ساتھ ہی شراب انگور کے علاوہ اور چیزوں سے بھی بنتی ہے۔ وہ فساد مجسم کیوں نہیں۔

۱۱۔ جنت سے آدم صاحب کہاں بھیجے گئے۔ اس کا بھی قرآن میں ذکر نہیں کیا گیا۔ تو بھی کہا یہ جاتا ہے۔ کہ وہ ہند یا سراندیپ میں گئے۔ لیکن کہاں ہند اور کہاں سراندیپ کا ٹاپو نہ علاقہ مخصوص نہ مقام کا پتہ۔ غرضیکہ اس قصے کے متعلق تمام تفصیلات غیر مفسرہ مہمل غیر معقول اور ان تمام اصولی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ جو ایک عالمگیر مذہب کی شان کے شایاں ہو سکتی ہیں۔ پس یہ اصولی تعلیم سے ناواقف لوگوں کے خیالات اور ان کے توہمات باطل کی مظہر ہیں۔ اور اصل حقیقت وہی ہے۔ جو ہم جنت کے مضمون میں واضح کر آئے ہیں۔

۶۶۔ خروج کا صحیح مفہوم

آغاز عالم کی دنیا کو اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اُدیان (باغ) کہا جاتا تھا۔ اسی اُدیان کا بگاڑ یا بدلا ہوا لفظ عدن ہے۔ سب سے اول انسان کی پیدائش تریشٹپ میں ہوئی۔ (ستیارتھ پرکاش باب ۸ و ہارمونیم بھاگ ۵۔ پروفیسر ادکن وائے جے ڈیوس کی رائے) یہی تریشٹپ آج

تبت کہا تا ہے۔ اور امرکوش کانڈ ۱ شلوک ۶ میں تروشٹپ کو سورگ سُرلوک وغیرہ کہا ہے۔ اسی کے مطابق آدم کو جنت کا ساکن بتایا گیا ہے۔ اور ایشوری حکم کے مطابق انسانی عمل رہیں یعنی دہرم اور قانون اعتدال کا انسان پابند رہے۔ تو وہ راحت اور سکھ ہی پاتا۔ اور اس کے لئے دنیا سورگ ہی ثابت ہوتی ہے لیکن دہرم کے خلاف عمل یعنی افراط تفریط کا شکار ہونے سے انسان ہر طرح کی تکلیفات میں پھنستا ہے۔ اور یہی اس کا جنت سے نکلنا یا خارج ہونا ہے۔ شجر کو سنسکرت میں برکھش کہتے ہیں جس کے مصدری معنے بڑھنے یا پھیلنے یا پھلنے پھولنے کے ہیں۔ چونکہ پرکرتی یا مادہ کا بھی یہ وصف ہے۔ اور اسی سے اس دنیا کے پھیلاؤ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لئے وید میں اسے بجا طور پر برکھش کہا ہے۔ انسان اپنے فرض سے بے پرواہ ہو کر مادی دُنیا کی آسائشوں کا دلدادہ اور عیاش بن جاتا ہے۔ تو روحانیت وغیرہ نعمتوں سے محروم رہ کر دُکھ پاتا ہے۔ اور اس طرح جنت سے نکلنے کا قانون اس پر عائد ہوتا ہے۔ رگوید ۱-۱۶۴-۲۰ کا مشہور منتر اس امر کو بالکل صاف کرتا ہے۔

द्वासु पर्णा सयुजा सखा या समानं वृक्षं परिषस्वजाते ।
तयो रन्यः पिप्पलं स्वाद्वत्त्य नश्नन्नन्यो अभि चाकशीति ॥

اس میں کل دنیا کی حقیقت اور قانون کرم کو مثل دریا بہ کوزہ بند کیا گیا ہے۔ کہ اس میں دو قابل حصول ہستیاں آتما اور پرماتما ہیں۔ جن کا تعلق پرکرتی روپی برکھش (شجر) سے ہے۔ پرماتما اپنی صنعت کاملہ سے اس سے عجیب و غریب معقول اشیاء پیدا کرتا ہے۔ اور جیو آتما کو جو ان کو بھوگتا ہے ساکھشی رہتے ہوئے فعلوں کی سزا جزا دیتا ہے۔

اس اصول کو مدنظر رکھنے سے سارا قصہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور جنت سے نکلنے کا ارتقا یہ ہوتا ہے کہ انسان خدا سے پیدا شدہ سامانوں کا غیر مناسب استعمال کر کے جنت نشان عالم کو جہنم بناتا اور دُکھ پاتا ہے۔

۴۷۔ خاص صداقتیں

انسان کو آغاز عالم میں باغ عالم مثل جنت کے ملتا ہے۔ اور ایشوری حکم کے مطابق وہ اشیائے عالم کا استعمال کرتا اور سکھ سے جیتا ہے۔ یہی جنت ہے۔ اور جب نفس کے زیر اثر مادی سامانوں میں مستغرق ہوتا ہے۔ دکھ پاتا ہے۔ شجر جس کی قربت سے منع کیا ہے۔ پرکرتی یا مادہ نامی شجر ہے۔ قربت کا مفہوم اپاسنا ہے۔ اور پرکرتی کی اپاسنا کا مفہوم دنیوی بھوگوں میں مستغرق ہونا ہے۔ اور یہی تنزل یا جنت سے نکلنا ہے۔ بائیبل نے اس اصولی بات کو کچھ تاریخی صورت دی ہے۔ مگر قرآن نے اس کو بہت حد تک اصول کی شکل میں بدل دیا ہے۔ اور مفسر صاحبان قرآن نے پھر اس کو ایک بے سر پیر کے قصے کی شکل میں ظاہر کیا ہے تاہم یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ علماء اسلام اس کی اصل حقیقت کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ حمائل التفسیر (ڈاکٹر مولوی محمد عبدالحکیم خاں صاحب) میں ان بیانات کے متعلق صاف طور پر

ہماری پوزیشن کی تائید یہی کی گئی ہے۔ لکھا ہے۔ کہ "قرآن مجید میں جس قدر مضامین ہیں۔ وہ تمام کے تمام عالمگیر اور مستقل صداقتوں کی تمثیل یا بیان ہیں۔ جن کے نظارے ہر زمانے ہر ملک اور ہر قوم میں مشاہدہ ہو سکتے ہیں۔ کوئی قصہ یا کوئی حکم یا کوئی تمثیل ایسی نہیں۔ جو کسی خاص زمانہ یا خاص ملک یا خاص قوم سے ہی متعلق ہو۔ پھر ہر ایک بیان میں الفاظ اور معانی کے لحاظ سے لاانتہا اسرار بھرے ہوئے ہیں۔ جو ہر ایک طبقہ انسانی کے واسطے دلکشا اور روح افزا ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ یہ قصہ ہے" یہ لکھ کر آپ اس کے مستقل دائمی حقائق کا بیان کرتے ہیں۔

"ہم دیکھتے ہیں۔ کہ تمام مخلوقات خدمت انسان میں مصروف ہے۔ ہوا اور پانی سے تو انسان کی زندگی ہے۔ زمین اس کے رہنے اور تمام کاروبار کے واسطے ہے۔ سورج کی روشنی اور حرارت پر اس کی ہزارہا ضروریات کا انحصار ہے۔ تمام حیوانات۔ نباتات اور جمادات اس کی دوا یا دیگر ضروریات کے کام آتی ہیں۔ پھر ملائکہ ہیں۔ جو تمام ظاہری مخلوقات کے مبداء اور منتظم ہیں۔ ان کی تمام تدبیریں اور انتظامات بھی انسانوں کی خدمت کے واسطے ہیں۔ اس طرح پر تمام ملائکہ انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ گویا کہ انسان زمین میں خدا کا خلیفہ ہے۔ اور تمام مخلوق اس کو سجدہ کر رہی ہے۔۔۔۔ انسان کے سوائے جب دوسری مخلوق پر سجدہ کا لفظ بولا جائے۔ تو اس کے معنے اطاعت و خدمت ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آیات قرآنی سے ظاہر ہے۔ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ﴿۵۵﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۱۳/۱۵ کیونکہ بیجان سیال اور ہوائی اشیا اور ارواح میں وہ سجدہ ممکن ہی نہیں۔ جو انسان کے واسطے غیر خدا کے لئے ممنوع ہے۔ اور نہ ہم کسی حیوان یا درخت یا ستارہ یا کسی اور شئے کو اس طرح کا سجدہ کرتے دیکھتے ہیں۔ الغرض ملائکہ کے سجدہ سے وہ خدمت مراد ہے۔ جس میں وہ ہر وقت انسان کی ضروریات کے واسطے لگے ہوئے ہیں۔ اور یہ سجدہ تمام ملائکۃ الارض ہر ایک انسان کے واسطے خواہ نیک ہو یا بد ہمیشہ کے واسطے کر رہے ہیں۔ جس کا مشاہدہ ہم خود دن رات کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انسان نے علم کے زور سے تمام مخلوق کو اپنا مطیع بنا رکھا۔ اور ہر ایک شے سے اپنے اپنے مفید کام لیتا ہے۔ ساتھ ہی بہت سی مخلوقات ظاہری و باطنی ایسی بھی ہیں۔ جو اس کی دشمن اور اس کے دین و دنیا کو خراب کرنے والی ہیں۔ وہ بجائے خدمت و اطاعت کے سرکشی پر مائل رہتی ہیں۔ مثلاً ظاہری دشمنوں میں شراب جوا زنا وغیرہ اور باطنی دشمنوں میں تکبر طمع غضب شہوت وغیرہ ان تمام کا جو محرک اور موید ہے۔ وہ شیطان ہے۔ چنانچہ ابلیس کی سرکشی مخالفت اور اغوا کے نظارے دن رات ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ وہ ہمارا کھلا کھلا دشمن ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اس کا کام دن رات دلوں میں وسوسہ ڈالنا ہے۔ انسان کے اندر تکبر غضب شہوت اور ضد و عناد کی آگ بھڑکاتا ہے۔ جو خود چھپا رہتا ہے پر ہر قسم کے بدکام کراتا ہے۔ علم کے زور سے انسان تمام چیزوں کا حاکم و بادشاہ ہے۔ اور تمام مفید و غیر مفید باتوں کو خوب سمجھتا ہے۔ دن رات آرام و آسائش

کے نئے نئے سامان ایجاد کرتا رہتا ہے۔ اپنی زندگی کو ایسے چین اور امن سے گذار سکتا ہے۔ کہ گویا بہشت میں ہے۔ جہاں اس کی تمام مرادیں پوری ہوں۔ کوئی دشمن نہیں ستائے گا۔ کوئی دکھ یا درد یا غم پیش نہیں آئے گا۔ مگر شیطان ایسا اس کے پیچھے پڑا ہے۔ کہ اس کو چین و آرام لینے نہیں دیتا۔ اور ہمیشہ غرور طمع محبت اور شہوت کی بے جا صورتوں میں پھنسا کر جنت سے نکال دیتا ہے۔ جو باتیں انسان کے واسطے ممنوع و مضر ہیں۔ وہی کروا دیتا ہے۔ اور ماشاء اللہ انسان کی عالمگیر حکومت۔ اس کے علمی کمالات۔ اس کے عیش و آرام کے لا انتہا اسباب اس کے ساتھ شیطانی مخالفت و اغوا اس کا ناجائز فعلوں میں پڑ کر جنت سے نکلنا یہ ایسے عام نظارے ہیں۔ جو ہر وقت اور ہر ملک میں ہر ایک انسان کے پیش نظر رہے اور رہیں گے۔ اس طویل اقتباس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ فرشتے محض ویدک دیوتا ہیں۔ اور آدم کو سجدہ کرنا اشیائے عالم کے انسان کی خدمت اور اس کے فوائد و استعمال کے لئے ہونا ہے۔ اور بہکانے والا ابلیس وہ ہے۔ جو تمام ظاہری و باطنی انسانی کمزوریوں کا محرک ومویّد ہے۔ یہ سوائے نفس امارہ کے اور کسی کی صفات نہیں۔

۶۸۔ قصہ آدم و شیطان کی اصلیت

۱۔ بائبل کے مختلف مقامات پر غور کرنے سے بھی یہی صداقتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس میں شیطان نام کہیں سانپ کا آتا ہے۔ کہیں بادل کا۔ کہیں اژدہا اور کہیں اجگر کا۔ کہیں ابلیس کا۔ لیکن نئے عہد نامہ کے اخیر میں جو مکاشفات کی کتاب میں یہ کہہ دیا ہے۔ کہ یہ اژدہا اجگر بادل ابلیس وغیرہ سب ایک ہی ہستی کے نام ہیں۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ قدیم بیانات کو ترجموں کے تقالیص نے مختلف صورتیں دے رکھی ہیں۔ ورنہ یہ تمام الفاظ ایک ہی اصول سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲۔ وہ اصول رگ وید۔ اشٹک ۱۔ ادھیائے۔ ۲ ورگ ۳۶ میں اندر اور ورتر کے جنگ سے ظاہر کیا ہے۔ اور اس کا مدعا نیکی۔ بدی۔ سو یہ بادل۔ دیو اسر وغیرہ ہر سنگرام سے ہے۔ جو کل دنیا میں صدہا شکلوں میں ہر وقت ہو رہا ہے۔ ان منتروں میں اندر نام سورج یا نیک طاقتوں کا ہے۔ اور ورتر بادل یا بری طاقتوں کا۔ سورج کی روشنی کو چھپانے والے میگھ کو آخر سورج چھن بھن کر کے اپنا نور دنیا میں پھیلانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اسی طرح بعد بڑی جد و جہد کے راستی کی ناراستی پر فتح ہوتی ہے۔ گناہ اور برائی کی مظہر انہی طاقتوں کو رگوید ۵۔ ادھیائے ۱۔ ورگ ۲۱ میں اہی (अहि) شبد سے ظاہر کیا ہے۔ اور سانپ۔ بادل شیطان سب اہی کے معنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس اہی لفظ کے معنے مختلف جگہوں میں بلا تمیز موقعہ و محل کے مختلف کر دیئے گئے ہیں۔ اور چونکہ اصل بنیاد تمام برائیوں کی من میں ہوتی ہے۔ اس لئے ویدک رشیوں کے نزدیک من اہی ہے۔ کہا گیا ہے अहिमन: (اہرمنہ) اسی اہرمن (بہ ہائے مکسور) لفظ سے بدل کر اہرمن بہ ہائے مفتوح مروج ہو گیا ہے۔ جو پارسی لوگ شیطان کا نام لو کہتے ہیں۔ ان کا مقولہ ہے۔

گرآں دو عارض رخشاں زفعل یزداں است - زفعل اہرمن است آں دو زلف چوگاں زن

بدیں دلیل ہمہ مانوی درست کنند کہ خیر ہست زیزداں وشرز اہرمن

پس پارسیوں کا یزداں اور اہرمن اور عیسائی مسلمانوں کا خدا اور شیطان درحقیقت دیو اور اسر یا بھلائی اور برائی کے مظہر سمجھے ہیں۔ قرآن نے اس اصول کو سورۃ النساء آیت ۷۹ میں بدیں الفاظ ادا کیا ہے۔ مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَ مَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ۔ تجھ کو جو فائدہ پہنچے۔ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جو نقصان پہنچے۔ وہ تیرے نفس سے ہے۔ پس صاف ظاہر ہے۔ کہ قرآن بھی نفس امارہ کا ہی شیطان نام رکھتا ہے۔

۳۔ پارسیوں کی ایک اور کہانی اس امر پر مزید روشنی ڈالتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ یزداں جہان میں تنہا تھا۔ اس نے ایک بار خیال کیا۔ کہ مبادا کوئی میری ضد پیدا ہو جاوے۔ کہ وہ میرا دشمن ہو۔ اس فکر کرنے سے اہرمن وجود میں آ گیا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اہرمن جہان سے باہر تھا۔ اس نے سوراخ میں سے جھانکا۔ یزداں کو جاہ و مرتبہ کے ساتھ دیکھ کر اسے رشک آیا۔ اور شر و فساد کرنے لگا۔ یزداں نے اس کے دفعیہ کے لئے ملائکہ کو پیدا کیا۔ مگر ان کی مدد سے بھی جنگ میں اہرمن مغلوب نہ ہوا۔ تو اس شرط پر صلح ہو گئی۔ کہ اہرمن کچھ عرصہ تک جہان میں رہ کر چلا جاوے۔ کہتے ہیں۔ کہ جب اہرمن چلا جاتا ہے۔ جہان میں نیکی اور شانتی کا راج ہو جاتا ہے۔ (دیکھو دبستان المذاہب نظر ۲ تعلیم اول)

چونکہ جہان کسی مکان کی طرح نہیں۔ کہ جس میں کھڑکی کے ذریعے جھانکا جا سکے۔ نہ جہان کے علاوہ کوئی اور جگہ ہو سکتی ہے۔ کہ اس میں کوئی اور اہرمن نام کی ہستی رہ سکے۔ اس لئے سوائے خاص تعلق کے اس کا مطلب ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ حکیم ارجاماسپ اس کی یوں تعبیر کرتے ہیں۔ کہ جہان سے مراد جسم ہے۔ یزداں سے مراد روح اور اہرمن سے نفس امارہ اندریاں (آنکھ۔ ناک۔ کان) وغیرہ سوراخ ہیں۔ جن کے ذریعے باہر کے کل ذائقہ وغیرہ کے دشمن انسان کے اندر داخل ہو کر روح پر حملہ کرتے ہیں۔ فرشتے نیک اوصاف ہیں و نیک خیال۔ جن سے انسان بیرونی دشمنوں کا شکار نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ یہ جنگ جاری رہتا ہے۔ اور جسمانی حفاظت کے لئے بیرونی مدد کی ضرورت لازمی ہے۔ اس لئے من یا دشمنوں کا ناش نہیں ہو سکتا۔ ہاں صلح کا اصول قائم کیا گیا ہے۔ کہ اشیائے عالم کا خاص پابندی قواعد سے بھوگ کیا جائے۔ تاکہ اعتدال قائم رہے۔ اور خرابی نہ ہونے پاوے۔ کھانا کھاؤ۔ لیکن لذت کے غلام ہو کر اسے بدہضمی پیچش ہیضہ وغیرہ کا موجب نہ بناؤ۔ جسم کی حفاظت و پرورش کے لئے ضروری اندازے کا خیال رکھو۔ پس حقیقت کے لحاظ سے یہ بھی وید کی اس آگیا کی ہی تفسیر ہے۔ کہ

तेन त्यक्तेन भुंजीथा

ایشور سے جس انداز سے ملتا ہے بھوگو یا دنیاوی اشیاء کو تیاگ بھاو سے بھوگو۔ یعنی اشیاء کا مناسب استعمال کرو۔ ان کے لوبھ یا موہ کے شکار نہ بنو۔ بہ قول دست با کار و دل با یار۔ خدا کی کسی چیز کے ہمیں دینے

سے اصل غرض کیا ہے۔ اس کے علم کو سامنے رکھتے ہوئے عملاً اس کا استعمال کرو۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ ہم نے جو ظالموں سے بد اعتدالیوں والی تقدیر منسوب کی ہے۔ یہ بالکل بجا ہے۔ کیونکہ ظلم نام ہی قانون سے تجاوز کرنے کا ہے۔ اور قانون محض اعتدال کے قیام کا موجب ہے۔

۴۔ اکثر علماء مختلف اور طریقوں سے بھی شیطان کو نفس امارہ ہی ثابت کرتے ہیں۔ مثلاً وقائع نعمت خان عالی میں ایک نظم میں شیخ کا خواب بیان کیا گیا ہے۔

شیخ درخواب دید شیطان را رہزن دین و دشمن ایمان را۔ الخ

اس خواب میں انہوں نے شیطان کو دیکھا۔ اور اسے اپنا کھلا دشمن سمجھتے ہوئے اس کی مذمت کی۔ اور اس کی ڈاڑھی پکڑ کر اس کے رخسار پر زور کا طمانچہ رسید کیا۔ جس پر شیخ جی کو جاگ آ گئی۔ اور انہوں نے دیکھا۔ کہ اپنا ہی ہاتھ اپنی ڈاڑھی کو پکڑے ہے۔ اور اپنا ہی رخسارہ اس تھپیڑ کی وجہ سے دُکھتا ہے۔ اس پر شیخ صاحب کو ہوش آئی۔ اور وہ جنگ بازو نفس آمدیاد یعنی نفس کے شیطان والی جنگ کا نقشہ یاد داشت کے سامنے آ گیا۔

۶۹۔ الہام الٰہی اور اس کی غرض

آیت نمبر ۳۰ میں آ چکا ہے۔ کہ آدم کو خدا نے کل نام سکھائے۔ جس کا صحیح مفہوم ہماری رائے میں یہ ہے۔ کہ الہامی علم کے قائمقام کل کلمات یا زبان کا بھی خدا نے علم دیا۔ اس کے علاوہ مکالمہ کی دوسری آیات میں یہ واضح ہوا ہے۔ کہ خدا سے علم ملے بغیر انسانوں میں سلسلہ تعلیم چلنا نا ممکن تھا۔ کیونکہ انسان جب کوئی علم نہ رکھتا تھا۔ وہ زبان ایجاد کرنے کے قابل نہ ہو سکتا تھا۔ نیز یہ کہ سوائے انسان کے علم کو کوئی اور ہستی حاصل نہیں کر سکتی۔ اب آیت نمبر ۳۷ میں کہا ہے۔ کہ آدم نے خدا سے کلام کی تلقین پائی۔ اس سے بھی الہامی علم اور زبان یعنی ویدگیان کا آغاز کے لوگوں کو خدا سے ملنا ثابت ہے۔ جو انسان شیطان یعنی نفس وغیرہ کے بہکانے سے مصیبتوں کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے دشمن ثابت ہوتے ہیں۔ مگر خدا سب کا سچا دوست ان کو تمام دکھوں یا مصیبتوں سے بچانے والا ہے۔ اور اس غرض کی تکمیل کا واحد ذریعہ علم حقیقی یا کلام الٰہی ہے۔ اس سے نہ صرف دکھ کا دفعیہ ہونا۔ سچا سکھ ملتا ہے۔ خدا سے دعا مانگنا۔ بدی کر کے پچھتانا۔ آئندہ بدی سے بچنے کے لئے ارادہ و کوشش کرنا۔ اور نیک اعمال میں لگنا سب اسی سچے علم کی وجہ سے ہے۔ اس لئے خدا کو غفور یعنی مغفرت یا بخشش کنندہ اور رحیم بھی کہا ہے۔

۷۰۔ کل ناموں کا پتہ

لیکن اگر کل نام سکھانے سے کامل الہامی زبان کا ملنا تسلیم نہ کیا جاوے۔ محض کل چیزوں کے نام کا سکھانا ہی مانا جاوے۔ تو بھی یہ امر الہام کی ہی ذیل میں شامل

ہے۔ جیسا کہ حصہ اول باب سوم میں واضح ہوا ہے۔ یجر وید ادھیائے ۱۸ کے منتروں میں کل اشیا کے نام بھی مذکور ہیں۔ مثال کے لئے پہلے ہی منتر کو لیجئے۔

اس میں واج۔ پرسو۔ پریتی۔ پرستی۔ دھیتی۔ کرتو۔ سور۔ شلوک۔ شروِن۔ شرتی۔ جیوتی۔ سوہ نام ہیں۔ اور اسی طرح اگلے منتروں میں سلسلہ وار مختلف نوعیتوں کے نام چلے جاتے ہیں۔ تمام صفات افعال عادات۔ اندرونی و بیرونی قوتیں یا اوزار۔ جملہ قسم کے ان اناج۔ میوہ پھل۔ مادی اشیاء۔ سائنس ہی وبانڈ حیوانات چرند پرند درندہ وغیرہ سب کے نام ہیں۔ اور سب کے استعمال وغیرہ کا بیان بھی وید میں ہے۔ اس پر اور خوبی یہ کہ ہر منتر میں بہت سے نام دے کر اخیر میں यज्ञेन कल्पन्ताम्

کا قانون مدنظر رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے یعنی یہ کہ ان اناج پھل علم۔ دولت ان کے حصول کے طریقے۔ نیک استعمال کی کوشش۔ وسائل۔ انتظام۔ حفاظت۔ قیام۔ دھیان۔ عقل۔ حوصلہ آزادی۔ جلال۔ شلوک۔ کلام۔ سننا سنانا اور جو سنا جاتا ہے۔ (شرتی) اور جو اس سے حاصل ہوتا ہے۔ (راحت وبہبود) سب فیض عام کے کاموں میں استعمال ہوں۔ ایسے ہی جن منتروں سے برائی یا جہالت کے دور ہونے کی دعا مانگی جاتی ہے۔ اور جن سے اس برائی کو دور کرنے والی بھلائیوں کا بیان ہوتا ہے۔ وہ تمام انسان کو پھر خدا یا راحت کی طرف لے جانے والے ہیں۔ انہی کی طرف کلمات لفظ کا اشارہ ہے۔ اور اس کے معنے سوائے رگ یجر سام اور اتھروِنام کی کلاموں کے اور رہ نہیں سکتے۔

۷۱- وعظ حق کی عظمت!

قُلْنَا اهْبِطُوا
مِنْهَا جَمِيعًا ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ
۳۸ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۞ ۹ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ
۳۹ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۞ ۱۰

ہم نے کہا۔ سب اس جنت سے الگ ہو جاؤ۔ ہاں مجھ سے جو ہدایت پہنچے۔ اس پر جو چلیگا۔ اسے نہ خوف ہوگا۔ نہ رنج وغم۔ ۹۔ اور جو کفر اختیار کریں گے۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے۔ وہ دوزخ میں پڑیں گے۔ اور اسی میں رہیں گے۔ ۱۰

۷۲- قدیم رشیوں کا اصول

اس آیت میں ہمیشہ کے لئے انسان کو مستقل قانون بتایا ہے کہ وہ تمام لوگ جو پرکرتی نامی درخت کے پھل رنگے کھیو

ہوں گے۔ سُکھ سے محروم رہیں گے۔ وید منتروں میں اسی اصول کا رشیوں کو اُپدیش دیا گیا تھا۔ مدسانہوں نے وعظ حق کو اپنی زندگی کا خاص مشن بنایا تھا۔ سانکھیہ درشن کا ایک مشہور سوتر سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں تبلیغ حق کی عظمت واضح کرنے کو نقل کیا ہے۔ (۳-۷۶ و ۸۱)

उपदेश्योपदेष्टृत्वात तत्सिद्धिः इतरथा न्धपरम्परा ॥

یعنی جب اچھے ہادی یا واعظ ہوتے ہیں۔ تبھی ہر طرح کی کامیابیاں ہوتی ہیں۔ اور جب اچھے وعظ اور سامعین نہیں رہتے۔ تب تاریکی کا دور چلتا ہے۔" لاکھوں کروڑوں انسان اگر مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو یہ ان مذاہب کے تبلیغی کام کا نتیجہ ہے۔ اور اگر تبلیغ حق پر زور دیا جائے۔ تو تمام کمیاں پوری ہو کر ترقی ہی ترقی کے راستے کھل سکتے ہیں۔ زور بازو یا دولت سے بھی لوگ دنیا میں کام نکالتے ہیں۔ لیکن جس زور سے وعظ حق کے ذریعے تمام لوگ واعظ کے زیر اثر آ اور لا سکتے ہیں۔ اس زور سے کوئی بھی طاقت دوسروں پر حکومت نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن جنت یا سکھ سے محروم ہوئے انسانوں کو بھی یہ ہدایت دیتا ہے۔ کہ جب میری ہدایت ان کو پہنچے۔ اور وہ اس پر عمل کریں گے۔ تو ان کے دکھ بھی دور ہوں گے۔ اور انہیں کسی طرح کا خوف نہ ہوگا۔ برخلاف اس کے جو وعظ حق سے انکار یا بے پرواہی کریں گے۔ دکھوں میں مبتلا ہوں گے۔ یوں تو جھوٹے مذاہب بھی کسی نہ کسی طرح اپنے مذہب کی تبلیغ کر کے اپنے پیرو بڑھاتے دیکھے جاتے ہیں۔ پر اگر سچے مذہب یا دھرم کے لئے تبلیغی طاقت کا پورا استعمال ہو۔ تو کامیابی میں شک ہی کیا ہو سکتا ہے۔

۷۳۔ ایک بیش بہا سمرن

يَٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَأَوۡفُواْ بِعَهۡدِيٓ
أُوفِ بِعَهۡدِكُمۡ وَإِيَّٰيَ فَٱرۡهَبُونِ ① وَءَامِنُواْ بِمَآ أَنزَلۡتُ مُصَدِّقٗا
لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُونُوٓاْ أَوَّلَ كَافِرِۭ بِهِۦۖ وَلَا تَشۡتَرُواْ بِـَٔايَٰتِي ثَمَنٗا قَلِيلٗا
وَإِيَّٰيَ فَٱتَّقُونِ ② وَلَا تَلۡبِسُواْ ٱلۡحَقَّ بِٱلۡبَٰطِلِ وَتَكۡتُمُواْ ٱلۡحَقَّ وَأَنتُمۡ
تَعۡلَمُونَ ③ وَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُواْ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱرۡكَعُواْ مَعَ ٱلرَّٰكِعِينَ ④
أَتَأۡمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلۡبِرِّ وَتَنسَوۡنَ أَنفُسَكُمۡ وَأَنتُمۡ تَتۡلُونَ ٱلۡكِتَٰبَۚ

أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (٥) وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ ٤٤
إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ (٦) يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (٧) ع ٤٥-٤٦ الربع ٥ ٥
يٰبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّيْ
فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (١) وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ ٤٧
نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا
هُمْ يُنْصَرُوْنَ (٢) ٤٨

اے بنی اسرائیل ! میری اس نعمت کا چرچا کرو۔ جو میں نے تمہیں عطا کی ہے۔ اور میرے عہد کو پورا کرو۔ میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ سے ڈرتے رہو۔ ۱۔ اور جو ہم نازل کرتے ہیں۔ اسے حق مانو۔ یہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ جو تمہارے پاس ہے۔ اس کے پہلے منکر تم ہی نہ بنو۔ اور میری آیتوں کے بدلے ادنےٰ قیمت وصول نہ کرو۔ ہاں میرا ہی تقوےٰ رکھو۔ ۲۔ اور سچ کو جھوٹ سے غلط ملط نہ کرو۔ اور نہ حق بات کو چھپاؤ۔ جیسے تم جانتے ہو۔ ۳۔ اور عبادت کیا کرو۔ زکوٰۃ دو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ ۴۔ کیا تم اور لوگوں کو نیکی کی ہدایت دوگے۔ اور خود عمل نہ کروگے۔ اس صورت میں کہ تم کتاب الٰہی کو پڑھتے بھی ہو۔ کیا عقل سے کام نہ لوگے۔ ۵۔ اور صبر اور عبادت کرتے ہوئے مدد مانگا کرو۔ یہ یقیناً بڑا بھاری مشکل امر ہے۔ مگر عجز اور فرمانبرداری کرنے والے لوگوں کے لئے نہیں۔ ۶۔ جن کا اپنے رب کے وصل اور اسی کی طرف رجوع کرنے کا پختہ ارادہ ہے۔ ۷۔ اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کا چرچا کرو۔ جو میں نے تمہیں عطا کی ہے۔ تحقیق میں نے ہی تمہیں تمام کائنات میں فضیلت دے رکھی ہے۔ ۱۔ اور اس وقت سے ڈرتے رہو۔ جس میں کوئی شخص کسی کے کام نہیں آئے گا۔ اور جس میں نہ سفارش قبول ہوگی۔ نہ معاوضہ۔ اور نہ مدد پہنچے گی۔ ۲۔

۴۷۔ بنی اسرائیل

بنی اسرائیل کے ظاہری معنے ہیں۔ اسرائیل کی اولاد۔ بائبل میں بھی بنی اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے۔ قطع نظر اسرائیل کی شخصیت کے یہ لفظ توریت اور انجیل سے پہلے کی انسانی جماعت کے لئے اسی طرح استعمال ہوتا تھا۔ جس طرح آج کل ہندو قوم آریہ جاتی یا منتظم قوم کا لفظ بولا جاتا ہے۔ بالخصوص آریہ ستان کی جگہ بنی اسرائیل کا لفظ عین موزوں

تھا۔ کیونکہ اسرائیل لفظ ایشور ایل سے بگڑ کر بنا ہے۔ یہ امر قرین قیاس بلکہ نہایت اغلب ہے۔ ویدک دھرمی لوگ رگوید میں سب سے پہلے جو منتر پڑھتے ہیں۔ اس میں پہلا لفظ ہے "اگنیم ایلے" چونکہ اگنی کا یہاں ایشور ہی مقدم ارتھ ہے۔ اس لئے اگنیم ایلے کی بجائے ایشور ایلے کہہ دینے میں بھی بات وہی رہتی ہے۔ اور ایشور کی ستتی کرنے والے یا ایشور بھگت کو ایشور ایل کہا جائے۔ اور اس سے بگڑ کر اسرائیل کا لفظ مروج ہو جاوے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور اگر معمولی سا بھی غور کیا جائے گا۔ تو واضح ہو جائیگا۔ کہ جن الفاظ کے پیچھے ایل آتا ہے۔ وہ عموماً "اگنیم ایلے" کو مدنظر رکھ کر ہی رائج ہوئے ہیں۔ پارسی میں اگنی کے لئے گبر لفظ آتا ہے۔ اور اس میں اگنیم ایل کی جگہ گبرئیل آتا ہے۔ عربی میں پ چ ژ اور گ میں نہیں۔ اس لئے جہاں دوسری زبان میں گ آتا ہے۔ وہ عربی میں ج سے بدل جاتا ہے۔ انگریزی میں بھی جی کو گ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے جی اور ال کر گو بولا جاتا ہے۔ عربی میں گناہ کی جگہ جناح کہا جاتا ہے۔ اور اسی طرح گبرئیل کی جگہ جبرئیل ہے۔ اس نکتے کو سامنے رکھ کر ایشور ایل کی جگہ اسرائیل بولا جانا بھی کسی سمجھدار سے ناقابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ پہلی انسانی جماعت کا نام آریہ متفقہ طور پر تمام تاریخوں سے ثابت ہے۔ اور ابراہیم جس کے مت کو بائبل اور قرآن مانتے ہیں۔ آغاز عالم کی ہی برگزیدہ ہستی ہے۔ جیسے ہم برہما کہتے ہیں۔ اس لئے اس وقت کی آریہ جاتی کو ایشور بھگت ابراہیم کے تعلق سے بنی اسرائیل کہنا آریہ سنتان کا ہی مطلب دیتا ہے۔

دیگر مفسرین بنی اسرائیل کی عموماً یہ تعبیر کرتے ہیں کہ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے۔ جو اسرا اور ایل سے مرکب ہے۔ اسرا بمعنے بندہ اور ایل بمعنے اللہ۔ اور یہ حضرت یعقوب کا نام ہے۔ اور اس لئے بنی اسرائیل سے مراد یعقوب کی اولاد یا یہودی لوگ ہیں۔ لیکن چونکہ اللہ کا بندہ یا ایشور بھگت کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اور جو نعمت الہام کی مذکور ہے۔ اس کا تاریخی تعلق صریحاً آغاز عالم سے ہے۔ تب قرآن میں بنی اسرائیل کے لفظ سے محض وہ آریہ سنتان مراد ہو سکتی ہے جس کا تعلق آغاز عالم کے لوگوں سے ہے۔ نہ یعقوب اور ابراہیم یہودی تھے۔ جیسا کہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ نہ محض یعقوب کی اولاد کے لئے ہی بنی اسرائیل کا لفظ آ سکتا ہے۔ بلکہ یعقوب خود بنی اسرائیل میں سے تھے۔

۷۵۔ سرمن کی توضیح

آیات بالا میں جو سرمن دیا گیا ہے۔ اس کی توضیح کے لئے حسب ذیل نکات کار آمد ہوں گے۔

اول۔ آیت ۴۰ میں جس نعمت کا ذکر ہے۔ وہ الہامی علم ہے کیونکہ آیات ماقبل میں انسان کو علم دینے کا ہی مضمون چل رہا ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے۔ کہ کل مخلوقات سے کیا بلحاظ اوصاف اور کیا بلحاظ اعمال وغیرہ اس خلیفہ ربّ العالمین یعنی حضرت انسان کو شرف اور امتیازی پوزیشن دینے والا محض الہامی علم ہے۔

دوم۔ اس کا ذکر یا چرچا کرنا جو بنی اسرائیل کا فرض ٹھہرایا ہے۔ یہ محض ویدوں کی ہدایت ہے۔ کہ میری پاک کلام کو ہر انسان تک خواہ وہ کتنا ہی نیچ کیوں نہ ہو۔ پہنچاؤ۔ یا تمام لوگوں کو نیک (آریہ) بناؤ۔

سوم۔ میرے عہد کو پورا کرو کا مطلب یہ ہے۔ کہ سچ کو قبول اور جھوٹھ کو ترک کرو۔ جیسا کہ

یجر وید ادھیائے ۱ منتر ۵ (راگنے برت پتے الخ) کے حوالہ سے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

چہارم۔ اللہ تعالے کا عہد کو پورا کرنا انسان کی کوشش کو کامیاب کرنے کا نام ہے۔

پنجم۔ آیت ۴۱ میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ حضرت محمد صاحب کو جو علم ملا ہے۔ وہ اس الہامی کتاب کی تصدیق کرتا ہے۔ جو پہلے سے بنی اسرائیل کے پاس ہے۔ بعضوں کا خیال ہے۔ وہ پہلے سے موجود کتاب توریت یا انجیل ہے۔ لیکن ہم پہلے واضح کر آئے ہیں۔ کہ آنحضرت توریت اور انجیل سے پہلے کے مذہب یا ابراہیم کی ملت کو مانتے ہیں۔ پھر اور مقام پر یہ بیان ہے۔ کہ جو کچھ محمد صاحب پر نازل ہوا۔ یا ان سے پہلے انبیا پر نازل ہوا یعنی توریت انجیل زبور وہ بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے جو پہلے سے الہامی کتاب انسانوں کے پاس ہے۔ پس ان سب کتابوں کے علاوہ محض الہام وید کی طرف ہی اشارہ یہاں دیا گیا ہے۔

ششم۔ یہ کہنا۔ کہ پہلے منکر تم ہی نہ ہو۔ خاص طور پر اہل کتاب سے رسول صاحب کو بڑی توقع ہونے کا ثبوت ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ انہی کے مسلمہ الہام کی اصل حقیقت کی اشاعت ہو۔ اور وہ الٹا اس سے عدم تعاون کریں۔ اس سے زیادہ افسوسناک امر کیا ہوگا۔

ہفتم۔ آیات کے بدلے تھوڑے دام یا ادنے قیمت لینے کی مذمت کرنا اس امر کی شہادت ہے۔ کہ آنحضرت کو ان برہمنوں کے عمل سے سخت نفرت تھی۔ جو روحانی ترقی اور اشاعت حق کے افضل ترین کام کو چھوڑ کر آیت الہی سے ٹکے یا دنیوی دولت کمانے پر لٹو ہو رہے تھے۔

ہشتم۔ آیت ۴۲ میں سچ کو جھوٹھ سے غلط ملط نہ کرنے اور سچی بات کا اخفا نہ کرنے کی ہدایت ہے۔ یہ بھی قبول حق و ترک باطل والے عہد کی مزید تائید ہے۔

نہم۔ حق کو ہی ماننے اور حق کو ہی ظاہر کرنے کی ہدایت کے علاوہ آیت ۴۳ میں جو عبادت۔ زکواۃ اور رکوع کی ہدایت ہے۔ اس کا مدعا بھی ویدک یگیہ کے متعلقہ فرائض کو بہ احسن الوجوہ بجالانا ہے۔

دہم۔ آیت ۴۴ میں اس امر پر زور دیا گیا ہے۔ کہ دوسروں کو سدھارنے کے لئے پہلے انسان کو خود عامل بننا چاہیئے۔ خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت والی بات ٹھیک نہیں۔

یازدہم۔ آیت ۴۴ میں یہ کہنا۔ کہ تمہیں اس لئے خود عمل کئے بغیر اپدیش کرنا شایاں نہیں۔ کہ تم کتاب الہی پڑھتے ہو۔ یہ نہایت زور سے غیرت دلانے کے لئے ہے۔ واقعی وید کو ماننا اور اسے پڑھنا مگر عمل نہ کرنا اور ٹکوں کی کمائی کو مقدم سمجھنا نہایت قابل اعتراض ہے۔

دوازدہم۔ عقل سے کام نہ لینے کا طعن بھی یہی ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے مخاطب کا خاص فرض سمجھتے ہیں۔ کہ وہ حق پر عمل بھی کرے۔

سیزدہم۔ آیت ۴۵ میں خدا سے دعا مانگنے کا مستحق اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ جو دو شرطوں کو پورا کرے ایک تو صبر سے کام لے۔ یعنی استقلال سے۔ معمولی سی ترغیب کا شکار ہو کر یا کسی مشکل سے گھبرا کر کام کو نہ چھوڑ دے۔ یا معاوضہ کار میں لالچ نہ کرے۔ بلکہ جو نتیجہ ملے۔ اسی پر قناعت اور شکر کرے۔ اور دوسرے خدا کی عبادت میں ناغہ نہ کرے۔ بے صبر، جلد باز اور باقاعدہ عبادت نہ کرنے والے لوگ خالی دعا سے کچھ پا نہیں سکتے۔ کیونکہ عبادت الہی کے بغیر عملی کام کی طاقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے جلد گھبرا

کر کوشش کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

چہاردہم۔ صبر اور عبادت کو بہت مشکل امر کہا ہے۔ مگر بتایا ہے۔ کہ جو لوگ منکسر المزاج یا عاجزانہ خصلت کے مالک ہیں۔ ان کے لئے یہ مشکل نہیں۔ کیونکہ ان کا رجحان کلیتہً خدا کی طرف ہے۔ اور وہ اس کے وصل کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ ہر وقت اپنے سے زبردست طاقت کا خیال رکھنا انسان میں عاجزی پیدا کر کے غرور و تکبر کو دور کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ گھبراتے نہیں۔ صبر اور عبادت ان کا پختہ شعار ہو جاتا ہے۔

پانزدہم۔ آیت ۴۶ میں بتایا ہے۔ کہ صبر اور عبادت کرنے والے وہی ہو سکتے ہیں۔ جو سچے دل سے خدا کی طرف پھرتے یا خدا سے ملنے کے خواہاں ہیں۔

شانزدہم۔ آیت ۴۷ میں پھر اوپر کے مضمون کا لب لباب پیش کیا ہے۔ کہ بس الہامی علم کو ہی نعمت اعلیٰ سمجھو۔ اور اسی کی قدر و اشاعت کرو۔ کیونکہ شرف انسانی کا واحد موجب یہی ہے۔

ہفتدہم۔ آیت ۴۸ میں نیک بننے کا مول منتر اور بتایا ہے۔ اور وہ ہے موت کا خوف۔ موت کے وقت نہ کسی کی سفارش سے کام چل سکتا ہے۔ نہ معاوضہ یا رشوت سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔ نہ گھر بار والے یا دنیوی ساتھیوں کی مدد پہنچ سکتی ہے۔ یہ سب اس وقت جدا ہوتے ہیں۔ مدد پہنچانے کا تو کہنا ہی کیا۔ ساتھ بھی کوئی جا نہیں سکتا۔ سچائی اور نیکی جو صبر۔ عبادت۔ زکوٰۃ اور اشاعت حق کے متعلقہ فرض کی تعمیل سے کمائی ہو گی۔ وہی اس وقت ساتھ جا سکے گی۔ یہ ہو بہو وہی بات ہے۔ جو منو ادھیائے ۴۔ شلوک ۲۳۵ میں بدیں الفاظ بیان کی گئی ہے۔

नामुत्र हि सहायार्थं पिता माता च तिष्ठत:।।
नपुत्र दारा न ज्ञाति धर्मस्ति ष्ठति केवल ।।

پرلوک میں نہ ماں نہ باپ نہ بیٹا نہ بیوی نہ کوئی اپنے گوتر والا مددگار ہو سکتا ہے۔ محض دھرم ہی ساتھ جاتا ہے۔ ایسا ہی یہ بھی کہا ہے۔ کہ سب رشتہ دار ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ بیوی تو مردہ لاش کے ساتھ دروازہ تک ہی جاتی ہے۔ دوسرے لوگ شمشان تک اور بس۔ ایک شلوک میں یہ بھی کہا ہے۔ کہ مردہ جسم کو مٹی کے ڈھیلے کی طرح دفنا دیتے یا لکڑی کی طرح جلا دینے کے علاوہ رشتہ داروں سے کچھ بن ہی نہیں پڑتا۔ دفنا یا جلا کر بندھو لوگ الٹے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ دھرم ہی اس روح کے ساتھ جاتا ہے۔

۴۷۔ فرعون کی نظیر

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ
الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ
۴۹ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۴ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ

أَغْرَقْنَآ آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ۝۴

اور اس وقت کا خیال کرو کہ ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی۔ جو تمہیں بڑی اذیتیں دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو مارتے اور تمہاری عورتوں (مونث لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش مقصود تھی۔ ۳۔ اور ہم نے تمہارے لئے دریا کی حالت میں فرق کر دیا۔ کہ تم کو تو نجات مل گئی۔ اور فرعون کے لوگ تمہارے دیکھتے دیکھتے غرق ہو گئے۔ ۴۔

۷۷۔ ظلم اور صبر

فرعون کی نظیر ظلم کا مجسمہ ہے۔ جو بنی اسرائیل پر ہوا۔ اور اس ظلم سے بنی اسرائیل کے صبر کا امتحان ہوا۔ ۴۵ آیت میں کہا تھا۔ کہ نیک خصلت اور نرم مزاج لوگوں کے لئے صبر اور عبادت مشکل کام نہیں۔ اسی کا یہ مطلب ہے۔ کہ مغرور اور ظالم لوگوں کے لئے صبر اور عبادت مشکل کام ہے۔ اول الذکر کے لئے بنی اسرائیل اور موخر الذکر کے لئے فرعون کی مثال ہے۔ علاوہ محنت مزدوری اور بیگار کے متعلقہ مظالم کے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کا حکم دینا اور ان کی بیٹیوں کو مصری لوگوں کے نکاح میں لا کر بنی اسرائیل کا نام و نشان مٹانے کی تدبیر کرنا ظلم کی انتہا تھی۔ اور اس ظلم و غرور سے صبر اور شکر یا نیک باطنی اور فروتنی کی صفات کا صفایا ہونا لازمی تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ فرعون کے لوگوں نے بنی اسرائیل کے تعاقب میں بے صبری سے کام لیا۔ اور دریا میں غرق ہو گئے۔

۷۸۔ دریا کی حالت میں فرق

آیت ۵۰ کے الفاظ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ کے معنے ایک مفسر صاحب یہ لیتے ہیں۔ کہ تمہارے لئے دریا کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ دوسرے صاحب یہ لیتے ہیں۔ کہ ہم نے دریا کو تمہارے سبب سے الگ الگ حصوں میں کر دیا۔ مطلب یہ لیا جاتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ نے لاٹھی ماری۔ اور دریا دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل پانی کی دو دیواروں کے بیچ میں خشک رستے پر گذر گئے۔ اور فرعون کا لشکر جب تعاقب کرتا ہوا درمیان میں پہنچا۔ تو دریا پھر مل گیا۔ اور وہ غرق ہو گئے۔ یہ بات درحقیقت بلا سوچے سمجھے ہر بیان کو صحیح مان لینے والے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو ہی اپیل کر سکتی ہے۔ ورنہ لاٹھی کی زد سے دریا کا پانی دو ایسی دیواروں کی شکل میں کھڑا ہو جائے۔ کہ ان کے بیچ میں گذرنے کے لئے سڑک ہو۔ کسی اہل علم و عقل کے لئے قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اس آیت میں تو فرق کا لفظ ہے۔ اور دوسرے موقعہ پر فلق کا لفظ ہے۔ جس کے معنے ہے پھٹنا۔ مگر فرق اور فلق ہر دو کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے۔ لہذا مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے گذرنے کے وقت دریا کی جو حالت تھی۔ وہ اس سے مختلف تھی۔ جو فرعون کے لشکر کے گذرنے کے وقت

میں تھی۔ یعنی ان کے پار ہونے کے وقت پانی بڑھ گیا تھا۔ جیسا کہ اکثر دفعہ دریاؤں میں واقعہ ہوتا رہتا ہے۔ بعض لوگ بیان میں معقولیت لانے کے لئے یہ کہتے ہیں۔ کہ فرعون کے لوگ بے صبری اور گھبراہٹ کی وجہ سے محفوظ موقعہ کا پتہ نہ لے سکے۔ اور بنی اسرائیل جس پایاب یا کم گہرے موقعہ سے پار ہوئے۔ اس کی بجائے وہ غیر محفوظ موقعہ میں پھنس گئے۔ لیکن یہ قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ جب فرعونی لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چلا۔ تو ضروری تھا۔ کہ وہ بنی اسرائیل والے راستے پر ہی چلتے۔ اور اس لئے جوار بھاٹے کی وجہ سے پانی کے بڑھ جانے کا ہی خیال صحیح ہے۔ کچھ ہی ہو۔ قرآن محض صبر والوں کی آزمائش اور ظالموں کو سزا ملنے کے لئے اس نظیر کو پیش کرتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ ایک غیبی قانون کی طاقت کا مظاہرہ ہے۔ کرشن کے پیدا ہونے کے وقت جب بندی گرہ سے نکال کر انہیں راتوں رات جمنا پار پہنچایا گیا۔ تو اس وقت کے متعلق بھی کہا جاتا ہے۔ کہ کرشن جی کا پاؤں جمنا کے پانی سے چھوا تو پانی گھٹ گیا۔ بلکہ دریا میں خشک رستہ نکل آیا۔ یہ کرشن جی کا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ جیسا دریا کو لاٹھی مار کر ٹکڑے ٹکڑے کرنیکا معجزہ موسیٰ سے منسوب ہوتا ہے۔ لیکن اصل حقیقت سوائے پانی کے بڑھتا گھٹتا رہنے کے کچھ نہیں۔ اور قرآن کا فرق لفظ اسی امر کو ظاہر کرتا ہے۔

آنریبل سر سید احمد صاحب اپنی تفسیر میں اس امر پر مفصل بحث کرتے۔ اور مذکورہ بالا پوزیشن کی ہی تائید کرتے ہیں۔ آپ اس تاویل کی بنیاد ضرب لفظ سے اٹھاتے ہیں۔ جو اسی واقعہ کے بیان میں اور جگہ استعمال ہوا ہے۔ اِنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ۔ در عام طور پر اس کے یہ معنے لئے جاتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ نے موسےٰ کو کہا۔ کہ اپنی لاٹھی سے سمندر کو مار۔ چنانچہ انہوں نے لاٹھی ماری اور سمندر پھٹ گیا۔ لیکن سر سید صاحب کا خیال ہے۔ کہ یہ معنے محض اس وجہ سے کئے جاتے ہیں کہ یہودیوں میں پہلے سے یہ خیال جما ہوا تھا۔ کہ حضرت موسیٰ کے لاٹھی مارنے سے سمندر پھٹ گیا تھا۔ اور زمین نکل آئی تھی۔ اور لاٹھی کی ضرب سے پتھر میں سے پانی بہہ نکلا تھا۔ پس اس خیال کی وجہ سے اضرب لفظ کے یہ معنے لئے گئے۔ مگر دراصل قرآن میں یہ مفہوم نہیں۔ بلکہ جیسے ضرب فی الارض سے اہل عرب یہ معنے لیتے ہیں۔ کہ زمین پر چلا یا دوڑا۔ ویسے ہی قرآن میں بھی چلنے یا دوڑنے کا ہی مطلب ہے۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ (نساء) یعنی جب تم زمین پر چلو۔ تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ اگر تم نماز میں کمی کرو۔ پس اصل مطلب یہ تھا۔ کہ لاٹھی کے سہارے دریا میں چل دو۔ وہ پایاب ہو رہا ہے۔ سورہ طٰہٰ میں بھی موسیٰ کو یہی ہدایت ہے۔ کہ میرے بندوں کو راتوں رات سمندر میں سوکھے رستے سے لے کر نکل جا۔ سو ایسا ہی ہوا۔ مگر جب دن کے وقت فرعون نے تعاقب کیا۔ تو پانی چڑھ چکا تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے ”

”پس بزن برائے ایشاں در راہِ خشک“ غرضیکہ جتنا بھی زیادہ معقولیت سے غور کیا جائے گا۔ اتنا ہی یقین ہوتا جائے گا۔ کہ بنی اسرائیل کے گذرنے والا مقام جوار بھاٹے کی وجہ سے رات کو پایاب اور دن کو گہرا ہوا۔

۷۔ موسیٰ اور اس کی قوم

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵﴾ ۵۱
ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۶﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا ۵۲
مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۷﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى ۵۳
لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى
بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۸﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ ۵۴
لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۹﴾ ۵۵
ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ ۵۶
الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا
رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذْ قُلْنَا ۵۷
ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ ۵۸
فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع ۶ ۵۹
وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَا
شْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١﴾
وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ
لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا
وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا
مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ
وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
ع وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٢﴾

اور یہ کہ ہم نے موسیٰ کو چالیس راتوں کی خوشخبری دی۔ تو تم نے اس کے پیچھے بچھڑا بنا لیا۔ اور گنہگار رہے ہو گئے۔ ۵۔ مگر اس کے بعد ہم نے تم سے درگذر کیا۔ کہ تم شکرگذار رہو۔ ۶۔ اور نیز یہ کہ موسیٰ کو کتاب دی یعنی فرقان تاکہ تمہیں ہدایت ملے۔ ۷۔ اور نیز یہ کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ بھائیو تم نے بچھڑا بنا کر اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ اب اپنے پروردگار کے حضور میں توبہ کرو۔ اور نفس کشی سے کام لو۔ تمہارے رب کے نزدیک تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ وہ تمہاری توبہ قبول کریگا۔ یقیناً وہ بڑا تواب اور رحیم ہے۔ ۸۔ اور یہ کہ تم نے موسیٰ سے کہا۔ کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک ہم خدا کو پرتیکش (ان آنکھوں سے) نہ دیکھ لیں گے۔ وہیں تمہیں بجلی نے آ دبوچا۔ اور تم دیکھتے رہ گئے۔ ۹۔ پھر ہم نے تمہاری اس موت کے بعد تمہیں زندہ کیا۔ کہ تم شکر کرو۔ ۱۰۔ اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا۔ اور تم پر من اور سلویٰ اتارا۔ کہ ہماری دی ہوئی ان پاک (بہشتیہ) چیزوں کو کھاتے رہو۔ اور وہ لوگ ہمارا تو کیا بگاڑ سکتے تھے۔ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے رہے۔ ۱۱۔ اور یہ کہ ہم نے حکم دیا۔ کہ آبادی میں داخل ہو جاؤ۔ اور بہ طریق احسن کھاؤ پیو۔ مگر دروازہ میں سر جھکائے داخل ہونا۔ اور منہ سے حطۃ (ہم سے گناہ دور رہے) کہتے جانا۔ ہم تم ایسے نیکی کرنے والوں کو برکت دیں گے۔ ۱۲۔ مگر ان ظالموں نے جو کچھ انہیں کہا گیا تھا۔ اسے بدل کر اور کا اور کہنا شروع کر دیا۔ اس لئے جنہوں نے ایسا گناہ کیا۔ ان پر ان کی بد عہدی کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا۔ ۱۳۔

اور یہ کہ موسیٰ نے اپنے لوگوں کے لئے پانی چاہا۔ تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی کے سہارے میں چٹان پر چلا جا۔ جس سے بارہ چشمے بہہ نکلے ہیں۔ اور سب لوگوں کو ان کا گھاٹ بتا دیا گیا۔ کہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھائیں پئیں۔ اور دنیا میں فساد نہ پھیلاتے پھریں! اور یہ کہ تم نے موسیٰ کو کہا۔ کہ ہمیں ایک ہی کھانے پر تو صبر نہیں آ سکتا۔ (ہمارا دل بھر گیا ہے) اس لئے اپنے خدا سے ہمارے لئے دعا کر تاکہ وہ ہمارے لئے زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں نکالے۔ یعنی ترکاری۔ ککڑی۔ گیہوں مسور اور پیاز۔ اس نے کہا۔ کیا تم ایک بہتر چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیز لینا چاہتے ہو۔ کسی شہر میں اتر پڑو۔ تو جو تم مانگتے ہو۔ تمہیں مل جائے گا۔ مگر ان پر ذلت اور محتاجی ڈالی گئی۔ اور وہ غضب الٰہی میں مبتلا ہو گئے۔ اس لئے کہ وہ آیات الٰہی سے انکار کرتے۔ اور بلا وجہ نبیوں کو قتل دیا ان سے جھگڑا (تکرار) کرتے تھے۔ گویا وہ گناہ کرتے۔ اور مریادا ؤں کو توڑتے تھے۔ ۲۔

۸۰۔ انسان اور خدا

ان آیات میں موسیٰ اور اس کے لوگوں کے متعلقہ واقعات کو پیش کر کے یہ سمجھایا گیا ہے۔ کہ انسان نے حق کے متعلقہ عہد کو پورا کرنے میں کوتاہی کر رکھی ہے۔ مگر خدا اس کی طرف ہمیشہ ہی متوجہ ہے۔ وہ اسے عذاب دیتا ہے۔ تو اس کی اصلاح کے لئے اور اپنی عنایات ہی اس پر نازل کرتا رہتا ہے۔ موسیٰ جیسے مبلغ نے چلہ کیا۔ اور عبادت الٰہی میں ہی مصروف رہنے سے وہ اپنی قوم کو ہدایت دینے سے قاصر رہا۔ تو اس کے لوگ بت بنا کر پوجنے لگ گئے۔ اس سے نصیحت ملتی ہے۔ کہ سنیاسی وغیرہ کو کبھی لوگوں کو وعظ سنانے میں ناغہ نہ کرنا چاہیئے۔ جتنے کہ ایشور دھیان جیسے اعلےٰ ترین کام کی وجہ سے بھی تبلیغ حق میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ مہرشی دیانند کا کہنا ہے۔ کہ میں نے سمادھی کے آنند کی بھی پرواہ نہ کر کے ستیہ اپدیش کے فرض کو مقدم سمجھا ہے۔ اور اس کی وجہ بھی ہے۔ عبادت الٰہی سے تو یہ لوگ ذاتی راحت یا سرور پا سکتے ہیں۔ مگر وعظ حق سے تمام ہم جنسوں کو گناہ اور دکھ سے بچانے اور سکھ پانے کے قابل بناتے ہیں۔ لوگ گنہگار ہو کر مصیبتوں کا شکار ہو رہے ہوں۔ اور رشی یا سنیاسی وغیرہ اس کا علم رکھتے ہوئے بھی اپنی ذاتی خوشی یا آنند کی ہی دھن میں رہیں۔ تو یہ ایک قسم کی خود غرضی ہے۔ اور چونکہ ان کی اس خود غرضی سے دھرم اور نیکی کی طرف رجحان کم ہو کر آئندہ سنیاس یا رسالت کے اعلےٰ درجہ تک پوری قابلیت سے پہنچنا ناممکن ہو سکتا ہے۔ اس لئے سنیاسی کی تبلیغ حق کے متعلق غفلت خود سنیاس کی بھی قاتل ہے۔ اور آتم ہتیا کا پاپ کرانے والی۔ موسیٰ نے جب پھر لوگوں پر ان کے اس عمل کی برائیاں ظاہر کیں۔ تو وہ پچھتائے۔ اور خدا کے شکر گذار ہوئے۔ تو ان کے دلوں سے اس گناہ کا بار اتر گیا یا بہ الفاظ آیت ۵۲ خدا نے ان کے گناہ سے درگذر کیا۔

آیت نمبر ۵۳ میں سچے سنیاسی کے فرض کو اور بھی واضح کیا ہے۔ موسیٰ کو کتاب ملی۔ اور فرقان کتاب تو یہ استثنائے خاص موقعوں کے قرآن میں ازلی ابدی سچائیوں کا علم دینے والے الہام سے مراد ہے۔ اور ہمیشہ اسی علم کو حاصل کر کے ہی انسان اوروں کو راہ حق دکھانے کے قابل ہوتا ہے۔

فرقان نام بھی الہام الٰہی کا ہی ہے۔ اس لئے کہ وہ حق و باطل کے درمیان ناطق فیصلہ دیتا ہے۔ لیکن انسانی عقل کو بھی اس تمیز کا موجب ہونے سے فرقان کہہ سکتے ہیں۔ جنگ کے ذریعے سے مذہبی مباحثہ سے۔ مقدمہ کے ذریعے سے غرضیکہ جس ذریعے سے بھی سچ اور جھوٹ کا فیصلہ ہو۔ اسے فرقان کہا جا سکتا ہے۔ اور اس لحاظ سے موسیٰ کی قوت عقلی یا اس کی کتاب وغیرہ فرقان کہلا سکتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے قرآن نامی فرقان حضرت محمد صاحب کے اور ستیارتھ پرکاش نامی فرقان سوامی دیانند کے ذریعے ظہور میں آیا۔ آیت زیر بحث میں صاف کہا ہے۔ کہ موسیٰ کو کتاب اور فرقان دینے کی غرض ہی یہ ہے۔ کہ لوگوں کو ہدایت ملے۔ کاش کہ یہ نکتہ تمام ان لوگوں کی سمجھ میں آجاوے۔ جو تبلیغ حق کے ذمہ دار ہیں۔

آیت نمبر ۵۴ میں انسانوں کو تمام دکھوں یا گناہوں سے بچنے کا مول منتر بتایا گیا ہے۔ کہ نفس کو مارا جائے۔ چونکہ سب برائیوں کی ترغیب اسی شیطان سے ملتی ہے۔ اس لئے اس کو قابو میں رکھنا نہایت ضروری ہے۔ بقول من کے ہارے ہار ہے اور من کے جیتے جیت یا من جیتے جگ جیت۔ وید میں اس مدعا کی تکمیل کے لئے من کے حقیقی اوصاف بتا کر پرارتھنا کی گئی ہے۔ اور بار بار دوہرائی گئی ہے۔ کہ

तन्मे मन: शिव संकल्प मस्तु

یعنی ایسے اوصاف والا میرا من شیو سنکلپ ہو۔ یقیناً اچھے سنکلپوں یعنی نیک علم خیال و ارادے کے بغیر نفس شیطان مجسم ہے۔ اور اس پر ضبط پالینا پھر بھلائی کی طرف لوٹنا یا توبہ کرنا ہے۔ اور اسی توبہ کو خدا منظور کرتا ہے۔ خالی توبہ کا لفظ بولنا بے معنی بات ہے۔

آیت نمبر ۵۵ میں واضح کیا گیا ہے۔ کہ خدا اپنے بے شمار مظاہرات سے ہر وقت پرتیکھش دکھائی دیتا ہے۔ موسیٰ کے لوگوں نے کہا۔ خدا نظر تو آتا نہیں۔ مانیں کیسے۔ وہیں بجلی نے انہیں آدبوچا۔ اور ثابت ہو گیا۔ کہ خدا اپنی قدرت اور کام سے ہر کہیں نظر آرہا ہے۔ وہ آنکھ سے دیکھنے کی شے نہیں۔ صاعقہ کے لفظ کے بعد وانتم تنظرون کا لفظ واقعی سمجھنے کی چیز ہے۔ کہ یہ واقعہ کیا ہے۔ گویا تم نے اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھ لیا۔ صاعقہ کے معنے موت اور عذاب مہلک بھی ہیں۔ آیت نمبر ۵۶ میں ہدایت دی ہے۔ کہ جیسے بجلی کی کڑاک کی دہشت جلد دور ہو جاتی ہے۔ یا زلزلہ کے بعد انسان سنبھل کر خدا کا شکر کرتا ہے۔ اسی طرح تمہیں موت کے بعد پھر پیدا ہونے میں خدا گویا پرتیکھش نظر آسکتا ہے۔ آیت نمبر ۵۶ میں جو آواگون اور آستکتا کو لازم ملزوم بتایا ہے۔ اس کو اور آیت ۵۵ و ۵۶ کے سے واقعات کو ملا کر غور کرنے سے یہ آیت بہت مفید سبق دیتی ہے۔

۸۱۔ طیب خوراک

آیت نمبر ۵۷ میں خوراک کے متعلق ہدایت دی گئی ہے۔ قاعدہ ہے۔ کہ جیسی خوراک کھائی جاتی ہے۔ ویسا ہی من بنتا ہے۔ بقول "جیسا کھائیے ان ویسا ہی بنتا ہے من"۔ اس لئے نفسانی شیطان کو قابو کرنے کے لئے طیب چیزوں کے کھانے کی ہدایت دی ہے۔ سنسکرت میں طیب کے لئے ساتوک یا میدھیہ (قابل خوردنی) اشیاء کا لفظ موزوں نسبت سے عاید ہوتا ہے۔ من اور سلویٰ کو بطور نمونہ خوراک

پیش کر کے قرآن اس اصول کی مزید توضیح کرتا ہے۔ اور آیت کے آخری حصے میں اہنسا یا ترک گوشت خوری کی ہدایت دیتا ہے۔ کہ اگر من یا پھل کو چھوڑ کر جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ تو اس سے خدا کا نقصان نہیں۔ وہ تو سود و زیاں سے بے نیاز ہے۔ ہاں گوشت خور اپنا کام بگاڑتا اور شیطانی اوصاف کا پتلا بنتا ہے۔

آیت نمبر ۵۸ میں یہ ہدایت دی ہے۔ کہ گاؤں یا شہر میں بھی مناسب اور موزوں طریق پر رزق پانا اور کھانا چاہیئے۔ اور جہاں جائیں۔ عاجز و نرم مزاج ہو کر یا سر کو جھکا کے یا دل سے خدا کو سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔ اور یہ دعا مانگتے جائیں۔ کہ ہم سے گناہ دور رہے۔ یعنی ہم کسی ناجائز طریق پر یا گناہ سے نہ کچھ حاصل کریں نہ کھائیں۔ ایسی نیت والے لوگ سچ مچ گناہ و دکھ سے بچے رہتے ہیں۔ اور ایسے نیک عمل والوں کو ہی برکت ملتی ہے۔

آیت نمبر ۵۹ میں مذکورہ بالا طریق کے خلاف عمل کرنے والے اکھڑ یا نا یا بدنیت لوگوں کو مستوجب عذاب بنایا گیا ہے۔

آیت نمبر ۶۰ میں یہ ہدایت ہے۔ کہ بجائے جھگڑے فساد یا ظلم کرنے کے سب کو عمدہ انتظام سے زراعت وغیرہ کے ذریعے رزق حاصل کرنا اور کھانا پینا چاہیئے۔ جیسا موسیٰ نے کیا۔ کہ الگ پہاڑ کے چشموں کی اپنے لوگوں کے لئے آب رسانی کے متعلق مناسب تقسیم کر دی۔

آیت نمبر ۶۱ میں فیصلہ کن ہدایت ہے۔ کہ انسان کی خوراک ویجیٹیرین ہی ہے۔ من اور سلویٰ کا پہلے ذکر آیا تھا۔ اور ان کو طیب کہا گیا تھا۔ یعنی ساتوک چیزیں۔ اور یہاں جو بنی اسرائیل کی خواہش اور خوراک ملنے کی مذکور ہے۔ اس کا تعلق بھی ترکاری۔ ککڑی۔ گیہوں۔ مسور۔ پیاز جیسی تمام نباتاتی پیداوار سے ہے۔ اسی آیت میں یہ ہدایت بھی ہے کہ انسان کی ہر طاقت اور اس کا ہر عمل محدود ہے۔ حتیٰ کہ اچھی سے اچھی چیزیں من اور سلویٰ سے بھی طبیعت بھر جاتی ہے۔ جب وہ زیادہ عرصہ تک کھائی جاوے۔

۸۲ - غیر ضروری تفصیلات

حضرت موسیٰ کے حالات بائیبل میں لکھے ہیں۔ اس لئے آیات بالا کی تفسیر میں مفسر صاحبان بائیبل کے اقتباسات دے دے کر بحث کرتے ہیں۔ لیکن آنحضرت کا ہرگز ہرگز ایسی تفصیل سے سروکار نہیں۔ انہوں نے محض مجمل طور پر یہ اشارہ دینا تھا۔ کہ انسان بے صبری سے کام لیتے ہیں۔ اور خدا ان کی آزمائش کرتا۔ عین عدل سے ان پر عذاب نازل کرتا۔ اور ساتھ ہی فطرتی رحم و محبت کے تقاضا سے ہر حال میں انسان کی حفاظت و پرورش بھی کرتا آتا ہے۔ ان نظاہر سے آپ کا مدعا محض اصول کی عظمت بتانا ہے۔ تاریخی بحث کرنا نہیں ہے۔

۸۳ - چلہ

موسیٰ سے چالیس رات کا عہد منسوب ہونا محض یہ معنے رکھتا ہے۔ کہ صدیوں نے جو خاص عبادت کے لئے چالیس دن کے مراقبہ کا طریق چلایا تھا۔ اس کے

مطابق چلہ کیا۔ اور چونکہ قرآن کا مخصوص طرز بیان ہر بھلائی و برائی کو خدا سے منسوب کرتا ہے۔ اس لئے چلہ کو بھی خدا سے منسوب کیا۔ دعاء کے معنے خوشخبری دینا ہے۔ یعنی چلہ کے نیک پھل کی۔

۸۴ - فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

اس کے معنے ہیں۔ اپنے نفسوں کو قتل کرو یا نفس کشی سے کام لو۔ مگر بعض مفسر یہ ترجمہ کرتے ہیں۔ کہ اپنے لوگوں کو مارو کوئی توریت کتاب خروج کے حوالے دیتا ہے۔ کہ " اور اس نے انہیں کہا۔ خداوند اسرائیل کے خدا نے فرمایا ہے۔ کہ تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پہ تلوار باندھے۔ اور ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک تمام لشکرگاہ میں پھریں۔ اور ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو اور ہر ایک اپنے دوست کو اور ہر ایک اپنے قریبی کو قتل کرے۔ اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے مطابق ایسے کیا۔ چنانچہ اس دن ان لوگوں میں سے قریب تین ہزار مرد مارے پڑے۔ اور موسیٰ نے کہا۔ کہ آج اپنے تئیں خداوند کے لئے مخصوص کرو۔ ہر ایک اپنے بیٹے اور بھائی پر حملہ کرے۔ تاکہ وہ تجھے آج ہی برکت دیوے"۔

ہم ان الفاظ میں نہایت غیر معقولیت پاتے ہیں۔ موسیٰ کے زبانی کہنے کو تو وہ مانتے نہیں۔ جب تک خدا کا ان آنکھوں سے دیدار نہ پائیں۔ تب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ خدا کا نام لے کر وہ انہیں بھائیوں اور بیٹوں، دوستوں اور قریبیوں کو مارنے کو کہے۔ تو وہ انہیں قتل کرنے لگ جاویں۔ اگر واقعی ہر ایک کا یہ فرض ہوتا۔ تو سب کا صفایا ہو جاتا۔ اور اپنے تئیں خدا کے لئے مخصوص کرنا کوئی رہتا ہی نہیں۔ نہ خدا کی شان کے شایاں ہے۔ کہ اپنے مخلوق کو بیٹے اور بھائی پر حملہ کرنے کا حکم دے۔ نہ لوگ ایسے پاگل ہو سکتے ہیں۔ کہ خود بیٹوں کو مارنے لگیں۔ اور نہ بیٹوں کا مارنا فوراً برکت ملنے کا موجب ہے۔ پس حقیقت محض یہ ہے۔ کہ جس طرح وید اور قرآن خاص ٹائپ کے مفسرین کی عنایت سے غلط فہمیوں کا شکار رہے ہیں۔ بائیبل پر بھی ناقابل مترجموں کی طفیل وہی تقدیر پیش آئی ہے۔ یہ کسی عیسائی یا مسیح کی تصنیف نہیں۔ بلکہ یہ محض قدیم تصنیفات کا مجموعہ ہے۔ اور ترجمہ در ترجمہ ہونے سے اس قسم کے بھدے بیانات کا مجموعہ بن رہی ہے۔ سنسکرت سے عبرانی۔ عبرانی سے لاطینی اور لاطینی کے بعد مصری۔ یونانی۔ انگریزی وغیرہ میں ترجمہ در ترجمہ اور وہ بھی بے علمی اور جہالت کے زمانہ میں ہوتے ہوتے موجودہ صورت میں آگئی ہے۔ حضرت محمد صاحب نے کوئی ایسی تفصیل نہیں دی۔ نہ ایسے واقعہ پر چسپاں ہونے والے الفاظ قرآن میں ہیں۔ بلکہ آپ نے بچھڑے والی عبادت کا تعلق نفس کے شیطان سے جوڑا ہے۔ اور نفس کو ہی قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ بیان القرآن میں بھی شہوات نفسانی پر قابو پانے کے معنوں کو ترجیح دی گئی ہے۔ اور بعد میں جو توبہ کا خاص بیان ہے۔ اس سے بھی نفس پر قابو پانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور نیز یہ امر بھی کہ جنہوں نے گناہ کیا۔ انہیں اپنے بے گناہ بیٹوں اور بھائیوں پر حملہ کرنے یا دوستوں اور قریبیوں کو مارنے کا حکم دینے میں اصلی مجرموں کو سزا نہ ملی۔ اس امر کی تائید کرتا ہے۔ کہ نفس پر قابو پانے کی ہدایت کے بغیر

اور مفہوم ہو ہی نہیں سکتا۔ در اصل اپنے نفس کی جگہ اپنے لوگ ترجمہ میں لکھ کر اپنے لوگوں کو مارنے کی بے بنیاد حکایت گھڑ دی گئی ہے۔

۸۵ ۔ منّ اور سلویٰ

ابر کا سایہ جو خدا کی نعمت ہے۔ اس سے اب بھی عام لوگ اکثر فائدہ پاتے ہیں۔ لہذا یہ کوئی خاص معجزہ نہیں۔ اس کے بعد مفسرین نے من کے متعلق یہ لکھا ہے۔ کہ رات کو جو اوس پڑتی تو ترنجبین کی طرح کی کوئی میٹھی چیز جنگلی درختوں کے پتوں پر جم جاتی تھی۔ اسے کھرچ کر شیرینی کے طور پر کھاتے تھے۔ اور اسے منّ کہتے تھے۔ اور سلویٰ ایک جانور کا نام تھا۔ جو بٹیر کی شکل کا تھا۔ یہ جانور بڑی کثرت سے آپ سے آپ بنی اسرائیل کے قیام گاہ پر آ جاتے تھے۔ اور اسے بھون کر کھایا جاتا تھا۔ ترجمان القرآن منّ سے درخت کا شیرہ مراد لیتا ہے۔ جو گوند کی طرح جم جاتا ہے۔ اور خوش ذائقہ اور مقوی ہوتا ہے۔ مفسر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے خود منّ کا حلوہ کھایا ہے۔ جو فلسطین لوگ بنایا کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ منّ در اصل ہم سیر وزن والے منّ کے لئے ہے۔ اور اس سے مراد بھاری نعمت کا ملنا ہے۔ ایک رائے یہ ہے۔ کہ من پکی پکائی بڑی روٹی کا نام ہے یا کھانے کی کسی ایسی شے کا جس کے لئے نئی تیاری یا تردد کی ضرورت نہ ہو۔ بخاری کہتا ہے۔ منّ کھمبی کا بھی نام ہے۔ اسی طرح سلویٰ کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ لغوی معنے سلویٰ کے اس چیز کے ہیں۔ جو انسان کو تسلی دے۔ سلو۔ سُلوۃ۔ تسلی کے معنے تو تسنّدی) اور بے غمی کے صراح میں لکھے ہیں اور سلویٰ کے معنے دتر نج و عسل کے ہیں۔ ایسی حالت میں منّ کو اور سلویٰ کو نہایت مختلف تاویلوں سے غلط فہمی کا موجب بنانا مفسرین کی ذمہ واری پر ہے۔ نہ کہ قرآن پر۔ کیونکہ قرآن میں کوئی بھی اشارہ ایسا نہیں ملتا۔ کہ سلویٰ لفظ کسی جانور مثل شکل بٹیر کے لئے ہے۔ جسے بھون کر کھایا جاتا ہو۔ یہ معنے گوشت خور مفسرین اور گوشت خور پیروان اسلام سے قابل اعتراض نہ سمجھے جاویں۔ تو یہ جدا بات ہے۔ ورنہ قرآن جانوروں کو خدا کی نشانیاں کہہ کر انہیں مارنے سے اور ہر قسم کے مردار کا گوشت کھانے سے نہایت زور کے ساتھ منع کرتا ہے۔ (سورۃ المائدہ) اس کے علاوہ منّ اور سلویٰ کا لفظ لکھ کر طیب چیزوں کے کھانے کی ہدایت دینے سے بھی من اور سلویٰ کو طیب ماننا لازمی ہے۔ گوشت کو کہیں بھی غذائے طیب قرار نہیں دیا گیا۔ اُلٹا من اور سلویٰ کو غذائے طیبہ یا خدا کا دیا ہوا رزق کہہ کر یہ لکھا ہے۔ کہ جو ظلم کرتے یعنی خدا کی ہدایت کے خلاف چلتے ہیں۔ وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے ہیں۔ یہ وہ بیان ہے۔ جو قرآن میں جا بجا گوشت خوری سے لوگوں کو روکنے کے لئے دیا گیا ہے۔ منّ در اصل کوئی بڑی بھاری نعمت تھی۔ جو ان دنوں اس جنگل میں کھانے کے لئے مہیا تھی۔ اور سلویٰ نام کا شہد وغیرہ کے لئے ہونا لغت سے ظاہر ہے۔ منّ کے متعلق تو کہا جاتا ہے۔ کہ ابھی ترنجبین کی قسم کی شئے درختوں پر جمی ملتی ہے۔ مگر سلویٰ کے متعلق کوئی بھی دعوےٰ نہیں کرتا۔ کہ وہ بٹیر کی قسم کا جانور فلاں جگہ موجود ہے۔ اور وہ سلویٰ کہلاتا ہے۔ بہر حال منّ اور سلویٰ کی تاویل غلط ہو رہی ہے۔ منّان نام خدا کا ہے۔ اور وہ

بڑا نعمت وہندہ ہے۔ اس سے مَنّ کو خاص بڑی نعمت ماننا بالکل صحیح ہے۔ اور سلویٰ یا تو اسی مَنّ کا نام ہے۔ اور اس سے بھوک وغیرہ کے دور اور بنی اسرائیل کے دلی اطمینان ہونے کو ظاہر کرتا ہے یا یہ پینے کی شہد وغیرہ قسم کی چیز کا جس سے پیاس وغیرہ کے خلاف تسلی ملے۔ اور چونکہ مَنّ اور سلویٰ سے پہلے بادل کا ذکر ہے۔ اس لئے سب سے زیادہ وزندار مفہوم یہ ہے کہ بارش سے قابل خوردنی مَن اور سلویٰ پیدا ہوا۔ یا بھوک کو دور کرنے والا اَن۔ بعد میں ایک ہی چیز سے دل اچاٹ ہونے کا ذکر اور سبزی ترکاری کی دعا ہے۔ اس لئے پہلی چیز کا مخصوص اَن ہونا صحیح ہے۔ بیان القرآن کے یہ لفظ واقعی وزندار ہیں۔ کہ طعام طیب از روئے شریعت وہ ہے۔ جو اس طرز سے لیا جائے جو جائز ہے۔ اور اس ارادے سے لیا جائے جو جائز ہے۔ اور اس مکان سے لیا جائے جو جائز ہے (غ) اور اگر ذرا بھی غور سے کام لیا جائے۔ تو گوشت کو اس بیان سے بھی طیب نہیں کہا جا سکتا۔

۸۶۔ مانس اور سلویٰ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلویٰ لفظ سنسکرت کے مانس لفظ کی جگہ ہے۔ کیونکہ جہاں سلویٰ انسان کو تسلی دینے والی چیز ہے۔ وہاں مانس بھی دراصل من کے لئے مرغوب یا تسلی دینے والی شے ہی ہے۔ مگر موجودہ زمانے میں مانس لفظ گوشت کے لئے ہی مخصوص ہو گیا ہے۔ اور ایسے ہی سلویٰ کو بٹیر کی شکل کے جانور کے معنے میں لے کر خدا سے انہیں گوشت بہم پہنچانے کا خیال منسوب کیا گیا ہے۔ مانس لفظ मन ज्ञाने من گیانے دھاتو (مصدر) سے بنا ہے۔ اُنادی سوتر मनो दीर्घश्च سے (س) کی علامت مل کر اور اشباع (درازیٔ حرکت) کے عمل سے لفظ مانس بنا ہے۔ اور یاسک آچاریہ جی اپنی مشہور تصنیف نرکت میں لکھتے ہیں منو سیدتیہ اسمنتی مانسم मनो सी दत्य स्मि श्निति मां स من کے لیے جو فطرتاً مرغوب ہے۔ وہ مانس ہے۔ اور علم۔ نیک خیال۔ نیک افعال وغیرہ اس کے مقدم معنے ہیں۔ اور ساتوک یا ویجیٹرین غذا جسے قرآن طیب کا نام دیتا ہے۔ اس کے فروعی معنے ہیں۔ لیکن دورِ جہالت میں سب اعلےٰ مطالب تو نظر انداز ہوئے۔ اور مانس لفظ صرف گوشت کے لئے استعمال ہوا یہی تغیر سلویٰ لفظ کے پیش آئی ہے۔ کہ بجائے دل کو تسلی دینے والی خوراک یا شہد وغیرہ کسی طیب شے کے اسے غیر طیب گوشت بہم پہنچانے والے بٹیر کی شکل کے جانور پر عائد کر دیا گیا ہے

۸۷۔ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃَ

اس کے معنے صاف ہیں۔ کہ اس یا فلاں گاؤں میں داخل ہو یا اس آشرم (گرست) میں۔ گویا گاؤں سے غرض نہیں۔ محض مجمل طور پر نظیر پیش کر کے آپ خاص اصل اصول واضح کرنا چاہتے ہیں مگر مفسر صاحبان گاؤں کی تحقیق کرنے لگتے ہیں۔ اور اصل گاؤں کا یقینی پتہ دینے کی بجائے اختلاف رائے کا ہی شکار ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ وہ بستی بیت المقدس ہے۔ بعض کی رائے ہے۔ کہ اریحا مراد ہے۔ اور تیسری رائے یہ ہے کہ مصر سے مراد ہے۔ چوتھی یہ کہ مصر سے مراد ہے۔ چونکہ اس طرز تفصیل سے اصل اصول جس کے لئے نظیر دی جا رہی ہے۔ نظر انداز ہو کر مقامی یا زمانی یعنی

جغرافیہ و تاریخ والی بحث چھڑ جاتی ہے۔ اور مذہبی تعلیم کی اصل غرض پس پشت پڑ جاتی ہے۔ اس لئے یہ تفصیل بے ہی فضول۔

۸۸ - ہدایات داخلہ

دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور مغفرت کے لئے حِطَّةٌ حِطَّةٌ کہتے ہوئے داخل ہونے کی یہ تشریح کی جاتی ہے۔ کہ بطور فاتح بیت المقدس میں داخل ہونا مراد ہے۔ اور آیت ۵۹ میں جو بات کو بدلنے کا ذکر ہے۔ اس کی یہ تعبیر کی جاتی ہے۔ کہ حِطَّةٌ کی جگہ انہوں نے حبۃ فی شعرۃ کہا یعنی بال میں دانہ۔ مدعا یہ کہ جنگ کے ذریعے فتح کر کے داخل ہونے سے انکار کیا۔ اور زراعت کرنے کا اشارہ کیا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ حِطَّةٌ کی جگہ انہوں نے حنطۃ یعنی گیہوں کہا۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب اس واقعہ کا تعلق حضرت موسیٰ کی موت کے بعد حضرت یوشع سے جوڑتے ہیں۔ کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو ملک شام کے وعدے یاد دلا کر قوم عمالقہ سے جنگ یا جہاد کرنے پر آمادہ کیا۔ اور بنی اسرائیل نے علاقہ کنعان کے چند شہر فتح کئے۔ مگر بنی اسرائیل ایک حالت پر قائم نہ رہتے تھے۔ تھوڑی سی فتح ہوتے پر شرارتیں کرنے لگتے۔ حکم تھا۔ کہ جب پہلا شہر فتح کرو۔ تو اس میں خدا کو سجدہ کرتے ہوئے اور استغفار پڑھتے ہوئے داخل ہونا۔ مگر اریحا کو فتح کر کے اس میں داخل ہونے لگے۔ تو سجدہ کی جگہ بچوں کی طرح گھٹنوں چلنے اور حِطَّةٌ (گناہ دور ہوں) کی جگہ حنطۃ (گیہوں) کہنے لگے۔ غرض حکم خدا کا استخفاف کیا۔ اس کی یہ سزا ہوئی۔ کہ وبا پھیلی۔ اور "فتح کیا ہوا ملک پھر ہاتھ سے نکل گیا" لیکن ایسا کوئی لفظ یہاں موجود نہیں۔ جس سے قرآن کے الفاظ کا موسیٰ کے بعد کے کسی واقعہ سے تعلق ثابت ہو۔ یا جہاد یا فتح و شکست سے بلکہ اگلی آیتوں میں موسیٰ کو بارہ چشمے ملنے کا بیان ہے۔ اور فتنہ و فساد سے بچنے کا۔ پس یہ تفصیلات باہم مختلف۔ غیر ضروری اور قرآن کے لفظی اور اصولی مفہوم کو مشتبہ بنانے اور پڑھنے والوں کے شکوک کو بڑھانے والے ہیں۔ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا کے معنے یہ کئے جاتے ہیں۔ کہ جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس سے نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ کہ فتح کر کے داخل ہونے کا حکم ہے۔ لیکن چونکہ شِئْتُمْ کے معنے میں خواہش کے ساتھ مناسب یا معقول یا مبنی برحق و انصاف یا موزونیت کا مفہوم وابستہ ہے۔ اس لئے فتح والے جبر کا تعلق یہاں ہے نہیں۔ اور محض باہمی رضامندی۔ نیک سلوک۔ تجارت یا زراعت سے کمانے اور خوشی و اطمینان سے کھانے کی ہدایت ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں عذاب ملنے کی مجمل طور پر تنظیر بیش کی گئی ہے۔ خواہ طاعون ہو یا اور وبا۔ قطع نظر ان تمام تفصیلات کے اصولی ہدایت یہ ہے۔ کہ جہاں کہیں داخل ہوں۔ عاجزی سے سر کو جھکائے ہوئے اور یہ دعا کرتے ہوئے داخل ہوں۔ کہ ہم کوئی گناہ نہ کرنے پائیں۔ سب جو لو یا یہاں دھرم کے مطابق کریں۔

۸۹ - بارہ چشمے

اَضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۔ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا کے معنے یہ کئے جاتے ہیں۔ کہ پتھر پر اپنی لاٹھی مارو۔ پس بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ بائبل والے اس امر کو موسیٰ کا معجزہ مان رہے ہیں۔ لیکن قرآن کی اس آیت سے ہر طرح معقول مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ اگر پہاڑوں پر لاٹھی مارنے سے پتھروں کو توڑا جائے۔ اور

نیچے سے پانی کا چشمہ رواں ہو پڑے۔ تو پہاڑوں میں یہ عین ممکن ہے۔ اور ہر شخص سے یہ معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح بارہ چشمے ظاہر ہونا معمولی اور معقول بات ہے۔ دوسرے معنے یہ ہیں۔ کہ اپنی جماعت کے ساتھ چٹان یا پہاڑ پر چلے جاؤ۔ چونکہ عصا کے اصل معنے اجتماع ہونے یا جماعت کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ معنے بھی معقول ہیں۔ کہ وہ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر گیا۔ جہاں اس نے بارہ چشمے پائے۔ اور عصا کے معنے لاٹھی ہونے سے یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اپنی لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چلے جاؤ۔ پس وہ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر گیا۔ ہر دو صورتوں میں پہاڑ پر جانا اور وہاں بارہ چشمے پانا صحیح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ توراۃ درج باب ۱۵ درس ۲۷) میں یہ لفظ ہیں۔ "بعد ازاں بہ ایلم آمدند۔ و در آنجا دوازدہ چشمہ آب یافتند۔ و ہفتاد درخت خرما بود۔ و در آنجا بہ پہلوئے آب اردو زدند"۔ یعنی بعد ازاں ایلم (کی وادی) میں آئے۔ یہاں انہیں پانی کے بارہ چشمے ملے۔ ستر درخت خرما کے تھے۔ یہاں پانی کے پاس انہوں نے خیمے ڈالے"۔ آیت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ موسیٰ جیسے نیک ہنماکے ہوتے ہوئے نہ صرف مصر سے بنی اسرائیل باسلامت نجات پا سکے۔ انہیں پر امن گذران کرنے کے سامان بھی مل گئے۔

۸۹۔ یقتلون النبیین

آیت ۶۱ میں بنی اسرائیل پر ذلت۔ غضب الٰہی اور محتاجی نازل ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے۔ کہ وہ آیات الٰہی سے انکار کرتے اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے تھے۔ خدا کے حکموں سے انکار کا ثبوت تو ترک عبادت یا راہ راست کے خلاف چلنا ہے۔ اور نبیوں کو ناحق قتل کرنا اور بھی بھاری وجہ ان پر غضب الٰہی کے نازل ہونے کی تھی۔ لیکن کون کون نبی قتل ہوا۔ اس کی فہرست قرآن میں کہیں دی نہیں۔ اور جتنے نبیوں کا قرآن میں ذکر ہے۔ ان کی گردنیں ہی کاٹی گئی ہوں۔ اس کا کسی تاریخ میں بھی ذکر نہیں۔ ساتھ ہی یقاتلون سے جیسا کہ ہم باب اول حصہ اول میں ثابت کر آئے ہیں۔ مذہبی جنگ کا مراد لیا جانا ہی منشائے قرآن کے مطابق ہے۔ چنانچہ ہر نبی کی مخالفت اور اس سے جھگڑا انکرار جاری رہے یا اذیتیں ملنے کا تعلق ہر نبی سے رہا ہے۔ پس یقتلون النبیین کا مطلب نبیوں کی مخالفانہ کوششوں سے تنگ کرنا یا اذیتیں دینا ہی ہے۔ بغیر الحق کا لفظ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ کہ مخالفت کرنے والے لوگ حق یا سچائی کو سمجھے بغیر ایسی مخالفت کرتے ہیں۔ جھگڑا انکرار کرنے کا وہ شخص تو مستحق ہے۔ جو سچائی کا طرفدار ہے۔ لیکن جو لوگ حق سے تعلق نہیں رکھتے۔ محض اپنے جذبات و خیالات کے زیر اثر تعصب وغیرہ پر مبنی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کا عمل واقعی قابل افسوس ہے۔

لفظ نبی نبا۔ بمعنے خبر سے مشتق ہے۔ اور ہر نیک۔ عالم وغیرہ شخص جو خدا کی خبر دینے والا ہے۔ نبی کہلا سکتا ہے۔ پھر نبوت بمعنے رفعت سے ہی بلند مرتبہ انسان نبی کہا سکتا ہے۔ اور یہ امر کہ مخالفین حق ہر سچے عالم اور ناصح شخص سے کتراتے بلکہ جذبۂ مخالفت کے زیر اثر اسے ستاتے ہیں۔ نہایت وسیع معنے میں بھی نبیوں کے قتل کا مفہوم پیش کرتا ہے۔

۹۰۔ عالمگیر اصول

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ①

بے شک جنہوں نے حق کو قبول کیا۔ خواہ وہ یہودی ہوں خواہ نصاریٰ اور خواہ صابی جس نے اللہ اور عاقبت کو مان کر نیک عمل کئے۔ اپنے خدا کے ہاں نیک اجر پانے کا حقدار ہو گیا۔ ایسے لوگوں کو نہ خوف ہوگا۔ اور نہ وہ آزردگی پائیں گے۔ ۶۲

۹۱۔ تمام تعصبات کی بیخ کنی

ویدمیں ہر امر کا انحصار انسان کی صفات۔ عادات اور افعال پر ہے۔ ورن کی تشخیص کرنی ہو۔ تو صفات اور قابلیت پر ہی اس کا مدار ہے۔ لڑکے لڑکی کی شادی ہو۔ تو گن کرم کی مطابقت کا حکم ہے۔ تعریف و مذمت کا تعلق ہے۔ تو علم اور عمل یا جہالت اور گناہ پر۔ خوشی اور اعلےٰ جنم کا مدار ہے تو اعمال پر اور نجات کا انحصار ہے تو حقیقی علم کے کمال پر۔ اور تو کیا آریہ لفظ کا اطلاق ہے تو گناہ اور کفر سے بچنے والے پر۔ بے رو رعایت طور پر قابلیت کو ہی مقدم سمجھنا وید کی عالمگیر تعلیم کا لب لباب ہے۔ اور ہو بہو یہی پوزیشن قرآن نے اس آیت میں پیش کی ہے۔ اور کل آیات بالا کا لب لباب یہی پیش کیا ہے۔ کہ خدا کے ہاں ہر نیک عمل انسان کے لئے اجر ہے۔ وہاں مذہب و ملت یا دنیوی پوزیشن کو نہیں دیکھا جاتا۔ یہودی نصرانی صابی غرضیکہ کوئی بھی ہو۔ خدا اور عاقبت کو ماننے اور نیک عمل کرنے سے نیک اجر پانے اور خوف و رنج سے نجات پانے کا مستحق ہے۔

۹۲۔ سابقہ تعصب

اس آیت کو خاص اہمیت اور نمایاں پوزیشن دینے کی وجہ یہ تھی۔ کہ یہود نصاریٰ اور صابی سب متعصبانہ رویہ پر کاربند تھے نحن ابناء اللہ واحباءہ۔ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ۔ گنتی کے چند روز کے سوا دوزخ کی آگ ہم کو چھوئے گی ہی نہیں۔ لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا۔ یہودیوں کے سوائے کوئی جنت میں جانے پائے گا وغیرہ وغیرہ مختلف قسم کے متعصبانہ قول لئے جا رہے تھے۔ مگر قرآن میں ان مذہبی جھگڑوں کی جگہ عالمگیر دھرم کی صداقت بتائی گئی۔ کہ مذہب کی وجہ سے نہیں۔ سچے ایمان اور عمل پر فلاح کا انحصار

ہے۔

۹۳۔ جال کا تعصب

آیت زیر بحث عالمگیر ازلی ابدی اور نوع انسان کے اس واحد دھرم کے درشن کراتی ہے۔ جسے عربی میں بجا طور پر اسلام کہا گیا ہے۔ لیکن اس پر بھی بعض مفسرین اسلام نے کا اطلاق محض اس انسانی گروہ پر کرتے ہیں۔ جو بلا لحاظ علم وعمل اور بلا تمیز حق و باطل کے بطور ایک مذہب یا دھرم کے مسلمان کہلاتے والے لوگوں کا مجموعہ ہے۔ بیان القرآن کے حسب ذیل اقتباس میں تو آیت زیر بحث کی سپرٹ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

"اسلام اس بات کا انکار نہیں کرتا۔ کہ دوسرے مذاہب میں بھی صداقت ہے۔ ہاں اس صداقت میں باطل کی آمیزش ہو گئی ہے۔ مگر وہ صداقت اپنے کمال میں صرف اسلام میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون کی حالت جو اس دنیا میں ہی انسان کو بہشتی بنا دیتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا کامل قرب عطا فرماتی ہے۔ صرف اسلام سے ہی مخصوص ہے۔ ان الفاظ سے یہ مطلب نکالنا کہ عیسائی رہ کر اور تثلیث اور کفارہ پر ایمان رکھ کر بھی انسان نجات پا سکتا ہے۔ قرآن کریم کی تمام تعلیم کے خلاف ہے۔ ان الدّین عند اللہ الاسلام (آل عمران۔ ۱۸) ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ (آل عمران۔ ۸۴) اور بیسیوں آیات نجات کامل کے لئے آنحضرت صلعم پر ایمان کو ضروری ٹھہراتی ہیں۔ بدون وساطت خاتم النبین اب کوئی شخص خدا کے قرب کو حاصل نہیں کر سکتا۔" (صفحہ ۳۷)

ہمیں عیسائی یا کسی اور غیر اسلام مذہب سے سروکار نہیں۔ محض قرآن کے فراخدلی اور اصل حقیقت پر مبنی الفاظ کا اثر محفوظ رکھنے کے لئے کہنا پڑتا ہے۔ کہ جب عیسائی ہوتے پر اجر کا مدار ہی نہیں۔ تو تثلیث اور کفارہ کیا باقی رہ گئے۔ اور جب رسول کا دعوٰے ہی یہ ہے۔ کہ میں محض حق کو پہنچانا ہوں اور حق ہر ماننے میں یکساں ہے۔ اور جب قرآن فرماتا ہے۔ کہ دین اللہ کا ہے۔ رسول کا فرمان حکم الٰہی کے مطابق ہونے پر ہی مانا جاتا ہے۔ اور جب آنحضرت خود فرماتے ہیں۔ کہ خدا جسے علم حکمت اور نبوت دے۔ اس بشر کے لئے شایاں نہیں۔ کہ خدا کی بجائے لوگوں کو اپنا پیرو کہے۔ اور جب لفظ اسلام عالمگیر دھرم یا مذہب الٰہی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور اسی دھرم کے کمال کی وجہ سے محمد صاحب کے تبلیغی مشن نے انہیں خاتم النبیین بنایا ہے۔ ان کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے اسلام کو کامل نہیں مانا گیا۔ اور سب سے بڑھ کر قرب خدا حاصل کرانے والی محمد صاحب کی وساطت سے ملی ہوئی قرآنی تعلیم ہے۔ جس کا لب لباب اس آیت میں بیان شدہ عالمگیر اصول ہے۔ تب قرآن کے جامع الفاظ کے ساتھ آپ کی مذکورہ بالا تحریر مطابقت نہیں کہا سکتی۔ کیونکہ جہاں ایک عیسائی کے لئے خاص اعتقادات اسلامی وساطت سے فائدہ اٹھانے میں روک ہیں۔ وہاں ایک مسلمان کے لئے بھی اعمال صالحہ کی عدم موجودگی نجات حاصل کرنے میں بھاری روک ہے۔

یہ کہنا کہ "اللہ اور آخرت پر ایمان لانا قرآن کی رو سے مسلمان ہوتا ہے۔ خالی اعمال صالحہ تو کافی نہیں"۔ یہاں اور بھی قابل اعتراض ہے۔ کیونکہ کوئی عیسائی ایسا نہ ہوگا۔ جو اللہ اور آخرت پر

ایمان لانے کے خلاف ہو۔ اس کے علاوہ اللہ اور آخرت پر ایمان لانا بذاتِ خود اعمال صالحہ میں سے ہے۔ اس لئے آپ کے کہنے کے خلاف اعمال صالحہ مسلمان ہونے کے لئے کافی ہو گئے۔ المختصر بیان القرآن کے الفاظ سے اس تعصب کی افسوسناک موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ جسے قرآن کی آیت زیر بحث نے دور کیا تھا۔ مسیح پر ایمان لانا عیسائیوں کے خیال میں اللہ پر ایمان لانا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

۹۴ - الہام الٰہی اور تناسخ

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَ
رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ② ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ③ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ
الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ④
فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ⑤

اور یہ کہ ہم نے تم سے یہ عہد لے کر تمہیں پہاڑ کی مانند سر بلند کیا۔ کہ جو تمہیں عطا کیا گیا ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑو گے۔ اور جو اس میں ہے۔ اس کی اشاعت کرو گے۔ تا کہ تم لوگ متقی بنے رہو۔ ۲۔ مگر اس کے بعد تم نے اس سے انحراف کیا۔ سو اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی۔ تو تم نقصان اٹھاتے۔ ۳۔ اور تم یقیناً ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے تم سے سبت کے متعلق قانون کو توڑا۔ سو ہم نے انہیں کہا۔ تم ذلیل بندر ہو جاؤ۔ ۴۔ سو ہم نے انہیں ان کے وقت کے اور بعد کے لوگوں کے لئے موجب عبرت بنایا۔ اور متقی لوگوں کے لئے موجب نصیحت۔ ۵۔

۹۵ - رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّور

اس کے معنے مفسرین نے یوں کئے ہیں: "ہم نے طور (پہاڑ) کو اٹھا کر تمہارے اوپر لا لٹکایا"۔ "ہم نے تمہارے اوپر پہاڑ کو اونچا کیا"۔ "ہم نے تمہارے اوپر طور (پہاڑ) کو اٹھایا"۔ "(تم نیچے کھڑے تھے۔ اور ہم نے) کوہ طور کی چوٹیاں تم پر بلند کر دی تھیں"۔ وغیرہ

سرسید صاحب رفع لفظ کو دوسرے مقام پر واقع شدہ نتق لفظ کے معنے میں لیتے ہیں۔ اور بیضاوی سے نتق کے معنے ایک طرح سے پہاڑ کو اوپر ... کرنے کے بتا کر قاموس کے ہلا دینے والے

معنے کو یہاں صحیح قرار دیتے ہیں۔ کہ ہم نے پہاڑ کو ہلا دیا جس سے اس کے گر پڑنے کا گمان ہو۔ آپ واقعہ کی توضیح اپنے خیال کے مطابق یوں کرتے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل جو خدا کو دیکھنے گئے تھے۔ طور یا طور سینین کے نیچے کھڑے تھے۔ پہاڑ ان کے سر پر نہایت اونچا اٹھا ہوا تھا۔ وہ اس کے سایہ کے تلے تھے۔ اور طور بہ سبب آتش فشانی کے شدید حرکت اور زلزلے میں تھا جس کے سبب وہ گمان کرتے تھے۔ کہ ان کے اوپر گر پڑیگا۔ پس اس حالت کو خدا تعالےٰ نے ان لفظوں میں یاد دلایا ہے۔" اس کے ساتھ ہی سر سید صاحب نے دوسرے مفسرین کے متعلق لکھا ہے۔ کہ انہوں نے عجائبات روزگار کا ہونا مذہب کا فخر اور اس کی عمدگی سمجھا ہے۔ اور اپنی تفسیروں میں لغو اور بیہودہ عجائبات بھر دی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں۔ سر سید صاحب نے مقابلتہً معقولیت سے کام لیا ہے۔ اور مفسرین کی نسبت بھی بجا فرمایا ہے۔ لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ سر سید صاحب نے الفاظ زیر بحث کی صحیح تاویل کر دی ہے۔

مفسرین نے یہ بات تو بالکل ہی تمسخر آمیز بیان کی ہے۔ کہ پہاڑ ان کے سر پر لا کھڑا کرنے کا مطلب یہ تھا۔ کہ بنی اسرائیل کو دھمکی دی گئی یا ڈرایا گیا۔ کہ عہد کرو۔ تو بہتر ورنہ ابھی پہاڑ جو تمہارے اوپر لٹک رہا ہے۔ تم پر گر پڑیگا۔ اور تمہیں کچل دیگا۔ لیکن نہ یہ ترجمے صحیح ہیں۔ نہ یہ مطلب۔ نہ ایسا واقع ہوا۔ نہ اس آیت کا موسےٰ اور اس کی قوم سے تعلق ہے۔ ان کے خطاب والا مضمون آیت ۱۶ پر ختم ہو چکا۔ اس کا خلاصہ عالمگیر اصول کی صورت میں پیش کیا گیا۔ اور کل نوع انسان کے لئے ہدایت دی گئی کہ محض اللہ اور آخرت پر ایمان اور اعمال صالحہ پر ہی بلا لحاظ مذہب و ملت انحصار ہے۔ آیت زیر بحث میں پہلے جس عہد کا ذکر ہے۔ اس کا تعلق بھی محض بنی اسرائیل سے نہیں ہو سکتا۔ کل انسانوں کے لئے حق کو قبول کرنے کا عہد ہے۔ اور اس آیت میں اس کی نوعیت الہامی علم کو مضبوطی سے پکڑنے اور اس پر عمل اور اس کی اشاعت کرنے سے ہے۔ یہ نوعیت انسان کے سر کو اونچا کرنے والی ہے۔ اور اس رفعت کو پہاڑ سے تشبیہ دینا ایک بالکل معقول بات ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے یا انسانی قالب کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ لیکن انسانوں میں بھی سب سے سر بلند یا چوٹی کی پوزیشن والے وہ ہیں۔ جو علم الہی کے عالم و عامل اور اس کے اشاعت کنندہ ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ کہ جو الہامی علم تمہیں عطا ہوا ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑو۔ اور جو اس میں تعلیم ہے۔ اس کا ذکر کرو۔ یعنی اپنے عملی کام اور تبلیغ حق سے اس کی اشاعت کرو۔ وید میں کہا ہے۔ یہ انسانی قالب بطور آگ کے ہے۔ جیسے آگ ذرات کو الگ الگ کر کے اوپر اٹھا لے جاتی ہے۔ ویسے ہی انسانی قالب کے ذریعے تبلیغ حق ہو کر انسان اعلےٰ معراج پر پہنچتے ہیں۔ یہی ہدایت ہے۔ کہ مرد۔ عورت اونے اعلےٰ سب میں کلام الہی کی تلقین کرو۔ اور یہ بھی کہ تمام انسانوں کو نیک (آریہ) بنا دکھاؤ۔ یہ کام برہمنوں اور سنیاسیوں کا ہے۔ اور اپنے فرض کو پورا کرنے والے برہمن اور سنیاسی فی الحقیقت ہر زمانے میں خاص نمایاں بلندی پر سمجھے جاتے ہیں۔ اور چوٹی (طور) کی پوزیشن رکھتے ہیں۔

خدا جس نے انسان کا فعل مختار ہونا واضح کیا ہے۔ اور جو قول و فعل کی آزادی کی وجہ سے ہی انسان کو سزا و جزا کا ذمہ وار بناتا ہے۔ جو روح کے اندر موجود ہوتے ہوئے بھی محض نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت

کرنے کی تحریک کرتا ہے۔ فعل سے جبراً روکنے کی تجویز نہیں کرتا۔ اس سے پہاڑ گرانے کی دھمکی دے کر عہد لینا منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ نیکی کی ترغیب کا بہترین طریق ذاتی فضیلت کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ سو یہی ہم نے اپنے ترجمہ میں مدنظر رکھی ہے۔

نوٹ:۔ جن لغو اور بیہودہ عجائبات کو بھرنے کا سر سید صاحب نے مفسروں کے متعلق ذکر کیا ہے۔ وہ الفاظ زیر بحث کے متعلق اس قسم کے ہیں۔ کہ بعض کہتے ہیں۔ طور پہاڑ کو گرانے کی دھمکی دی گئی بعض کہتے ہیں۔ نہیں بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کو اکھاڑ کر ہوا میں اڑالا یا تھا۔ اور پانچ میل کا لمبا اور پانچ میل کا چوڑا تھا۔ تاکہ بنی اسرائیل کا سارا لشکر ایک ہی دفعہ اس کے نیچے کچل جائے۔

۹۶ - الٰہی عطیہ

خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ۔ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑو۔ اس کا مطلب محض الہامی علم پر مضبوط اعتقاد رکھنا ہے۔ کیونکہ ہر کہیں شرف انسانی کا انحصار اسی پر رکھا ہے۔ اور اسی کے پرچار کی ہدایت دی ہے۔ اور یہاں بھی یہ کہا ہے۔ وَاذۡکُرُوۡا مَا فِیۡہِ۔ کہ جو کچھ اس میں ہے۔ اس کا چرچا کرو۔ پس کتاب یا الہامی علم کا عطیہ ہی یہاں مقصود ہے۔ اسی میں بیان شدہ تعلیم کا لفظ ذکر سے تعلق ہوسکتا ہے۔

مفسرین کا خیال ہے۔ کہ یہاں توریت کے ذکر کا مطلب ہے۔ لیکن جب یہاں نہ موسےٰ کا تعلق ہے۔ نہ بنی اسرائیل کا۔ تو توریت کا تعلق کیا۔ قرآن کہیں بھی توریت و انجیل کو آخری سند یا کل انسانوں میں اشاعت کرنے کے قابل قرار نہیں دیتا۔ بلکہ صاف کہتا ہے۔ کہ ہم تو ابراہیم کی ملت کو مانتے ہیں۔ ہم نہ یہودی ہیں نہ نصرانی۔ یہ مذہب تو پیچھے سے چلے ہیں۔ اور توریت و انجیل کا ظہور ہی ابراہیم کے بعد ہوا ہے۔ اور پھر اسی سورۃ کی آیت ۲ میں جس کتاب کو کامل اور منزہ من الخطا کہا گیا ہے۔ اسی کے لئے لکھا ہے۔ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ یعنی وہ متقی لوگوں کو ہدایت دیتی ہے۔ اور یہاں بھی اس کتاب کی اشاعت کا نتیجہ یہی لکھا ہے۔ کہ اس سے تم لوگ متقی رہو گے۔ پس جیسا آیت ۲ کی تفسیر میں کہا گیا۔ یہ الٰہی عطیہ محض وید گیان ہے۔

۹۷ - ادنےٰ قالب

الٰہی عطیہ یا علم الٰہی سے انحراف کرنے کا نتیجہ آیت نمبر ۹۴ میں یہ لکھا ہے۔ کہ انسان خسارہ یا نقصان یا تنزل پاتا ہے۔ اور یہ تنزل ادنےٰ قالب لینے کے لئے مخصوص کیا جائے۔ تو بیجا نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اگلی آیت میں یہی ذکر ہے۔ کہ سبت کا قانون توڑنے پر ذلیل بندر بنایا گیا۔ یہ بندر کی مثال خاص طور پر وزندار ہے۔ نیک خیال پر قائم نہ رہنا چنچلتا کا ثبوت ہے۔ اور بندر بھی بہت چنچل ہے۔ پھر بندر نقل اتارتا ہے۔ سمجھ نہیں رکھتا۔ اس میں ان لوگوں کی نظر ہے۔ جو نمائشی و رسمی طور پر مذہب کا سوانگ اتارتے ہیں۔ حقیقت سے تعلق نہیں رکھتے۔ عربی میں زنا جیسے فعل شنیع کی کثرت کو بندر سے منسوب کیا جاتا ہے۔ چونکہ مسئلہ تناسخ کا تعلق گناہ کی صورت میں ان قالبوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جو روح کے سنسکاروں

کی نوعیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے بندر کے قالب کو بطور نظیر بیان کرنا موزوں تھا۔ اور چونکہ ادنےٰ قالبوں کو دیکھ کر کیا اس وقت کے اور کیا بعد کے آنے والے لوگوں کو ہدایت ملتی ہے۔ کہ جہالت اور گناہ سے بچنا چاہئے۔ اور متقی لوگوں کو اس سے نیک عملوں کے لئے نصیحت ملتی ہے۔ جیسا کہ آیت نمبر ۶۶ میں کہا ہے۔ اس لئے مضمون کی سلاست کا تقاضا یہی ہے۔ کہ سچے علم اور دھرم سے انحراف کرنے والوں کے لئے جو نقصان یا تنزل آیت ۴۷ میں لکھا ہے۔ اسے ادنےٰ قالبوں کی صورت میں مانا جاوے۔

۹۸۔ سبت

عام طور پر کہا جاتا ہے۔ کہ سبت کا لفظ سپت کی جگہ ہے۔ عربی میں پ۔ چ ژ اور گ کے حروف نہیں۔ اس لئے سپت کے پ کی جگہ ب آیا ہے۔ سپت سے ہی سپتاہ بنا ہے۔ اور سپتاہ کا ہی بگڑا ہوا روپ ہفتہ ہے۔ عیسائیوں میں اتوار مسلمانوں میں جمعہ کا دن متبرک تھا۔ اور یہودیوں میں ہفتہ کا دن متبرک تھا۔ آیت میں ذکر ہے۔ کہ سبت کے متعلق وہ حد سے بڑھ گئے۔ یعنی انہوں نے عہد یا قانون کو توڑا۔ وہ قاعدہ یا قانون کیا تھا۔ ایک مفسر کہتا ہے۔ عبادت الٰہی۔ اس کی بجائے وہ سبت کے دن دنیوی کاموں میں لگے رہتے تھے۔ کئی مفسر یہ کہتے ہیں۔ کہ سبت کے دن شکار کرنے کی ممانعت تھی۔ مگر بنی اسرائیل شریر تھے۔ انہوں نے چالاکی سے کام لیا۔ جمعہ کے دن دریا کے کنارے گڑھے کھودتے اور نالیوں کے رستے ان میں پانی پہنچاتے۔ پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی آجاتیں۔ جنہیں ہفتے کے دن پکڑ لیتے۔ اور حجت پیش کرتے۔ کہ یہ ہفتے کا شکار نہیں۔ جمعہ کا شکار ہے۔ ایک اور مفسر یہ تاویل کرتے ہیں۔ کہ دریا کے کنارے پر ایک بستی تھی۔ وہاں کے لوگ مچھلیوں کے شکار میں بہت مصروف رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ہفتہ کا دن جو عبادت کے واسطے مخصوص تھا۔ انہی کے شکار میں گذار دیتے۔ اور ان کی آزمائش کے لئے خدا کا یہ حکم تھا۔ کہ مچھلیاں ہفتہ کے دن کثرت سے آئیں۔ اور دنوں میں نہ آئیں۔ اور لوگوں کو یہ حکم ہوا۔ کہ ہفتے کے دن مچھلی کا شکار نہ کیا کریں۔ مگر انہوں نے دریا کے قریب حوض کھود لئے۔ اور دریا سے ان میں نالیاں نکال کر ملا دیں۔ ہفتہ کے دن مچھلیاں ان حوضوں میں گھیر لیا کرتے۔ اور اگلے دن پکڑ لیتے۔ اس استہزائے دین سے ان پر دھتکار پڑی۔

لیکن یہ سب خام خیالیاں اور ترجیحات پر مبنی قیاسات ہیں۔ ہفتہ کے دن عبادت نہ کرنے سے اگر اس وقت ذلیل بندر بنتے۔ تو اب کیوں نہیں بنتے۔ آجکل تو سب اہل مذاہب اپنے مانے ہوئے پاک دن میں عیش اور نفس پرستی کا شکار ہیں۔ اور اگر مچھلی کے شکار کی اس وقت سبت کے روز ممانعت تھی۔ تو اب کیوں نہیں۔ اور اگر مچھلیوں کو چالاکی سے وہ لوگ جمعہ کے دن گڑھوں میں لے آتے تھے۔ یا خدا ان کی آزمائش کے لئے جمعہ کے دن ہی مچھلیاں ان میں بھیجتا تھا۔ تو دونوں صورتوں میں اصل جرم تو مچھلی کھانا ہی ہوا۔ یہ تو کہیں لکھا ہی نہیں۔ کہ باقی دنوں میں مچھلیاں کھانے کی خدا کی طرف سے اجازت تھی۔ اور یہ امر تو ظاہر ہی ہے۔ کہ گوشت خوری پاک عمل نہیں۔ کیونکہ سبت کے پاک دن میں جس کی اجازت نہیں۔ وہ پاک نہیں ہو سکتا۔ پس محض گوشت خوری کے جرم سے ہی وہ ذلیل بندر بنے۔ اور اسی لئے ہمارا یہ ترجمہ صحیح ہے۔ کہ انہوں نے ہنسا کے متعلق قانون کو توڑا۔

لیکن قطع نظر ہفتہ کے پاک دن والی تاویل کے سبت لفظ عربی میں اور یہی مفہوم رکھتا ہے۔ اس کے اصلی معنے قطع کے ہیں چونکہ یہودی لوگ ہفتہ کے دن کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے تمام دنیوی تعلقات قطع کر کے عبادت الٰہی میں لگے رہتے تھے۔ اس لئے وہ اسے سبت کہتے تھے۔ لیکن آیت زیر بحث میں سبت لفظ اس تاویل سے بھی آزاد ہے۔ اور چونکہ اس کے معنے کاٹنا ہیں جیسے سنسکرت میں ہنسا کہتے ہیں جس کی قدیم دھرم میں پوری ممانعت ہے۔ اس لئے اصل مطلب ویسے ہی صاف ہے۔ کہ انہوں نے ہنسا کے متعلق قانون کو توڑا۔ پھر سبت کے معنے آسایش و روزگار کے ہیں۔ اس لئے یہ مفہوم سب سے وزن دار ہو سکتا ہے کہ مال یا اقبال ملے تو ادھرم یا ظلم نہ کرنا۔

۹۹۔ ذلیل بندر

کونوا قردۃ خاسئین کی تفسیر میں مفسر لوگ کہتے ہیں۔ کہ وہ سچ مچ بندر بنائے گئے۔ امام مجاہد کا قول ہے۔ دل مسخ ہوئے تھے۔ صورتیں نہیں۔ مفردات میں منقول ہے۔ اخلاق بندروں کے سے ہو گئے۔ بیان القرآن میں مفصل آیات اس دعوے کی تائید میں دی ہیں۔

(سورہ نساء آیت ۴۷) ہم ان پر لعنت کریں۔ جیسا سبت والوں پر لعنت کی۔ چونکہ رسول اللہ کے دشمن بندر نہیں بنائے گئے۔ بلکہ ذلیل کئے گئے۔ اس لئے یہاں بھی ذلت سے ہی غرض ہے۔

سورۃ المائدہ آیت ۶۰۔ ان میں سے بندر اور سور بنائے۔ اور وہ جس نے شیطان کی پرستش کی۔ یہ لوگ بہت بُری حالت میں ہیں۔ اور سیدھے راستے سے بہت دور بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہ انسان کو ملزم کرنے کا طریق ہے نہ حیوان کو۔ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ قرآن میں کسی کو گدھے سے مثال دی ہے۔ کسی کو کتے سے بندر نقل کرتا ہے۔ اس لئے یہاں انہیں بندر کہنے سے مراد محض نقالی کے طور پر رسوم ادا کرنا اور حقیقت سے بے خبر ہونا ہے یا ذلت کے لحاظ سے بندر کہا ہے۔ عربی میں بندر کی مثال زنا کی کثرت کے لئے دی جاتی ہے۔ اور یہودیوں میں اس بدی کی کثرت کی بائیبل شہادت دیتی ہے۔۔۔۔ ان باتوں کے لحاظ سے وہ بندر ہیں۔"

غرایب القرآن میں مچھلیوں کے شکار والی فلاسفی متعلقہ سبت کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ "ان کو خدا نے سزا دی۔ کہ صورتیں مسخ کر کے بندر بنا دئے۔ اور ان پر پھٹکار برسنے لگی۔ حمائل التفسیر میں غرایب القرآن سے مختلف قسم کی مچھلی فلاسفی بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

"جب متواتر سرکشیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے کسی انسان پر لعنت پڑتی ہے۔ تو اس کے قوائے ظاہری و باطنی ایسے مارے جاتے ہیں۔ کہ سب کا میلان بے دینی اور بدی ہی کی طرف ہو جاتا۔ اور نیکی اور خداترسی کے مذاق اور احساس بالکل مارے جاتے ہیں۔ اس لعنت کو قرآن مجید کئی صورتوں سے بیان فرماتا ہے۔ مثلاً دل پر زنگ بیٹھ جانا۔ آنکھوں پر پردہ پڑ جانا۔ کانوں میں ڈاٹ لگ جانا۔ زندگی سے محروم ہو جانا۔ گونگے اور بہرے ہو جانا۔ شر الدواب بن جانا۔ چوپایوں سے بھی زیادہ بے راہ ہو جانا۔ ایسا ہی بندر سور اور بندہ شیطان بن جانا بھی ایک قسم کی لعنت الٰہی ہے جس میں ان کے تمام قوائے انسانی مارے جا کر بندروں سوروں اور شیطانوں کے مشابہ ہو جاتے

ہیں۔ ان کے چہرے پھٹکارے ہوئے نظر آتے۔ اور ان کی عقلیں ماری جاتی ہیں۔ یہ انتہا درجہ کی لعنت ہے۔ کہ باطنی پھٹکار کے ساتھ چہرہ اور ظاہری جسم بھی پھٹکارا جاوے۔ اس کے بعد قرآنی آیات سے اسی دعوے کو دوہرا کر کہا ہے۔ "جو شخص انتہا درجہ کا بدکار بے دین شریر ہے پاک ہو جاتا ہے۔ تو آخرکار اس کا چہرہ پھٹکارا جاتا ہے۔ اس کے چہرہ سے لعنت کے آثار برستے ہیں۔ مگر مسخ صورت انتہا درجہ کی بدکاری اور بے دینی کے بعد ہوتا ہے"۔

سر سید صاحب فرماتے ہیں۔ کہ کُوْنُوْا قِرَدَةً کے متعلق مفسرین نے عجیب و غریب باتیں بیان کی ہیں۔ اور لکھا ہے۔ کہ وہ لوگ سچ مچ صورت و شکل و خاصیت بھی بندر ہو گئے تھے۔ بعضوں کا قول ہے کہ وہ سب تیسرے دن مر گئے تھے۔ اور بعضے کہتے ہیں۔ کہ یہ بندر جا بجا درختوں پر چڑھتے اور ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر اچھلتے پھرتے ہیں۔ انہی بندروں کی نسل میں سے ہیں۔ ان سب باتوں کو لغو خرافات کہہ کر آپ فرماتے ہیں۔ کہ ایک گروہ یہودیوں کا سبت کے دن بھی شکار کھیلتا تھا۔ ان کی قوم کے مشایخوں نے منع کیا۔ جب نہ مانا۔ تو ان کو قوم سے منقطع۔ برادری سے خارج۔ کھانے پینے سے الگ میل جول سے علیحدہ کر دیا۔ اور وہ توریت پر نہ چلنے والوں کو ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اور اسی لئے ان کی حالت بندروں کی سی ہو گئی تھی۔ جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے۔ کُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِیْنَ یعنی جس طرح بندر بلا پابندی شریعت حرکتیں کرتے ہیں جس طرح انسانوں میں بندر ذلیل و خوار و رسوا ہو۔ جس کے سبب اس زمانے کے لوگوں کو عبرت ہو۔ اور آئندہ آنے والے ان کی ذلت و رسوائی کا حال سن کر عبرت پکڑیں۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں۔ کہ ان کا سچ مچ بندر ہونا سوائے اہل الحشو کے کسی کو تسلیم نہیں۔ اسی لئے بعض مفسرین نے اس سے انکار کیا ہے۔ بیضاوی سے مجاہد کا قول نقل کیا گیا ہے۔ کہ ان کی صورتیں بندر کی سی نہیں ہو گئی تھیں۔ بلکہ ان کے دل بندروں کے سے ہو گئے تھے۔ اور اسی لئے بندروں سے ان کی تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے گدھے کے ساتھ بے عمل کتابوں والوں کی دی جاتی ہے۔ لیکن یہ جملہ بیانات محض اپنی اپنی اٹکل کی باتیں ہیں۔ اور یہ محض اس لئے ظہور میں آ رہی ہیں۔ کہ ایک غلطی یا جھوٹ کو چھپانے کے لئے کئی غلطیوں اور جھوٹوں کی پناہ لی جا رہی ہے۔ ایک آواگون کے سچے اور لازمی اصول کو مانا ہوتا۔ تو علمائے اسلام کو اس طرح پر تاریکی میں دشت نوردی کرنی نہ پڑتی۔ سورہ آل عمران کی آیت ۶ میں بالکل بجا لکھا ہے۔ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ قرآن کی متشابہ آیات یعنی ظاہر اور فروعی امور پر بحث کرتے مختلف تاویلات پیش کرتے۔ اور دنیا میں اختلافات پھیلاتے ہیں۔ آواگون کی صداقت کا ثبوت ہم خود قرآن کی ہی کثیر التعداد آیات سے اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اور انکار تناسخ صریحاً قرآن اور رسول کے فرمان کے خلاف ہے۔ اس لئے مفسرین کے اوپر کے بیانات سب نقش بر آب ہیں۔ قرآن میں کہیں یہ نہیں لکھا۔ کہ مرنے کے بعد بندر اور سور بننا ناممکن ہے۔ یوں ہر خیال کا مفسر گناہ کی وجہ سے بندر یا سور بننے کا امکان تو قبول کرتا ہے۔ مگر کوئی تو اس زندگی میں ہی دل کا اور صورت کا مسخ ہونا مانتے ہیں۔ اور کوئی جسم کے لحاظ سے بعد موت ہی تبدیلی مانتا ہے۔ اور کوئی محض ذلت وغیرہ

کی صورت میں بندرپن کے ظہور کا قایل ہے۔ مگر کچھ ہی ہو۔ ویدک آواگون کو ہو بہو اسی صورت میں نہ ماننا غلطی ہی غلطی ہے۔ قرآن صاف کہتا ہے۔ کہ گناہگاروں کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ کن کن قالبوں میں انہیں بھٹکنا پڑتا ہے۔ (سورۃ انفطار) اور دلیل بھی صاف ہے۔ کہ اگر ایک شخص اس گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ جو فریق مخالف کے خیال کے مطابق مسخ دل و صورت کا مستحق ہے۔ لیکن قبل عمل درآمد اس مسخ کے وہ مرجاتا ہے۔ تو اسے وہ جسم اور دل فی الواقعی کیوں نہ ملے جس کا وہ مستحق ہے۔ اس کے علاوہ بیان القرآن کی پیش کردہ ہر دو آیات کا مفہوم بھی تناسخ کی تائید کرتا ہے۔ اور ابطال تناسخ کی کامل تردید۔ چنانچہ سورہ نساء آیت ۴۷ کا وہ خود یہ ترجمہ دیتا ہے " اے لوگو! جن کو کتاب دی گئی ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔ جو ہم نے اتارا ہے۔ اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم بڑے بڑے لوگوں کو مٹادیں۔ اور ان پر ذلت یا لعنت وارد کریں۔ جس طرح کہ ہم نے سبت والوں پر لعنت کی۔ اور اللہ کا حکم تو ہو ہی چکا ہوا ہے" کیا یہاں بڑے لوگوں کا مٹایا جانا یعنی مرنا اور ذلیل ہوتا یا لعنت کیا جانا کا ایک ہی مفہوم نہیں۔ اور موت یا ایسی لعنت سے پہلے کتاب یا ہدایت کو قبول کرنے کی تاکید نہیں۔ واقعی انسانی زندگی میں ہدایت الٰہی کو قبول نہ کیا گیا۔ تو موت آنے پر وہ ذلت اور لعنت نصیب ہوگی۔ جو اصحاب سبت کو نصیب ہوئی۔ یعنی وہی بندر اور سؤر بننا۔ پس مٹایا جانے کے بعد ہی ان نئے قالبوں میں جانا ہوگا۔ انسان کا پھٹکارا جانا یہاں مراد نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی مفسر صاحب آج بڑے سے بڑے بدکاروں بددینوں اور بدراہوں میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ پتہ دے سکتے ہیں۔ کہ اس کا چہرہ صاف طور پر بندر یا سؤر کی ذلت اور پھٹکار والا ہے۔ یا اس کا دل بندر کا سا ظاہر ہو رہا ہے۔ آخری الفاظ کہ اللہ کا حکم تو ہو ہی چکا ہوا ہے۔ صاف بتاتے ہیں۔ کہ خواہ زندگی میں انسان کو ان کے اندر کی یہ حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ تو بھی اللہ تو عالم الغیب ہے۔ وہ تو اپنے سچے قانون یا حکم کے مطابق ان کو بندر یا سؤر کے قالب کا ہی مستحق قرار دے چکا ہے۔

دوسرا حوالہ المائدہ ۶۰ کا ترجمہ یہ دیا گیا ہے۔

" کہو میں تم کو بتاؤں۔ کہ اللہ کی طرف سے اس سے بدتر بدلہ پانے والا کون ہے۔ وہ جس پر اللہ نے پھٹکار کی۔ اور اس پر ناراض ہوا۔ اور ان میں سے بندر اور سؤر بنائے۔ اور وہ جس نے طاغوت کی پرستش کی۔ یہ مرتبہ میں بدتر اور سیدھے رستے سے بہت دور بھٹکے ہوئے ہیں"

ان الفاظ میں خود بیان القرآن نے تناسخ کی وہ پُر زور تائید کی ہے۔ کہ کسی بیرونی یا اندرونی شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس مضمون میں بد لوگوں سے گذر کر بدتر لوگوں کا پتہ دیا گیا ہے۔ کہ ان پر اللہ پھٹکار کرتا۔ اور ناراض ہوتا ہے۔ اور انہی میں سے ان کے اعمال کے مطابق کسی کو بندر بناتا ہے۔ کسی کو سؤر وغیرہ

اس کے علاوہ آیت کے یہ الفاظ بڑے معرکے کے ہیں۔

شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ یعنی وہ برے درجے یا قالب یا ٹھکانے والے اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ سورۃ فاتحہ کے الفاظ غیر المغضوب علیہم و الضالین کی تشریح کرتے ہوئے

ہم نے لکھا تھا کہ یہ بھٹکنے والے وہ ہیں جو آواگون کے چکر میں ہیں۔ سو یہاں بھٹکنا کا لفظ راہِ راست سے
انحراف کرنے والوں کے لئے بندر اور سُور وغیرہ بننے کے معنے میں صاف استعمال ہو رہا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں
بھی صراط المستقیم پر نہ چلنے والے ہی ضالین ملنے گئے ہیں۔

۱۰۰ - تذبیح بقر

وَاِذْ
قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۗ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا
هُزُوًا ۗ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۗ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۗ عَوَانٌۢ
بَيْنَ ذٰلِكَ ۗ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا
لَوْنُهَا ۗ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٨﴾
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۗ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ
اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٩﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا
تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۗ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۗ فَذَبَحُوْ
هَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٠﴾

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۗ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿١﴾
فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۗ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿٢﴾

اور موسیٰ نے اپنے لوگوں کو کہا۔ کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے۔ بقر کو ذبح کرو۔ انہوں نے کہا۔ کہا تو ہمیں دکھ
یا بیہودہ تمسخر کی بات کہتا ہے۔ کہا پناہ بخدا کہ میں ایسا جاہل ہوں۔ ۶۔ انہوں نے کہا (تب) ہمارے
لئے اپنے رب سے دعا کرو۔ کہ وہ ہم پر واضح کرے۔ کہ بقر ہے کیا۔ کہا خدا فرماتا ہے۔ کہ یہ بقر نہ بوڑھا
(بڑا) ہوتا ہے۔ اور نہ بچہ (پہلی حالت والا) ہاں ان دونوں حالتوں میں وہ جوان یا سہارا دینے والا
ہے۔ پس کرو۔ جو تمہیں حکم ملا ہے۔ ۷۔ انہوں نے کہا۔ ہمارے لئے (پھر) اپنے رب سے دعا کرو۔ کہ
وہ ہمیں صاف علم دے۔ کہ اس بقر کی نیچر یا نوعیت کیا ہے۔ بولا خدا فرماتا ہے۔ یہ بقر آدمیوں کا سکھی
ساتھی ہے۔ شوخ تیز مزاج کا مگر اہل نظر کے لئے مسرت بخش ہے۔ ۸۔ بولے۔ ہمارے لئے (ایک بار اور)
رب سے دعا کرو۔ کہ وہ ہمیں صاف پتہ دے۔ کہ بقر کیا ہے۔ کیونکہ یہ (اب بھی) ہمارے لئے مشتبہ
ہے۔ تحقیق اللہ نے چاہا۔ تو (اب کے) ہم ٹھیک سمجھ جائیں گے۔ ۹۔ کہا اللہ فرماتا ہے۔ کہ بقر نہ
ہل چلانے کے لئے مطیع ہے۔ نہ کھیتی کی آبپاشی کے لئے۔ بالکل بے داغ رکھنے کے لئے سپرد کیا گیا
ہے۔ بولے اب آپ نے صحیح پتہ بتایا۔ پس انہوں نے اسے ذبح کیا۔ مگر کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے
۔ ۱۰۔ اور جب تم نے نفس کو قتل کیا۔ تو اس سے تمہیں نور مل گیا۔ اس طرح اللہ تمہارے پوشیدہ کمالات
ظاہر کرتا ہے۔ ۱۔ پس ہم نے حکم دیا۔ کہ اس بات کو کسی نفس پر چسپاں کرو۔ اسی طرح اللہ مردہ کو
زندہ کرتا ہے۔ اور اپنی آیتیں تمہیں دکھاتا ہے۔ کہ تم عقلمند ہو جاؤ۔ ۲۔

۱۰۱ اختلاف تاویل

قبل اس کے کہ ان آیات کی تعلیم کی خوبیاں اور اپنے ترجمے کی صحت کے متعلق کچھ لکھا جاوے۔ یہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کی مختلف تاویلات اور اُلٹے معانی پیش کر کے قرآن مجید کے متعلق ہی غلط فہمی نہیں پھیلائی گئی۔ تمام انسانی جماعت کی تباہی کا سامان کیا گیا ہے۔ حمائل التفسیر میں یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ ایک گائے کو ذبح کرو۔ انہوں نے جواب دیا۔ کیا تو ہم سے تمسخر کرتا ہے۔ موسیٰ نے کہا۔ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ انہوں نے کہا۔ ہماری خاطر اپنے رب سے دعا کر۔ کہ اس کی ماہیت ہم کو بتا دے۔ کہا وہ فرماتا ہے۔ کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو۔ نہ بچھیا۔ دونوں میں بیچ کی راس ہو پس کرو۔ جو کچھ تم کو حکم دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ اپنے رب سے دعا کر۔ ہمیں اس کی رنگت بتلا دے۔ کہا وہ فرماتا ہے۔ وہ گائے ہو زرد۔ اس کا رنگ خوب گہرا۔ کہ دیکھنے والوں کو خوش کرے۔ انہوں نے کہا۔ ہمارے واسطے رب سے دعا کر۔ کہ ہم کو بتلا دے۔ کہ وہ کیسی ہو۔ ہم کو تو ایسی بہت سی گائیں معلوم ہوتی ہیں۔ اور انشاء اللہ ہم ضرور ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ موسیٰ نے کہا۔ خدا فرماتا ہے۔ وہ گائے نہ تو کمیری ہو۔ کہ زمین جوتتی ہو۔ اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو۔ صحیح سالم۔ اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ انہوں نے کہا۔ اب تو نے ٹھیک بتلا دیا۔ پس انہوں نے گائے ذبح تو کی۔ مگر قریب تھے۔ کہ نہ کریں۔ اور جب تم نے ایک نفس کو مارا۔ پس اس (نفس کشی) میں تم نے نور حاصل کیا۔ اور اللہ تمہارے

پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنے والا ہے۔ پس ہم نے حکم دیا۔ کہ اس کی بعض باتوں کو بعض کے ساتھ مارو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کیا کرتا ہے۔ اور تم کو اپنی آیتیں دکھاتا ہے۔ کہ تم عقل پکڑو"۔

ترجمان القرآن میں یہ ترجمہ دیا ہے۔

"اور پھر (وہ معاملہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ (سیدھی سادی) بات کہی تھی۔ کہ خدا کا حکم ہے۔ ایک گائے ذبح کر دو۔ (بجائے اس کے کہ راست بازی کے ساتھ اس پر عمل کرنے لگے۔ طرح طرح کی کٹ حجتیاں کرنے۔ پہلے) کہا۔ (بھلا کیونکر ممکن ہے۔ کہ خدا نے ایسی بات کا حکم دیا ہو۔) معلوم ہوتا ہے۔ تم ہمارے ساتھ تمسخر کر رہے ہو۔ موسیٰ نے کہا۔ نعوذ باللہ۔ اگر میں (احکام الٰہی کی تبلیغ میں تمسخر کروں اور) جاہلوں کا شیوہ اختیار کروں۔ یہ سن کر وہ بولے۔ اگر ایسا ہی ہے۔ (تو) اپنے پروردگار سے درخواست کرو۔ وہ کھول کر بیان کر دے۔ کس طرح کا جانور ذبح کرنا چاہیئے۔ (یعنی ہمیں تفصیلات معلوم ہونی چاہئیں) موسیٰ نے کہا۔ خدا کا حکم یہ ہے۔ کہ ایسی گائے ہو۔ جو نہ تو بالکل بوڑھی ہو۔ نہ بالکل بچھیا۔ درمیانی عمر کی ہو۔ اور اب (کہ تمہیں تفصیل کے ساتھ حکم مل گیا ہے۔) چاہیئے کہ اس کی تعمیل کرو۔ (لیکن انہوں نے پہلے سوال کا جواب نہ پا کر ایک دوسرا سوال پیدا کر دیا) کہنے لگے۔ اپنے پروردگار سے درخواست کرو۔ وہ یہ بھی بتلا دے۔ کہ جانور کا رنگ کیسا ہونا چاہیئے۔ موسیٰ نے کہا۔ حکم الٰہی یہ ہے۔ کہ اس کا رنگ زرد ہو۔ خوب گہرا زرد۔ ایسا کہ دیکھنے والوں کا جی دیکھ کر خوش ہو جائے۔ (جب رنگ کی خصوصیت بھی متعین ہو چکی۔ تو انہوں نے ایک اور الجھاؤ پیدا کر دیا۔) کہنے لگے (ان ساری باتوں کے بعد بھی) ہمارے لئے (مطلوبہ) جانور کی پہچان مشکل ہے۔ اپنے پروردگار سے کہو۔ کہ (اور زیادہ وضاحت کے ساتھ) بتلا دے۔ کہ جانور کیسا ہونا چاہیئے۔ انشاء اللہ ہم ضرور پتہ نکال لیں گے۔ اس پر موسیٰ نے کہا۔ اللہ فرماتا ہے۔ ایسی گائے ہو۔ جو نہ تو کبھی ہل میں جوتی گئی ہو۔ نہ کبھی آبپاشی کے لئے کام میں لائی گئی ہو۔ پوری طرح صحیح سالم۔ داغ دھبے سے پاک صاف (جب معاملہ اس حد تک پہنچ گیا۔ تو پھر عاجز ہو کر بولے۔ ہاں اب تم نے ٹھیک بات بتلا دی۔ چنانچہ جانور ذبح کیا گیا۔ اگرچہ ایسا کرنے پر وہ دل سے آمادہ نہ تھے"۔ اور پھر (غور کرو۔ وہ واقعہ) جب تم نے (تمہاری قوم نے) ایک جان ہلاک کر دی تھی۔ اور اس کی نسبت آپس میں جھگڑتے۔ اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے۔ اور (جرم و معصیت کی) جو بات تم چھپانا چاہتے تھے۔ خدا اس کو آشکارا کر دینے والا ہے۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ کہ ہم نے حکم دیا۔ اس (شخص) پر (جو فی الحقیقت قاتل تھا) مقتول کے (بعض اجزائے جسم) سے ضرب لگاؤ (جب ایسا کیا گیا۔ تو حقیقت کھل گئی۔ اور قاتل کی شخصیت معلوم ہو گئی) اللہ اسی طرح مردوں کو زندگی بخشتا۔ اور تمہیں اپنی (قدرت و حکمت کی) نشانیاں دکھلاتا ہے۔ تاکہ فہم و دانش سے کام لو۔

غرائب القرآن میں قریباً ایسا ہی ترجمہ آیت ۷۱ تک کا ہے۔ مگر آخری دو آیات کا ترجمہ یہ دیا ہے۔

"اور (اے بنی اسرائیل) جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا اور لگے (اس کے بارے میں) جھگڑنے (کوئی کسی کو قاتل بتاتا کوئی کسی کو) اور جو تم چھپاتے تھے۔ اللہ کو (اس کا پردہ) فاش کرنا (منظور) تھا۔ پس ہم نے کہا۔ کہ گائے (کے گوشت) کا ٹکڑا مردے (کی لاش) کو چھوا دو۔ اسی طرح (قیامت

ہیں) اللہ مُردوں کو جلائے گا۔ اور (وہ دنیا میں) تم کو اپنی (قدرت کی نشانیاں) دکھاتا ہے۔ تاکہ تم سمجھو۔ (کہ قیامت کا ہونا برحق ہے)"

بیان القرآن میں آیات ماقبل کے ترجمے میں خفیف سے فرق کے ساتھ آخری دو آیات کا یہ ترجمہ ہے۔
"اور جب تم نے ایک شخص کو (اپنی طرف سے) قتل کر دیا۔ پھر آپس میں اس (قتل) میں اختلاف کیا۔ اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ جو تم چھپاتے تھے۔ پس ہم نے کہا۔ اس کو اس کے بعض سے مارو۔ اس طرح اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور تمہیں اپنے نشان دکھاتا ہے۔ تاکہ تم عقل سے کام لو۔"
حمائل التفسیر میں بڑا طویل نوٹ دیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس قوم کی جہالت یعنی گاؤ پرستی وغیرہ کی وجہ سے خدا نے یہ حکم دیا۔ مقصود یہ تھا۔ کہ لوگوں کو ہمیشہ کے لئے یہ نظارہ دکھایا جاوے۔ کہ گائے خدا نہیں۔ گائے کے متعلق جو بار بار سوال ہوئے۔ اس کی بابت یہ لکھا ہے۔ کہ یہ محض کج بحثی تھی۔ اور اس قوم کی بدمعاشی وغیرہ کا ثبوت۔ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ انہوں نے گائے ذبح تو کی۔ مگر ایسی بیدلی اور مجبوری کے ساتھ کہ نہ کرنے کے برابر تھی۔ لیکن چونکہ آپ نے ۷۲ آیت کے ترجمے میں ایک نفس کو قتل کرنا لکھا ہے۔ اور عملی طور پر گائے کے ذبح کرنے کا مطلب نفس کو ہی مارنا ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ کہہ دیا ہے۔ کہ موسیٰ سے جو تذبیح گاؤ والا حکم ہوا۔ وہ جدا واقعہ ہے۔ اور ایک نفس کو قتل کرنے والا جدا واقعہ ہے۔

بیان القرآن میں مَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ کی بحث میں لکھا ہے۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک خاص گائے تھی۔ اور چونکہ قوم کے دل میں اس کی محبت اور عظمت تھی۔ اس لئے ذبح نہ کرنا چاہتے تھے۔ بار بار کی ہیرا پھیری کا مطلب یہی تھا۔ کہ کسی طرح یہ حکم ٹل جائے۔"
بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ یہ کوئی معمولی گائے نہ تھی۔ بلکہ آسمان سے اتری تھی۔ حالانکہ سب چارپائے خدا سے ہی اترے ہیں۔ یعنی پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح اکثر مفسر صاحبان تو کہتے ہیں۔ گائے ذبح ہوئی۔ مگر بہت سے کہتے ہیں۔ گائے ذبح نہیں ہوئی۔ بلکہ محض ارادہ کیا گیا۔ کیونکہ کادَ کے معنے بعض اوقات ارادہ بھی آتے ہیں۔ یعنی اس نے ارادہ کیا۔
پھر یہ امر کہ یہ حکم کیوں ہوا۔ غرائب القرآن میں اس طرح مذکور ہے۔ (صفحہ ۲۳۳)
مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ یہودیوں میں ایک خون ہو گیا تھا۔ اور اس کا پتہ نہ چلتا تھا۔ اور اس کو مارا تھا۔ اسی کے وارثوں نے اور وہی دعویدار بنے تھے۔ حضرت موسیٰ نے خدا کے حکم سے ایک گائے ذبح کرائی۔ اس کا کوئی ٹکڑا مُردے کو چھوا دیا۔ مُردے نے تھوڑی دیر کے لئے زندہ ہو کر قاتل کو بتا دیا۔ حمائل التفسیر میں بھی یہ قصہ دیا گیا ہے۔ کہ ایک بنی اسرائیل نے ورثہ کے لالچ سے اپنے ایک عزیز کو قتل کر کے چوراہے میں گرا دیا تھا۔ پھر آنحضرت موسیٰ کے پاس حاضر ہو کر اس نے شکایت کی۔ کہ میرے عزیز کو کسی نے قتل کر ڈالا۔ حضرت موسیٰ نے قاتل کی تحقیقات کی۔ تو کچھ پتہ نہ چلا۔ تب بنی اسرائیل نے التجا کی۔ کہ آپ اپنے رب سے اس کا حال دریافت فرمادیں۔ تب انہوں نے جناب باری تعالےٰ میں دعا کی۔ اس وقت وحی نازل ہوئی۔ کہ اللہ تعالےٰ تم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس امر کو پہلے بنی اسرائیل

نے مسخرہ پن سمجھا۔ اور اس کی ماہیت رنگت اور خاص علامات کی بابت سوال کرتے رہے۔ آخر کار اسے ذبح کیا۔ تو بیدلی اور مجبوری سے اس کے بعد اللہ نے حکم دیا۔ کہ اس گائے کا ایک عضو لے کر مقتول کی نعش پر مارو۔ وہ زندہ ہو کر خود بتلا دیگا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور وہ مقتول زندہ ہو گیا تھا اس نے قاتل کا نام بتلا دیا۔ اور وہی قاتل ثابت ہوا۔ جو شکایت لے کر آیا تھا۔

بیان القرآن میں بھی بتایا ہے کہ گائے کے ذبح والا واقعہ جدا ہے۔ اور آخری دو آیتوں والا واقعہ جدا۔ مگر دوسرے جدا واقعہ کے متعلق پھر اختلاف ہے۔ بعض تو نفس کشی کی ہدایت لیتے ہیں۔ اور بعض ایک شخص کو قتل کرنے کی کہانی اخذ کرتے ہیں۔ جو یہ ہے کہ

ایک بھتیجے نے چچا کو قتل کر دیا تھا۔ تاکہ اس کی بیٹی سے شادی کر کے اس کی جائداد کا وارث ہو۔ مگر ایک بیان سے یہ بھتیجا اور چچا والی بات بھی غلط ہی جاتی ہے۔ اور حضرت مسیح کی طرف ان آیتوں کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی تشریح یوں ہے۔ کہ آیت نمبر ۶۱ میں دو جرموں کا ذکر تھا۔ آیتوں سے انکار اور نبیوں کا قتل۔ سو آیت ۷۲ والا نفس کوئی عظیم الشان انسان یا نبی ہے۔ کسی معمولی شخص کو قتل کرنا قوم کو ملزم نہیں بنا سکتا۔ ہاں نبی کے قتل پر کل قوم ملزم ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ بتایا یہ گیا ہے۔ کہ اپنی طرف سے قتل کر دینے کے بعد پھر ان لوگوں میں اختلاف ہو گیا۔ اور دوسرے یہ کہ وہ قتل میں کامیاب نہیں ہوئے۔ کیونکہ فرمایا ہے۔ کہ جو کچھ تم چھپانا چاہتے تھے۔ اللہ نے اسے ظاہر کرنا تھا۔ چونکہ حضرت مسیح کے واقعہ کے متعلق یہ سب باتیں صحیح ہیں۔ اس لئے یہ ذکر انہی کا ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے۔ کہ انہوں نے اس کو قتل کیا۔ نہ صلیب پر مارا۔ بلکہ ان کے لئے وہ مشتبہ بالمقتول کر دیا گیا۔ اور سورہ نساء آیت ۱۵۷ میں کہا ہے۔ کہ جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا۔ وہ اس کے متعلق شک میں ہیں فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا سے بھی یہی مطلب پیش کیا جاتا ہے۔ کہ بعض یا کسی قدر قتل کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ پورا قتل نہیں ہوا۔ جیسا مسیح کے متعلق اعتقاد ہے۔ ایسا ہی یہ تیسری آیۃ کے متعلق بھی مختلف رائیں ہیں۔ بیان القرآن کہتا ہے۔ مسیح جو تم کو مردہ معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اسے خدا نے زندہ کر دکھایا۔ اسی طرح تم کو جو ایک مردہ قوم ہو۔ خدا زندگی عطا کرے گا۔ غرایب القرآن لکھتا ہے۔ کہ ذبح گائے سے قاتل کا پتہ لگنا ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ یعنی جس طرح مذبوح کا مچا مردہ کو چھوا دینے سے مردہ جی اٹھا۔ اور سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ بچھے کے چھوا دینے اور اس کے جی اٹھنے میں کیا تعلق تھا۔ اسی طرح قیامت کے دن ہزاروں برس کے مردوں کا جی اٹھنا کسی کو سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر ہوگا ضرور۔"

یہ محض اشارۃً لکھا گیا ہے۔ اگر ہر امر کے متعلق اختلافات کا پورا پورا بیان تمام تفسیروں سے دیا جائے تو نہایت ہی طویل ہوگا۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ لیکن ایک اور امر کا بیان اختلافات کے نمونوں کے مضمون میں سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اور وہ ہے سر سید احمد صاحب کی رائے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ توریت میں یہ ذکر ہی نہیں۔ کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ سے بقر کا اتا پتا پوچھا۔ اور اس کے ذبح کرنے کے بعد کا جو قصہ توریت میں ہے۔ وہ قرآن مجید میں نہیں۔ ہاں بیل کے ذبح کرنے کا حکم قرآن اور توریت دونوں میں ہے۔ پس سر سید صاحب سر سے سے گائے کی بجائے بیل کے معنے لیتے ہیں۔ اور

اس کا ثبوت یہ دیتے ہیں۔ کہ بَقَرَۃَ بالتحریک وبعد التائے گائے اور بیل دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید کے یہ الفاظ کہ لاذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث صاف طور پر بیل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کیونکہ زمین جوتنے اور پانی دینے میں بیل کو ہی لگایا جاتا ہے۔ آپ کی یہ بھی رائے ہے۔ کہ قرآن میں بتائے گئے نشانیوں اور نشانیوں سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ وہ بیل بت پرستوں یا کافروں کے طریقہ پر چھوڑا ہوا تھا۔ تفسیر کبیر میں بھی مسلمہ کی تفسیر چھوٹے ہوئے سانڈ پر ہی عاید ہوتی ہے۔ موسیٰ نے اسے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ مگر بنی اسرائیل اسے بچانا چاہتے تھے۔ اسی لئے اس کے اتنے پتے پوچھتے تھے۔

ایک نفس کو قتل کرنے کے واقعہ کے متعلق آپ نے لکھا ہے۔ کہ قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا۔ حالانکہ وہ ان لوگوں میں ہی تھا۔ جو موجود تھے۔ تب حضرت موسیٰ کے دل میں خدا نے یہ ڈالا۔ کہ مقتول کے اعضاء سے مقتول کو ماریں۔ اس میں راز یہ تھا۔ کہ جو قاتل نہیں۔ وہ اپنی بے قصوری کے یقین سے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کریں گے۔ مگر اصلی قاتل کے دل میں خوف ہوگا۔ کیونکہ فطرت کے تقاضے سے اور جہالت کے زمانے میں ایسا خوف ہر مجرم کے دل میں طاری ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نہیں مارے گا۔ مبادا مردہ زندہ ہو کر میرا نام بتا دے۔ ایسا ہی آپ اس امر پر بحث کرتے ہیں۔ کہ ایک قصہ ماننا صحیح نہیں۔ جیسا کہ اور کئی مفسرین کی رائے ہے۔ بلکہ یہ دو قصے ہیں۔

۱۰۳- تمام تاویلات غلط ہیں

چونکہ قرآن میں ہر امر کو عالمگیر اصول کے تحت اور تعلق میں رکھنے کا خاص نظریہ ہر کہیں زیر عمل ہے۔ اور گائے کی لاش کا ٹکڑا مردہ لاش سے چھوا کر زندہ کرنے کا اصول عالمگیر تو کہاں۔ کسی بھی ملک میں قابل عمل نہیں۔ نہ کسی پہلے زمانے میں اس پر عمل ہونے کے تاریخی ثبوت ملتے ہیں۔ بلکہ معقولیت سے اس کا امکان بھی ثابت نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ قصہ محض توہمات باطلہ کے ضمن میں ہی آسکتا ہے۔ اور حمائل التفسیر میں جو یہ طور امر واقعہ نفس کشی کو قبول کیا ہے۔ اس سے بھی بقر لفظ سے چوپایہ گائے نہیں۔ بلکہ نفس کا ہی مطلب نکلتا ہے۔ پھر ظاہرا ترتیب اور الفاظ قرآن سے اس قصہ کی صاف طور پر تصدیق نہ ہونے اور ذبح گاؤ کی پُرزور تردید ہونے میں حسب ذیل وجوہات دی گئی ہیں۔

۱- ذبح گائے کا بیان پہلے ہے۔ اور قتل نفس کا بیان بعد میں۔

۲- موسیٰ کی کلام والا واقعہ جدا یا دولایا گیا ہے۔ اور نفس کو قتل کرنے والا جدا۔

۳- یہ کہنا کہ جو کچھ چھپایا جاتا ہے۔ اللہ اسے عیاں کر دیتا ہے۔ ایک مستقل یا دوامی قاعدہ کی طرف دلالت کرتا ہے۔

۴- کنتم تکتمون سے چھپانے والے بہت معلوم ہوتے ہیں۔ مگر قصہ سے محض ایک قاتل ہی چھپانے والا ظاہر ہوتا ہے۔

۵- آخری آیت میں مردوں کو زندہ کرنے کا دوامی قاعدہ ہے۔ مگر گائے کے عضو کو چھوانے سے کبھی اور کہیں مردہ زندہ ہوتا دیکھا نہیں گیا۔

۶۔ موتی کا لفظ قدرتی موت ظاہر کرتا ہے۔ مگر قصہ والا مقتول ہے۔
۷۔ موتیٰ کا لفظ جمع ہے۔ اور قصے والا مقتول واحد ہے۔
۸۔ آیات جو خدا دکھاتا ہے۔ وہ جمع ہیں۔ مگر مقتول نشان واحد ہے۔
۹۔ الفاظ آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ نشان دکھاتا ہے۔ مگر قصے والا نشان تو آنحضرت کے عہد میں دکھایا نہ جاسکتا تھا۔ وہ تو محض ماضی کی ایک خبر ہو سکتی تھی۔
۱۰۔ یُرِیْ فعل مضارع ہے۔ جو حال اور مستقبل دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ ماضی پر نہیں۔
۱۱۔ مضارع کے صیغے عموماً قرآن مجید میں قواعد کلیہ پر دلالت کرتے ہیں۔
۱۲۔ لعلکم تعقلون سے پایا جاتا ہے۔ کہ اس بیان کا معقولیت سے تعلق ہے۔ مگر قصہ والا واقعہ خلاف عقل و مشاہدہ ہے۔ اور مداریوں کے شعبدہ کے مشابہ ہے۔
۱۳۔ مانکتمون عام مکتوبات کے شامل ہے۔ ایک خاص پر کیسے محدود ہو۔
۱۴۔ الفاظ آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ گائے کا ٹکڑا مارنے سے وہ مقتول زندہ بھی ہوا۔ بلکہ موت اور زندگی کا عام اصول بیان ہوا ہے۔
۱۵۔ حشر نشر کے قائل کرنے کا مطلب لیا جائے۔ تو بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل کو اس سے انکار نہ تھا۔ نہ اس کا سوال تھا۔ اس کے علاوہ چونکہ مفسرین کا تاویلات میں اختلاف ہے۔ یقینی نتیجہ کوئی نکل نہیں سکتا۔ جتنے اکابر ہیں وہ واللہ اعلم کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور چونکہ ایسے قصص کا بیان نہ قرآن میں ہے۔ نہ حدیث میں۔ نہ کوئی معتبر کتاب یا اور یقینی ذرائع ان کی صحت کے جہاں ہیں۔ لہذا جیسے مریم اور اصحاب کہف وغیرہ کے متعلق بعض امور قرآن میں اخبار غیب میں شامل بتائے گئے ہیں۔ اس پر زیادہ بحث کرنے کی نسبت اس کے متعلق سکوت سے کام لینا بہتر ہے۔"

جہاں مفسرین خود ان تاویلات کی بدولت آیات کے حقیقی مفہوم کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ وہاں ترجموں کے نقص بھی صحیح تاویل تک پہنچنے میں بھاری رکاوٹ ہیں۔

اول بقر کا ترجمہ یہاں گائے سے کرنا بالکل غیر موزوں ہے۔ کیونکہ جب موسیٰ نے خدا کا حکم سنایا۔ تو موسیٰ کے لوگ بقر کو عام رواج کے مطابق گائے سمجھے۔ اور ان کے جا بات کو ٹھیس لگی۔ اور وہ جھنجھلا کر بولے۔ کہ یہ دل لگی یا مخول ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اس پر موسیٰ نے غلط فہمی کو دور کیا۔ معذرت چاہی اور صاف بتایا۔ کہ ایسا قول جاہلوں کا ہو سکتا ہے۔ (میرا مطلب گائے سے نہیں۔) پس شروع میں ہی جب ایسے لفظ موجود ہیں۔ تو یہ گائے کے علاوہ اور ہی کچھ مقصود ظاہر کرتے ہیں۔

دوم۔ غلط فہمی دور ہونے پر جب وہی لوگ بار بار کہتے ہیں "ماھی" وہ کیا ہے۔ اور نیز یہ کہ بقر ہمارے لئے اب بھی مشتبہ ہے۔ یعنی اس کا صحیح مفہوم اب بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ تو کسی مترجم کا کیا حق ہے۔ کہ وہ بقر کو گائے کے معنے میں لے۔

سوم۔ اگر واقعی بَقَرَۃ لفظ کا گائے سے تعلق ہوتا۔ تو کسی سوال کی گنجائش ہی نہ تھی۔ کیونکہ بنی اسرائیل کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ کہ گائے مشہور چوپایہ حیوان ہے۔ جو دودھ دیتا ہے۔

چہارم۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ انہوں نے پاک یا مطلوبہ گائے کے اوصاف جاننے کے لئے اگلے سوال کئے۔ تو بھی یہ سوال غلط ہیں۔ کیونکہ خدا کی پیدا کردہ ہر ایک گائے پاک ہے۔ اگر کسی گائے میں خاص اوصاف ہونا ذبح کے حکم سے تعلق رکھتا۔ تو خدا خود اپنے الہامی علم میں فرما دیتا۔ وہ آدمیوں کے سوال کا محتاج نہ رہتا۔ یعنی ذبح بقر کے ساتھ پہلے ہی مطلوبہ گائے کے اوصاف ہوتے۔

پنجم۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے۔ کہ بقر کیا ہے۔ تب تک اس کے کوئی معنے لکھے نہیں جا سکتے۔ ہاں بقر کی جو جو تعریف بیان ہوگی۔ وہ سب سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ کل بیان گائے پر عائد ہوتا ہے۔ یا کسی اور پر۔ مثال کے طور پر یوم الدین کو لیجئے۔ اس کا ترجمہ ہر کہیں قیامت کا دن کیا جاتا ہے۔ اور سمجھ لیا جاتا ہے۔ کہ اس سے مراد وہی دن ہے۔ جو دنیا کے خاتمے پر آئیگا۔ اور جس میں مُردے قبروں سے اٹھیں گے وغیرہ۔ لیکن سورہ انفطار میں قرآن سوال کرتا ہے۔ وَمَا ادراک ما یوم الدین کیا تم کو معلوم ہے۔ کہ یوم الدین کیا ہے۔ اگلی آیت میں کہا ہے۔ تم سے پھر پوچھتے ہیں۔ کہ یوم الدین کیا ہے۔ ایسا اگر اس کا ترجمہ موہومہ قیامت کا دن رکھ کر سوال کیا جاتا ہے۔ تو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ پہلے یوم الدین کی تعریف سمجھی ہوگی۔ اور بعد میں اگر وہ تعریف اس قیامت کے دن پر منطبق آئے گی۔ تب اس کا ترجمہ قیامت کا دن کرنا بجا ہوگا۔ ایسا ہی اور جگہ قرآن سوال کرتا ہے۔ وَمَا ادراک ما لیلۃ القدر۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔ اس کا ترجمہ اگر پہلے ہی[۱] شب قدر پر عائد ہوتی ہے یا نہیں۔ پس جب سوال یہ ہے۔ کہ ماھی۔ ماھی۔ تو اس سے پہلے ہی بقر کو گائے کہنا صحیح نہیں۔

ششم۔ جب گائے لفظ کا بقر کی جگہ ابھی لکھنا غلط ہے۔ تو الفاظ بوڑھی اور بچہ اور جوان گائے کے ساتھ کس طرح لگ سکتے ہیں۔ اور پھر تین لفظ گائے کے لئے کس طرح آسکتے ہیں۔ بچہ یا کم سن کے لئے بچھڑا یا عجل کا لفظ آتا ہے۔ اسے گائے کہتے ہی نہیں۔

ہفتم۔ بقر کے متعلق بیان ہوا۔ کہ وہ نہ بوڑھا ہوتا ہے۔ نہ بچہ۔ دونوں حالتوں میں جوان ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کوئی بھی گائے ایسی نہیں۔ جس پر بچپن۔ جوانی اور بڑھاپا تینوں حالتیں نہ گذریں۔ لہذا بقر کا لفظ گائے پر عائد کرنا سراسر غلط ہے۔

ہشتم:۔ آیت ۶۹ میں لَوْن کا ترجمہ رنگ کرنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ کبھی ایسا حکم خدا سے پہلے ملا ہی نہ تھا۔ کہ گائے کی قربانی کرتے ہوئے پہلے مجھ سے پوچھ لینا۔ کہ میں کس رنگ کی گائے چاہتا ہوں۔ واقعی یہ ترجمہ تمسخر آمیز ہے۔ کیونکہ نہ رنگ سے قربانی پر اثر پڑتا ہے۔ نہ ذائقہ یا تاثیر وغیرہ پر۔ کیا زرد کے علاوہ اور رنگوں کی گائیں ناپاک ہیں۔

نہم۔ صراح میں لَون کے معنے لکھے ہیں۔ گونہ چوں زردی وسرخی وماننداں۔ ونوع وغیرہ جب اس کے معنے نوعیت پر بھی عائد ہو سکتے ہیں۔ اور نوع کا استدلال خو یا فطرت پر بھی مائل ہے۔ جیسے متلون جو لون سے بنا ہے۔ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو ایک خو پر قائم نہ رہے۔ ایسی صورت میں بقر کی فطرتی صفت کا خیال چھوڑ کر گائے کا رنگ پوچھنا کس طرح اپنے عالمانہ تحریر پر اعتراض کا استحقاق دے سکتا ہے۔ منتخب اللغات میں بھی صراح والے ہی معنے ہیں۔ لون کے معنے ہیں گون

[۱] شب قدر کر دیا جاوے۔ اور اس کا مفہوم مروجہ ماہ رمضان کا لیا جاوے۔ تو غلط ہوگا۔ کیونکہ پہلے لیلۃ القدر کی تعریف قرآن کے جو اسے جاننی ہے۔ [illegible]

اور گُون کے معنے ہیں۔ رنگ۔ قسم ڈھنگ طور۔ طریقہ۔ اسلوب اور جواب میں جو صفرا کا لفظ ہے۔ وہ بھی رنگ کا نہیں۔ حقیقت کا پتہ دیتا ہے۔ پس ترجمہ میں رنگ لکھنا اس موقعہ پر صحیح نہیں۔

ہم۔ جب رنگ کا سوال ہی غلط ہوا۔ تو شوخ یا تیز رنگ کا جواب کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے ترجمہ کرنے سے پہلے قدیمی اور اعلےٰ لغات سے صَفْرَاءُ فَاقِعٌ کے متعلق تحقیق کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ بجائے رنگ کے صراح جلد اول صفحہ ۳۳۹ پر صفر کے معنے "بار ور شکم مردم" صاف لکھے ہیں۔ اور اگر قرآن کے صحیح مفہوم کو جاننے کے لئے اس مضمون کے متعلق محنت سے کام لیا جائے۔ تو یہ الفاظ تمام عقدوں کو حل کر دیں گے۔

یازدہم۔ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ اس کا ترجمہ کرتے ہوئے ذَلُول لفظ کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگر اسی پر معقولیت سے غور کیا جاتا۔ تو بھی معاملہ صاف ہو جاتا۔ ذلول کے معنے رام مطبع وغیرہ ہیں۔ اور آیت میں کہا گیا ہے۔ کہ بقر نہ زمین جوتنے کے لئے (انسان) کے مطبع کیا گیا ہے۔ نہ کھیت کو پانی دینے کے لئے۔ اب بقر کو گائے کے معنے میں لیں۔ تو بچھڑا بیل گائے کی کل نوع پر یہ لفظ عائد ہو گا۔ اور زمین جوتنے کا کام نہ لو۔ آیت کا مفہوم یہ ہو گا۔ کہ بقر جو ذبح کرنا ہے۔ وہ زمین جوتنے یا کھیتی کو پانی دینے کے لئے انسان کے مطبع نہیں کیا گیا۔ انسان کے قابو کا نہ ہونے والا بقر بھی گائے بیل نہیں ہو سکتا۔ اور یقیناً گائے کی جاتی ہیں یہ وصف ہو نہیں سکتا۔ وہ تو کھیتی کی اغراض سے مخصوص ہے۔

غرضیکہ کہاں تک لکھا جاوے۔ ترجمے غلط ہونے سے بھی تاویلات غلط ہو رہی ہیں۔ اور غور و تعمق کی کمی سے بھی اس نقص کو مدد مل رہی ہے۔ اور گو کسی کا دل بھی قرآن کو سمجھنے میں روک ہے۔ بار بار کا یہ سوال کہ وہ (بقر) کیا ہے۔ کج بحثی اور ٹال مٹول پر محمول ہو رہا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ ایسا ہوتا۔ تو موسیٰ جیسا اولوالعزم نبی فوراً ان پر ڈانٹ بتاتا۔ اور خدا عذاب نازل کرتا۔ اس کے علاوہ اہل موسیٰ نے جب تین بار سمجھنے کے لئے سوال کرنے کے بعد خود ہی کہدیا۔ کہ ہاں ہاں اب ہمارا جواب آ گیا۔ تو کیا۔ یہ کج بحثی اور ٹال مٹول کی تہمت کا کافی و شافی جواب نہیں ہے۔ بقر کے ذبح کرنے سے اگر گائے کی ہی مراد ہوتی۔ تو سوال یہ ہو سکتا تھا۔ کہ مذکر کو ذبح کریں یا مونث کو۔ بڑھے کو یا جوان کو۔ سو یہ سوال ہوا ہی نہیں۔

پھر یہ بیان کہ گائے کی لاش کا ٹکڑا چھوا دینے سے مردہ زندہ ہو گیا۔ اور بھی ناقابل تسلیم ہے۔ اگر مردوں کو زندہ کرنے کے لئے اس زمانہ میں یہ امر نشانی تھا۔ یا قیامت کے وقت ہو سکتا ہے۔ تو کیوں نہ عملی طور پر آج کوئی شخص یا جماعت جو اس کی قائل ہو۔ یہ نظارہ دکھا کر معاملہ کو نپٹا دے۔ کیا اگر یہ تاویل صحیح اور معقول ہوتی۔ تو گورنمنٹ اور پولیس ہر ملک میں مقدمات کے فیصلوں کے لئے اس طریق کو کام میں نہ لاتی۔ کس قدر پیچیدہ مقدمات رونما ہو رہے ہیں۔ اور تحقیقات کرنے والوں کو کس قدر مغز پچی کرنی پڑ رہی ہے۔ کیوں نہ ان کو اس مصیبت سے رہائی دلانے کے لئے عملی کارروائی کی جاوے۔ یہ تاویل کہ حضرت مسیح کا تعلق ہے۔ اسی واقعہ سے کہ انہوں نے ایک نفس کو مارا۔ خود قرآن ہی سے رد ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن کی پوزیشن یہ ہے۔ کہ نہ مسیح✝ قتل ہوئے۔ نہ مصلوب۔ بلکہ ان کو محض شبہ ہوا۔ تب

۴ اور پانی دینے کے کاموں سے بری کیا گیا کوئی بھی بقر معلوم نہ ہو گا۔ کیونکہ رواج خواہ کہیں بیل کو کسی کام سے اور گائے کو کسی کام سے بری رکھے۔ فی الحقیقت بقر

[illegible]

یہ واقعہ زندہ کرنے اور مارنے کے لئے نظیر کیسے ہُوا۔

یہ تاویل کہ یہ کوئی خاص گائے تھی یا بیل۔ صحیح نہیں۔ کیونکہ سب کو چھوڑ کر خدا محض ایک گائے یا بیل کو قتل کرنے کا حکم دے۔ معقول نہیں ہو سکتا۔ اور یہ امر بھی کہ یہ ایک خاص گائے تھی جس کی محبت اور عظمت کی وجہ سے لوگ اسے قتل نہ کرنا چاہتے تھے۔ ایسا ہوتا تو صحیح پتہ ملنے پر وہ ذبح کیوں کرتے۔ پھر خدا اور پتے کیوں دیتا۔ اس گاؤ کے مقام کا پتہ دیا جاتا۔ بجائے اور نشانیوں کے۔ اور وجہ بتائی جاتی۔ کہ اس کو کیوں ذبح کیا جاوے۔ اگر بچھڑے کو پوجنے کا گناہ کچھ لوگوں نے کیا تھا۔ تو اس کی سزا ان کو ملتی۔ نہ کہ کسی بے زبان گائے کو۔ اور یہ تاویل کہ خدا کو دکھانا منظور تھا۔ کہ گائے خدا نہیں۔ خدا کی اور بھی توہین کرتی ہے۔ کیونکہ جس کا علم کامل ہے۔ اور جو تمام سچی تعلیمات سے عقلوں کو روشن کر کے یہ واضح کر رہا ہے کہ میں ہی انسانی جماعت کا واحد معبود ہوں۔ اسے گؤ کو مروا کر یہ سبق دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس وقت جب لوگ بغیر گائے کے ذبح ہونے کا نظارہ دیکھنے کے کتابی تعلیم اور ہدایت سے مان رہے ہیں۔ کہ گؤ محض حیوان ہے۔ کیا اس وقت کے لوگوں پر یہ علم سے واضح نہ ہو سکتا تھا۔ اس طرق استدلال سے تو مردم پرستی کے الزام سے بچنے کے لئے نبیوں کو قتل کرنا لازمی ہوگا۔ یہ ثبوت دینے کے لئے کہ نبی خدا نہیں

دوازدہم۔ تذبیح بقر اور ایک جان کو مار دینا کے جدا واقعات ماننے سے بھی مشکل حل نہیں ہوتی۔ اگر اس گائے کے جسم کا ٹکڑا مقتول کو چھوایا گیا۔ تب تو دونوں امور کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہوا۔ اور اگر مقتول کے جسم کا ٹکڑا اسی لاش کو مارا گیا۔ تو گائے کے ذبح کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اور یہ آیات فعل عبث کا مفہوم پیش کرتی ہیں۔

۱۰۳ بقر سے مراد من یا نفس ہے

اس کل بحث میں قرآن لفظ بقر کو نفس یا من کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس کے لئے حسب ذیل ثبوت قابل غور ہے۔

۱۔ آیت نمبر ۵۴ میں بچھڑا بنا کر پوجنے کی بناء پر موسیٰ نے اپنے لوگوں کو کہا ہے۔ کہ خدا کے نزدیک تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ تم اپنے نفسوں کو مارو۔ یعنی من کو وش میں کرو۔ اس کے چند آیات بعد یعنی آیت ۶۷ میں اگر موسیٰ گائے کو ذبح کرنے کا حکم سنائے۔ تو یہ اجتماع ضدین ہوگا۔ کیونکہ اصل واقعہ وہی ہے۔ جو پہلے مذکور ہوا۔ پس فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مندرجہ آیت ۵۴ اور تَذْبَحُوْا بَقَرَةً مندرجہ آیت نمبر ۶۷ کا ایک ہی مطلب ہونا لازمی ہے۔ یعنی نفس کو قتل کرنا۔

۲۔ زیر بحث بقر کی یہ تعریف بتائی ہے۔ کہ وہ نہ بوڑھا ہوتا ہے۔ نہ بچہ۔ بلکہ وہ دونوں حالتوں میں جوان ہے۔ اور یہ بیان سوائے من کے کسی پر عائد نہیں ہوتا۔ کیا بچہ اور کیا بوڑھا دونوں میں من جوان ہے۔ کہا بھی ہے۔ کہ چوں مرد پیر شود حرص جواں گردد۔ یعنی جب آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے۔ حرص جوان ہو جاتی ہے۔

یہاں تین الفاظ پر خاص غور کرنے کی ضرورت ہے۔ فارِض۔ بکر اور عوان
فارض کے لغوی معنے ہیں " ہرچہ کلاں و بزرگ جثہ باشد" (منتخب اللغات) گاؤ پیر بھی اس

کے معنے میں لکھا ہے۔ لیکن یہ محض ان ترجموں سے لغات میں نقل کیا گیا ہے۔ جن کا نمونہ ہم اوپر دے چکے ہیں۔ پس فارض کا اصل مفہوم محض یہ ہے۔ کہ شئے معلومہ پہلی حالت سے بڑھتے بڑھتے عمر اور طاقت و جسامت کسی بھی لحاظ سے ترقی والی حالت کو پہنچی ہو۔

بکر فارض کی ضد ہے۔ دوشیزہ یا کنواری لڑکی کو بکر کہہ سکتے ہیں یا غلط الہام باکرہ۔ لیکن اس صورت میں یہ عوان کی ضد ہے۔ پس یہاں اس کا اصل معنے پہلی حالت ہے۔ خواہ کسی بھی شئے کی ہو۔ پیدا ہوا بچہ بکر ہے۔ اور اوائل عمر کے لحاظ سے پانچ یا دس سال کا بچہ بھی بکر کہا سکتا ہے۔ اور آیت ۶۸ میں چونکہ دونوں حالتوں کی نفی ہے۔ اس لئے یہاں گائے سے مراد نہیں ہوسکتی جس پر یہ دو حالتیں گذرتی ہیں۔ ہاں من یا نفس ہے۔ جو پہلی اور پچھلی حالت یا بچپن اور بڑھاپا یا چھوٹی اور بڑی دونوں حالتوں سے الگ ہے۔

عوان کے معنے ہیں۔ جنگی کہ یکبار دراں کارزار کردہ شود (منتخب اللغات) اس معنے کے لحاظ سے آہستہ آہستہ ترقی ہونے یا بڑھنے کی تردید پائی جاتی ہے۔ اور اس کے علاوہ شوہر والی عورت۔ میانہ سال گائے۔ یا عورت یا ہر چیز کو بھی عوان کہہ سکتے ہیں۔ لیکن عوان عون سے ہے۔ جس کے معنے ہیں۔ یاری کردن بپشتیبان یا سہارا دینے والا۔ چونکہ من بچپن کی حالت میں بھی جسم کا ویسا ہی سہارا اور حواس و اعضائے جسم سے کام لینے والا ہے۔ جیسے بڑھاپے میں۔ اس لئے اسی کے واسطے "عَوَانٌ بَيْنَ ذَالِكَ" کہنا موزوں ہے۔ یہ معنے لینا۔ کہ بچپنے اور بڑھاپے کے درمیان کی عمر والی گائے ہو۔ صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہاں وسطی حالت کی طرف اشارہ ہی نہیں۔ کہ اوسط نکالی جاوے۔ اور اگر دونوں حالتوں کے مابین مراد لی جاوے۔ تو پیدا ہوئے بچے اور بوڑھے کی درمیانی حالت ۲ یا ۴ سال سے لے کر ۷ یا ۸ سال تک کی ہر گنتی پر عاید ہوسکتی ہے۔ مگر اس صورت میں فارض اور بکر کے بعد عَوَانٌ بَيْنَهُمَا کا لفظ ہونا چاہئے۔

پس عَوَانٌ بَيْنَ ذَالِكَ کا مفہوم محض یہ ہے۔ کہ پہلی حالت میں بھی عوان ہے۔ اور پچھلی میں بھی۔ جیسا کہ نفس واقعی ہے۔

۳۔ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ "اس کے معنے مفسرین نے شوخ زرد رنگ کئے ہیں۔ اور لغت میں اس معنے کی کچھ گنجائش بھی ہے۔ لیکن جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے۔ کہ فی الحقیقت یہاں بقر سے گائے ہی مراد ہے۔ تب تک رنگ کے معنے لگانا موزوں نہیں ہوسکتا۔ کہا جائیگا۔ سوال چونکہ لَون کے متعلق ہے۔ اور لَون کے معنے رنگ ہے۔ اس لئے جواب میں شوخ زرد رنگ کا ہونا معقول ہے۔ لیکن لَون کے معنے یہاں جیسا کہ ہم دفعہ ماقبل کے ضمن ۹ میں بتا آئے ہیں۔ خو۔ فطرت۔ نوعیت ہے۔ اور اس بحث میں سوال بقر کے متعلق خو یا سو بھاؤ کا ہونا ہی صحیح ہوسکتا ہے۔ رنگ کا نہیں۔ اس لئے جواب میں بقر کی خو وغیرہ ہی آسکتی ہے۔ اور یہ صراح کے حوالے سے دفعہ ماقبل ضمن ۱۰ میں واضح ہوچکا ہے کہ صَفَر کے معنے مار در شکم مردم ہے۔ یعنی انسان کے پیٹ میں جو سانپ ہے۔ شیطان کے متعلق بحث کرتے ہوئے ہم لکھ آئے ہیں۔ کہ ویدک سنسکرت کے اہی ورتر۔ اپا بنتی الفاظ کے معنے سانپ۔ اژدہا

اژدہا ۔ بادل ۔ برے خیال ۔ برا انسان وغیرہ ہیں ۔ بائیبل وغیرہ میں شیطان کو سانپ لکھا ہے جس نے حوا کو بہکایا ۔ سعدی بھی ناخلف اولاد کو سانپ سے بدتر قرار دیتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے ۔

زنان باردار اے مرد ہشیار اگر وقت ولادت مار زایند
ازاں بہتر بنزدیک خردمند کہ فرزندان ناہموار زایند

یعنی حاملہ عورتیں اگر زچگی کے وقت سانپ جنیں ۔ تو عقلمند آدمی کے نزدیک یہ اس سے بہتر ہے ۔ کہ وہ ناخلف بیٹے جنیں ۔ پس برے آدمی تو باہر کے سانپ یا شیطان ہیں ۔ اور نفس نامی شیطان انسان کے پیٹ والا سانپ ہے ۔ فاقع کے معنے تروتازہ اور شوخ بھی ہیں ۔ چونکہ من تھکتا نہیں ۔ ہر وقت تازہ دم اور شوخ یا تیز مزاج ہے ۔ خیال کرتے ہی ہزاروں میلوں پہ پہنچ جاتا ہے ۔ اس لئے یہ بھی من پہ ہی دلالت کرتا ہے ۔

۴ ۔ "تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ" اس کے معنے یہ کئے جاتے ہیں کہ "دیکھنے والوں کو بھلی لگے" ۔ لیکن یہ صفت گائے کی نہیں کہی ۔ بلکہ بتایا ہے ۔ کہ بقرہ وہ ہے ۔ جو اہل نظر کو بھلا لگتا ہے ۔ اور بھلا لگنا بھی موزوں لفظ نہیں ہو سکتا ۔ سَرَّ کے معنے خوشی شادمانی مسرت تا ہے ۔ چونکہ من ہی اہل نظر کو مسرت دیتا ہے ۔ یا من سے ہی تمام چیزیں مرغوب ہو سکتی ہیں ۔ آنکھ وغیرہ سے نظر آنے والی شے بھی سامنے پڑی ہو ۔ مگر من کی ادھر رغبت یا توجہ نہ ہو ۔ تو نظر نہیں آتی ۔ اس لئے ناظرین کو خوشی دینے والا یا دنیا کی اشیاء کو انسان کے لئے مرغوب بنانے والا بقرہ بھی من ہی ہے ۔ اور جو من روح کے قابو میں ہے ۔۔۔ ہے ۔ اس کا تو کہنا ہی کیا ہے ۔ سچے ناظر یا گیانی کے لئے وہ موجب راحت ہے ۔ اور نفس کو جیتنے والے جب گیان حاصل کرتے ہیں ۔ تو انہیں سچا سرور یا آنند ملنا بھی مسلم ہے ۔

۵ ۔ آخری بات یہ بتائی گئی ۔ کہ بقرہ نہ تو زمین جوتنے کے لئے انسان کے مطیع کیا گیا ہے ۔ نہ پانی دینے کے لئے ۔ چونکہ بقرۃ بیل اور گائے دونوں کے لئے آ سکتا ہے ۔ اور یہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا ۔ کہ یہ زمین جوتنے یا پانی دینے کے لئے انسان کے مطیع نہیں کیا گیا ۔ بلکہ حق یہ ہے کہ بیل ۔ گائے پر ہی کھیتی کا مدار ہے ۔ کہیں گائے سے ہل جوتنا وغیرہ کا کام نہیں لیا جاتا ۔ تو اس کے بیٹوں سے تو لیا جاتا ہے ۔ پس یہ بیان بھی گائے پر نہیں ۔ من پر ہی چسپاں ہوتا ہے ۔ ہل جوتنے یا کھیتی کی اغراض والا بقرہ یہاں مقصود نہیں ۔ بلکہ وہ بقرہ جو ان کاموں میں نہیں آتا ۔ وہی مراد ہے ۔ اور یہ ظاہر ہے ۔ کہ من ان کاموں کے لئے مقصود نہیں

۶ ۔ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا سے بھی من ہی کی مراد ہے ۔ جب کہا گیا ہے ۔ کہ بقرہ زیر بحث کھیتی کے کام کے لئے انسان کے مطیع نہیں کیا گیا ۔ تو سوال پیدا ہوا ۔ کہ پھر کس کام کے لئے مطیع کیا گیا ہے ۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ۔ کہ صحیح و سالم رکھنے یا سلامتی کے لئے دیا گیا ہے ۔ اس لئے نہیں ۔ کہ گناہوں سے داغدار کیا جاوے ۔ وید میں جو من کی پوترتا کو ستیہ سے قائم رکھنے کی ہدایت ہے ۔ اور من کو شبھ سنکلپ بنانے کی اسی غرض کا اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے ۔ شِيَةَ لفظ سے مراد وہ دھبہ یا داغ ہے ۔ جو سارے وجود کے رنگ سے مختلف ہو ۔ مگر من کا وصف یہ ہے کہ اس میں ایک وقت میں ایک ہی خیال رہتا ہے

اس میں دوسرے رنگ کی سمائی نہیں۔

(۷) آیت ۷۱ میں جو یہ کہا۔ کہ ہاں اب تو صحیح پتہ لایا۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ آخر ان کو پتہ لگ گیا۔ یا سمجھ آ گئی۔ کہ بقر سے کیا مراد ہے۔ اور یہ کہ بقر والا سارا مضمون محض ایک معمہ یا بجھارت ہے۔ جیسے یہ پہیلی ہے۔ کہ

یکے مرغ دیدم نہ پائو نہ پر — نہ از شکم مادر نہ پشتِ پدر

نہ بر آسمان و نہ زیرِ زمیں — ہمیشہ خورد گوشت آدمی

پہلے کہا میں نے ایک جانور دیکھا۔ حالانکہ یہ جانور کا نہیں۔ بلکہ غم کا بیان ہے۔ پھر کہا۔ اس کے نہ پاؤں ہیں نہ پر۔ جواب دینے والا سوچتا ہے کہ وہ جانور ہی کیا ہوگا۔ جس کے نہ پر ہوں نہ پیر۔ مگر جب یہ سنا کہ نہ وہ ماں کے پیٹ سے ہے۔ نہ باپ کی نسل سے۔ تو حیرانی اور بھی بڑھ گئی۔ بغیر ماں باپ کے کوئی جانور ہو نہیں سکتا۔ اس لئے مجیب نے سمجھ لیا۔ جانور کا لفظ فرضی ہے۔ در اصل مراد کسی اور چیز سے ہے۔ اس پر اور پتہ ملا۔ کہ نہ آسمان پر ہے۔ نہ زمین پر۔ مگر کام یہ کرتا ہے۔ کہ ہمیشہ انسان کا گوشت کھاتا ہے۔ یہ سنتے ہی مجیب کو یاد آتا ہے۔ کہ چنتا یا غم کی بابت سنا ہوا ہے۔ کہ انسان کو کمزور دُبلا پتلا کرنا۔ اور گوشت وغیرہ کو نہیں دیتا۔ اس لئے وہ اوپر کی سب باتوں کو اس پر عائد کرتا۔ اور جب تسلی ہو جاتی ہے۔ تو کہتا ہے۔ کہ ہاں ہاں ایسا جانور غم ہے۔ بعینہ بقر کی سب علامات سُن کر آخر میں موسیٰ کے لوگوں کو معمہ کی سمجھ آ گئی۔

۸۔ وہ سمجھ کیا آئی۔ یہ کہ بقر یہاں من یا نفس کو کہا جا رہا ہے۔ کیونکہ جب یہ کہا۔ کہ انہوں نے اس (بقر) کو ذبح کیا۔ تو آگے اس کو یوں لکھا کہ" اور جب تم نے نفس کو قتل کیا۔ تو تمہیں اس نفس کشی میں صحیح معنوں میں ادراک یا نور حاصل ہوا" جو لوگ فَادّٰرَءْ تُمْ فیھا کے معنے یہ کرتے ہیں۔ کہ وہ اس کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ جس درء مادہ سے اُدّٰرِءَ مشتق ہے۔ اس کے معنے دفع یا دور کرنا ہے۔ جھگڑنا نہیں۔ اور چونکہ پہلی آیات میں کہا گیا تھا۔ کہ بقر کے متعلق ہمیں شبہات ہیں۔ اس لئے جب ٹھیک پتہ ملا۔ تو شبہات کا دفع یا دور ہونا ہی لازمی تھا۔ نہ کہ جھگڑنا۔ اور جب شبہات دور ہوئے تو چیز کی حقیقت کا انکشاف یا اس کے متعلق روشنی ملنا ہی کہا جا سکتا تھا۔ اس لئے ہم نے نور حاصل کیا۔ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چونکہ یہاں آخری نتیجہ نفس کشی کا لکھا ہے۔ اور نفس یا من کو قابو کرنے پر ہی انسان عالم مراقبہ میں صحیح علم کا نور حاصل کرتا ہے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے۔ کہ شروع سے حکم و ذکر نفس کو قابو یا قتل کرنے کا ہی چلا آتا ہے۔

(۹)۔ آیت ۷۲ میں جو یہ کہا۔ کہ اللہ تمہارے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرتا ہے یا اس کو ظاہر کرتا ہے جو تمہارے اندر نہاں ہے۔ یہ بھی پُرزور تائید ہمارے دعوے کی کرتا ہے۔ کیونکہ رشی لوگ من کو مار کر یا اس کے تعلقات کو علیحدہ کر کے ہی اپنے اندر دھیان کرتے اور علمی کمالات کا دیدار پاتے ہیں۔

۱۰۔ اس سے پہلے آیت ۷۱ میں یہ کہا۔ کہ انہوں نے اس کو ذبح کیا۔ مگر کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے۔ یہ الفاظ بھی اصل حقیقت کے متعلق قطعی فیصلہ دیتے ہیں۔ اگر مجسم گائے ذبح ہوتی۔ تو یہ فعل سب کو نظر

آسکتا تھا۔ مگر جس تذبیح بقر کا ان آیات میں بیان ہے۔ وہ معلوم نہ ہوئی۔ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ کا سوائے اس کے کوئی مفہوم نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ من یا نفس پر قابو پانے کا فعل اندر ہی اندر سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہرا ہوتے ہوئے معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ بیان من کے متعلق ہی صحیح ہے۔

۱۱۔ آخری یعنی ۷۳ آیت میں اس ہدایت کو انسانوں پر چسپاں کرنے کو کہا گیا ہے۔ جو قابل غور ہیں۔ جس کسی کو نفس کشی سے نور حاصل ہوگا۔ وہ گویا نئی زندگی پائے گا۔ اور اپنی مثال سے نبھائے گا۔ کہ خدا کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ نیز اپنی آیتوں کے اندر حقیقی علم دکھاتا ہے۔ اور لوگوں کی عقلوں کو روشن کرتا ہے۔ رشی لوگ سمادھی میں وید منتروں کے جو معانی دیکھتے تھے۔ اسی کی طرف یہاں اشارہ ہے۔ اور نیز نفس کشی کی ضرورت اس سے واضح کی گئی ہے

۱۰۴۔ قابل غور حقیقتیں

۱۔ ویدک دھرم میں پنچ مہا یگیہ ہر روز کرنے کی ہدایت ہے۔ اور خاص قسم کے اور یگیہ مختلف موقعوں کے لئے رکھے گئے ہیں انسان کی حالت کی تبدیلی کے خاص مرحلوں پر جو یگیہ ضروری ہیں۔ انہیں سولہ سنسکاروں کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ کل انسانوں کے لئے موسموں کی تبدیلی وغیرہ کے ساتھ یا اور ضروریات کی تکمیل کے واسطے جو یگیہ کئے جاتے ہیں۔ ان کا نام تیوہار بھی ہے۔ قطع نظر ان کے خاص یگیوں میں سے تین یگیہ مشہور مروّج تھے۔ اشومیدھ۔ نرمیدھ۔ گومیدھ

اشومیدھ یگیہ یہ تھا۔ کہ راجہ انصاف کرے۔ دھرم سے رعیت کو پالے۔ اور ایسا یتن کرے۔ کہ علم و ہدایت دینے والوں کا علم وغیرہ بڑھتا جائے۔ نیز آگ میں گھی وغیرہ کا ہوم کرے۔ نرمیدھ یہ تھا۔ کہ مرنے کے بعد انسانی جسم کو ایسے عمدہ طریق پر جلایا جائے۔ کہ اس کی لاش سے دوسرے لوگوں کی صحت پر مضر اثر نہ ہو۔ گومیدھ کا مطلب یہ تھا۔ کہ ان اناج زمین وغیرہ نیز حواس خمسہ اور من۔ بدھی وغیرہ اندرونی حواس کو پاکیزہ رکھا جائے۔ مگر جہالت کے زمانے میں اشومیدھ کی صورت یہ ہوئی۔ کہ گھوڑے کو مار کر یگیہ یا ہوم میں ڈالا جائے۔ نرمیدھ کے معنے انسان کی اور گومیدھ کے معنے گائے کی قربانی ہوئی۔ اور اسی گومیدھ کو عربی زبان میں خاص زمانے میں بقر عید کا نام دیا گیا۔ اگر علم کا قاعدہ جاری رہتا۔ اور گو لفظ کے مصدری معنے بھولا نہ دیئے جاتے۔ اور انسان جہاں اپنی سب طاقتوں کو پاک رکھتا۔ وہاں تمام دنیوی اشیاء کو جن سے اس کا تعلق ہوتا۔ نہایت مفید طریق پر اپنے استعمال میں لاتا۔ گو لفظ اپنے مصدری معنے کے لحاظ سے ہر گتی یا حرکت والی شے کے لئے آتا ہے۔ سورج کی کرنیں کہاں سے کہاں پہنچتی ہیں۔ انسانی جسم والی اندریاں کس طرح اصول حرکت کے زیر اثر جسم کی مشینری کو چلا رہی ہیں۔ زمین سورج کے گرد اور اپنے محور پر دو گردشیں کر رہی ہے۔ اس لئے ان سب کو گو کہہ سکتے ہیں۔ دنیا میں جب بھی پاپ بڑھا۔ اور کسی بڑے آدمی کا ظہور ہوا۔ اہل مذہب نے اس کا بیان یوں کیا۔ کہ پرتھوی نے گئو کی شکل میں پرمیشور سے پرارتھنا کی۔ یہ گئو کی شکل زمین کو اس لئے دی گئی۔ کہ گو کے مصدری معنے کے مطابق زمین پر گو کے لفظ کا اطلاق ہونا بجا ہے۔

ہٹ یوگ پر دیپکا میں زبان کے لئے گو شبد آیا ہے۔ اس لئے کہ منہ کے اندر یہ بھی حرکت کرتی ہے۔ اور

جیوا کو خاص عمل کر کے نالو میں لٹکاتے یا بے حرکت رکھنے کو یہ لوگ گو مانس بھکشن کہتے ہیں۔ اس طرح گو کے مختلف معنے ظاہر ہیں۔ مگر سب سے زیادہ موزوں یہ ہے۔ کہ اس سے من مراد لی جاوے۔ کیونکہ سارے جسم میں ایسا عضو کوئی نہیں۔ جو من کے برابر تیزی سے حرکت کرے۔ اور اسی لئے گومیدھ سے نفس کشی کا ہی مفہوم نکلتا ہے۔ چونکہ عربی قرآن قدیم تعلیم کی صداقتوں کو ہی پھیلانے کا دعوے کرتا ہے۔ اور عربی میں گو کے مقابلے پر کوئی لفظ سوائے بقر کے مل نہ سکتا تھا۔ اس لئے نفس کشی کے مفہوم والے گومیدھ کا ترجمہ تذبیح بقر ہی ہو سکتا تھا۔ اور وہی کیا گیا۔

دوم۔ گائے گھوڑا وغیرہ نرم مزاج حیوانات کے ساتھ انسان کا تعاون ہے۔ یہ بھی گویا آدم کے آگے جھکنے والے فرشتوں میں سے ہیں۔ اور انسان کے مطیع کئے گئے ہیں۔ سورۃ المائدہ میں بہیمۃ الانعام کو جو حلال بتایا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی محض یہ ہے۔ کہ انسان اپنی مرضی کے مطابق ان سے کام لے اور کھیتی۔ باربرداری یا سواری کا اور اس کے عوض میں ان کی حفاظت و پرورش کرے۔ ان چوپایوں کی یہ اطاعت اور انسان کی طرف سے ان کی پرورش گویا باہمی تعاون ہیں۔ اور قرآن فرماتا ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

کہ یہ تعاون نیکی اور پرہیزگاری کا ہو۔ گناہ اور ہنسا کا نہ ہو۔ چونکہ تذبیح گاؤ میں نہ نیکی ہے۔ نہ پرہیزگاری اور تعاون کا سلسلہ بالکل ٹوٹتا ہے۔ گناہ اور ہنسا کا اس سے تعلق رہتا ہے۔ اس لئے قرآن کے الفاظ سے تذبیح گاؤ کا مطلب نکالنا اس کی اصل اور سچی سپرٹ کا ناش کرنا ہے۔

سوم۔ یجر وید ادھیائے ۳۴ میں من کے عجیب و غریب اوصاف کا بیان ہے۔ تمام نیک کام۔ عمدہ انتظام علوم کا حصول۔ پاک اوصاف۔ راحت جو پرشور علیم کل۔ موجود کل اور شاہد کل نیز طاقت کل ہے۔ اس کی صنعتوں اور حکمتوں کا ظہور اور جہالت وغیرہ کا دفعیہ سب کچھ اس من کے ذریعہ انسانوں میں جلوہ گر ہو رہا ہے۔ خواب اور بیداری ہر حالت میں دور دور پہنچنے والا۔ نہایت تیز۔ ہر دم تازہ دم یہ من شیو سنکلپ نہ ہو۔ تو تباہی اور بربادی کے سوا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن اس مدعا کو مدنظر رکھ کر ہی کہتا ہے کہ یہ سلامت اور بے داغ یا پاک رکھا جانے کو نہیں دیا گیا ہے۔ جہاں گائے بیل کی جاتی ہل چلانے اور پانی دینے کو ہے۔ وہاں بقر نفس اس لئے ہے۔ کہ کنول کی طرح پانی میں رہے۔ اور دنیوی کام کرتا ہوا بھی اس سے الگ کا الگ رہے۔ خواہشات میں مستغرق یا گناہ آلودہ من نہ خدا سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ اس کا مالک انسان مقبول بارگاہ الہی ہو سکتا ہے۔ لہذا اس کا بے داغ ہونا ضروری ہے۔

چہارم۔ جو لوگ قربانی کے نام سے تذبیح گاؤ کا جواز تسلیم کرتے ہیں۔ انہیں واضح رہے۔ کہ یہ لفظ یگیہ کی جگہ ہے۔ خدا کے نام پر قربانی دینا یا خدمت خلق کے لئے وقف کرنا یا ہونا سب یگیہ کا ہی مفہوم رکھتا ہے۔ اور یگیہ ایذا رسانی یا ہنسا سے پاک ہے۔ گائے کا ایک نام اگھنیا ہے۔ یعنی نہ ماری جانے والی۔ اور یگیہ کو ادھور کہا جاتا ہے یعنی ہنسا سے الگ۔

پنجم۔ ویدک دھرموں میں نفس کشی کے متعلق نہایت زوردار ہدایات موجود ہیں۔ اور من کے ہارے ہار ہے۔ من کے جیتے جیت یا من جیتے جگ جیت وغیرہ کے اقوال عام انسانوں تک کے علم

میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف کتھاؤں اور داشتہ حات سے بھی نفس کشی کی عظمت کا سکہ بٹھایا جاتا ہے مثلاً مشہور ہے۔ کہ راجہ جنک وصل خدا کرانے والے کو منہ مانگی دکھشا دینے کا اعلان کرتا ہے۔ عالم لوگ جمع ہوتے ہیں۔ مگر راجہ کی مراد بر نہیں آتی۔ بیچرجا سن کر ایک نہایت کمزور کبڑے اشٹا بکر نام رشی پہنچتے۔ اور یہ عہد کرتے ہیں۔ کہ ہم برہم کا درشن کرائیں گے۔ مگر یہ بتاؤ دکھشا کیا دوگے۔ راجہ کہتا ہے۔ آپ چاہیں تو سارا خزانہ لے لیں۔ رشی کہتے ہیں۔ خزانہ تو رعیت کی امانت ہے۔ آپ مجھے وہ چیز دیں جو آپ کی ہے۔ راجہ کہتا ہے۔ میں اپنے سارے دیش کا راج دے سکتا ہوں۔ رشی جواب دیتے ہیں۔ ملک تو زبردست کا ہے۔ کل کوئی اور راجہ چڑھائی کر کے تم سے حکومت چھین سکتا ہے۔ راجہ سوچ کے بعد کہتا ہے۔ میں اپنا بیٹا دیدونگا رشی کہتے ہیں جسے تو بیٹا کہتا ہے۔ اسے تیری رانی بھی بیٹا کہتی ہے۔ میں وہ چیز لے سکتا ہوں۔ جو خالص آپ کی ہو۔ راجہ کہتا ہے۔ تو اچھا میں اپنی رانی دے سکتا ہوں۔ رشی کہتا ہے۔ تو رانی کو اپنی کہتا ہے۔ اور وہ تجھے اپنا کہتی ہے۔ پس پہلے تو یہ فیصلہ ہو کہ تیری رانی ہے یا تو رانی کا ہے۔ پھر جسے تو اپنی رانی کہتا ہے۔ تیرا بیٹا اسے اپنی ماتا کہتا ہے۔ الغرض راجہ ہر طرح لاجواب ہو کر کہتا ہے۔ اچھا تو میں آپ کو اپنا من دکھشا میں دیتا ہوں۔ رشی کہتے ہیں۔ یہ بھی تیرا نہیں ہو سکتا۔ مگر خیر چونکہ تیرے پاس اپنا کچھ ہے نہیں۔ اس لئے میں اسے قبول کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ چل پڑتے ہیں۔ کہ کل ہم درشن کرا دیں گے۔ سو رشی چلے گئے۔ راجہ محل میں پڑے ہیں۔ نہ حرکت کرتے ہیں۔ نہ بولتے ہیں۔ نہ سوچتے ہیں۔ جب من رشی کا ہو چکا۔ تو راجہ اس سے اپنے کام کا وچار کیسے کرے۔ ساری رات ویسے ہی نشانت پڑے رہے۔ اگلے روز رشی آتے ہیں۔ تو راجہ بلانے پر بھی نہیں بولتا۔ رشی حقیقت کو سمجھ جاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ راجہ میں تمہیں تمہارا من واپس دیتا ہوں۔ اس سے میرے سوال کا جواب دو۔ راجہ فوراً اٹھتا اور رشی کے پاؤں پکڑ کر کہتا ہے۔ کہ رشی ورا مجھے برہم مل گیا۔ ٹھیک یہی فلاسفی قرآن کے ان الفاظ میں ہے۔ کہ انہوں نے بقر کو ذبح کیا۔ مگر ذبح کرتے ہوئے معلوم نہ ہوئے۔ اور جب وہ نفس کشی کر چکے۔ تو انہیں نور مل گیا۔ فی الحقیقت نفس کی قربانی کے معنے ہی یہی ہیں۔ کہ روح کو اس سے الگ کیا جا سکے۔ تاکہ بجائے دنیوی تعلقات کے خدا سے روح کا تعلق ہو۔ اور سچ پوچھو۔ تو قربانی ہے ہی وہی جو خدا کا قرب دلاتی ہے۔ اور اس کا راز نفس کشی میں ہے۔

ششم :۔ جہاں نفس کشی کو وصل خدا کا موجب بتایا گیا ہے۔ وہاں نفس کو برائی کے موقع نہ دینے کے لئے خاص تمثیلیں بھی دی جاتی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ کہ ایک سیٹھ کو ایک شخص نوکری کی درخواست دیتا ہے۔ تنخواہ پوچھی جاتی ہے۔ تو کہتا ہے۔ میں کچھ نہیں لوں گا۔ صرف ایک شرط پر کام کروں گا۔ کہ مجھے لگاتار کام ملتا رہے۔ اگر نہ ملیگا۔ تو میں خالی نہ بیٹھوں گا۔ جو چاہو نگا نقصان کا کام کرونگا۔ سیٹھ نے کہا۔ یہ تو دونوں باتیں فائدے کی ہیں۔ کہ تنخواہ دیں گے نہیں۔ اور کام ہر وقت لے سکیں گے۔ الغرض نوکری ہو گئی۔ اور نوکر کام کرنے لگا۔ وہ ایسا تیز نوکر ثابت ہوا۔ کہ ہر کام آن کی آن میں ختم۔ سیٹھ کو ہر وقت کام کی فکر پڑی۔ اور جب مجبور ہو گیا۔ تو اس نے اسے پڑوسیوں کے کام پر لگا دیا۔ مگر وہ بھی ختم۔ سیٹھ حیران ہے اب کیا کام بتاؤں۔ مگر نوکر اس کے سوچنے کے وقت میں بھی خالی نہیں رہتا۔ ادھر برتن گراتا۔ ادھر چارپائی پھینکتا۔ کہیں کپڑے پھاڑتا اور کہیں مکان گراتا ہے۔ سیٹھ کی سب خوشی غمی میں تبدیل ہو گئی۔ اور

وہ سخت تکلیف محسوس کرنے لگا۔ اتفاق سے ایک مہاتما پہنچے۔ سیٹھ صاحب نے اس نوکر سے آپ کی سیوا کرائی۔ اور بھوجن آدی کے بعد ہاتھ جوڑ کر اپنا قصہ سنایا۔ کہ میں اس نوکر کے ہاتھوں ایسی مصیبت میں گرفتار ہوں۔ مہاتما بولے۔ یہ کیا بڑی بات ہے۔ معمولی سے علاج سے آپ کی تکلیف دور ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ صحن میں ایک اونچا کھمبا گاڑ دو۔ اور جب یہ خالی ہو۔ تو اسے کہدو۔ کہ اس کھمبے پر چڑھتے اور اترتے رہو۔ یہ کام چونکہ ختم ہو ہی نہ سکتا تھا۔ اس لئے سیٹھ کو ازحد خوشی ہوئی۔ اور وہ اس طریق سے تمام نقصانوں سے بچ گیا۔

اس مثال والا نوکر من ہے۔ جو ہر کام کے لئے پھرتی اور تیزی دکھاتا ہے۔ اور جونہی کام نہیں ملتا۔ گندی۔ شرارت و عداوت کی باتیں سوچنے لگتا ہے جس سے روح کی تمام نیک کمائی نشٹ ہونے لگتی ہے اور اس نقصان سے بچنے کے لئے ایشور کا دھیان یا اس کے نام کا جپ بطور کھمبا کے ہے۔ ضرب المثل ہے کہ

آدمی زاد چوں شود بیکار　باشود دزد یا شود بیمار

موسےا کے لوگوں سے اگر بچھڑے کے بت کی پوجا کرائی۔ تو اس شیطان نفس نے کرائی جس نے موسیٰ کی غیر حاضری میں ان کو بے صبر کر دیا۔ پس قرآن کا فرمان ہے۔ کہ اس نفس کو ذبح کرو۔ یعنی اسے اپنے وش میں رکھو۔

۱۰۵ قربانیٔ حیوانات کی ممانعت

گائے کو ذبح کرنے کا ہرگز ہرگز کوئی بیان نہیں۔ اس کے لئے ایک زبردست ثبوت یہ ہو سکتا ہے۔ کہ قرآن میں قربانیٔ حیوانات کی اصولاً ہر کہیں ممانعت ہی ممانعت ہے۔

۱۔ سورۃ الحج آیت ۳۷۔ لَن يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ ط وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ

خدا کو نہ تو ان کے گوشت ہی پہنچتے ہیں۔ اور نہ ان کے خون۔ بلکہ اس تک پہنچنے والی تمہاری پرہیزگاری ہے۔ خدا نے یوں ان کو تمہارے مطیع کر رکھا ہے۔ کہ اس نے جو تمہیں ہدایت دی ہے۔ اس کے مطابق تم اس کی مہما گاؤ۔ اور نیک عملوں کو بشارت دو"

یہ آیت ہماری رائے میں قرآن کا قطعی فیصلہ سناتی ہے۔ کہ مروجہ قربانی اور گوشت خوری اصولاً ممنوع ہے۔ جو لوگ کہیں بھی قرآن کے ترجمہ میں اس کسوٹی کو نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ قرآن کے اصل مدعا کو زائل کرتے اور نیز اس پر اجتماع ضدین کا الزام لگا کر اس کی بے حرمتی کرتے اور کراتے ہیں۔ اس آیت میں بھی تقویٰ پر ہی زور دیا ہے۔ اور تقویٰ کا تقاضا ان غریب حیوانات کی حفاظت اور پرورش ہی ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ المائدہ اور کئی سورتوں میں یہ بھی اعلان کر دیا ہے۔ کہ یہ حیوان کھیتی۔ باربرداری۔ سواری وغیرہ کے متعلق تمہاری خدمت یا تمہارے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تمہیں دیئے گئے ہیں۔ ان کے فوائد کا خیال کر کے خدا کی تعریف یا اس کی بڑائی کرو۔ بائیبل یسعیاہ۔ باب ابیں ہے۔

تمہارے ذبیحوں کی کثرت سے مجھے کیا کام۔ میں مینڈھوں کی سوختنی قربانیوں سے اور فربہ بچھڑوں کی چربی سے سیر (بیزار یا تنگ) ہوں۔ اور بیلوں اور بھیڑوں اور بکروں کا لہو نہیں چاہتا۔ جب تم اپنے

نہیں میرے حضور آکے دکھاتے ہو۔ تو کون تم سے یہ چاہتا ہے۔ کہ میری بارگاہوں کو روندو۔ اب آگے کو جھوٹے ہدیے مت لاؤ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب تم اپنے ہاتھ پھیلاؤ گے۔ تو میں تم سے چشم پوشی کرونگا۔ اور جب تم دُعا پہ دُعا مانگو گے۔ تو میں نہ سنوں گا۔ تمہارے ہاتھ تو خون سے بھرے ہیں"

گویا حیوانوں کی قربانی کرنے اور گوشت کھانے والے اس بات کے مستحق ہی نہیں۔ کہ خدا کے دربار میں حاضر ہوں۔ یا ہاتھ پھیلا دعا مانگ سکیں۔ جن کے ہاتھ خون سے بھرے ہیں۔ ان کی طرف نہ التفات ہوگی۔ نہ ان کی دُعا سُنی جائے گی۔

۲۔ اسی سورۃ کی ۳۲ آیت میں ہے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔
اس میں اس تقوٰے کی توضیح ہے۔ جو آیت ۳۷ میں مذکور ہے۔ یعنی دلی تقوی یہ ہے۔ کہ خدا کی نشانیوں کی تعظیم کی جائے۔

۳۔ ان حیوانات کو کہیں رزق کہا ہے۔ کہیں رزق کا ذریعہ۔ کیونکہ انہی کے تعاون سے انسان کو وجہ معاش ملتی ہے۔ آیت ۲۸ میں کہا ہے۔ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ اور ان مقررہ دنوں (ایام حج) میں خدا کے نام کی یاد کرو۔ کہ اس نے تمہیں ان انواع حیوانوں کی قسم کا رزق دیا ہے۔

۴۔ آیت ۳۶ میں ان حیوانات کو حرمت اللہ کہکر ان کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اسے خدا کے نزدیک بہتر بتایا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ المائدہ میں ان حیوانات سے جو تعاون مذکور ہے۔ اس کا اشارہ کرکے کہا ہے۔ کہ بتوں والی ناپاکی اور جھوٹ بات سے بچو۔ یعنی بتوں کے آگے قربانی چڑھانے کا جو ناپاک عمل جاری ہے۔ اور جو جھوٹ ہے۔ تم اس کو ہرگز نہ کرو۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

ہم نے تمام امتوں کے لئے یہ ویدی یا عبادت گاہ بنادی ہے۔ کہ جو رزق اہنک چوپایوں کی شکل میں یا ان کے ذریعے ملا ہے۔ اس پر خدا کی یاد کرتے رہو۔ سو تمہارا معبود خدا اسے واحد ہے۔ اسی کی فرمانبرداری کرو۔ اور اہنسا وادی لوگوں کو خوشخبری سنادو۔ یعنی ان لوگوں کو جن کا دل خدا کا ذکر آتے ہی پگھل جاتا ہے جو مصیبت کا صبر اور برداشت سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اور جو عبادت میں قائم اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرنے والے ہیں۔ ۳۵۔ اور ہم نے انسانی جسموں کو تمہارے لئے خدا کی نشانیوں میں سے بنایا ہے۔ ان میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ (کیونکہ انسانی قالب نجات کا دروازہ ہے) پس تم ان پر صف بستہ ہو کر اللہ کے نام کی یاد کرو۔ اور جب وہ ہر لحاظ سے پختہ ہو جاویں۔ ان کے ذریعے کما کر کھاؤ۔ اور قانع اور مصیبت زدہ لوگوں کو بھی کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ تاکہ تم شکر کرتے رہو۔

نوٹ۔ آخری ۳۶ آیت کا لفظ اَلْبُدْن جمع ہے۔ بدنۃ کی اور حقیقت میں یہ انسانی بدن کے معنے میں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ اونٹ کی قربانی کرنے والوں کے عمل کو مدنظر رکھ کر مفسرین نے بوجہ جسم کی جسامت و فربہی کے اونٹ پر اس کو لگایا ہے۔ سو اگر اس اَلْبُدْن کو اونٹ کے لئے سمجھیں۔ تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا۔

اب اونٹ کو لو۔ ہم نے تمہارے لئے یہ بھی اللہ کی خاص نشانی بنائی ہے۔ اس میں تمہارے لئے بڑی بہتری ہے۔ پس ان کا دودھ دوہتے ہوئے اللہ کے نام کی یاد کرو۔ اور جب وہ بچہ جنے۔ اس کے ذریعے خود کھاؤ۔ اور اہلِ قناعت و حاجت کو کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے کام پر لگا رکھا ہے۔ تاکہ تم شکر کرتے رہو۔

۶۔ سورۃ المایدہ آیت ۲ میں بطور شرعی حکم یا مستقل ہدایت کے کہا ہے۔ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ یعنی اللہ کی نشانیوں کو نہ مٹاؤ۔ اور چونکہ تمام حیوانات اللہ کی نشانیاں ہیں۔ لہذا ان کو ذبح کرکے ان کو مٹانے کی صورت میں قربانی کرنا ممنوع ہے۔ سورۃ الحج کی آیت ۳۷ جو عام اُصول پیش کرتی ہے۔ وہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اور قرآن اجتماع ضدین کا محل ہو جاتا ہے۔ اگر کسی بھی اور آیت سے مروجہ قربانی و گوشت خوری ثابت کی جاوے۔ ہماری رائے یہ ہے۔ کہ اس مضمون کے متعلق قرآن متضاد بیانات نہیں دیتا۔ یاں غلط ترجموں کی بدولت ایسا نقص واقعہ ہو رہا ہے۔ اوپر جو آیات سورۃ الحج کی ہم نے پیش کی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قربانی کا رد ہی رد قرآن میں موجود ہے۔ اور جیسے وید کی ہدایت ہے۔ کہ سب چیزیں یگیہ میں لگیں۔ یعنی ان کا نیک استعمال کرکے انہیں بنی نوع انسان کے لئے فیض رساں بنایا جاوے۔ اسی طرح یگیہ کا قرآن اعادہ کرتا ہے۔ چنانچہ ان مظہرات الٰہی کی قدر و منزلت یا عزت و عظمت کی ہدایت کا لازمی تقاضا ہے۔ کہ انہیں قائم رکھا جاوے۔

۷۔ آیت ۳۴ میں فرمایا ہے۔ کہ ان حیوانوں پر ہی انسان کے رزق کا انحصار ہے۔ لہذا ان کا میسر ہونا تقاضا کرتا ہے۔ کہ اس خدائے واحد کی یاد کی جاوے۔ اور اس کی ہستی کو تسلیم اور قابل پرستش سمجھا جاوے۔ اور نرم مزاج یا اہنسا وادی لوگوں کو خوشخبری سنائی جاوے۔ مُخْبِتِیْن کے معنے عاجزانہ مزاج کے انسان ہیں۔ جو ظلم اور بدی سے خائف رہتے ہیں۔ اس معنے کو اہنسا وادی لفظ پورے طور پر ادا کرتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ نہ کسی کو ہیڑا دینا چاہتے ہیں۔ نہ دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ قربانی کی مخالفت یہاں مقصود ہے۔ کیونکہ نرم مزاج لوگ ہی جنت کی بشارت کے مستحق ٹھہرائے گئے ہیں۔ پھر ان کے اوصاف یہ بتائے ہیں۔ کہ رقت بھرا دل رکھتے ہیں۔ جو خدا کا نام سنتے ہی پگھل جاتے ہیں۔ مصیبت کا صبر اور برداشت سے مقابلہ کرتے ہیں۔ خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس کے دیئے ہوئے ہر قسم کے رزق کو فیض عام میں لگاتے ہیں۔ نرم مزاج لوگوں کا ذکر کرکے اور ان کی یہ اوصاف بتا کر ایک گونہ جذبات سے اپیل کی گئی ہے۔ کہ کوئی ان بے زبان پر و پکاری جانوروں کا خاتمہ نہ کرے۔ جو محض جہالت ظلم اور سنگدلی کا کام ہے۔

۸۔ آیت ۳۶ میں سب سے پہلا لفظ وَالْبُدْن ہے۔ ہم نے پہلے اسے انسانی جسم پر لگا کر ترجمہ دیا ہے۔ اور پھر غلط العام صحیح کے مصداق اونٹ پر اسے چسپاں کرکے دوسرا ترجمہ دیا ہے۔ مگر کسی بھی صورت میں

اس سے قربانی کا مطلب نہیں نکلتا۔ تاہم دیگر مفسر صاحبان عموماً اس آیت کو اونٹ یا اونٹ اور گائے دونوں کی قربانی پر لگاتے ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب غرایب القرآن میں وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ کے متعلق حاشیہ آرائی کرتے ہیں۔ کہ بُدن جمع ہے۔ بدنۃ کی جس طرح خُشُب خشبۃ کی۔ اور اس سے مراد ہے۔ اونٹ۔ عظیم بدن کی وجہ سے اسے بدنہ کہا گیا۔ مگر بیضاوی صاحب نے گائے کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔ جیسا قال البدنۃ عن سبعۃ والبقرۃ عن سبعۃ بضمر البُدْنَ منصوب ہے۔ فعل مقدر کی وجہ سے جس پر فعل مذکور جعلنا دلالت کر رہا ہے۔" انسان کسی لفظ کو کسی معنے میں لینے کا رواج ڈالدیں۔ جدا بات ہے۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ آنحضرت کا اس سے کیا مدعا تھا۔ فربہ جسم والے انسان بھی ہیں۔ اور اونٹ سے بھی بڑے جسم والا ہاتھی ہے۔ پھر بھی مفسرین اونٹ پر ہی اسے چسپاں کر رہے ہیں۔ مگر چونکہ بہیمۃ الانعام کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اور ان کے فوائد کے لحاظ سے خدا کی یاد اور اس کا شکر کرنے کی ہدایت بھی دی جا چکی ہے۔ اور چونکہ اونٹ ان حیوانات میں شامل ہے۔ اس لئے اب ذکر انسانی جسم کا ہونا ہی ضروری ہے۔ اور جب حیوانوں کو شعائر اللہ کہا۔ تو انسانی جسموں کو کیوں نہ کہا جاوے۔ پھر جو پیغمبر صاحب پرہیزگاری۔ سچی فلاح۔ رقت قلب۔ عبادت الہی وغیرہ کا نام لے کر تذبیح حیوانات سے توجہ ہٹانا چاہتے ہیں۔ ان کی کلام کو اونٹ جیسے مفید جانور کو مارنے اور نعوذ باللہ گائے کو بھی اونٹ کے ساتھ شامل کرنے پر لگانا نہایت خطرناک دیدہ دلیری ہے۔ اللہ کی نشانیوں کو اس کی بزرگی و عظمت کا موجب بنانا۔ ان سے ملنے والی نعمتوں کا بجا استعمال کرنا۔ اور شکرگذاری میں ان سے اہل عالم کو فیض پہنچانا۔ پھر حیوانوں سے آگے انسانی جسم کو ایشوری صنعت کا مظہر سمجھنا۔ اور اس کے بلوغت پاتے پر اس سے نیک کمائی کرنا کے اعلےٰ سلسلہ ہدایت کو چھوڑنا۔ اور انہیں بے رحمی سے مار کر درندہ پن کو انسانی شعار بنانا واقعی قابل افسوس ہے۔

اسی طرح وَجَبَتْ جُنُوبُهَا کے معنے ڈپٹی صاحب سقطت کے کہتے ہیں۔ مگر وجبت۔ وجوب کے معنے ثبوت یا ٹھہر جانا ہیں۔ یہ مصنف بیان القرآن کو تسلیم ہے۔ باوجود اس کے اونٹ کے گر جانے (قربانی کئے جانے) میں دونوں متفق ہیں۔ کیونکہ وجبت الشمس کے معنے غربت یا غروب آفتاب کے لئے جاتے ہیں۔ لیکن غروب آفتاب کا اصل مفہوم کیا دن کا وقت پورا ہو چکنے کا نہیں۔ اور وَجَبَتْ جُنُوبُهَا سے کیا البدن کا انسانی جسم کے لئے مخصوص ہونے پر انسان کا جوان یا بالغ ہونا مراد لینے میں کوئی رکاوٹ ہے۔ لیکن اگر البُدْنَ کو اونٹ پر لگا دیں۔ تو بھی یہاں وَجَبَتْ جُنُوبُهَا کے معنے اونٹ کے ذبح ہو کر گرنے کے نہیں۔ بلکہ بچہ جننے کے وقت کی اونٹنی کی حالت دکھانا مقصود ہے۔ صَوَآفَّ کے معنے صف میں کھڑا کرنے کے لیں۔ تو جب تک قرآن سے یہ ثبوت نہ ملے۔ کہ قربانی کے لئے ان کو اتنی تعداد میں صف بستہ کر کے فلاں طریق پر ذبح کیا جاوے۔ تب تک وَجَبَتْ جُنُوبُهَا کے معنے کسی پہلو پر ذبح ہو کر گرنے کے نہیں لئے جا سکتے۔ اور اگر صراح میں جو صَوَآفَّ کے معنے دیئے ہیں۔" وردو	ناقہ یا بیشتر درپے یکدیگر دوشیدن ناقہ را۔ یعنی اونٹ کا یکے بعد دیگرے دو یا زیادہ دو ہنوں میں دوہنا تو اس آیت سے پہلوؤں پر گرنے کا مطلب محض بچہ جننے کا مفہوم ہی ہوگا۔ ایسا ہی البدن کو انسانی جسم پر لگا کر اور قطار و

میں نماز باجماعت کے ذریعے سارے ارکان نماز پورا کرچکنے کے بعد کھانے وغیرہ کی طرف توجہ کرنے کے معنے
لئے جائیں۔ تو اور بھی بہتر ہے۔ سندھیا میں منسا پرکرما کے منتروں سے ساری طرفوں میں من کو گھمایا۔
اور نمہ کہہ کر جو دل کو جھکایا جاتا ہے۔ یہ بھی وَجَبَتْ جُنُوْبُھَا کے معنے میں آسکتا ہے۔ لیکن اونٹ کی قربانی
کا مفہوم اس سے لینا کسی طرح معقول نہیں ہوسکتا۔ بالخصوص اس لئے۔ کہ اس کے ساتھ ہی اہنسا
وادی لوگوں کو خوشخبری دینے کا ذکر ہے۔ اونٹ کے ذبح کرنے کا کوئی حکم صاف نہیں۔ بلکہ شعائر اللہ
کہہ کر حکم تذبیح کے امکان کو ہی ناممکن بنایا گیا ہے۔ اور اس کی اگلی آیت میں گوشت اور خون کے
خدا کو نہ پہنچنے اور پرہیزگاری وغیرہ کے پہنچنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان جیوانوں کے ذریعے وجہ معاش
ملنے کے بدلے عبادت یا یادِ الٰہی اور شکر گذاری کی تاکید کی گئی ہے۔

۱۰۶۔ نتیجۂ بحث

الغرض سورۃ بقر کی آیات زیر بحث سے قربانیٔ گاؤ کا ہرگز ہرگز
کوئی تعلق نہیں ہے۔ آیت ۵۴ میں نفس کو مارنے کی جو ہدایت تھی۔
اسی کو آیت ۶۷ میں تذبحوا بقرۃ سے ادا کیا۔ اور اسی کی تعمیل کو
آیت ۷۲ میں نفس کشی سے تعبیر کرکے نور حاصل ہونے اور پوشیدہ کمالات کے ظاہر کئے جانے کے مدعا پر
محمول کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ تذبحوا بقرۃ والے حکم اور نفس کے قتل کرنے کو دو جدا واقعات کی رنگت
دی جاتی ہے۔ اس لئے ہم نے ہر دو واقعات سے منسوب شدہ آیات میں ایک ہی عمل نفس کشی کو موجود
ثابت کیا ہے۔ اور یہ امر موجب مسرت ہے۔ کہ بعض مفسرین نے باوجود موقعہ ومحل کے خلاف ترجمہ میں
بقر کی جگہ گائے کا لفظ رکھنے کے بھی تشریح میں نفس کشی کو ہی اصل مفہوم بتایا ہے۔ حمائل التفسیر کا
حسب ذیل فٹ نوٹ اس امر کا کافی ثبوت ہے۔

اب ہم اپنے ترجمے کی تشریح کرتے ہیں۔ انسان کے اندر نیکی بدی کے لحاظ سے تین نفس ہیں۔ اول
نفس امارہ جو بدی کی طرف حکم کرتا ہے۔۔۔ دوم نفس لوامہ جو بدی کے بعد انسان کو ملامت کرتا اور
امارہ کے خلاف نیک باتوں کی ترغیب دیتا ہے۔۔۔ نفس لوامہ اپنی نیک باتوں کی تعلیموں سے
نفس امارہ کی بدیوں کو مارتا رہتا ہے۔ اسی کا نام نفس کشی ہے۔۔۔ سوم نفس مطمئنہ جو
نفس امارہ کے بالکل نیست یا ہلاک ہو جانے کے بعد پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر انسان کی یہ حالت ہوتی
ہے۔ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون ۲/۲ اور وہ راضیہ مرضیہ بن جاتا ہے۔ یعنی وہ خدا کو خوش کرنیوالا
اور وہ خدا کی طرف سے خوش کیا گیا۔ اس مضمون کو جس کی تشریحات سے تمام قرآن بھرا پڑا ہے۔
نہایت مختصر الفاظ میں اس جگہ اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ جب تم نفس کشی کرتے ہو۔ اس وقت
اس نفس کشی سے ایک دوائیت یعنی نور حاصل کرتے ہو۔ اور اللہ بہت سے عجیب عجیب انسانی
کمالات اور قواء کو ظاہر کرنیوالا ہے۔ جو پہلے چھپے ہوئے تھے۔ یعنی تمام انسانی کمالات خدا کے فضل سے
ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ پس ہم نے حکم دیا۔ کہ نفس امارہ کو نفس لوامہ سے مارا کرو وغیرہ۔

گویا راقم کے نزدیک سارا قرآن نفس کشی کی تشریح سے بھرا ہے۔ ہم نے ذبح بقر کو بھی نفس کشی
کے مترادف ثابت کیا ہے۔ اور خدا نے نفس کشی کا حکم اس لئے دیا ہے۔ کہ کمال کی لطیف حقیقتوں

کا انسان پر انکشاف ہو۔ چنانچہ ویدک رشیوں پر علمی رموز کے منکشف ہونے کی خوبی کا مدار بھی من کو وش میں کرنے ہی پر تھا ہماری رائے میں عالمگیر صداقتوں سے جو محبت آنحضرت کو تھی۔ اور ان کی اشاعت کے لئے جو لگن آپ میں تھی۔ اس کا بیّن ثبوت یہ مضمون مہیا کرتا ہے۔ گو لفظ کے متعلق عربی میں بقر کے سوا کوئی اور لفظ نہ ملتا تھا۔ اس لئے آپ نے مجبوری سے بقر ہی رکھا۔ لیکن غلط فہمی کے امکان کو دور کرنے کے لئے آپ نے نہایت عالمانہ طور پر بقر کی حقیقت کو واضح کیا۔ یہ بیان بائبل میں نہیں۔ آپ نے نفس کشی کی قدیم تعلیم کو عام فہم بنانے کے لئے خود یہ بحث لکھی۔ اور بحث کے شروع میں ہی ایسی پر احتیاط عبارت لکھی۔ اور گائے کے متعلقہ عام جذبات کا اس طرح اظہار کیا۔۔۔۔ کہ بقر لفظ سے گائے کا تعلق جدا کرنے کو لوگوں کا جھنجھلانا اور موسیٰ کا معذرت چاہنا بیان کر دیا۔ اور تین سوالوں میں وہ حقیقت بند کی۔ جو نفس کے معنے میں ہی بقر لفظ کو بند کرتی ہے۔ پس اگر ان کا مدعا پورا نہ ہوا۔ اور غلط فہمی اب تک جاری ہے۔ تو آنحضرت کا قصور نہیں۔ ہماری ذہنیتیں اس کے لئے ذمہ وار ہیں۔ کاش کہ ہم اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے خدا سے مدد کے طلبگار ہوں۔ اور خود کوشش کر کے حقیقت کو سمجھ سکیں ؛

۱۰۷ - دھرم سے بے اتفاقی

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ
أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ
وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ
۷۴ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۴﴾ أَفَتَطْمَعُونَ
أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّ
۷۵ فُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا
آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ

عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوكُم بِهِۦ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (٥) أَوَلَا يَعْلَمُونَ
أَنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ (٦) وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ
ٱلْكِتَٰبَ إِلَّآ أَمَانِىَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ (٧) فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ ٱلْكِتَٰبَ
بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ ٱللَّهِ لِيَشْتَرُوا۟ بِهِۦ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ
فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ (٨) وَ
قَالُوا۟ لَن تَمَسَّنَا ٱلنَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ ٱللَّهِ
عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ ٱللَّهُ عَهْدَهُۥٓ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (٩)
بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَٰطَتْ بِهِۦ خَطِيٓـَٔتُهُۥ فَأُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ (١٠)
وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ (١١)

پھر اس کے باوجود تمہارے دل ایسے سخت رہے ۔ کہ گویا پتھر ہیں ۔ بلکہ پتھر سے بھی سخت ۔ کیونکہ ان پتھروں میں بھی ایسے ملتے ہیں ۔ کہ ان سے نہریں نکالی جاتی ہیں ۔ اور کئی ایسے ہیں ۔ جن کے ٹوٹنے پر پانی بہنے لگتا ہے ۔ اور بعض اللہ کے خوف یا قانون سے گر بھی پڑتے ہیں ۔ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں ۔ جو تم کرتے ہو ۔ ۳ ۔ کیا تم یہ توقع رکھتے ہو ۔ کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے ۔ ان میں ایک گروہ ایسا ہے ۔ کہ کلام اللہ کو سنتا ہے ۔ مگر بعد میں دیدہ دانستہ جو عقل میں آتا ہے ۔ اس کے مطابق اس میں تحریف کر دیتا ہے ۔ ۴ ۔ یہ لوگ جب ایمان لانے والوں سے ملتے ہیں ۔ کہتے ہیں ۔ کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں ۔ مگر جب خلوت میں ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہیں ۔ تو کہتے ہیں ۔ کیا جو باتیں اللہ نے ہم پر واضح کی ہیں ۔ تم وہ ان کو بتلا کر انہیں موقعہ دیتے ہو ۔ کہ تمہارے رب کے ہاں تم سے حجت بازی کریں ۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے ۔ ۵ ۔ کیا یہ لوگ جانتے نہیں ۔ کہ علانیہ یا پوشیدہ جو کچھ بھی یہ کریں ۔ خدا جانتا ہے ۔ ۶ ۔ اور ان میں ایسے امی بھی ہیں ۔ جو خالی الفاظ اور نری خیالی باتوں کے سوا کتاب الہی کو سمجھتے ہی نہیں ۔ ۷ ۔ پس افسوس ہے ان پر کہ اپنے ہاتھوں کتاب لکھتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں ۔ یہ خدا کی طرف سے ہے ۔ مطلب یہ کہ کچھ ٹکے کمائیں

پس افسوس ہے۔ ان کے اپنے ہاتھ سے لکھنے پر۔ اور دھکار ہے۔ ان کی ایسی کمائی پر۔ ۸ ۔ اور کہتے ہیں سوائے ان گنتی کے دنوں کے ہمیں آگ چھونے کی نہیں۔ ان سے پوچھو۔ کیا تم نے خدا سے عہد لے لیا ہے۔ جو یہ سمجھتے ہو۔ کہ وہ اپنے عہد کے خلاف نہ کرے گا۔ یا بے جانے بوجھے اللہ کے متعلق انڈسنڈ کہے چلتے ہو۔ ۹ ۔ اصلی حق بات تو یہ ہے۔ کہ جس نے پاپ کمایا اور گناہ کے چکر میں آیا۔ وہ تو دکھ کا سزاوار ہو گیا۔ وہ اسی دوزخ میں رہیں گے۔ ۱۰ ۔ اور جنہوں نے حق کو مان لیا۔ اور نیک عمل کئے۔ وہ اہل جنت ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ۱۱ ۔

۱۰۸۔ تجربے کی باتیں

آیت ۷۳ میں کہا تھا۔ کہ نفس کشی کی کامیابی خال خال کے حصے میں ہی آتی ہے۔ اب آیت ۷۴ میں کہا۔ کہ اس کے بعد بھی تمہارے دل سخت ہی رہے۔ پتھر جیسے سخت بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ مطلب یہ کہ وعظ حق سن کر بھی یہ لوگ اثر قبول نہیں کرتے۔ اپنے غلط خیال پر ہٹ کئے جاتے ہیں۔ جیسے پتھر کو جونک نہیں لگتی۔ اس کے مصداق ان کا دل ہے۔ اور وہ پتھر سے زیادہ سخت اس لئے ہے۔ کہ پتھر تو پھر بھی رگڑ کھا کھا کر گھس جاتا ہے۔ پتھر ٹوٹنے سے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ پتھروں ہی سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ حکم الہی سے پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی پتھر گر پڑتے ہیں۔ مگر یہ لوگ کیا مجال ٹس سے مس تک بھی کریں گو ان کو خدائے علیم سے ہی بُرا بھلا پھل ملتا ہے۔ مبلغوں کا کام محض حق کا پہنچانا ہے۔ عمل نہ کرنے والوں کے متعلق غم کرنا نہیں۔ تو بھی خدا کے اٹیٹ قانون پر مدار نہ رکھ کر کئی مبلغین اس حالت سے نراشا کا شکار ہوتے ہیں۔

آیت ۷۵ و ۷۶ میں کہا ہے۔ کہ یہ توقع رکھ کر تبلیغ نہ کرو۔ کہ وہ ضرور ہی تمہاری بات مانیں گے بلکہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ ان میں سے بہت سے لوگ کلام اللہ کو سنتے اور سمجھتے بھی ہیں۔ مگر دیدہ و دانستہ اس میں ردّ و بدل کرتے اور کلام کو اور کی اور صورت دیتے ہیں۔ یہ دو رخی چال چلتے ہیں۔ اہل ایمان کو تو کہتے ہیں۔ کہ ہم بھی تمہاری باتوں کو مانتے ہیں۔ مگر جب آپس میں ملتے ہیں۔ تو اس امر کو خاص پالیسی بتاتے ہیں۔ کہ ہم نے اس واسطے بات کو طوالت نہ دی تھی۔ کہ مبادا ہماری باتوں کو جان کر ہم سے حجت بازی کریں۔ لیکن ان چالاکیوں کی خدا کے ہاں پیش نہیں جاتی۔ وہ تو ظاہر اور باطن دونوں کو جانتا ہے۔ آیت ۷۸ میں ان کی ایک اور چالاکی بتائی ہے۔ کہ ان میں سے کئی لوگ کتاب الہی کا لفظی پاٹھ کر سکتے ہیں۔ مگر مطلب کو سمجھتے نہیں۔ ہاں من گھڑت باتیں اور ذاتی خیالات سنا سنا کر کلام الہی کا تو نام دیتے ہیں۔ اور اپنی لکھی کتاب کو خدا سے منسوب کر کے جاہل لوگوں سے ٹکے بٹورتے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے۔ لعنت ہے۔ ان کے اس عمل پر۔ اور لعنت ہے ان کی اس کمائی پر۔

آیت ۸۰ میں کہا ہے۔ کہ یہ لوگ حکمت عملیوں اور چالاکیوں سے دھوکا دینے میں کامیابی پاتے ہیں۔ تو اپنے دل میں اپنے آپ کو بڑا چتر سمجھتے ہیں۔ انہیں اول تو اپنے عمل کے بُرے معاوضے کا خیال ہی نہیں آتا۔ اور اگر آتا ہے۔ تو کہہ دیتے ہیں۔ اگر کچھ دن دکھ ملیگا۔ بھی تو کونسی بڑی بات ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے　　　اب تو آرام سے گذرتی ہے

قرآن فرماتا ہے۔ یہ غلطی پر ہیں۔ خدا نے ان سے کوئی عہد نہیں کر رکھا۔ نہ پٹہ لکھ دیا ہے۔ وہ تو مطابق اعمال کے پوری سزا دیگا۔ پاپی کو جہنم اور نیک کو جنت ملیگا۔

دہرم اور سچائی سے گمراہ لوگوں کے متعلق ایسے تجربے ہر ریفارمر کو ہوئے ہیں۔ ویدک تعلیمات کے متعلق جو تبلیغات تحریری اور تقریری ہوئی۔ اور ہو رہی ہیں۔ وہ ایک دنیا پر روشن ہیں۔ اصولاً اس چند روزہ زندگی کی بے بساطی کے باوجود ایسے عمل واقعی قابل افسوس ہیں۔ لیکن عجب قسمت کی مار ہے ان پتھر دلوں پر۔ جن پر کلام الہی کے اعلے ترین وعظ وغیرہ کا اثر ہی نہیں پڑتا۔

۱۰۹ اُمی لوگ

آیت ۷۸ میں کہا ہے۔ کہ ان میں ایسے اُمی لوگ ہیں۔ کہ خالی الفاظ اور محض خیالی باتوں کے سوا کتاب الہی کا مطلب سمجھتے ہی نہیں۔ سوال یہ ہے۔ کہ امی لفظ سے کیا مراد ہے۔ عموماً ان پڑھ کو اُمی کہا جاتا ہے۔ جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ ان پڑھ نکلتا ہے۔ ویسا ہی ان پڑھ آنحضرت کو ظاہر کر کے انہیں اُمی نبی کہا جاتا ہے۔ لیکن درحقیقت اُمی اُم یعنی ماتا سے منسوب ہے۔ حضرت محمد صاحب نہ ان پڑھ تھے۔ نہ اس معنے میں اُمی۔ بلکہ سچ پوچھو۔ تو حضرت محمد صاحب سے بڑھ کر اس زمانہ میں کوئی عالم نہ تھا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ ان دنوں کی گندی علمیت اور شاعری کی طرف ان کا رجحان نہ تھا۔ مگر یہ بھی صحیح ہے۔ کہ علمی اور مذہبی مذاق کے وہ واحد اور اعلےٰ ترین شخص تھے۔ قرآن میں کہیں بھی مطلق ان پڑھ کے لئے امی لفظ نہیں آیا۔ بالخصوص حضرت محمد صاحب کا اپنی مادری زبان عربی پر پورا عبور تھا۔ وہ اس میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ قرآن میں وہ لوگوں کے اس شک کی تردید کرتے ہیں۔ کہ وہ کسی اور شخص کے سکھاتے سے یہ باتیں کہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں جس شخص کے متعلق لوگوں کا شک ہے۔ اس کی زبان تو عجمی ہے۔ اور میری زبان عربی ہے۔ میں جو عربی میں یہ تعلیمات سنا رہا ہوں۔ وہ میری اپنی قابلیت کا ثبوت ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ آغاز عالم سے ملی ہوئی الہامی کتاب کی کچھ آیتوں کو دنیا میں عربی قرآن کی صورت میں کرتا ہوں۔ تاکہ یہاں کے لوگ سمجھ سکیں۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ انہیں عجمی پر بھی علاوہ عربی کے عبور حاصل تھا۔ حضرت خدیجہ کے وسیع تجارتی کام اور حساب کتاب کے متعلقہ کامیابی آپ کی وسیع قابلیت اور تجربہ کا ثبوت تھی۔ پس ان پڑھ ہونے کی وجہ سے ان کو اُمی کہنا و ماننا ہر طرح غلط ہے۔ ام القری (مکہ) کے تعلق سے بھی انہیں امی نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اس صورت میں ہر ساکن مکہ امی ہوگا۔ پس جیسا کہ ہم پہلے واضح کر آئے ہیں۔ ام الکتاب (وید) کو ماننے کے تعلق کے بغیر کسی اور وجہ سے ان کا امی ہونا معقول نہیں ہوسکتا۔ سورۃ آل عمران آیت ۶ میں آپ فرماتے ہیں۔ کہ اس میں دو طرح کی آیتیں ہیں۔ محکم اور متشابہ۔ محکم آیتیں ام الکتاب ہیں۔ سورہ رعد۔ آیت ۳۸ میں ہے۔ کہ خدا جسے چاہے منسوخ کرتا۔ اور جسے چاہے قائم کرتا ہے۔ اور اصل کتاب یا کتابوں کی ماں اس کے پاس ہے۔ یعنی ام الکتاب سورہ زخرف آیت ۲ و ۳ میں ہے۔ کہ ہم نے علمی کتاب کو عربی قرآن کی صورت دی ہے تاکہ تم لوگ سمجھ سکو۔ یہ ام الکتاب میں ہے۔ جو بڑے پایہ کی علمی کتاب ہے۔ بخاری میں ہے۔ کہ مرنے کے

وقت آنحضرت صلعم کے پاس سے ایک کتاب نکلی تھی۔ جو دو دفتیوں میں بند آپ کی چھاتی سے لپٹی ہوئی تھی۔ غالباً اسے ہی وہ ام الکتاب کہتے تھے۔ پس ام الکتاب کے تعلق سے ہی ان کا امی کہلانا معقول اور بجا تھا۔ اور آیت زیر بحث میں جو لفظ اُمّیّون آیا ہے۔ وہ بہت لوگوں کو امی کہتا ہے۔ مگر آن پڑھ کے معنے میں نہیں۔ بلکہ ان کو جو کتاب الٰہی کو پڑھتے ہیں۔ صرف الفاظ کی صورت میں مطلب نہیں سمجھتے۔ ہاں اپنی طرف سے باتیں بنا بنا کر خدا سے منسوب کرتے ہیں۔ یَظُنُّوْنَ کا لفظ ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ کتاب اللّٰہ کا مفہوم ظنیات پر منحصر رکھتے تھے۔ اور چونکہ آج کل بڑے سے بڑے عالم لوگ بھی وید کے معنے اپنے ظنیات کے مطابق کرتے اور اصل مفہوم کو نہیں سمجھتے۔ اس لئے کہ بغیر سمادھی یا مراقبہ کے وید کے معانی کا صحیح انکشاف روح پر ہونا ہی ناممکن ہے۔ اور حالت سمادھی میں پہنچنے پر اُپنشد کار کہتے ہیں۔ اس ایشور کے درشن ہوتے اور ہر دے کی گانٹھ کھلتی اور تمام شکوک دور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے لازمی ہے۔ کہ اس حالت کے علاوہ انسان ظنیات سے ہی کام لے۔ پس امی لوگوں کے کتاب اللّٰہ کا مطلب نہ سمجھنے سے ان کی علمی قابلیت کا عدم مراد نہیں۔ اور دوسری جگہ پر قرآن فرماتا ہے۔ کہ امی لوگوں میں امی پیغمبر آیا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ام الکتاب کی اشاعت کرنیوالا نبی آیا۔ ورنہ تمام اہل عرب اور نبی کی توہین ہے۔ کہ وہ قطعاً بے علم تھے۔ سورہ صافات آیت ۱۶۷ و ۱۶۸ میں ہے۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۙ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ

یہ لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ کاش آغاز عالم کے لوگوں والی کتاب الٰہی ہمارے پاس آتی۔ اور بقول ان کے آنحضرت اسی کتاب کی تلقین کے دعویدار تھے۔ اور لوگ اسی کی ہدایت کے خواہاں تھے۔ اور وہ ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ہی ام الکتاب تھی۔ پس کیا رسول اور کیا دوسرے لوگ سب کے لئے امی کا لفظ قرآن میں ام الکتاب (وید) کے تعلق سے ہی آیا ہے۔ اور ویدک دھرمیوں کا نام امی ہے۔

۱۱۰ - اَمَانِیَّ

اَمَانِیَّ جمع ہے۔ امینہ بمعنے امید کا۔ چونکہ علم یا حقیقی معانی کے جاننے کی امید پر ہی پہلے بغیر معنے کے پاٹھ ہوتا ہے۔ اس لئے امانی کا لفظ خالی الفاظ یا زبانی پڑھنے کے لئے یہاں بالکل موزوں ہے۔ اور چونکہ آگے یَظُنُّوْنَ کا لفظ ہے جس سے ذاتی توہمات یا تخیلات والا علم مراد ہے۔ اس لئے امانیہ کا خالی زبانی علم پر عائد ہونا بالکل صحیح ہے۔ جس کا معنے و تعلقات سے تعلق نہ ہو۔ کیونکہ محض اسی صورت میں انسان ظنیات پر انحصار... کرتا ہے۔

۱۱۱ - آگ نہ چھوئے گی

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ کے معنے کئے جاتے ہیں۔ آگ ہم کو نہ چھوئے گی۔ یعنی ہم دوزخ میں نہ جائیں گے۔ اگلا حصہ ہے۔ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً اس کے ساتھ ملا کر اس کے یہ معنے لئے جاتے ہیں۔ کہ گنتی کے دن ہی عذاب ہوگا۔ اس خیال کی تائید میں یہودیوں کا یہ اعتقاد پیش کیا جاتا ہے۔ کہ ہمیں صرف چالیس دن اور بقول بعض سات دن اور حسب بیان سیل صاحب زیادہ سے زیادہ ایک سال عذاب ہوگا۔ لیکن پرانا۔ نیا

کسی بھی عہدنامہ میں ایسے خیال کی نسبت کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اس لئے ایسے موہومہ قول کی طرف الفاظ آیت کا اشارہ ماننا قطعاً غلط ہے۔ اور چونکہ یہ خیال ہی غلط ہے۔ کہ اَلْکِتٰب سے یہاں توریت مراد ہے۔ بلکہ قرآن کے عام اعتقاد کے مطابق اور اُم الکتاب کو ماننے کی وجہ سے امی کا لفظ مذکور ہونے کے سبب محض آغاز عالم والا الہام ہی مقصود ہے۔ اسی سورۃ کی دوسری آیت میں اَلْکِتٰب کا لفظ وید کے لئے ہی مخصوص ہونے کے ہم بہت سے ثبوت پیش کر چکے ہیں۔ اور چونکہ آیت ۷۹ میں تحریفات وغیرہ کر کے ٹکے کمانے کا خیال ان زبانی رٹنے والوں سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے قرآن جس خیال کی پرواہ نہ کر کے ان کے عمل اور ان کی کمائی کی مذمت کرتا ہے۔ وہ یہی ہوتا ہے۔ کہ ہم اس سے مالدار ہو جائیں گے۔ اور ہماری موجودہ تکلیف یا دکھ فوراً دُور ہو جائیں گے۔ یہ الفاظ دیگر یہ کہ وہ ایسی کمائی کرتے ہوئے یہ سوچتے ہیں۔ کہ اب ہمیں تھوڑے ہی دن اور دکھ ہوگا۔ اس لئے قرآن آیت ۸۰ میں ان کے اس خیال کا ذکر کر کے ہی آیت میں فرماتا ہے۔ کہ یہ ان کا خیال خام ہے۔ خدا نے ان سے یہ عہد تھوڑا ہی کر رکھا ہے۔ آیت ۸۱ میں صاف کہا۔ کہ پاپ کی کمائی سے تو دکھ کا ہی حق ملتا ہے۔ دکھ دُور نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا کا اٹل قانون ہے۔

۱۱۲- عہد اور عہد شکنی

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَ
بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ
حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ
مُّعْرِضُوْنَ ① وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ ۸
اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ② ثُمَّ اَنْتُمْ ۸
هٰٓؤُلَاۗءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ
تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى

تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ
تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۳ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا ۸۵
يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۴ ع ۱۰

ہم نے بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا۔ کہ سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ۔ رشتہ دار۔ یتیم محتاج سب کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ لوگوں سے اچھی طرح بات چیت کرنا۔ نماز ادا کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ مگر سوائے تھوڑے شخصوں کے تم نے ان سے اعراض کرتے ہوئے منہ موڑ لیا۔ ۱۔ اور نیز یہ کہ ہم نے تم سے یہ عہد لیا تھا۔ کہ آپس میں خونریزی نہ کرنا۔ اور نہ اپنے لوگوں کو اپنے شہروں سے جلا وطن کرنا۔ اور تم نے سوچ سمجھ کر یا یہ اقرار صالح اس کا اقرار بھی کیا۔ ۲۔ مگر تم ہی وہ لوگ ہو۔ کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو۔ اور بعضوں کو ان کے شہروں سے گناہ اور ظلم پر مبنی زیادتی کر کے نکالتے ہو۔ وہی لوگ اسیری کی حالت میں تمہارے پاس آتے ہیں۔ تو چٹی بھر کر انہیں چھڑاتے ہو۔ حالانکہ ان کا نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ تب کیا تم کتاب کی کسی بات کو مانتے ہو۔ اور کسی کو نہیں۔ سو جو کوئی تم میں سے ایسا کرے۔ اس کی سزا سوائے اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ دنیوی زندگی میں ذلیل ہو۔ اور نیز جہنم کے وقت عذاب شدید پاوے۔ اور یاد رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو۔ خدا اس سے بے خبر نہیں۔ ۳۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جو دنیوی زندگی کے لئے عاقبت کو قربان کرتے ہیں۔ پس نہ تو ان کے عذاب میں کمی ہوگی۔ اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔ ۴۔

۱۱۳۔ نیک شہری

آیت ۸۳ میں نیک شہری (G ood C i t i z e n) کے فرائض بتائے ہیں۔ اور ہر شخص سمجھ سوچ سے کام لینے پر ان کی عظمت کو مانتا اور ان کو پورا کرنے کا اپنے تئیں ذمہ وار سمجھتا ہے۔

۱۔ خدا کو اپنا واحد معبود سمجھنا۔ ۲۔ والدین سے نیک سلوک کرنا۔ ۳۔ قریبی رشتہ داروں۔ دوستوں یا ہمسایوں سے حسن اخلاق بھرا سلوک کرنا۔ ۴۔ یتیموں پر توجہ رکھنا۔ ۵۔ مسکینوں کی مدد کرنا۔ ۶۔ تمام لوگوں سے حسن سلوک (اخلاق) سے گفتگو کرنا۔ ۷۔ نماز پڑھنا۔ اور ۸۔ زکوٰۃ دینا۔ معمولی سے غور پر ہر شخص کو سمجھ آجائے گی۔ کہ قدرتاً اسی طرح درجہ بدرجہ انسان کے گرد تعلقات کے دائرے کھنچ رہے

ہیں۔ وور فی الحقیقت قرآن نے اچھی ترتیب سے کام لیا ہے۔ ایک خدا کو معبود سمجھنے کے بعد والدین کے حقوق کا خیال ہونا ضروری ہے۔ رشتہ دار یا دیگر احباب ان کے بعد آئیں گے۔ اور پھر یتیم اور مسکین پر توجہ ہوگی۔ اور پبلک سے جو محض تہذیب اور محبت بھری بول چال کا ہی تعلق ہو سکتا ہے۔ اس کو اس کے بعد ظاہر کیا ہے۔ پھر آیت ۸۴ میں یہ ہدایت دی ہے۔ کہ آپس میں خونریزی نہ کرنا۔ اور نہ اپنے لوگوں کو جلاوطن کرنا۔ یہ ہدایت اپنے جیسے شہری لوگوں کے مساوی حقوق سمجھنے کا ہر ایک شخص کو ہدایت دیتی ہے۔ آیت ۸۳ میں ایک طرف تو خدا کو واحد معبود سمجھنے کی ہدایت سے خدا سے انسان کا مقدم تعلق بتایا ہے۔ اور دوسری طرف دنیا کی خدمت کے لئے زکوٰۃ کا تعلق قائم کر کے آیت ۸۴ میں تمام شہریوں کو ہر ظلم اور زیادتی سے بچنے اور باہم اتفاق و محبت سے رہنے کا خیال دلایا ہے۔

۱۱۴۔ اُلٹے کام

عہد اور فرض تو وہ جو اوپر بیان ہوئے۔ مگر عمل بالکل اُلٹا۔ اپنے لوگوں کو قتل تک کرنے سے بھی عہد شکن لوگ نہیں چوکتے۔ اور ظلم اور زیادتی سے لگے قابو اپنے سے کمزور لوگوں کو ان کے گھروں سے بلکہ شہر اور ملک سے ہی بے دخل کرتے ہیں۔ ملکوں اور قوموں کی پارٹیاں ایک دوسرے کو کچلنے میں لگ رہی ہیں۔ بیچے اور کمزور لوگوں پر اس لئے ظلم اور جبر ہو رہا ہے۔ کہ اپنا ساتھی خواہ کتنا بھی بے انصافی پر ہو۔ اس کی مدد کرنا لوگ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ تاکہ آئندہ اگر وہ خود لالچ کے قابو آ کر دوسروں کے حقوق محض اپنی طاقت کے گھمنڈ پر چھیننا چاہیں۔ تو ان کے وہ دوست ان کی مدد کریں۔ جن کی وہ کر چکے ہیں۔ موجودہ دنیا اور مہذب ممالک و اقوام کا ہر عمل آج اس صداقت کا ثبوت مہیا کر رہا ہے۔ اور سوائے خال خال لوگوں کے سب عہد شکن بن رہے ہیں۔ دھڑے بندی کا یہ عالم ہے۔ کہ آج خود ہی جن کو ملک اور قوم سے نکال رہے ہیں۔ کل وہی دوسری قوم یا ملک والوں کے قیدی بن جاویں۔ تو انہیں روپیہ ادا کر کے چھڑاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ خواہ کوئی کتنا بھی برا یا بد چلن ہو۔ اس کا بھی غیروں سے بچانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ محض دوسری پارٹی کے مقابلے کی وجہ سے۔

۱۱۵۔ اٹل سزا

اگلی آیات میں قرآن واضح کرتا ہے۔ کہ تمہاری یہ پارٹیاں یا تمہارے دھڑے فی الحقیقت جائز نہیں۔ تو تمہیں اس سے ہرگز ہرگز فائدہ نہ پہنچیگا۔ خدا انصاف کا مجسمہ ہے۔ وہ تمہارے ہر عمل کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ لہذا اس کی طرف سے ان حکمت عملیوں اور چالاکیوں کے بدلے میں تمہیں سزا ملے گی۔ وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی ذلت نصیب ہوگی۔ اور عاقبت میں بھی وہ بے یار و مددگار عذاب پائیں گے۔ اس وقت دنیا میں جو تمام ممالک اور اقوام اور مذہبی جماعتیں اس قسم کی منصوبے بازیوں سے کام کر رہی ہیں۔ ان کے تمام لوگ دن بدن زیادہ تکلیفوں میں پڑتے جا رہے ہیں۔ جو محض ایشوری قانون کے اٹل ہونے کا ثبوت ہے۔ دنیا کی نظروں میں چالاکی سے ڈھول ڈالی جا سکتی ہے۔ مگر خدا سے کچھ چھپایا نہیں جا سکتا۔ حکومت کی خاطر آج ایک مسلمان پادشاہ دوسری اسلامی حکومت پر حملہ کر کے اسے تباہ کرتا ہے۔ مگر تھوڑے عرصے کے بعد ایک عیسائی سلطنت اس سے اسی ملک کو چھیننے کے لئے تیار ہوتی ہے

تو وہ اس ملک کے بچاؤ کے لئے اپیلیں کرنے لگتا ہے۔ اہالیان ملک اس کے اندرونے کو نہ جان سکیں۔ آنحضرت کا اصول کہ ہر حالت میں سچائی اور انصاف مدنظر رہے۔ ان اپیلوں کو کوئی وقعت نہ دیگا۔ کیونکہ اس کی نیت لوگوں کے بچاؤ کی نہیں۔ اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے ہے۔ جونہی مخالفوں کو دبا لیگا۔ پھر اخراجات جنگ وغیرہ کے بہانے سے لوگوں سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگیگا۔ اور حسب عادت ظلم و زیادتی سے کام لیگا۔ اس قسم کی آیات کی تہ میں خاص تاریخی واقعات کام کر رہے ہیں۔ لیکن قرآن کا طرز بیان ان کو بھی اصولی سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اس لئے جو مفسر صاحبان آیات کو خاص واقعات کی تفصیل کے ساتھ چسپاں کر کے دکھاتے ہیں۔ قرآن کے مدعا کو زائل کرتے اور اختلاف رائے کے موقعے مہیا کرتے ہیں۔

۱۱۶ - مبلغان حق اور اہل عالم

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا
عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ
رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ①
وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ ②
وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ
يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ
اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ③ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ
اللَّهُ بَغْيًا أَنْ يُنَزِّلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءُوا
بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ④ وَإِذَا قِيلَ

لهم آمنوا بما أنزل الله قالوا نؤمن بما أنزل علينا ويكفرون بما
وراءه وهو الحق مصدقا لما معهم قل فلم تقتلون أنبياء الله
من قبل إن كنتم مؤمنين ۞ ٥ ولقد جاءكم موسى بالبينات
ثم اتخذتم العجل من بعده وأنتم ظالمون ۞ ٦ وإذ أخذنا
ميثاقكم ورفعنا فوقكم الطور خذوا ما آتيناكم بقوة واسمعوا
قالوا سمعنا وعصينا وأشربوا في قلوبهم العجل بكفرهم قل بئسما
يأمركم به إيمانكم إن كنتم مؤمنين ۞ ٧ قل إن كانت لكم الدار
الآخرة عند الله خالصة من دون الناس فتمنوا الموت إن
كنتم صادقين ۞ ٨ ولن يتمنوه أبدا بما قدمت أيديهم
والله عليم بالظالمين ۞ ٩ ولتجدنهم أحرص الناس على حياة
ومن الذين أشركوا يود أحدهم لو يعمر ألف سنة وما هو
بمزحزحه من العذاب أن يعمر والله بصير بما يعملون ۞ ١٠

اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی۔ اور اس کے بعد پے بہ پے رسول بھیجے۔ اور مریم کے بیٹے عیسےٰ کو سچی تعلیمات دیں۔ اور روح القدس سے اس کی مدد کی۔ مگر جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول ایسی تعلیم تا کر آیا۔ جو تمہارے منشا کے خلاف تھی۔ تم اکڑ بیٹھے۔ کسی کو جھٹلاتے اور کسی کو قتل کرتے رہتے اور سمجھتے یہ رہے۔ کہ ہمارے دل (سچائی کے) غلاف میں محفوظ ہیں۔ مگر نہیں ان کے کفر کی وجہ سے خدا نے انہیں لعنتی بنا رکھا ہے۔ سو وہ شاذ و نادر ہی ایمان لاتے ہیں۔ یا ایسے لوگ کم ہیں۔ جو ایمان لاتے ہیں۔ ۱۰

اور جب اللہ کی طرف سے ان کو وہ کتاب ملی جو ان کے پاس پہلے موجود کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ تو باوجودیکہ اس سے پہلے کافروں کے مقابلے میں اپنی فتح کی دعائیں مانگتے تھے۔ جب وہ چیز آئی۔ جسے وہ جانتے پہچانتے بھی تھے۔ پھر بھی لگے انکار کرنے۔ پس لعنت ہو کافروں پر خدا کی۔ ۳۔ اور کیا برا معاوضہ ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا ہے۔ یعنی اللہ سے نازل شدہ کتاب سے محض اس وجہ سے باغی ہو بیٹھے۔ کہ وہ ان پر نہیں۔ بلکہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔ اپنا فضل نازل کرتا ہے۔ پس وہ غضب در غضب میں مبتلا ہوئے۔ بے شک منکروں کے لئے عبرتناک عذاب ہے۔ ۴۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے۔ کہ خدا سے جو نازل ہوتا ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔ تو کہتے ہیں۔ ہم تو اسی کو مانتے ہیں۔ جو ہم پر اترا۔ اور ماسوائے اس کے کو نہیں مانتے۔ خواہ وہ سچی ہو۔ اور اس کتاب کے مطابق ہو۔ جو ان کے پاس ہے۔ ان سے کہو۔ اگر تم ایمان والے ہوتے۔ تو پہلے پیغمبروں کو قتل ہی کیوں کرتے۔ ۵۔ پھر موسیٰ یقیناً تمہارے پاس سچی تعلیمات لے کر آیا۔ مگر اس کی غیر حاضری میں تم بچھڑا لے بیٹھے۔ کیونکہ تم واقعی گنہگار۔ ۶۔ اس کے علاوہ ہم نے تم سے عہد لے کر تمہیں سر بلند کیا تھا۔ پس جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑو۔ اور غور سے سنو۔ انہوں نے کہا۔ ہم نے اسے سن لیا ہے۔ مگر اسے مانتے نہیں۔ بات یہ ہے۔ کہ ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑا ان کے دلوں میں بس رہا تھا۔ ان سے کہہ دو۔ کہ اگر مومن ہو۔ تو سمجھ لو۔ کہ تمہارا ایمان تمہیں بری بات کا حکم دیتا ہے۔ ۷۔ انہیں سنا دو۔ کہ اگر اللہ کی طرف سے دار الآخرت خاص تمہارے ہی لئے ہے۔ اوروں کے لئے نہیں۔ تو کیوں نہ تم مرنے کی خواہش کرو۔ اگر صادق ہو۔ ۸۔ مگر جو عمل وہ اپنے ہاتھوں سے پہلے کر چکے ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے۔ بے شک اللہ ظالموں کو جانتا ہے۔ ۹۔ اور یقیناً تو لوگوں سے زیادہ انہیں لمبی عمر کا خواہشمند پائے گا۔ حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی زیادہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے۔ کہ اے کاش! مجھے ہزار سال کی عمر مل جائے۔ مگر لمبی عمر ملنے پر بھی وہ عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اللہ اسے دیکھتا ہے۔ ۱۰۔

۱۱۷۔ خوئے بدرا بہانہ بسیار

ان آیات میں دنیا پرست لوگوں کی حالت کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ نہ صرف ام الکتاب اور عالمگیر اصولوں سے لوگ بے پرواہ رہتے ہیں۔ ضرورت یا مصلحت مقامی و زمانی پر مبنی تعلیمات پر بھی وہ التفات نہیں کرتے جب کبھی کوئی مبلغ حق کی دعوت دیتا ہے۔ عام لوگ اس کی مخالفت کرتے۔ اسے جھٹلاتے۔ حتیٰ کہ قتل تک بھی کرتے۔ اور مختلف قسم کی حجتوں و بہانوں سے قبول حق سے گریز کرتے ہیں۔ موسیٰ نے قدیم الہام الٰہی والی ہی تعلیم دی۔ کئی رسول بعد میں اسی مشن کو پھیلاتے رہے۔ عیسیٰ نے بھی انہی مسلمات کو پھیلایا۔ تمام نیک پاک لوگوں سے اس کی تائید ہوئی۔ مگر جاہل عوام الناس نے ازراہ تکبر اپنے خلاف باتوں پر بر افروختہ ہو کر مخالفت کی۔ بوجہ کفر یہ بد نصیب حق کو کم ہی مانتے ہیں۔ مگر کہتے یہ ہیں۔ کہ ہم خود خوب جانتے ہیں۔ کسی سے سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ایسے ہی حضرت محمد صاحب کی تعلیم ہر چند پہلی الہامی تعلیم کی عظمت

کوئی نقش کرتی تھی۔ اور لوگ اس امر کو سچا جانتے و سمجھتے بھی تھے۔ کہ یہ واقعی ہماری پرانی تعلیم ہے۔ مگر پھر بھی انکار ہی کر دیتے۔ کہ ہم پر تو اس کا انکشاف ہوا نہیں۔ یہ قدیم کتاب کے مطابق تھی۔ اور وہ کافروں کو نیچا دکھانے کے خواہاں بھی تھے۔ مگر جب وقت آیا۔ تو فضول سے بہانے کی آڑ میں باغی ہو بیٹھے۔ انہیں حق کی طرف دعوت دو۔ تو کہتے ہیں۔ حق تو وہ ہے۔ جو ہم سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر یہ حق پر ہوتے۔ تو پہلے پیغمبروں کو اذیتیں ہی کیوں دیتے۔ موسیٰ کی غیبت میں بچھڑا کیوں پوجتے۔ اور کیوں توحید الٰہی کی ہدایت سن کر بھی بچھڑے کو اپنے دل پر مسلط کرتے پس اگر یہ واقعی حق پسند یا مومن ہوں۔ تو سمجھ لیں۔ کہ ان کا موہومہ مذہب یا ایمان انہیں بری ہی تعلیم دیتا ہے۔ ایسے بہانہ باز اور متکبر لوگوں کے لئے آیت نمبر ۹۴ میں ایک لاجواب نکتہ پیش کیا گیا ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ اگر تم سمجھتے ہو۔ کہ آخرت کا گھر یا بہشت تمہیں ہی ملنا ہے۔ تو مرنے کی خواہش کیوں نہیں کرتے۔ واقعی اگر سچے ہوتے۔ تو جلدی مرنے کی کوشش کرتے۔ اور بہشت میں پہنچتے۔ لیکن نہیں مرنا نہیں چاہتے۔ ہر شخص لمبی عمر چاہتا ہے۔ حتےٰ کہ ہزار سال جینے کا خواہاں ہے۔ اور اگر اتنی عمر مل جائے تو اور بھی لمبی عمر کا خواہاں ہو۔ پس ان کا اپنا عمل ظاہر کرتا ہے۔ کہ نہ یہ حقیقی معنوں میں سچے ہیں۔ نہ انہیں بہشت ملنے کا کوئی یقین ہے۔

۱۱۸ - لمبی عمر کا لالچ

اوپر کے خلاصہ مطلب سے ان آیات کا مفہوم سلیس اور مدلل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مفسر صاحبان بعض اوقات اصل مضمون سے الگ ہو کر غیر ضروری بحث پر جھک جاتے ہیں۔ مثلاً یہاں لمبی عمر کا ذکر آیا ہے۔ قرآن کا اس سے یہ منشا نہیں۔ کہ کسی خاص مت یا دیگر تمام مذاہب کے لوگوں کے متعلق یہ کوئی الزام ہے۔ کہ وہ لمبی عمر چاہتے ہیں۔ لیکن ایک صاحب اسی پر حوالہ جات پیش کرنے لگتے ہیں۔ اور مشرک مجوس یعنی اور عیسائی لوگوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ دنیا پرست یہودی تو لمبی عمر کے حریص ہیں ہی ان کے مشرک بھائی یعنی عیسائی ان سے بھی زیادہ حریص ہیں۔ ایک اور صاحب لکھتے ہیں۔ کہ قیامت کو نہ ماننے والے مشرکوں کا دنیوی زندگی کا لالچ موجب تعجب نہیں ہو سکتا۔ مگر تعجب تو ان پر ہے۔ کہ قیامت کے بھی قائل ہیں۔ اور پھر بھی دنیا کی چند روزہ زندگی پر حریص ہیں۔ لیکن درحقیقت یہاں اس امر کا تعلق ہی نہیں۔ کہ کون لمبی عمر کا لالچی ہے۔ اور کون نہیں۔ نفس مضمون محض یہ ہے۔ کہ جو منکر یا کافر بار بار سمجھانے پر بھی ضد کرتے ہیں۔ کہ ہم ہی راستی پر ہیں۔ ہمیں کسی سے کچھ سمجھنا نہیں۔ انہیں دلیل دی گئی ہے۔ کہ اگر واقعی تم ہی سچے اور بہشت کے مستحق ہو۔ تو تمہیں مرنے میں خوش ہونا چاہئے۔ تاکہ جلد بہشت میں پہنچو۔ اس کا یہ مطلب ہی نہیں۔ کہ لمبی عمر پر کوئی اعتراض ہے۔ نہ یہ کہ لمبی عمر کے خواہاں لوگوں کا چھوٹے مذاہب سے تعلق ہے۔ بلکہ یہ تو قریباً تمام انسانوں کی خواہش ہے۔ یہاں چارواک مت کا ایک قول اصل پوزیشن کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتا ہے۔

पशुश्चेन्निहित: स्वर्गं ज्योतिष्टोमे गमिष्यति ।
स्वपिता यजमानेन तत्र कस्मान्न हिंस्यते ॥

اگر یگیہ میں حیوان کو مار کر ہون کرنے سے وہ حیوان سورگ کو جاتا ہے۔ تو یجمان اپنے باپ کو مار کر اور

ہون کرکے اسے سورگ میں کیوں نہیں بھیجتا۔

چونکہ یگیہ میں پشوؤں کی بلی چڑھانے والوں نے یہ ایک جھوٹی دلیل گھڑی تھی۔ کہ بلی والا پشو سورگ میں جاتا ہے۔ لہذا یہ اس پر ظلم نہیں۔ اس لئے اس کی تردید میں یہ دلیل دی ہے۔ کہ اگر واقعی ایسا ہوتا۔ تو پہلے لوگ اپنے آپ اور اپنے باپ وغیرہ کو بہشت میں پہنچاتے۔ پشوؤں کے چھر خواہ نہ بن بیٹھتے۔ یعنہ اپنے آپ کو سچا اور جنت کا مستحق سمجھنے والے کافروں کو دلیل دی ہے۔ کہ اگر واقعی تمہیں جنت ملنا ہوتا۔ تو تم سب خیال چھوڑ کر مرنے کی سوچتے۔

۱۱۹۔ غورطلب الفاظ

۱۔ اَلْکِتٰب جو آیت ۸۷ میں ہے۔ اسی کامل الہامی علم کے لئے ہے جو آیت ۳ میں مذکور ہے۔ مفسرین اسے توریت کے لئے قرار دیتے ہیں لیکن قرآن میں جہاں بھی کسی نبی کو الکتٰب عطا ہونے کا ذکر ہے۔ آغاز والے علم کے عطا ہونے کے لئے کہا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ جیسا ویدک دھرمی کہتے ہیں۔ کہ جو بھی رشی ہوا۔ وید کی تعلیم سے ہی فیضیاب ہوا۔ اسی طرح قرآن میں خدا کی عنایت سے سب نبیوں کو الکتٰب عطا ہونے یا وید کی تعلیم ملنے کا ذکر ہے۔ توریت اور انجیل کو بھی کتاب کہا گیا ہے۔ جیسے یہاں آیت نمبر ۸۹ میں کتاب کا لفظ آیا ہے۔ اور اس خصوصیت کو سمجھنے کا معیار یہ ہے۔ کہ جہاں کسی بعد کی کتاب کا ذکر آتا ہے وہاں اسے پہلی کتاب کی مصدق کہا گیا ہے۔

۲۔ بَیِّنٰت سے مراد ہے تمام بیّن یا صریح یا ہر کہیں آشکارا یا عالمگیر مسلمات کی۔ جیسے سدھانت یا بذات خود ثابت سچائیاں کہا جاتا ہے۔ اور انہیں ہی وید کی تعلیمات کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ جہاں ۸۷ آیت میں موسیٰ کو الکتٰب ملنے کا ذکر ہے۔ وہاں آیت ۹۲ میں اس کے بینات کے ساتھ آنے کا بیان ہے۔ آیت ۸۷ میں عیسےٰ ابن مریم کی خصوصیت بھی وہی بینات ہیں۔ پس ان سب الفاظ کا اصل مفہوم ایک ہی ہے۔ اور اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ توریت وغیرہ پر بینات و الکتٰب کا لفظ اس معنے میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا۔ تو موسیٰ والی توریت کا ہی عیسیٰ پر بھی ظہور ہوتا۔

۳۔ رُوح القدس سے مراد مفسرین جبرئیل کی لیتے ہیں۔ اور عیسےٰ کے ذکر میں بائبل کے مطابق روح القدس کا لفظ جبرئیل کے لئے سمجھا جانا معمولی بات ہے۔ لیکن ہم نے اس کا اطلاق تشریح میں تعمیم پر کیا ہے۔ کہ سب نیک پاک روح انہی تعلیمات کی تائید کرتے ہیں۔ یہ نہ صرف معقول بات ہے۔ جبرئیل کی بحث میں واضح ہوگا۔ کہ آنحضرت کا اصل مُدعا بھی یہاں یہی ہے۔

۴۔ مَاعَرَفُوْا جسے جانتے پہچانتے تھے یا جس سے ان کا تعارف تھا۔ مراد ان امور سے ہے۔ کہ لوگوں کے دل ان سے واقف ہیں۔ کہ یہ واقعی پرانی تعلیم ہے۔ اور یہ مبلغین کے تجربہ میں اکثر آتا ہے۔ کہ لوگ ان کی وعظ سن کر کئی باتوں کو سمجھتے ہیں۔ کہ یہ سچی ہیں۔ مخالفت کے جذبہ میں وہ اپنے انکار کو جاری رکھتے ہیں۔ جیسے بت پرستی کو خلاف وید سمجھنے والے کئی عالم بھی خاص تیتی سے اس کے حق میں کہے جاتے ہیں۔

۵۔ غُلْفٌ واجمع ہے اغلف کا جو غلاف میں ہو۔ اسے اغلف کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے۔ کہ اپنی ضد پر قائم رہ کر لوگ کہتے ہیں۔ ہم پہلے ہی محفوظ ہیں ہمیں نئی وعظ کی ضرورت نہیں۔

۱۲۰۔ جذبۂ عداوت اور حق سے انکار

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱﴾ مَنْ
كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ
عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ
اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ
اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ
عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ
النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا
يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ
مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ
مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ

عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا
بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ ۱۰۲
عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٧﴾ ۱۲ ع ۱۰۳ ۱۲

جو شخص جبرئیل کا دشمن ہے۔ اسے کہدو۔ کہ بے شک اس نے خدا کے حکم سے تیرے دل میں وہ علم داخل کیا ہے۔ جو اس کی قدرت میں موجود قانون کی تصدیق کرتا ہے۔ اور مومنوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے ۔۱۔ جو شخص خدا اس کے فرشتوں اس کے رسولوں نیز جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہے۔ بے شک ایسے کافروں کا اللہ دشمن ہے۔ ۲۔ اور بتحقیق ہم نے تم پہ بیچے علم والی آیات نازل کی ہیں۔ جن سے سوائے فاسق کے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ۳۔ یہ کیا ہی بری بات ہے۔ کہ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی فریق اس کو پھینک ہی دیتا ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر تو اسے قبول ہی نہیں کرتے۔ ۴۔ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے رسول آیا۔ اور اس نے ان کے پاس موجود کتاب کی تصدیق بھی کی۔ تو اہل کتاب کے ایک گروہ نے کتاب الٰہی کو ایسا پس پشت ڈالا۔ کہ گویا اسے اس کا کچھ علم ہی نہیں۔ ۵۔ اور ان لغویات کی پیروی کرتے رہے۔ جو سلیمان کے عہد سلطنت میں شیطان سنایا کرتے تھے۔ مگر سلیمان کا کفر سے تعلق نہ تھا۔ شیطان ہی کفر کرتے تھے۔ کہ لوگوں کو جادو سکھاتے۔ اور وہ باتیں جو بابل میں ہاروت اور ماروت نام دو فرشتوں کے ذریعے چلی تھیں۔ مگر وہ کسی کو یہ باتیں سکھاتے نہ تھے۔ بلکہ پہلے یہ صاف کہہ دیتے تھے۔ کہ ہم تو محض فتنہ ہیں۔ تم کافر نہ ہو۔ پس وہ ان سے ایسی باتیں سیکھ لیتے۔ جیسے میاں اور بیوی میں تفرقہ ڈالنا۔ مگر خدا کے حکم کے بغیر کسی کو اس سے وہ ضرر نہ پہنچا سکتے تھے۔ گویا وہ ایسی باتیں سیکھتے ہیں۔ جو انہیں ہی نقصان دیتی ہیں۔ فائدہ نہیں پہنچاتیں۔ اور یقیناً ان کو علم ہوتا ہے۔ کہ ان باتوں کا خریدار عاقبت کے لحاظ سے بدنصیب ہوتا ہے۔ اور کاشکہ وہ جانتے۔ کہ یقیناً بری چیز کے بدلے انہوں نے اپنی جان کی بازی لگائی ہے۔ ۶۔ اور اگر وہ ایمان لاتے۔ اور پرہیزگار بن جاتے۔ تو خدا کی درگاہ سے بہتر ثواب پاتے۔ کاشکہ وہ اس نکتے کو سمجھ سکتے۔ ۷۔

۱۲۱ - ترک ایمان و الہام

آیت ۹۷ سے پایا جاتا ہے۔ کہ بعض لوگ حضرت جبرئیل سے دشمنی رکھتے تھے۔ اور اس لئے آنحضرت ان سے وحی پاکر جس بات کی اشاعت کرتے۔ وہ لوگ مانتے نہ تھے۔ انہیں سمجھانے کے لئے یہ کہا گیا۔ کہ جبرئیل جو تعلیم دیتا ہے۔ اس کی ذاتی نہیں۔ بلکہ وہ خدا کا حکم ہے۔ اور جو الہامی کتاب تمہارے پاس ہے۔ اسی کی صداقت کے مطابق ہے۔ اور مومنوں کے لئے بشارت۔ آیت ۹۸ میں کہا۔ کہ نظر بریں حالات یہ جبرئیل کی عداوت نہیں۔ خدا رسولوں فرشتوں جبرئیل

میکائیل سب کی عداوت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ خدا سے ملی ہوئی سچائیوں کو پھیلاتے ہیں۔ اور جب ان سے نفرت ہوئی۔ تو صریح کفر ہوا۔ اور کفر والوں کا اللہ دشمن ہے۔ پھر علم کے لحاظ سے چونکہ ان آیات میں ایسی سچائیاں ہیں۔ جو روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس لئے ان سے انکار کرنا فسق صریح ہے۔ مگر افسوس کہ جذبہ عداوت کے زیر اثر یہ لوگ اول تو ایمان لاتے نہیں۔ اور اگر کسی صداقت کے متعلق کچھ عہد کرتے بھی ہیں۔ تو کوئی نہ کوئی فریق اس عہد پر عمل نہ کر کے اسے فضول ہی سمجھ کرتے ہیں۔ اور رسول اگر ایسی ہدایت دیتا۔ جو کتاب الٰہی کی تعلیم کے مطابق ہوتی۔ تو وہ کتاب کو ہی پس پشت ڈال کر اس سے بالکل اجنبی سے بن بیٹھتے اب ثبوت ہو۔ تو کیا؟

۱۲۲۔ ہاروت و ماروت

سلیمان کے زمانہ میں شہر بابل میں ہاروت ماروت نام کے دو شخص تھے۔ انہیں ہی دو فرشتے کہا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی سیرت نیک تھی۔ بعض کہتے ہیں۔ یہ دو بادشاہ تھے۔ لیکن کچھ بھی ہوں۔ بڑے شعبدہ باز مشہور تھے۔ گو شعبدہ بازی کو کفر سمجھتے تھے۔ جادو کے کھیل دکھاتے۔ تو کہہ دیتے۔ کہ ہم تو جو ہوئے سو ہوئے۔ تم اس کفر سے بچو۔ یہ ہوبہو وہی بات ہے۔ جو آج کل کے مداری لوگ بھی کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہم کوئی معجزہ یا ناممکن بات نہیں دکھا سکتے۔ ہاتھ کی صفائی ہے۔

۱۲۳۔ جادو کی مذمت

جبرئیل کے دشمن جذبۂ عداوت کے زیر اثر نہ تو حضرت محمد صاحب کی تبلیغ پر توجہ دیتے۔ نہ قدیم الہام سے اس کی مطابقت پر التفات دیتے۔ ہاں ہاروت و ماروت کی شعبدہ بازیوں کے شیدائی ہوئے۔ اور ان سے شعبدہ بازی سیکھتے رہے۔ وہ صاف کہہ بھی دیتے۔ کہ ہم تو بد نصیب ہیں ہی۔ تم کافر نہ ہو۔ لیکن انہوں نے ایسی باتیں سیکھیں۔ کہ میاں بیوی میں لڑائی کیسے ڈالی جا سکتی ہے۔ وغیرہ۔

قرآن ان سب باتوں کو شیطانی خرافات بتا کر ان کی مذمت کرتا ہے۔ اور ان کے شیدائیوں کو بد نصیب کہتا ہے۔ اور افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے عداوت کر کے اپنے آپ کو برباد کر لیا۔ ورنہ حق کو ماننے اور پرہیزگار بننے سے خدا انہیں اعلےٰ اجر دیتا۔ یہ کہنا۔ کہ سلیمان کا لغو باتوں سے تعلق نہ تھا۔ ان کے سنانے والے شیطان تھے۔ نیز یہ کہنا۔ کہ وہ ان باتوں سے کسی کو ضرر نہ پہنچا سکتے تھے۔ ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہ باتیں واقعی قرآن سے مذموم قرار دی گئی ہیں۔ اور یہ کہنا۔ کہ خدا کی اذن کے بغیر نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔ یہ معنے نہیں رکھتا۔ کہ خدا کی اذن سے ان باتوں سے ضرر پہنچتا تھا۔ بلکہ یہ کہ اگر کسی کو نقصان یا تکلیف پہنچے۔ تو خدا کی رضا یا اذن سے سمجھنی چاہیئے۔ کسی جادو وغیرہ عمل کا اس نقصان سے تعلق نہ سمجھنا چاہیئے۔

۱۲۴۔ جبرئیل

مانا جاتا ہے۔ کہ جبرئیل ایک فرشتہ ہے۔ جو خدا کی طرف سے حضرت محمد صاحب پر وحی لاتا تھا۔ عام لوگ اسے نظر نہ آنے والا سمجھتے ہیں۔ سر سید احمد صاحب کا خیال ہے۔ کہ جبرئیل میکائیل وغیرہ نام یہودیوں نے مقرر کئے تھے۔ صحف انبیا میں کوئی صفت صفات باری میں سے کسی خاص لفظ کے ساتھ تعبیر کی گئی۔ تو رفتہ رفتہ وہ نام فرشتے

کا تصور ہونے لگا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ جبرئیل عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنے ہیں۔ قوۃ اللہ یا قدرت اللہ۔ یہود کے نزدیک جبرئیل نبی اسرائیل کیلئے تابض ارواح ہیں۔ اور ان کی روحیں انہی کے پاس رہتی ہیں۔ کہیں جبرئیل کو ملک النار لکھا ہے۔ کہیں ان کو رعد پر حکمران بتایا ہے۔ اور میووں کا پکانا ان سے متعلق کہا ہے۔ علمائے یہود یہ جبرئیل کو بڑے زبا ندان مانتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ بابل میں جو خدا نے ستر زبانیں کر دی تھیں۔ ان سب کو وہ جانتے ہیں۔ اور انہوں نے حضرت یوسف کو سب زبانیں سکھائی تھیں۔ اور کلدانی اور سریانی زبان سوائے جبرئیل کے کسی اور فرشتے کو نہیں آتی۔

سر سید صاحب فرماتے ہیں۔ کہ غالباً جبرئیل کی شہرت زبا ندانی کی وجہ سے ہی مسلمانوں نے یہ تصور کیا ہے۔ کہ وہ خدا کی وحی یعنی قرآن کی آیتیں خدا سے سن کر یاد کر لیتے تھے۔ اور آنحضرت کو آکر سناتے تھے۔

بیان القرآن میں ہے۔ کہ (بخاری۔ قول عکرمہ) جبرئیل۔ میکائیل اور اسرافیل سب بمعنے عبد اللہ جبر بمعنے عبد اور ایل بمعنے اللہ۔ اور معنے یوں دیئے ہیں۔ کہ جبر کے معنے کسی قسم کے غلبہ سے کسی چیز کی اصلاح کرنا۔ اس لئے جبر سلطان کو بھی کہتے ہیں۔ (رغ) اور ایل اول سے ہے۔ یعنی رجوع کرنے والا۔ پس جبرئیل وہ ہے۔ جو اصلاح کرنے والے بادشاہ کی طرف بار بار رجوع کرے۔

ایک اور مفسر صاحب فرشتوں کے متعلق بڑی طویل تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ تمام نظام عالم کو دیکھ کر یقین ہوتا ہے۔ کہ ہر کام کے لئے مدبر ضرور ہیں۔ مصنوعی کاموں میں مدبر انسان اور قدرتی کاموں میں ملائکہ جیسے انسانی انتظام میں فوجوں میں سپاہی۔ حوالدار۔ جمعدار۔ کرنیل میجر۔ کمانڈر انچیف کے مدارج اسی طرح سلسلہ نظام ملائکہ میں ہے۔ قرآن مجید نے اعلیٰ درجہ کے ملائکہ چار کہے ہیں۔ جو اب عرش کو اٹھا رہے ہیں۔ انہی میں جبرئیل اور میکائیل ہیں۔ کثیر التعداد حوالہ جات کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہوئے۔ آپ سورۃ النجم کی آیات پیش کرتے ہیں۔ کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔۳۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔۴۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۔۵۔ یعنی محمد یہ کلام اپنی خواہش سے نہیں کرتا۔ بلکہ وہ وحی ہے۔ جو اس کی طرف وحی کی گئی ہے۔ اس کو زبردست طاقتوں والے نے تعلیم دی ہے۔" سورۃ الشعراء کی یہ آیت پیش کی ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ یعنی اس قرآن کو روح الامین (جبرئیل) نے تیرے دل پر اتارا ہے۔ سورۃ کوثر آیت ۱۹ تا ۲۱ کا حوالہ دیا ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۱۵ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۲۰ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۲۱ یہ بزرگ ایلچی کا قول ہے۔ جو صاحب قوت ہے۔ صاحب عرش کے پاس عزت یافتہ ہے۔ اور اطاعت کیا گیا امانت دار۔

آیات قرآن کے علاوہ بائبل کے بہت اقتباس دیئے ہیں۔ یہ ثابت کرنے کیلئے کہ فرشتوں کے یہ اوصاف ہیں۔ اور وہ نظام قدرت میں فلاں فلاں کام پر تعینات ہیں۔ پھر کسی حوالہ سے انہیں مجسم بتایا ہے۔ کسی سے غیر مجسم۔ کسی سے فرشتوں کا روح کے مشابہ ہونا پایا جاتا ہے۔ کسی سے ان کا روح ہونا مگر باوجود اس قدر کوشش کے کسی صحیح اور یقینی نتیجہ پر آپ نہیں پہنچے۔ بلکہ آخر میں لکھتے ہیں:

"فرشتوں کی حقیقت کیا ہے۔ اور وہ کس طرح پر اللہ تعالیٰ کے منشا یا کلام کو سمجھتے اور پھر کس طرح اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان سوالات کا حل کرنا انسانی ادراک سے باہر ہے"۔ اس کے بعد آپ روح اور مادہ کی ماہیت کے متعلق بھی باوجود طول طویل بحثوں کے کچھ صحیح نتیجہ نکلنے کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اسی طرح فرشتوں کے متعلقہ سوالات کے متعلق لکھتے ہیں۔

مفسرین نے اس بارہ میں طول طویل بحثیں اٹھائی ہیں۔ کہ ملائکہ کی کیا حقیقت ہے۔ وہ کس طرح پر اللہ تعالیٰ کے منشا اور کلام کو سنتے اور پھر کس طرح پر اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور خود ہی طرح طرح کے سوال کرکے پیچ در پیچ اور لاینحل مشکلات میں پڑ گئے ہیں۔ ایک سوال کو حل کرتے ہوئے اور صدہا لاینحل سوالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ بحثیں ناقابل اختتام انسانی ادراک سے بالاتر اور نتائج کے لحاظ سے فضول ہیں۔ اس لئے ہم ان کو عمداً ترک کرتے اور ان کے حالات کے واقعی بیان پر جیسا کہ کلام الٰہی کی رو سے اوپر کیا جا چکا۔ بس کرتے ہیں"۔

اسی طرح ملائکہ کی نسبت اور مفسرین نے بھی بڑی طویل تحریروں سے حقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر ثابت یہ کیا ہے۔ کہ وہ خود بھی اس کو نہیں سمجھے۔ اور نہ سمجھا سکتے ہیں۔ بلکہ اوروں کو روکتے ہیں۔ کہ اس بحث میں پڑنا ہی نہیں۔ سر سید صاحب نے بھی ملائکہ لفظ کے متعلق کسی سے کم طویل بحث نہیں کی۔ لیکن کیا لفظ فرشتہ۔ کیا جبرئیل اور کیا میکائیل کسی کے متعلق بھی اختلافات و شکوک بڑھانے کی خرابی سے بچ نہیں سکے۔ اور اپنی ذاتی رائے اخیر میں ایسی ظاہر فرماتے ہیں۔ کہ جبرئیل کا فی الحقیقت کوئی وجود نہیں۔ یہ محض حضرت محمد صاحب کے ملکۂ نبوت کا نام ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

ان دونوں (جبرئیل و میکائیل) کے نام قرآن مجید میں آنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے مع تشخصہما علیحدہ علیحدہ ایسی ہی مخلوق ہیں۔ جیسے کہ زید و عمر۔ بلکہ انہی آیتوں سے پایا جاتا ہے۔ کہ جس شئے کو یہودی جبرئیل تعبیر کرتے تھے۔ وہ کوئی جداگانہ مخلوق مع تشخصہ نہ تھی۔ کیونکہ خدا نے فرمایا ہے۔ کہ بے شبہ اس نے (جبرئیل نے) ڈالا ہے۔ تیرے دل پر اللہ کے حکم سے (وہ کلام جو) سچ بتاتا ہے۔ اس چیز کو جو اس سے پیشتر ہے"۔ دل میں ڈالنے والی کوئی ایسی مخلوق جو اس شخص سے جس کے دل میں ڈالا گیا ہے۔ جداگانہ ہو۔ نہیں ہوتی۔ پس درحقیقت یہودی جس کو جبرئیل کہتے تھے۔ اور جس کا نام حکما بتا خدا نے بیان کیا ہے۔ وہ ملکہ نبوت خود آنحضرت میں تھا۔ جو وحی کا باعث تھا۔ اس سے اگلی آیت میں خدا تعالیٰ نے بلا ذکر جبرئیل کے فرمایا ہے۔ کہ بے شک ہم نے بھیجی ہیں۔ تیرے پاس کھلی ہوئی نشانیاں۔ ان وجوہات سے یہ بات کہ جبرئیل درحقیقت کسی فرشتے کا نام ہے۔ ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں اتنا قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ کہ اسی ملکہ نبوت پر جبرئیل کا اطلاق ہوا ہے"۔

کہاں تک لکھا جاوے۔ اور بیسیوں طرح کے امور کی مانند جبرئیل کے متعلق بھی عجیب و غریب اختلافات خیال موجود ہیں۔ حتیٰ کہ جبرئیل کے جن دشمنوں کا ذکر آیت ۹۸ میں ہے۔ ان کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔ کہ یہودیوں نے اپنے عندیہ میں دو جداگانہ فرشتے ٹھہرا رکھے تھے۔ ایک جبرئیل اور ایک میکائیل۔ پچھلے کو اپنا دوست جانتے تھے۔ اور پہلے کو اپنا دشمن۔ اور چونکہ دین محمدی کو وہ

اپنے برخلاف خیال کرتے تھے۔ تو یہ سمجھتے تھے۔ کہ جبرئیل جو ہمارا دشمن ہے۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں سکھاتا ہے"۔ علماء و مفسرین کے اس قسم کے خیالات سے جبرئیل کے متعلق کوئی نتیجہ نکالنا نہایت مشکل کام ہے۔ لیکن اگر محض قرآن تک ہی تحقیقات کو محدود رکھا جائے۔ تو معاملہ بالکل صاف ہوجاتا ہے۔ قرآن میں کہیں ایسا اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ کہ یہودیوں کے خیالی دشمن اور محض ایک موہومہ ہستی کی طرف اس میں اشارہ ہے۔ نہ یہ ذکر ہے۔ کہ جبرئیل کے دشمن یہودی ہیں۔ بلکہ یہود و نصاری کسی فرقہ میں سے کوئی بھی شخص دشمن ہوسکتا ہے۔ جبرئیل کو امین کہا گیا ہے۔ رسول کریم کہا گیا ہے۔ مطاع کہا گیا ہے۔ علم کا آنحضرت کا دل میں ڈالنے والا کہا گیا ہے۔ اور تمام استاد جو کچھ پڑھاتے ہیں۔ وہ کان کے ذریعے شاگرد کے دل میں ہی پہنچتا ہے۔ ہر استاد اور لائق شخص یا مبلغ شاگردوں۔ ہمنشینوں یا سامعین کے دلوں میں نیک خیال ڈالتا ہے۔ تو کیا کوئی استاد وغیرہ کے وجود سے منکر ہوسکتا ہے۔ اور محض شاگرد وغیرہ کے ملکۂ علمیت پر ہی تحصیل علم کا انحصار رکھ سکتا ہے۔ پس جبرئیل کی خاص شخصیت ہے۔ اور وہ آنحضرت کو پیچھے دھرم یا الہام کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن میں آیا ہے۔ کہ اسے پڑھنے والے میرے پیچھے آہستہ آہستہ پڑھ۔ جلدی نہ کر۔ اس کا مفہوم میں تمہارے ذہن نشین کرونگا۔ قرآن میں آیا ہے۔ کہ گورو۔ شاگرد کو کہہ رہا ہے۔ کہ اے سونے والے جاگ۔ اور دوں کو جگا۔ بت پرستی کی ناپاکیزگی ہٹا۔ خواجہ حسن نظامی قرآن آسان قاعدہ میں واضح کرتے ہیں۔ کہ جبرئیل باقاعدہ پڑھاتے تھے۔ اور آنحضرت ان کے پیچھے پڑھتے تھے۔ بخاری میں مذکور ہے۔ کہ آنحضرت کی وعظ کے دوران میں ایک بزرگوار پہنچے۔ انہوں نے سوال کئے۔ کہ خدا کیا ہے۔ اسلام کیا ہے۔ ایمان کیا ہے۔ آنحضرت نے جواب دیئے۔ جسے اس بزرگوار نے صحیح قرار دیا۔ اور چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد آنحضرت نے سامعین کو کہا۔ کیا آپ جانتے ہیں۔ یہ صاحب کون ہیں۔ انہوں نے کہا۔ نہیں۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ آپ ہی حضرت جبرئیل ہیں۔ آپ لوگوں کو سمجھانے کے لئے انہوں نے یہ سوال مجھ سے کئے ہیں۔ غرضیکہ یہ صحیح ہے۔ کہ وہ کوئی خاص ہستی نہ تھے۔ نہ یہ کہ وہ نظر نہ آتے تھے۔ نہ یہ کہ محض یہودی پہلے سے انہیں ایک فرضی دشمن مانتے تھے۔ بلکہ حقیقت وہی ہے۔ جو ہم پہلے کئی جگہ کہہ آئے ہیں۔ کہ ویدک مبلغ یا مشنری ہمیشہ سے تمام ملکوں میں پہنچ کر اشاعت حق کے متعلق اپنا فرض ادا کرتے رہے ہیں۔ اور ان رشیوں یا سنیاسیوں کا ہی جبرئیل نام تھا۔ رگوید کے پہلے اگنم ایلے لفظ ہے۔ اگنی کے معنے آگ کے لے کر آتش پرست لوگ (پارسی) ان کو گبرئیل کہتے تھے۔ کیونکہ گبر کے معنے آتش کے ہیں۔ لیکن یہودی لوگ گ نہیں بولتے وہ گ کو ج سے بدل کر الفاظ بولتے ہیں۔ جیسے گناہ کو وہ جناح کہتے ہیں۔ پس ویدک دھرمی مبلغوں کو اگنم ایل۔ گبرئیل۔ جبرئیل کہنا ہر طرح ظاہر ہے۔ عربی وغیرہ زبانوں کا لفظ ان کو کہنا صحیح نہیں کیونکہ ان زبانوں میں یہ الفاظ ام اللسان (سنسکرت) سے آئے ہیں۔ ان کے اپنے نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی قدیم زمانے سے ویدک دھرمیوں کا ہی رواج ہے۔ کہ گورو سے تعلیم کو شروع کراتے ہی ایسے الفاظ کہلواتے جاتے تھے۔ کہ اصل گورو پرمیشور ہے۔ ہم اس کے ایجنٹ یا امین کے طور پر اسی پرمیشور دا العلم تم تک پہنچاتے ہیں۔ وہ گورو بلوان یا ذی قوۃ تھے۔ وہ ایشور کے حکم کے مطیع تھے۔ وہ تمام اہل عالم کی عزت

کے مستحق تھے۔ اور جو تمام عالک میں پھرتے تھے۔ وہ بھاشائیں یا زبانیں بھی ان ملکوں کی جانتے تھے۔ اس لئے جبرئیل اس وقت کے اشنا ور زبان تھے۔ فرضی ہستی نہ تھے۔

۱۲۵ میکائیل

جہاں جبرئیل نام آیا ہے یا اشنا ور زبان کا ہے۔ وہاں میکائیل نام اس سے بھی بڑے عالم کا ہے۔ جو آفتاب کی مانند دنیا میں چمکتا ہے۔ ویدک ساہتیہ میں آدتیہ برہمچاری اسے کہتے ہیں۔ جو ۴۸ سال کا برہمچریہ رکھ کر علم میں کمال پاتا ہے۔ اور آدتیہ آفتاب کو کہتے ہیں۔

مگر مفسرین جبرئیل کی طرح میکائیل کے متعلق بھی کوئی یقینی علم نہیں دیتے۔ ایک صاحب اس کے معنے بھی عبداللہ یعنی بندہ خدا کہتے ہیں۔ دوسرے کہتے ہیں۔ اس کے معنے ہیں "من کا للہ" سرسید صاحب اسے بھی موہومہ ہستی سمجھتے ہیں۔ اور یہودیوں کا محض ایک خیال یہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ قوم بنی اسرائیل کا محافظ اور نگہبان ہے۔ جیسا کہ جبرئیل اس قوم کا دشمن ہے۔ اس قسم کی توہمات کے مقابلے پر ہم محض بائیبل کتاب مکاشفات کے اقتباس کو پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ میکائیل آفتاب کا نام ہے۔

پھر آسمان پر ایک بڑا نشان دکھائی دیا۔ یعنی ایک عورت نظر آئی۔ جو آفتاب کو اوڑھے ہوئے تھی۔ اور چاند اس کے پاؤں کے نیچے تھا۔ اور بارہ ستاروں کا تاج اس کے سر پر وہ حاملہ تھی۔ اور درد زہ سے چلاتی تھی۔ اور بچہ جننے کی تکلیف میں تھی۔ پھر ایک نشان آسمان پر دکھائی دیا۔ یعنی ایک بڑا لال اژدہا اس کے سات سر اور دس سینگ تھے۔ اور اس کے سروں پر سات تاج۔ اور اس کی دم نے آسمان کے تہائی ستارے کھینچ کر زمین پر ڈال دیئے۔ اور وہ اژدہا اس عورت کے آگے جا کھڑا ہوا۔ جو جننے کو تھی تاکہ جب وہ جنے۔ تو اس کے بچے کو نگل جائے۔ اور وہ بیٹا جنی یعنی وہ لڑکا جو لوہے کے عصا سے سب قوموں پر حکومت کریگا۔ اور اس بچے کو یکایک خدا اور اس کے تخت تک پہنچا دیا گیا۔ اور وہ عورت اس بیابان کو بھاگ گئی۔ جہاں خدا کی طرف سے اس کے لئے ایک جگہ تیار کی گئی تھی۔ تاکہ وہاں ایک ہزار دوسو ساٹھ دن تک اس کی پرورش کی جائے۔ پھر آسمان پر لڑائی ہوئی۔ میکائیل اور اس کے فرشتے اژدہے سے لڑنے کو نکلے۔ اور اژدہا اور اس کے فرشتے ان سے لڑے۔ لیکن غالب نہ آئے۔ اور اس کے بعد آسمان پر ان کے لئے جگہ نہ رہی۔ اور وہ بڑا اژدہا یعنی وہی پرانا سانپ جو ابلیس اور شیطان کہلاتا ہے۔ اور سارے جہان کو گمراہ کر دیتا ہے۔ زمین پر گرا دیا گیا۔ اور اس کے فرشتے بھی اس کے ساتھ گرا دیئے گئے۔

اور جب اژدہے نے دیکھا۔ کہ میں زمین پر گرا دیا گیا ہوں۔ تو اس عورت کو ستایا۔ جو بیٹا جنی تھی۔ اور اس عورت کو بڑے عقاب کے دو پر دیئے گئے۔ تاکہ سانپ کے سامنے سے اڑ کر بیابان میں اپنی اس جگہ پہنچ جائے۔ جہاں ایک زمانے اور زمانوں اور آدھے زمانے تک اس کی پرورش کی جائے گی۔

اور سانپ نے اس عورت کے پیچھے اپنے منہ سے ندی کی طرح پانی بہایا۔ تاکہ اس کو اس ندی سے بہا دے۔ مگر زمین نے اس عورت کی مدد کی۔ اور اپنا منہ کھول کر اس ندی کو پی لیا۔ جو اژدہے نے اپنے منہ سے بہائی تھی۔

وید میں اس بیان کی اصلیت

اوپر کا اقتباس محض رگوید منڈل اسوکت ۳۲ کے منتروں کا قائمقام ہے۔ ان منتروں میں اندر اور اہی کا بیان ہے۔ یہ دو لفظ تمام مخالف جوڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ دیوتا نام اندر رکھا ہے۔ اور اہی نام اسر یا راکھشس کا اس لئے ان منتروں میں دیو اسر سنگرام کا مفہوم موجود ہے۔ دیوتا نام نیک کا ہے۔ اہی نام بد کا۔ دیوتا نام روشنی کا ہے۔ اور اہی نام تاریکی کا۔ یعنی گیان اگیان۔ پنیہ۔ پاپ وغیرہ سب جوڑے اندر اور اہی الفاظ سے بیان ہو سکتے ہیں۔ یعنی اندر جیسے راجہ دیو ہے۔ تو چور۔ ڈاکو وغیرہ اہی جیسے اسر ہیں۔ آتما اندر ہے۔ تو کام کرودھ وغیرہ اسر ہیں۔ مگر سب سے زیادہ کثیف یا موٹا مفہوم جسے سب آسانی سے سمجھ سکیں۔ مہرشی دیانند نے سوریہ اور بادل کے باہمی جنگ کی صورت میں پیش کیا ہے۔ سورج کا لشکر اس کی کرنیں ہیں۔ جو سب پدارتھوں کو چھیدن کرتی ہیں۔ اور اہی یا بادل کا لشکر اس کی کالی گھٹائیں یا بخارات ہیں۔ جو سورج کی روشنی کو روکتی ہیں۔ مگر ان تمام کالی گھٹاؤں کو آخر سورج کی کرنیں تتر بتر کر دیتی ہیں۔ اس قسم کے بہت سے قابل غور نکات رگوید کے اس سوکت میں بیان کئے گئے ہیں۔ جن کا ہمارے نفس مضمون سے کچھ تعلق نہیں۔ جتانا محض یہ ہے۔ کہ بائیبل کی کتاب مکاشفات والے مذکورہ بالا اقتباس میں میکائیل اور اس کے فرشتوں کا ذکر ہے۔ یہ سورج اور اس کی کرنوں سے مراد ہے۔ جو تاریک بادلوں کو چھن بھن کرتی ہیں۔ یعنی مینہ کی صورت میں انہیں زمین پر بہا دیتی ہیں۔ جس سے مطلع صاف ہو جاتا ہے۔ بخوف طوالت منتر اس کے معانی اور ان معانی کی اقتباس بالا سے مطابقت کا یہاں بیان کرنا مناسب نہیں۔ نہ اس امر کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ مکاشفات کے اقتباس والے الفاظ عورت۔ دروزہ۔ بچہ جننا۔ اژدہا وغیرہ سے کیا کیا مراد ہے۔ کیونکہ سرسری نظر پر پڑھنے سے ہی اس اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ میکائیل نام سورج کا ہے۔ جسکے کرنوں والے فرشتے بادل نام اژدہا سے لڑتے ہیں۔ اور اس سے مینہ کا پانی زمین پر گرتا ہے۔ جسے زمین پی جاتی ہے۔

پس نظام شمسی میں سورج کو میکائیل کہتے ہیں۔ جو سنسکرت میں آدتیہ کہاتا ہے۔ اور اگر کسی کی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے اسے آفتاب علم کہتے ہیں۔ تو وہ بھی آدتیہ ہی ہے یا میکائیل۔

اس کے علاوہ یہ خیال بھی قابل غور ہے۔ کہ سنسکرت میں جیسے ایشور کی خاص صفات کو برہما۔ وشنو اور شبو نام تین دیوتاؤں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایسے ہی یہودیوں میں خدا کی صفات کے لحاظ سے فرشتوں کے نام تھے۔ اور یہی وہ بات ہے جس نے سرسید صاحب کو ان فرشتوں کے خاص وجود ماننے سے ہٹایا ہے۔ عزرائیل نام فرشتہ موت کا مانا جاتا ہے۔ اور میکائیل موکل ارزاق ہے۔ یعنی ہر قسم کی دولت سونا۔ چاندی اولاد۔ زمین۔ علم وغیرہ کا عطیہ دینے والی صفت ربانی کا مظہر لفظ میکائیل ہے۔ عزرائیل موت کا امین ہے۔ تو جبرئیل علم یا وحی کا امین ہے۔ اور میکائیل خدا کے تمام فیضان کا امین ہے۔ اسی لئے میکائیل کو دولت مند بادشاہ کہتے ہیں۔ بائیبل دانیال باب ۱۲ میں میکائیل کو بڑا سردار کہا ہے۔ اور اس سے مراد خدا سے بھی ہے۔ جو نجات اور زندگی و موت بموجب قابلیت و اعمال کے دیتا ہے۔ اس باب کی آیت نمبر ا

کے الفاظ قابل غور ہیں۔

اور اس وقت میکائیل وہ بڑا سردار نیری قوم کے فرزندوں کی حمایت کے لئے کھڑا ہے۔ اُٹھیگا۔ اور بہی تکلیف کا وقت ہوگا۔ جو امت کی ابتدا سے لے کر اس وقت تک کبھی نہ ہُوا تھا۔ اور اس وقت تیرے لوگوں میں سے ہر ایک جس کا نام کتاب میں لکھا ہوگا۔ رہائی پائے گا۔ اور ان میں سے بہتیرے جو زمین پر خاک میں سو رہے ہیں۔ جاگ اٹھیں گے۔ بعضے حیات ابدی کے لئے اور بعضے رسوائی اور ذلت کے لئے پر اہل دانش فلک کی چمک کی مانند چمکیں گے۔ اور وہ جن کی کوشش سے بتیرے صادق ہو گئے۔ ستاروں کی مانند ابد الآباد تک"۔

یہاں میکائیل بڑا سردار یا خدائے عز و جل ہے۔ جو مستحق لوگوں کو نجات عطا کریگا۔ اور دوسروں کو ان کی قابلیت کے مطابق دکھدائی قالبوں میں ڈالے گا۔ اہل دانش کا ملک پر چمکنا انہیں سورج بنانا ہے۔ اور ان کی کوشش سے اور لوگوں کا ستارے بننا۔ پس خدا کی عنایت سے فلک پر چمکنے والے سورج کو میکائیل کہنا بھی نہایت معنے خیز ہے۔

۱۲۶ ۔ حاسد مخالف

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ
اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ
يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ
بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ
اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٤﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى
مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿٥﴾

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ج
حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ج فَاعْفُوا
وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۶)

اے ایمان لانے والو! راعنا نہ کہا کرو۔ اُنظرنا کہا کرو۔ اور غور سے سنا کرو۔ اور سمجھ لو کہ کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے۔ ۱۔ اہل کتاب میں سے جو کافر ہیں۔ نیز مشرک لوگ نہیں چاہتے۔ کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل ہو۔ مگر اللہ جسے چاہتا ہے۔ اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ بے شک خدا بڑا فضل کرنے والا ہے۔ ۲۔ ہم کوئی آیت منسوخ یا متروک کرتے ہیں۔ تو اس سے عمدہ یا اس جیسی آیت لاتے بھی تو ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۳۔ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ آسمانوں اور زمین کی پادشاہت اللہ کی ہی ہے۔ اور اس کے بغیر تمہارا نہ کوئی ولی ہے۔ نہ مددگار۔ ۴۔ کیا تم اپنے رسول سے اس طرح سوال کرنا چاہتے ہو۔ جس طرح قبل ازیں موسیٰ سے کیا گیا تھا۔ پر جو کوئی ایمان کے بدلے کفر لیتا ہے۔ وہ گویا راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے۔ ۵۔ اہل کتاب میں سے اکثر لوگ بوجہ حسد چاہتے ہیں۔ کہ تمہارے ایمان لانے اور ان پر حق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی تمہیں پھر کفر کی طرف لوٹا دیں سو تم معافی اور درگذر سے کام لو۔ جب تک کہ اللہ اپنا حکم یا فیصلہ صادر فرمائے۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ ۶۔

۱۲۷۔ رَاعِنَا وَ اُنظُرْنَا

راعنا لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اور وقتوں میں تو کیا مخالف لوگ وعظ کے وقت بھی شرارت کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ راعنا لفظ کے معنے ہیں۔ ہماری طرف کا بھی خیال کیجئے۔ یا ادھر بھی دھیان کیجئے۔ ایسا ہی یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ذرا انتظار فرمایئے کہ ہماری سمجھ میں آجائے۔ اور سامعین کی تعداد بہت زیادہ ہو۔ تو اکثر آوازیں بھی آتی ہیں۔ کہ ہمارے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ یا ادھر بھی کچھ سنائی دینا چاہیئے۔ اور تعداد کم ہو۔ تو بھی پوری دلچسپی سے سمجھنے کی کوشش کرنے والے لوگ اپنے ہادی کو کہہ دیتے ہیں۔ کہ ذرا ہمیں سمجھ جانے دیجئے وغیرہ۔ لیکن مخالف یا شریر لوگ طنز یا تمسخر آمیز الفاظ بولتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ راعنا لفظ بولنے سے اپنے نیک نیت بھگتوں کو آنحضرت نے منع کیا۔ مخالف لوگ راعنا کو اوپر بیان شدہ خیال کی بجائے اس طریق پر بگاڑ کر بولنے لگے۔ کہ اس کا مفہوم ہوتا۔

اے احمق شیخی باز۔ اور ع کو کھینچ کر بولتے۔ تو معنے ہوتے۔ اے ہمارے گڈریے یا چرواہے۔ چونکہ اندیشہ تھا۔ کہ ان مخالفوں کی تقلید میں مسلمان بھی شرارت میں حصہ دار نہ ہونے لگیں۔ اس لئے اُنظرنا

کی ہدایت دینا شرافت اور تہذیب کا لازمی تقاضا تھا۔

۱۲۸۔ دُور اندیشی

نہ صرف راعنا لفظ کو ترک کرایا گیا۔ دور اندیشی سے کام لینے کی ہدایت دی کہ یہودی یا نصرانی وغیرہ مخالفوں سے محتاط رہنا چاہیئے۔ ان کے دلوں میں تعصب اور حسد کام کر رہا ہے۔ انہیں تمہاری بہتری ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ لیکن اللہ کا جس پر فضل ہو۔ اس کا یہ بگاڑ ہی کیا سکتے ہیں۔ پس غلط یا غیر ضروری بات کا منسوخ ہونا اور بہتر یا ضروری بات کا قبول ہونا ہی صحیح ہے۔ یعنی یہودی یا نصرانی مذاہب نے جو الہام الٰہی کے خلاف باتیں جاری کر دی ہیں۔ ان کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ جیسا راعنا متروک اور انظرنا مقبول ہوا۔ ہمارا ولی یا کارساز اور مددگار سوائے خدا کے کوئی نہیں۔ اور چونکہ وہی شاہد کل ہے۔ اس لئے اسی کا حکم ماننا چاہیئے۔ اور ان مخالفوں کی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ خدا قادر مطلق ہے۔ وہی ان کو مناسب بدلہ ایسی بری باتوں کا دے سکتا ہے۔ تمہیں ان سے نہ خوف کرنا چاہیئے۔ نہ ان کی بہکاوٹ میں آکر ایمان کے بدلے کفر لینا چاہیئے۔ نہ اس قسم کے بے عقلی کے سوالوں میں وقت ضائع کرنا چاہیئے۔ جیسے موسےٰ سے یہ لوگ کرتے تھے۔ کہ ہمیں ان آنکھوں سے خدا دکھاؤ وغیرہ غرضیکہ یوگ درشن میں جو ایک وقت سیکھشا اور دوسرے وقت کھشما کی ہدایت ہے۔ اور وید منتروں میں جو انصاف الٰہی پر انحصار رکھنے کی ہدایت ہے۔ وہی یہاں مذکور ہے۔

۱۲۹۔ اَھلُ الکِتٰب

آیت ۱۰۵ و ۱۰۹ میں اہل الکتاب کا لفظ آیا ہے۔ مفسرین ان کا اطلاق یہودی اور نصرانی لوگوں پر کرتے ہیں۔ اور اس میں کلام نہیں کہ مخالفت اور حسد وغیرہ کا تعلق ان لوگوں سے ہی منسوب ہو سکتا تھا۔ کیونکہ زیادہ تر یہی دو مذہب مقابلے پر تھے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ ان کو اھل الکتٰب کیوں کہا گیا۔ کہا جائیگا وہ توریت اور انجیل کو مانتے تھے۔ ان دو کتابوں کی وجہ سے وہ اہل الکتاب تھے۔ لیکن ہم ثابت کر آئے ہیں۔ کہ الکتٰب کا لفظ عموماً قرآن میں آغاز عالم والے الہام (وید) کے لئے مستعمل ہوا ہے۔ اور یہی پوزیشن یہاں بھی ہم مانتے ہیں۔ اول اس وجہ سے کہ اھل الکتاب ایک فریق ہے۔ اور توریت اور انجیل کے لحاظ سے دو فریق بنتے ہیں۔ دوم قرآن میں یہ پوزیشن کئی جگہ واضح کی گئی ہے۔ کہ توریت انجیل قرآن سب اس قدیم الہام کے مصدق ہیں۔ اور اسی کتاب یا حکم الٰہی کے مطابق ہونے سے ان کی تعلیم قابل قبول ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ وہ ان سب مذاہب کی ایک ہی دھرم پستک مانتے تھے۔ اور توریت۔ انجیل کو محض مقامی یا زمانی ضروریات کے لئے رہنما تسلیم کرتے تھے۔

سوم۔ مخالفت یہاں محض ان اہل کتاب سے منسوب ہو رہی ہے۔ جو حسد یا تعصب یا شرک کا شکار ہیں۔ بلا لحاظ یہود و نصاری یا بلا تخصیص توریت و انجیل کے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ حق پرست اور غیر متعصب اہل کتاب مخالفت نہیں کرتے۔ اور کئی جگہ آیا ہے۔ کہ سمجھدار لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جو کچھ میں تبلیغ کرتا ہوں۔ وہ قدیم تعلیم کے مطابق ہے یا اس کتاب کے جو پہلے سے ان کے پاس ہے۔ قرآن کا یہ کہیں دعوے نہیں۔ کہ وہ توریت یا انجیل کے مطابق ہے۔ بلکہ وہ توریت انجیل کو بھی اپنے ساتھ قدیم کتاب کا مصدق

بتاتا ہے۔ اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے۔ وہ ہر کہیں ایک ہی الہامی علم ہے۔ جو شروع سے ہے۔

چہارم یہودی و نصرانی فرقہ بندی کا شکار تو تھے۔ مگر وہ فرقہ بندی محض اس نوعیت کی مانی جا سکتی ہے جو اسلام میں عام ہے۔ اور ہندوؤں میں بھی۔ ورنہ خود بائبل میں ہر کہیں ابتدائی الہام کا اقبال ہے۔ یوحنا کی انجیل کے سب سے پہلے الفاظ یہ ہیں۔

"ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ کلام ہی خدا تھا"

چونکہ کلام الٰہی کا مفہوم علم ہے۔ اس لئے کہ کلام مجموعہ ہے کلمات کا۔ اور کلمات جمع ہے کلمہ کی اور کلمہ وہ ہے جو معنے رکھتا ہے۔ پس معانی یا علم والی کلام محض ایشوری گیان کا ہی نام ہے۔ ابتدا میں ایشوری گیان تھا۔ اسی سے اور اسی کے مطابق پیدائش ہوئی۔ کیونکہ علم کے بغیر کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ علم خدا کے ساتھ تھا۔ کیونکہ علم بغیر عالم کے رہ نہیں سکتا۔ اور چونکہ خدا علم بالذات ہے۔ اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے۔ کہ کلام ہی خدا تھا۔ واعظ کی کتاب آیت ۱۲ تا ۱۴ میں ہے۔

"میں حماقت اور جہالت کے دیکھنے پر متوجہ ہوا۔ کیونکہ وہ شخص جو بادشاہ کے بعد آویگا۔ کیا کریگا۔ مگر وہ جو قدیم سے لوگ کرتے آئے ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ جیسی روشنی کی تاریکی پر فضیلت ہے۔ ویسے ہی حکمت میں جہالت سے شرافت ہے۔ دانشور اپنی آنکھیں سر میں رکھتا ہے۔ پر احمق اندھیرے میں چلتا ہے"

یہاں قدیم سے ہی جو علم ہے۔ وہ ہی ہمیشہ کے لئے رہنما مانا گیا ہے۔ اسی کو روشنی اور حکمت اور آنکھوں کا نام دیا گیا ہے۔ اور جگہ یہ لکھا ہے۔

اگلے زمانہ میں خدا نے باپ دادوں سے حصہ بہ حصہ اور طرح بطرح نبیوں کی معرفت کلام کر کے اس زمانے کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا!...... اب اس بات کی حاجت ہے۔ کہ کوئی شخص خدا کی کلام کے ابتدائی اصول تمہیں پھر سکھائے"

(عبرانیوں کے نام کا خط باب ۲۔ آیت ۱ و ۲) یوحنا کہتا ہے۔ اے بی بی میں تجھے کوئی نیا حکم نہیں۔ بلکہ وہی جو شروع سے ہمارے ہاں ہے۔ لکھتا۔ اور تجھ سے منت کر کے کہتا ہوں۔ کہ آؤ ہم ایک دوسرے سے محبت رکھیں۔ وہ محبت یہ ہے۔ کہ ہم اس کے حکموں پر چلیں۔ یہ وہی حکم ہے جو تم نے شروع سے سنا ہے۔ کہ تمہیں اس پر چلنا چاہیئے" عیسائی لٹریچر کو مطالعہ کرنے کے بعد سینٹ آگسٹس اپنی تحقیقات کا لب لباب ان الفاظ میں دیتا ہے "جو دین اس وقت دین عیسوی کے نام سے مشہور ہے۔ وہ متقدمین میں موجود تھا۔ اور وہ نوع انسان کی پیدائش سے حضرت عیسیٰ کے قالب انسانی میں آنے تک (یعنی اس وقت تک جب سے کہ سچا دین جو پہلے سے موجود تھا۔ دین عیسوی کہلایا) غیر موجود نہ تھا"

نہ صرف یہ ذرا سے غور کرنے پر معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ بائبل کی کل کتابیں نہ یہودیوں کی تصنیفات ہیں۔ نہ نصرانیوں کی۔ نہ کسی عیسائی۔ پادری اور نہ مسیح کی۔ یہ کل آریوں کی تصنیفات تھیں۔ اور سنسکرت میں تھیں۔ جس طرح سکھوں کے ایک گورو صاحب نے ایک وقت میں سب بھگتوں کے نوشتے جمع کر کے گرنتھ صاحب کا پیٹرا باندھا۔ اسی طرح یہ کل کتب ضبط میں لائی گئیں۔ سنسکرت سے ان کو عبرو میں ترجمہ ہوا۔ اور عبرو سے لاطینی میں۔ اور لاطینی سے مصری۔ انگریزی وغیرہ دیگر زبانوں میں ترجمہ در ترجمہ ہوتے

ہوئے قدیم تعلیم سے ناواقف مترجموں کی بدولت ان کی حالت بدل گئی ہے۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ ان کا اصل دھرم قدیم دھرم ہی مانا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ توریت اور انجیل کا اگلی آیات میں صاف طور پر پوشیدہ ہے۔ غرضیکہ یہ امر ٹھیک سے بالاتر ہے۔ کہ الکتٰب کا لفظ یہاں بھی قدیم الہام کے لئے ہے۔

۱۳۰۔ یہود اور نصاریٰ کا بطلان

وَاَقِيمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ
عِنْدَ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ
اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۚ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۚ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸﴾ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ
عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۹﴾ ع ۱۳
وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى
شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ
فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۰﴾

اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ کیونکہ جو نیک کمائی اپنے لئے پہلے سے بھیجو گے۔ یعنی موت سے پہلے کما لو گے وہی اللہ کے ہاں پاؤ گے۔ تحقیق اللہ تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔ ۷۔ اور یہود کہتے ہیں۔ کہ یہود کے اور نصاریٰ کہتے ہیں۔ کہ نصاریٰ کے سوائے کوئی جنت میں نہ جائے گا۔ لیکن یہ ان کی من مانی باتیں ہیں انہیں کہو۔ کوئی دلیل بھی تو دو۔ ۸۔ بلکہ حق بات تو یہ ہے۔ کہ جس نے اپنے آپ کو خدا کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اور نیک عمل کئے۔ اس کے لئے اس کے رب کے ہاں نیک اجر ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے نہ خوف ہے۔ نہ آزردگی ۹۔ پھر یہود کہتے ہیں۔ نصاریٰ کچھ نہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہود کچھ نہیں۔ حالانکہ دونوں کتاب پڑھتے

والے ہیں۔ اسی طرح کی باتیں جو علم نہیں رکھتے۔ کرتے رہتے ہیں۔ سو اللہ ہی امن واتحاد کے زمانہ میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کریگا۔ ا۔

۱۳۱۔ مسلمانوں کا فرض

ان آیات میں بتایا گیا ہے۔ کہ مذاہب کو چھوڑ کر دھرم کو ہی قبول کیا۔ اور عمل میں لایا جاوے۔ دھرم کیا ہے۔ نیک عمل جو ہر انسان کو سکھ دینے والے ہیں۔ نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا وغیرہ۔ خدا عملوں کو دیکھتا ہے۔ زندگی کے بعد اسے انہی کمائی کا بدلہ ملیگا۔ جو اس نے زندگی میں کی ہے۔ آیت ۱۱۲ میں سب سے اعلٰے نیک عمل یا دھرم اسے کہا ہے۔ کہ انسان اپنے آپ کو قطعی طور پر خدا کی رضا پر چھوڑ دے۔ یعنی سکھ دکھ۔ نفع نقصان۔ تعریف مذمت سب کا خیال چھوڑ کر جو کچھ ایشور کی اچھیا ہے۔ اسی پر قناعت کرے۔ ایسے لوگ نشکام یعنی بے غرض عمل کرتے ہیں۔ یجر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۲ میں ہدایت ہے۔ کہ انسان سو برس تک جینے کی کامنا کرے۔ مگر کرم کرتے ہوئے۔ مطلب یہ کہ پھل کی خواہش چھوڑے رہے۔ کرم کو کبھی نہ چھوڑے۔ اسی طرح کے عمل نجات کا موجب ہیں۔ اور کوئی طریق انسان کو بندھن سے بچانے والا نہیں۔ اور اسی لئے آیت ۱۱۲ میں قرآن کہتا ہے۔ کہ اس طرح رضائے الٰہی پر انحصار رکھنے والے لوگ سب طرح کے خوف اور دکھوں سے چھوٹ جاتے ہیں۔ غرضیکہ مسلمانوں کا وہی فرض بتایا گیا ہے۔ جو وید میں آریوں کا بتایا ہے۔ اس کے علاوہ اور مذہبی تعلیمات محض پھوٹ ڈالنے اور دکھ کی طرف لے جانے والی ہیں۔ جیسا سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں دکھایا ہے۔ کہ تمام مذاہب اپنی اپنی طرف لوگوں کو کھینچنے کے لئے جھوٹی باتیں بنا رہے ہیں۔ شیومت والے کہتے ہیں۔ وشنو والے جھوٹے۔ اور وشنو والے کہتے ہیں۔ شیو والے جھوٹے۔ پھر ہر ایک کہتا ہے۔ ہمارے مت کے ماننے والوں کے سوا کسی کی مکتی نہ ہوگی۔ ٹھیک اسی طریق پر قرآن کہتا ہے۔ کہ یہودی کہتے ہیں۔ نصاریٰ کچھ نہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہودی کچھ نہیں۔ نیز یہودی کہتے ہیں۔ ہم ہی جنت میں جائیں گے۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں۔ ہم ہی جائیں گے۔ حالانکہ دونوں کتاب الٰہی کو مانتے و پڑھتے ہیں۔ مگر باتیں ایسی بے علموں یا گنواروں والی کرتے ہیں۔ اس لئے مسلمان لوگ مذاہب سے بچ کر بے غرض طور پر دھرم کے مطابق نیک عمل کریں۔ مذاہب کے جھگڑے میں نہ پڑیں۔ یہ جھگڑے چونکہ کوئی اصولی نہیں ہوتے۔ پس لئے ان کے حق میں دلیل بھی قاطع نہیں ہوسکتی۔ اور جب تک یہ مٹ نہ جائیں۔ امن و اتحاد نہیں ہوسکتا۔

یہاں یہ امر قابل نوٹ ہے۔ کہ یوم القیامت کے معنے جو لوگ دنیا کے خاتمہ والی موہومہ قیامت سمجھتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ قیامت کے دن انہی کے قول کے مطابق خدا تو فعلوں کی سزا جزا دیتی ہے۔ لوگوں کے باہمی اختلافات یا مذہبی جھگڑوں کی تحقیقات نہیں کرنی۔ نہ ان کا فیصلہ دینا ہے۔ نہ اس وقت کا فیصلہ کچھ فائدہ دے سکتا ہے۔ جب فریقین ہی نہ رہے۔ تو فیصلہ کہاں رہا۔ برخلاف اس کے یہاں ہم نے امن و اتحاد کے معنے لکھے ہیں۔ وہ ہر سمجھدار کے لئے قابل تسلیم ہیں۔ کیونکہ عام اصول ہے۔ کہ امن و اتحاد کے وقت اختلافات نہیں رہتے۔ اختلافات مٹنے پر اتحاد اور امن ہوتا ہے۔ اور قیامت کے معنے ہیں۔ قائم یا کھڑا ہونا نہ کہ فناہ ہونا"

۱۳۲ - مسجدوں میں جانے سے روکنا

وَمَنْ
أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ
أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا
خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۲ وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ
فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۳

اور اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے۔ جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لیا جانے کو منع کرتا ہے۔ اور ان کی خرابی کے درپے رہتا ہے۔ یہ لوگ خود اس قابل نہیں۔ کہ مسجدوں میں آنے پاویں۔ سوائے اس کے کہ ڈرتے ہوئے آویں۔ ان کے لئے دنیا میں بھی ذلت ہے۔ اور آخرت میں بھی بھاری عذاب ہے۔ ۲۔ اور سب سمتیں اللہ کی ہیں۔ کیا مشرق اور کیا مغرب۔ اس لئے جس طرف بھی منہ کرو۔ ادھر ہی اللہ کا سامنا ہے تحقیق او وسعت کل اور علم کل یعنی ہر دو یا پک اور ہر جگہ ہے۔ ۳۔

۱۳۳ مختلف بیان

ان آیات میں یہ ہدایت دینا مقصود ہے۔ کہ اللہ کی مسجدوں میں کھلی اجازت ہونی چاہیئے۔ کہ لوگ بے روک ٹوک انہیں آکر اللہ کا نام لیں۔ یا اس کی عبادت کریں۔ لیکن علماء اسلام نے ان آیتوں سے خاص واقعات جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ ایک بیان یہ دیا جاتا ہے۔ کہ کفار قریش ابتدائے اسلام میں پیغمبر صاحب اور ان کے چند اتباع کو جو اس وقت تھے۔ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے[1] کے دوران میں ہی آکر زبردستی ان سے نا پلیٹ گئے۔ اور ان کا گلا انہوں نے گھونٹا ایک بار سجدے میں تھے۔ کہ اونٹ کی اوجھڑی گلے پر رکھ دی وغیرہ۔ مدینے کو ہجرت کرنے کے چھٹے برس عمرہ نام ایک قسم کا حج کرنے کو آپ مکہ جانا چاہتے تھے۔ لوگوں نے نہ آنے دیا۔ اس خیال والے لوگ اس ظلم کا تعلق اس واقعہ سے جوڑتے ہیں۔ اور آیت ۱۱۵ کی تاویل یہ لوگ اس طرح کرتے ہیں۔ کہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کو داخل نہ ہونے دیا گیا۔ تو مسلمانوں کی دل شکنی کو دور کر کے انہیں تسلی دینے کے لئے کہا گیا۔ کہ خدا کی عبادت کہیں کر لو۔ خانہ کعبہ کی شرط کیا ہر کہیں قبلہ ہے۔ مشرق مغرب کہیں بھی ہو۔ قبلہ کی طرف نماز پڑھ لو۔ قبول ہو گی۔ کیونکہ روئے زمین تمہارے لئے خانہ کعبہ ہے۔ دوسرے خیال کے لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس میں قبلہ یا خانہ کعبہ کا کوئی ذکر نہیں۔ عام اصول کی بات ہے۔ کہ مسجدیں عبادت

[1] سے مانع ہوتے تھے پیغمبر صاحب کے رستے میں کانٹے انہوں نے بچھائے پیغمبر صاحب کے نماز پڑھتے

الہی کے لئے ہیں۔ اُن میں نہ آنے اور نہ ان میں نماز پڑھنے دینا ان کی بربادی کے مترادف ہے۔ لہذا وہ سزا کے مستحق ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے جس طرح ایک دوسرے کو روکا۔ اور ایک دوسرے کے جانی دشمن اور درپے تخریب رہے۔ ان کے اس واقعہ سے حضرت محمد صاحب کے دشمنوں کی ناکامی کی پیشگوئی کو یہ لوگ اس آیت سے منسوب کرتے ہیں۔۔۔۔۔ یہود و نصاریٰ بھی مشرکین کے ساتھ اس امر میں مل گئے۔ مگر سب ناکام ہوئے۔ اور آنحضرتؐ بطور فاتح مکہ میں داخل ہوئے۔ بعض لوگ مشرق اور مغرب کے الفاظ اس پیشگوئی سے منسوب کرتے ہیں۔ کہ مسلمان جس طرف جائیں گے۔ فتوحات پائیں گے۔ لیکن نہ پیشگوئیوں کو خود رسول صاحب مانتے ہیں۔ نہ یہ خیال معقولیت پر مبنی ہے۔ رسول صاحب تو یوں فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنے مستقبل کو جانتا۔ تو بہت فائدے پاتا۔ افسوس علماء کو معقولیت یا علمی اور عقلی دلائل وغیرہ پر اسلام کی عظمت کا انحصار رکھنے کی طرف توجہ ہی نہیں رہی۔ وہ تو پیشگوئیوں کا نام لے کر ضعیف الاعتقاد لوگوں کو خوش کرنے میں ہی اپنی علمیت کا کمال سمجھتے ہیں۔

۱۴۳۔ اصل حقیقت

ان دو آیتوں میں عبادت الہی کے مقدم فرض کو ادا کرنے میں تنگ خیال لوگوں سے جو رکاوٹیں ہوسکتی ہیں۔ ان کو دور کرنا مقصود ہے۔ اور چونکہ عبادت الہی سب سے بڑا فرض ہے۔ اس لئے اس میں رکاوٹ ڈالنے یعنی مسجد میں کسی کو جانے اور عبادت کرنے سے روکنے والا شخص سب سے بڑا ظالم اور گنہگار سمجھا گیا ہے۔ اس قسم کی روک سے مسجدوں کی بے رونقی ہو رہی ہے۔ چونکہ ایسے لوگ مسجدوں اور خدا کی عبادت کی فضیلت سے ناواقف ہیں۔ اس لئے انہیں مسجدوں کے متعلق کھلا اختیار نہ دیا جائے۔ حتیٰ کہ وہ خود بھی آویں۔ تو خوف کھاتے ہوئے آویں۔ مسجد میں آنے جانے والے سچے معنوں میں خدا کے معتقد اور اس کی عبادت کرنے والے ہوں۔ تو اس قسم کے لوگوں پر واقعی مسجد کا ایسا رعب ہوسکتا ہے۔ کہ بے تکلفی سے آجا ہی نہ سکیں گے۔ کسی مخالف پر اس میں حملہ نہیں۔ نہ یہ کسی اپنی تکلیف وغیرہ کی یاد کرانے کو ہے۔ بلکہ مسجدوں کی کامیابی اور عبادت میں سہولتیں یا حوصلہ افزائی مہیا کرنے کے لئے ہے۔ آنحضرتؐ کے اخلاقی معراج سے یہ بات بعید ہے۔ کہ وہ کسی بھی پہلو میں کینہ سے کام لیں۔ وہ جہاں چاہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کرنے والے۔۔۔۔ آئندہ ظلم سے کنارہ کش رہیں۔ وہاں فاتح کی صورت میں داخل ہونے پر انہوں نے یہ اعلان بھی کیا تھا۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا م

"اے مسلمانو! یاد رکھو) جن لوگوں نے تمہیں مسجد الحرام میں جانے سے روکا تھا۔ ان کی عداوت کے جذبہ کے زیر اثر کہیں کسی پر زیادتی نہ کر بیٹھنا" پس جہاں اوروں نے یہ برا کام کیا وہاں مسلمان بھی کہیں انتقام کے جذبہ سے متحرک ہو کر مسجدوں میں آنے سے انہیں روکنے نہ لگیں یہی مدعا آیت زیر بحث کا ہے۔ اور کیا مسلمان اور کیا ان کے مخالف سب کو مسجدیں سب کے لئے کھلی رکھنے اور عبادت وغیرہ کی ترقی میں حصہ لینے کی ہدایت دی گئی ہے۔ مزید بریں آنحضرتؐ نے خاص مغرب کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھنے کی قید کو توڑا ہے۔ اور ہر طرف کو قبلہ قرار دیا ہے۔ لوگ اس پر ناراض ہوئے تھے۔ اور رسول صاحب اور ان

کے لوگوں کو اس آزادانہ رویہ سے روکنے لگے تھے۔ تاہم انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ کہ ہر جگہ اور ہر طرف موجود خدا کو خاص طرف میں مقید مانا جاوے۔ اور دوسرے خیال کے لوگوں کو ادائے نماز کے لئے مسجد میں گھسنے ہی نہ دیا جاوے۔ مشرق مغرب کا جھگڑا فضول ہے۔ خدا سب سمتوں میں موجود ہے تو نماز میں خاص طرف کی قید کیوں ہو؟ پس خدا کا ہر جگہ موجود اور علیم کل ہونا تقاضا کرتا ہے۔ کہ خاص طرف کی شرط اڑا دی جاوے۔ وید میں پرمیشور کو سرو ویاپک اور سرو گیہ کہا ہے۔ اور سندھیا کے منسا پرکرما کے منتروں میں جو ہر طرف اس کی موجودگی اور حفاظت کا یقین دلایا گیا ہے۔ اسی کی تقلید کو اس آیت میں مسلمانوں کا فرض بتایا گیا ہے۔

۱۳۵ - اللہ کا بیٹا

وَقَالُوا اتَّخَذَ

اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ④

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ⑤

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ⑥ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ

اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ⑦ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى

تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ

هُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا

نَصِيْرٍ ⑧ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑨

یہ یوں بھی کہتے ہیں۔ کہ خدا کے بیٹا ہوا۔ مگر وہ اس سے پاک ہے۔ کیونکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے۔ سب اسی کا ہے۔ سب اسی کے زیر فرمان ہے۔ ۴۔ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ جب اس کی مرضی ہوتی ہے۔ کہ فلاں چیز ہو۔ وہ اس کے لئے کہتا ہے۔ کہ ہو اور وہ ہو جاتی ہے۔ ۵۔ مگر جو علم نہیں رکھتے کہتے ہیں۔ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔ اور کیوں ہمارے پاس ہدایت نہیں لاتا۔ اسی طرح ان سے جو پہلے تھے۔ وہ بھی ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان کے دل ایک ہی طرح کے ہیں۔ بے شک اہل یقین کے لئے ہم اپنی ہدایت واضح کر چکے ہیں۔ ۶۔ تحقیق ہم نے تجھے حق کے ساتھ محض اس لئے بھیجا ہے۔ کہ نیکوں کو بشارت دے۔ اور بدوں کو ڈرائے۔ اور دوزخ والوں کی بابت تجھ سے بازپرس نہ ہوگی۔ ۷۔ اور یہود اور نصاری تجھ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ جب تک تو ان کے مذہب کی پیروی اختیار نہ کرے۔ انہیں کہدو۔ ہدایت تو وہی ہے۔ جو اللہ کی ہدایت ہے۔ اور اگر تو ان کے خیال یا توہمات کی پیروی کریگا۔ بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا۔ تو اللہ کی طرف سے تیرا کوئی ولی یا مددگار نہ ہوگا۔ ۸۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی۔ وہ اسے پڑھتے ہیں۔ جیسا پڑھنے کا حق ہے۔ تو یہی لوگ ہیں۔ جو صحیح معنوں میں اسے مانتے ہیں۔ اور جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ وہی نقصان اٹھاتے ہیں۔ ۹۔

۱۳۶۔ عیسائی عقیدہ کا بطلان

عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ قرآن ان آیات میں اس کی تردید کرتا ہے۔ کیونکہ اول سبحانہٗ وہ تمام عارضی اور محدود تعلقات وعوارضات سے پاک ہے۔

دوم۔ وہ کل چیزوں کا مالک ہے۔ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ سب اس کے زیر فرمان ہیں۔ پس سب انسان اس کے بیٹے ہیں۔ ایک بیٹے کا کیا مطلب۔

سوم۔ بیٹے کی غرض نسل چلانے وغیرہ سے ہے۔ لیکن خدا خود ہمیشہ آسمان و زمین کو معہ تمام کائنات ارضی وسماوی کے پیدا کرتا رہتا ہے۔ کسی بیٹے کے ذمے اس نے کوئی سلسلہ پیدائش لگا نہیں رکھا۔ اس کا اپنا محض قول یا ارادہ ہی کسی چیز کے وجود میں آنے کے لئے کافی ہے۔ پس بیٹے کی اسے کیا حاجت ہے!

چہارم۔ بے علم لوگ کہدیتے ہیں۔ کہ خدا کے لئے ہم سے کلام کرنا یا ہم کو ہدایت دینا ضروری ہے۔ اس لئے وہ بیٹے کے ذریعے ہم سے کلام کرتا۔ اور ہم کو ہدایت دیتا ہے۔ آیت ۱۱۸ میں کہا ہے۔ کہ ایسی طرح کی دلیلیں یہ عیسائی لوگ ہی نہیں کرتے۔ ان سے پہلے بھی لوگ ایسی باتیں کرتے یعنی اوتار وغیرہ مانتے تھے۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ کہ جن لوگوں کو صداقت پر یقین ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ خدا سے انسانوں کو سچا علم مل چکا ہوا ہے۔ اس لئے بیٹے کے ذریعے کلام وہدایت ملنے کی حاجت نہیں۔

پنجم۔ رسول یا مبلغ جو سچا علم پاتے ہیں۔ وہ لوگوں کو دہرم کی وجہ سے راحت اور نجات تک ملنے کی خوشخبری سناتے ہیں۔ اور بدوں کو بدی کے انجام یا دکھ ملنے کے خیال سے ڈراتے ہیں۔ خود حضرت محمد صاحب کی یہی پوزیشن ہے۔ اگر لوگ گنہگار یا دوزخ کے عذاب کے مستحق ہیں۔ تو یہ ان کے اعمال کا پھل ہے۔ رسول یا مبلغ کی ذمہ واری نہیں۔ اس کا کام سچائی کا پہنچانا یا خوشخبری دینا اور ڈرانا ہی ہے۔

مطلب یہ کہ اگر علم اور ہدایت الہام کی صورت میں سمجھی جاوے۔ تو بھی بیٹے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ خدا خود آغاز عالم سے وہ دے چکا ہے۔ اور اگر پند کی تبلیغ سے غرض ہو۔ تو جیسا موہو مہ بیٹا ... ہونے سے پہلے رشی منی یا سنیاسی وغیرہ وعظ کرتے تھے۔ اب اس کے بعد بھی واعظ لوگوں سے وہ کام ہو رہا ہے۔ گویا بیٹا ہونے کی یہ غرض بھی پوری نہیں ہوئی۔ پس اللہ کا بیٹا ماننا قطعاً غلط عقیدہ ہے۔

۱۳۷۔ کُن فَیَکُوْنَ

اس امر پر اور لوگوں کے ساتھ ویدک دھرمی بھی اسلام پر اعتراض کر رہے ہیں۔ کہ خدا کہتا ہے۔ ہو اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے۔ کس کو حکم دیا جاتا ہے۔ کون حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ اور کس طرح پاکا ہے سے وہ چیز ہو جاتی ہے۔ لیکن ذرا غور کیا جاوے۔ تو یہ محض اس ویدک تعلیم کی بازگشت ہے۔ کہ خدا کو دنیا کے بنانے کے لئے کسی تردد یا تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ اسے کوئی سامان اکٹھا کرنا پڑتا ہے۔ نہ وہ اوزاروں کا محتاج ہے۔ نہ وہ وقت یا جگہ کی حاجت رکھتا ہے۔ ہر چیز کے متعلق حقیقی علم اور تمام ضروری سامگری وسامرتھ اس کی ذات میں موجود ہے۔ اور اسی لئے اپنشد میں کہا ہے۔

स्वाभाविकी ज्ञान बल क्रिया च

یعنی ایشور میں فطرتاً ہی گیان یعنی علم۔ بل یعنی طاقت اور کریا یعنی فعل ہے۔ یا وہ علم مجسم۔ طاقت مجسم اور فعل مجسم ہے۔ ایسی حالت میں محض خدا کا حکم یا ارادہ ہی ایک چیز کو کارن یا علت یا عدم کی حالت سے معلول حالت یا وجود میں لا سکتا ہے۔ پس قرآن کا یہ کہنا بالکل بجا ہے۔ کہ

وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ

جب وہ کسی امر کا ہونا چاہتا ہے۔ وہ اس کے لئے کہتا ہے۔ ہو اور وہ ہو جاتی ہے۔ ایتریہ اپنشد ادھیائے امیں یہ شبد ہیں۔

स ईक्षत लोकान् सृजा इति

اس نے ایکھشن کیا۔ کہ میں جہانوں کو پیدا کروں۔ سو ایکھشن کا لفظ ہی قضیٰ سے ادا کیا گیا ہے۔ وید میں ایشور کے تپ کا بھی پیدائش عالم سے تعلق مذکور ہے۔ لیکن رشی کہتا ہے۔ یسیہ گیان مییم تپہ یعنی اس کا تپ بہ صورت علم ہے۔ یعنی خدا کے علم میں دنیا تھا نہ تھی۔ وہ علم ظاہر ہو گیا

۱۳۸۔ الہامی علم اور انسانی علم

آیت نمبر ۱۲۰ میں نہایت اعلیٰ علمی اصول پیش کیا ہے۔ کہ ہدایت یا علم صحیح معنوں میں محض وہی ہے۔ جو خدا سے ملا ہے۔ اور دراصل وہ الہامی علم ہی ہے۔ اور دوسری طرف انسانی علم محض اس کے ذاتی توہمات تخیلات یا ظنیات ہیں۔ انہیں قرآن اھواء ھم یعنی ان کے ہوا وہوس پر مبنی یا خیالی باتیں کہتا ہے۔ علم کے متعلق یہ نہایت معقول بیان اور علمی بحث ہے۔ حقیقی علم محض خدا میں ہے۔ وہی بذریعہ الہام آغاز عالم میں رشیوں یا ملائکہ کے روح میں ظاہر ہوا۔ اور اس کے بعد انسانوں میں جو سلسلہ چلا۔ ہر ایک اپنے خیالات کے مطابق بعد میں آنے والوں کو تعلیم دیتا ہے۔ مگر یہ حقیقی علم نہیں۔ انسان اس علم کے متعلق اپنی یادداشتوں کو دوسروں پر ظاہر کرتا ہے۔ دنیوی لوگ

اپنے خیالات یا یادداشتوں کو سمرتیوں کی صورت میں آئندہ نسلوں کے لیے چھوڑتے ہیں۔ اور دوسرے گورو وغیرہ جیسا علم ایسا کو اپنی یادداشت میں بٹھا سکے ہیں۔ ویسا ہی اپنے لفظوں کے ذریعے دوسروں پر ظاہر کرتے ہیں۔ اہلِ مذاہب میں سے ہر ایک اپنے مذہب کو ہی سچا کہتا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ کنوئیں کے مینڈک کی طرح اپنے خیالات و احساسات کے دائرے میں گھِر رہا ہے۔ اُسے اور حقیقی علم محسوس ہی نہیں ہوتا۔ اسی سے ہر طرف ضد اور ہٹ کا زور ہے۔ اسی سے اپنے اپنے خیالات کے غلام لوگ تعصب اور طرفداری کا شکار ہو کر مذہبی تفرقہ بڑھا رہے ہیں۔ مگر الہامی علم سب کے لئے مفید اور ہمیشہ یکساں ہونے سے یکسانیت اور اتحاد کا موجب ہے۔ دونوں طرح کے علموں کا مقابلہ دکھا کر کہا ہے۔ کہ یہود اور نصاریٰ حق کو تو کیا قبول کریں گے۔ تجھے اپنے توہمات کا قائل کرنا چاہتے ہیں۔ سو اگر سچا علم پا کر یعنی حق کو قبول کر چکنے کے بعد تو ان کی پیروی کریگا۔ تو خدا کی سرپرستی اور نصرت سے محروم ہونا لازمی ہوگا۔

۱۳۹۔ سچے معتقد

آیت ۱۲۱ میں پھر سب کے لئے نہایت قیمتی اور صاف ہدایت دی ہے۔ کہ جو لوگ خدا سے ملے ہوئے الہام یا علمی کتاب کو ایسے طریق پر پڑھتے ہیں۔ جو پڑھنے کا حق ہے۔ وہی سچے معنوں میں اس کو ماننے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ خالی ماننا یا محض زبانی یا لفظی پڑھائی سے کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ الہام کا قایل ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے۔ کہ اسے اس طریق پر پڑھا جاوے۔ جو پڑھنے کا حق ہے یعنی اس کے معنے اور مفہوم پر پورا غور و تعمق کرتے ہوئے سچائی کو دل پر نقش کیا جاوے۔ اسی کے مطابق بولا۔ اور اسی کے مطابق عمل کیا جاوے۔ برخلاف اس کے الہامی علم کو چھوڑ کر محدود العقل انسان کے خیالات کا شکار رہنا کفر اور موجب نقصان و سزا ہے۔ پس انسانی مذاہب کے ساتھ علم الٰہی کے قایلین کا راضی نامہ ہو نہیں سکتا۔

۱۴۰۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بدیع کا مصدر ابداع ہے۔ اس کے معنے کئے جاتے ہیں۔ نادر چیز یا ایسی نئی چیز پیدا کرنا جس کی نظیر پہلے موجود نہ ہو۔ بیان القرآن صفحہ ۱۰۹ پر لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ پر جب یہ لفظ استعمال ہو۔ تو معنے ہوتے ہیں۔ بغیر اللہ اور مادہ اور زمانہ اور مکان کے کسی چیز کا وجود میں لانا (غ) قضیٰ لفظ کی تشریح میں لکھا ہے۔ "مادہ کے غیر مخلوق ہونے کے قایل اعتراض کرتے ہیں۔ کہ کس کا حکم کس کو دیتا ہے۔ اب ظاہر ہے۔ کہ اس علم یا چیز کو جو علم الٰہی میں موجود ہے۔ حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ قضا سے پہلے قدر ہے۔ اور وہ چیز اندازہ الٰہی میں آ چکی ہے۔ گو ظاہر میں اس کا وجود نہیں۔ مادہ کا مخلوق ہونا تو خود بدیع لا کر بتا دیا۔ یہاں یہ بتاتا ہے۔ کہ جو کچھ انسانوں کے نزدیک ناممکن ہے۔ اللہ تعالےٰ وہ ہی کر دکھائے گا۔ اس کے ہاں ناممکن کچھ بھی نہیں۔ اور انسان کی محدود طاقت پر اللہ کی غیر محدود طاقت کا اندازہ کرنا غلط ہے"۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ بدیع لفظ کو مادہ کے مخلوق ہونے کے مفہوم کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ جو ایک نہایت بعید تاویل ہے۔ جب قرآن کی کسی آیت میں مادہ کے ہونے کی تردید

ہی نہیں کی گئی۔ نہ صاف طور پر کسی آیت میں مادہ کے مخلوق ہونے کا ذکر ہے۔ نہ عدم مطلق سے پیدائش ہوتے سکا۔ تو خالی من مانی تاویلات کو اصول تقوڑا ہی مانا جا سکتا ہے۔ قرآن میں تو اُلٹا یہ ضرور لکھا ہے۔ کہ خدا کے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں۔ اور وہ انداز سے کے مطابق دنیا میں بھیجتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے۔ کہ خدا کے خزانے کبھی خالی نہیں رہ سکتے۔ لہذا عدم مطلق کے لئے کبھی اور کہیں اور کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی قرآن واضح کرتا ہے۔ کہ ذرات اور ذرات سے لطیف تشے یعنی پرمانو بھی اس کے علم میں موجود رہتے ہیں۔ اور خود اُوپر کے اقتباس میں صاف کہا گیا ہے۔ کہ ایشور کے علم اور قدرمیں ہر چیز موجود رہتی ہے۔ قبل اس کے کہ پیدا ہو۔ چونکہ علم بغیر معلوم کے ہو نہیں سکتا۔ اس لئے لازمی طور پر اس شئے کا پہلے موجود ہونا بھی ناقابل تردید ہے۔ سُنار کے پاس زیور نہ ہو۔ اور کمہار کے پاس گھڑا نہ ہو۔ لیکن سنار کو سونا دے دو۔ اور کمہار کو مٹی۔ زیور بھی بن جائیگا۔ اور گھڑا بھی۔ اس لئے کہ سنار کے علم میں زیور موجود تھا۔ اور کمہار کے علم میں گھڑا۔ اس کے علاوہ ان کا زیور اور گھڑے کو بنا دینا ثابت کرتا ہے۔ کہ انہوں نے زیور اور گھڑا بنانے کا طریق بھی سیکھا ہوا ہے۔ بعینہ خدا کے علم میں کسی چیز کا موجود ہونا اور اس کا اسے معلول حالت میں لانا یہ بتاتا ہے۔ کہ معلول اشیاء بھی خدا کے لئے ممکن ہے۔ کچھ معنے نہیں رکھتا۔ سوائے اس کے کہ راقم علم و عقل کی طاقت سے اپنے دعوے کی صداقت ثابت کرنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ اس دلیل کی آڑ میں سائنس کی مسلمہ ناممکنات کو بھی ممکن ماننا پڑے گا۔ اور یقینی طور پر کوئی تعلیم اس دعوے کے ساتھ نہ دی جا سکے گی کہ یہ حق ہے۔ اس سے علم اور عقل کو بھی جواب دے دینا حضرت انسان کا فرض ٹھہرے گا۔ یہ تو صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ خدا اپنے کامل علم اور کامل قدرت سے جو کچھ بنا سکتا ہے۔ محدود العلم و محدود العقل انسان وہ کچھ نہیں بنا سکتا۔ لیکن ان الفاظ کو اس مفہوم میں پیش کرنا کہ انسان سے ممکن اور ناممکن کی تمیز الگ کر دی جاوے۔ نہایت خطرناک ہے۔ فی الحقیقت علمی اصول کے لحاظ سے انسان اسے ہی ناممکن کہہ سکتا ہے۔ جو خدا کے سچے علم میں بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ ناممکنات کا علم بھی انسان کو خدا نے ہی دیا ہے۔ انسان اپنے اپنے علم اور احساس کے مطابق ان ناممکنات کی حقیقت کو محسوس کر سکتا ہے۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے ممکنات کی حقیقت کو۔ انسان آگ میں ہاتھ ڈالے۔ تو اس کا جلنا ضروری ہے۔ اب یہ کہنا۔ کہ خدا کے لئے یہ ممکن ہے۔ کہ وہ کسی کے ہاتھ کو جلنے نہ دے۔ غلط ہوگا۔ سوال ہوگا۔ کہ کیا خدا اپنے قانون کو آپ توڑ یگا؟ اگر مشیت میں اس کا جواب ہو۔ تو نظام عالم کا کوئی اصول مستقل طور پر صحیح ماننا ناممکن ہو جائیگا۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ ایسی چیز ہاتھ پر ملی جا سکتی ہے۔ جو ہاتھ کو آگ میں جلنے نہ دے۔ تو یہ تو انسان بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ خدا سے علم پا کر ہی انسان اس چیز کو ہاتھ پر ملیگا۔ خدا نے خود تو انسان کو بے ہوش کر کے یہ عمل نہیں کرنا۔ اگر مولانا صاحب روئی کے ڈھیر میں آگ لگانے والے کی محنت کو ناکامیاب بنا دکھا دیں۔ یا ان کو خبر ہو۔ کہ کبھی خدا نے روئی کو دیا سلائی لگنے یا جلنے نہیں دیا۔ تو وہ ثبوت پیش کریں۔ ورنہ سمجھ لیں۔ کہ جیسے انسان کی محدود طاقت پر اللہ تعالیٰ کی غیر محدود طاقت کا اندازہ کرنا غلط ہے۔ ویسے ہی کسی

خدا کے علم میں ہیں۔ اگر نہ ہوتیں۔ تو پیدا نہ ہوسکتیں۔ آغاز عالم میں جو پیدائش ہوتی ہے۔ وہ ثبوت ہے پہلے ملک میں دنیا کیسے بنتی ... تعلیم ... کا ...

انسان کا یقینی طور پر یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کہ انسان کے لئے جو کچھ ناممکن ہے۔ خدا اسے ضرور ہی ممکن کر دکھاتا ہے۔ پس بدیع السموات والارض کا یہ معنے کرنا تو صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ ہر کلپ کے آغاز میں خدا نئے آسمان اور نئی زمینیں بناتا ہے۔ لیکن یہ کہنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔ کہ وہ بغیر مادہ کے پیدائش ہونے کے ناممکن مسئلہ کو ممکن کر دکھاتا ہے۔

۱۴۱۔ آخری دم تک تبلیغ حق کرو

يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتِىَ ٱلَّتِىٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّى فَضَّلْتُكُمْ عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١﴾ وَٱتَّقُوا۟ يَوْمًا لَّا تَجْزِى نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَٰعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٢﴾

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کا ذکر کرتے رہو۔ جو میں نے تمہیں دی ہے۔ کیونکہ میں نے تمہیں تمام اہل عالم پر فضیلت دی ہے۔ ۱۔ اور اس وقت سے ڈرو جس میں کوئی کسی کے کام نہ آئیگا۔ اور نہ کسی سے معاوضہ قبول ہوگا۔ نہ شفاعت سے فائدہ ہوگا۔ اور نہ مدد پہنچے گی۔ ۲

۱۴۲۔ نعمت

قرآن میں نعمت کا لفظ اکثر دفعہ آیا ہے۔ مفسر صاحبان بنی اسرائیل کے ساتھ جہاں نعمت کا ذکر پاتے ہیں۔ اسے خدا کے احسانات کے معنے میں لیتے ہیں۔ اور بجائے کسی اصولی احسان کے تاریخی واقعات پیش کر کے خدا کی طرف سے شکر گذاری وغیرہ کے مطالبات پیش کر دیتے ہیں۔ اتنا خیال کبھی نہیں کیا جاتا۔ کہ نعمت کا لفظ یہاں الہامی علم کی افضل ترین نعمت کے لئے ہے۔ کیونکہ مضمون ہی کتاب الہی کا اور علم حقیقی کا چل رہا ہے۔ اس سے پہلے مضمون میں تو صاف طور پر کتاب الہی کے علم وعمل کو سچے ایمان اور اس کے انکار کو کفر کی کسوٹی بتایا ہے۔ پس اسی افضل ترین نعمت کو کل بنی نوع انسان تک پہنچانا اس کا ذکر کرنا ہے۔ جیسا وید کہتا ہے۔ اس کلیانی بانی کو تمام انسانوں تک پہنچاؤ۔ برہمن۔ کشتری اور ویش کیا۔ شودر و پنچ اور چانڈال تک کو بھی اس سے فیض پہنچاؤ۔ یہ مفہوم لینا صحیح نہیں۔ کہ خدا کے احسان یاد کرو۔ کہ اس نے موسیٰ کی طفیل فرعون کے لوگوں سے تمہیں نجات دلائی۔ یا تمہیں زرخیز قطعہ زمین عطا کیا۔ چشمے دیئے۔ من اور سلویٰ دیئے۔ کیونکہ ایسی نعمتوں کے ساتھ تکالیفات بھی تو تمہیں خانہ بدوشوں

کی طرح بنی اسرائیل کا مارے مارے پھرنا۔ کھانے پینے کے متعلق بڑی مصیبتیں سہارنا وغیرہ۔ پھر اس خدائے بے نیاز کی شان کے خلاف ہے۔ کہ وہ بار بار غرضمند آدمی کی طرح شکریہ کا مطالبہ کرے۔ اور بزرگوں پر کی گئی مہربانیوں کا معاوضہ نسلاً درنسلاً مانگتے آنا اور بھی انصاف سے بعید ہے۔ پس ظاہر ہے۔ کہ یہاں مضمون الہامی علم کا ہے۔ جو واقعی افضل ترین نعمت ہے۔ اور ذکر یا چرچا اسی کا کرنا انسان کے لیے خاص عہد الٰہی ہے۔ اور سب قوموں پر بنی اسرائیل کو فضیلت ملنے کے معنے بھی سچے علم کا ملنا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اور طرح کی نعمتیں تو بنی اسرائیل سے بھی زیادہ اوروں کو ملی ہوں گی۔ منو نے اسی فضیلت کو اس شلوک میں بیان کیا ہے۔

एतद्देश प्रसूत स्य सकाशा दग्रजन्मन: ।
स्वं स्वं चरित्रं शिक्षेरन पृथिव्यां सर्व मानव : ॥

اسی (آریہ ورت) ملک میں پیدا شدہ برہمنوں یعنی عالموں سے دیگر ممالک کے لوگ بھی اپنے اپنے لائق علم و عمل کی ہدایت حاصل کریں"۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل سے آریہ سنتان مراد ہے۔ اور ایشور کے عطا کردہ علم الٰہی کی دولت سے مالامال رہنے کے سبب سے یہ سب سے افضل ہے۔ یہاں آکر دیگر ممالک کے محققین نے سچائی کا علم پایا۔ یا یہاں کے لوگوں نے اور جگہ پہنچ کر گیان کی گنگا بہائی۔ ہر دو صورتوں میں یہ خدا کی دی ہوئی اس نعمت کی سچی قدردانی ہے۔

۱۴۳ - موت کی یاد

آیت ۱۲۳ میں جس وقت سے ڈرنے کی ہدایت ہے۔ وہ موت کا وقت ہے جس میں کوئی بھی رشتہ دار کام نہیں آسکتا۔ اس وقت اگر کوئی چاہے۔ کہ میری کروڑوں۔ اربوں کی دولت لے کر مجھے پانچ۔ دس منٹ تو اور جینے دیا جاوے۔ تو یہ معاوضہ قبول نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی بھی سفارش قبول ہو سکتی ہے۔ نہ کسی بھی طرح سے کسی کی مدد پہنچ سکتی ہے۔ گویا انسان کو متنبہ کیا گیا ہے۔ کہ دنیوی تعلقات کا کوئی وزن نہیں۔ خدا کا ہی بھروسہ رکھو اور نیک عمل یا اس کے حکموں کی تعمیل کرو۔

یہ موت کی یاد انسان کی گناہوں کے متعلق جرأت کو ہٹاتی ہے۔ کیونکہ وہ جب یہ سمجھ جاوے۔ کہ بیٹے۔ جورو۔ والدین۔ بھائی اور دوست جن کی خاطر مکر و فریب اور چوری۔ ڈاکہ وغیرہ ہو رہے ہیں۔ کوئی اعمال کی سزا میں حصہ دار نہیں ہو سکتا۔ تو وہ گناہ کریگا ہی کیوں۔

۱۴۴ - ابراہیم امام بنے

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا

۱۲۴ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے اپنی کلاموں میں آزمایا۔ تو وہ ان میں پورا اُترا۔ فرمایا۔ کہ میں تجھے لوگوں کا امام بناتا ہوں۔ یعنی پیشوا ابراہیم نے کہا۔ اور میری اولاد میں سے فرمایا۔ میرا یہ قول ظالموں پر لاگو نہ ہوگا۔ ۳

۱۴۵ - برہما

حضرت ابراہیم کا امام بنایا جانا بعد اس کے کہ وہ خدا کی کلام کے متعلقہ امتحان میں کامیاب ہوئے۔ صاف طور پر اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ قرآن کا ابراہیم ویدک برہما کی ہی شخصیت ہے۔ یا یہ کہ ابرام۔ ابراہم۔ ابراہیم کے سب الفاظ برہما لفظ کے بگڑے یا بدلے ہوئے روپ ہیں۔ یہاں یہ حقیقت واضح کرنے کے لئے حسب ذیل امور نہایت ضروری ہیں۔

اول۔ برہما ویدک ساہتیہ میں چار وید کے عالم کا نام ہے۔ جو عالم چار وید کا امتحان پاس کرے۔ برہما کی ڈگری پاتا ہے۔ قرآن ان ویدوں کو کلمات کہہ رہا ہے۔ اور ابراہیم کا امتحان لیا جانا بھی واضح کر رہا ہے جس میں ابراہیم پاس ہوتا ہے۔

دوم۔ ابراہیم پاس ہونے پر امام یعنی پیشوا بنائے جاتے ہیں۔ تمام مذہبی کاموں میں امام رہنما ہے۔ اور ویدک دھرم میں برہما کا نام یگیہ وغیرہ میں سب سے اونچا درجہ ہے۔ یگیہ کے لئے چار ویدوں کے نقطہ نگاہ سے ہم ہی پار ہیں۔ رگوید کا پرتی ندھی رتوج ہے۔ یجر وید کا ادھوریو۔ سام وید کا اُدگاتا۔ اور اتھروید کا برہما۔ یجر وید کا پرتی ندھی رگوید کا بھی علم رکھتا ہے۔ اور سام وید کا رگ اور یجو دونوں کا اور اتھروید کا نمائندہ برہما۔ رگ یجو اور سام تینوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ یہ چار وید اپنے اپنے فرائض رکھتے ہیں۔ اور چاروں میں برہما پردھان ہے۔ اسی کے زیر ہدایت یگیہ کا سب کام سرانجام پاتا ہے۔ پس امام کو قرآن پیشوا کہتا ہے۔ تو برہما کو وید پیشوا کہتا ہے۔ منڈک اُپنشد میں شروع میں ہی آتا ہے۔ کہ

برہما دیوؤں میں سب سے اوّل ہوئے

ابتلیٰ کے معنے مفسر صاحبان عام طور پر "آزمایا" کے لیتے ہیں۔ مگر حسب قول امام راغب یہ دو معنوں پر حاوی ہے۔ واقفیتِ حال اور خوبی و نقص کا اظہار۔ یہی دو باتیں برہما کے لئے ہیں۔ ایک تو ویدوں کا علم ہونا اور دوسرے اس علم کے ذریعے بھلائی۔ برائی یا حق و باطل کا ظاہر کرنا۔ پس کیا نام۔ کیا صفات اور کیا کام۔ ہر طرح سے برہما اور ابراہیم ایک ہیں۔

۱۴۶ - برہما کی اولاد

ابراہیم کے امام بنائے جانے پر اس نے سوال کیا "اور میری اولاد کے متعلق؟" جواب ملا۔ آپ کی اولاد میں سے جو ظالم یعنی مخالف حق یا صفات اور اعمال کے لحاظ سے ناقابل ہونگے

ان پر میرا یہ قول عائد نہیں ہوگا۔ مطلب یہ کہ جو آپ کی طرح ہی عالم اور عامل ہوں گے۔ وہ امام کا پد پائیں گے۔ اور جو نا قابل ہوں گے۔ وہ نہیں۔ یہی اصول برہما پد کے متعلق ہے۔ صفات اور اعمال کے لحاظ سے گرا ہوا یہ پد نہیں پاسکتا۔ مگر واضح رہے۔ کہ بیٹے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو عورت مرد کے میل سے جسمانی پیدائش والی اولاد اور دوسرے ودیا ماتا اور گورو نامی باپ سے علمی یا روحانی جنم پانے والی اولاد۔ یہ دوسرا جنم اعلےٰ ہے۔ اور ان دو جنموں کے لحاظ سے برہمن۔ کھشتری اور ویش دو جنموں والے یا دوجنما کہلاتے ہیں۔ پس برہما کی اولاد علمیت کے لحاظ سے ہے۔ یعنی برہما کے شاگرد۔ سو ان میں سے جو بھی چاروں ویدوں کے عالم ہوں گے وہ بھی برہما یا امام ہی کہلائیں گے۔ اور جو شاگرد علم میں کمال حاصل نہیں کرتا۔ اور اس لئے سچے علم کی اشاعت نہیں کرسکتا۔ وہ عہد شکن ظالم ہے۔ برہما نہیں ہوسکتا۔

۱۴۷۔ کلمات

حضرت ابراہیم کی آزمائش کس میں ہوئی۔ کلمات میں۔ کلمات کیا ہیں۔ مفسرین اس سے مختلف مفہوم لیتے ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ روحانی اور جسمانی طہارت سے تعلق رکھنے والی باتوں میں خدا نے انہیں آزمایا۔ روحانی طہارت جیسے توحید وغیرہ اور جسمانی طہارت جیسے ختنہ۔ ناخن ترشوانا مونچھ اور بغل اور زیر ناف کے بال دور کرنا پانی سے استنجا کرنا وغیرہ۔ بعض مفسرین کلمات کو احکام کے معنے میں لیتے ہیں۔ بیان القرآن میں حضرت ابن عباس سے روایت لکھی ہے۔ کہ یہ تیس احکام ہیں۔ دس مومنوں کی صفت ہیں۔ سورہ برات میں۔ دس احزاب میں۔ دس معارج میں۔ ایسے ہی بعض لوگ حضرت ابراہیم کے متعلق خاص واقعات آزمائش پیش کرتے ہیں۔ سورہ بقر آیت ۱۳۱۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ مطلب یہ لیا جاتا ہے۔ کہ خدا نے خواب میں درج) اسمعیل کا واقعہ یاد دلایا۔ تو آپ فوراً اس کو خدا کی راہ میں ذبح کرنے کو تیار ہوگئے۔ جب ہاجرہ اور اسمعیل کو بیابان میں چھوڑ جانے کا حکم ہوا۔ تو یہ پس و پیش چھوڑ چل دیئے وغیرہ۔

سرسید احمد صاحب اِذِ ابْتَلٰی کا ترجمہ کرتے ہیں۔ جب مبتلا کیا۔ اور صفحہ ۱۴۴ پر نوٹ میں لکھتے ہیں۔ اِذِ ابْتَلٰی) اب خدا تعالیٰ بزرگیوں کا ذکر کرتا ہے۔ جو حضرت ابراہیم کو دی تھیں۔ سب سے بڑی بزرگی وہ ہے۔ جب کہ انہوں نے کہا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اسی نعمت کا خدا نے ذکر کیا ہے۔ کلمات کے لفظ سے عجائبات صنع باری تعالےٰ ہیں۔ حضرت ابراہیم ستاروں اور چاند اور سورج کو دیکھ کر عجائب صنع باری تعالےٰ میں متحیر ہوگئے اور انہی پر خدا تعالےٰ کا گمان کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کو غلط سمجھا۔ اور پورے طور پر خدا کا کیا۔ اسی کی نسبت خدا نے فرمایا۔ فَاَتَمَّهُنَّ۔

اس کے بعد لکھا ہے۔ کلمات کے لفظ سے ہم نے عجائب صنع الٰہی مراد لی ہے۔ یہ لفظ سورۂ لقمان میں آیا ہے۔ جہاں خدا نے فرمایا ہے۔ مَا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ صاحب تفسیر کبیر نے اس مقام پر بھی عجائب الٰہی مراد لی ہے۔ اور یہ بہت درست ہے۔ لفظ کلمہ اور کلمات کا استعمال ان تمام چیزوں پر ہوتا ہے۔

جن کو خدا نے پیدا کیا ہے!!

اس طرح دیگر بیسیوں مضامین کی طرح کلمات کے مفہوم بھی کچھ سے کچھ سمجھے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ تمام مفسرین کی ذاتی رائیں ہیں۔ نہ قرآن میں ان میں سے کسی کے حق میں قطعی ثبوت موجود ہے۔ نہ کوئی مفسر کلی طور پر بائیبل کے بیان سے متفق ہے۔ نہ یہ قرین قیاس ہے۔ کہ کلمات سے کسی ایسی بعید تاویل کا تعلق ہو۔ جب کہ یہ لفظ بالکل عام بول چال کا ہے۔ اگر طہارت کا امتحان مقصود ہوتا۔ تو لفظ طہارت ہی استعمال ہو سکتا تھا۔ اور بلا امتحان بھی خدا کو اس کا علم ہونا لازمی تھا۔ اور ختنہ وغیرہ کے متعلق امتحان ہو۔ تو حضرت ابراہیم کی امامت بے معنے ہے۔ ختنہ۔ ناخن کٹوانا۔ مونچھ اور بغل اور زیر ناف کے بال دور کرنا یہ امتحان تو جاہل سے جاہل بھی پاس کر سکتا ہے۔ کیا ان باتوں سے کوئی انسان امام یا پیشوا بن سکتا ہے۔ اور کلمات کے معنے تیس احکام ہوں۔ تو بھی حضرت ابراہیم سے ان کے متعلق امتحان کیا لیا جا سکتا تھا۔ اور کب یہ خدا نے کہا تھا۔ کہ تیس احکام کے امتحان میں پاس ہونے پر امامت ملے گی۔ اور یہ امر بھی کہ خواب میں ... اسماعیل کا واقعہ دیکھ کر آپ بیٹے کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے۔ قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کوئی شخص گارنٹی نہیں کر سکتا۔ کہ انہیں یہی خواب آیا تھا۔ اور اگر اور خواب بھی آئے۔ تو ان کی تعمیل بھی ان سے ہونی چاہئے تھی۔ ایسا ہی ہاجرہ اور اسمٰعیل کو چھوڑنے کا حکم بھی امامت کے لئے کوئی دلیل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس عمل سے امامت والی ذمہ داری اور لیاقت کا کوئی تعلق نہیں۔ رہی سر سید صاحب کی رائے۔ اس میں کلمات کو عجائب صنع الٰہی کے معنے میں لینے کا کوئی ثبوت قرآن میں نہیں مل سکتا۔ سورہ لقمٰن کے الفاظ مَا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ آپ نے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ اور تفسیر کبیر سے اپنی تائید جتائی ہے۔ لیکن اس کا یہ مفہوم لینا قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ آیت زیر بحث میں کلمات کا امتحان ہونے پر لکھا ہے۔ فَاَتَمَّهُنَّ ابراہیم نے انہیں تمام یا پورا کیا۔ یا وہ اس میں پورے اترے۔ لیکن سورہ لقمٰن والے الفاظ یہ بتاتے ہیں۔ کہ اگر تمام درخت قلم بن جاویں۔ اور سمندر سیاہی ہو جاوے۔ اور سات سمندر اس سیاہی کی مدد کریں۔ تو بھی کَلِمٰتُ اللّٰہ تمام نہ ہوں۔ پس ان الفاظ سے تائید نہیں۔ سر سید صاحب اور تفسیر کبیر کے بیان کی تردید ہوتی ہے۔ غرضیکہ امام یا پیشوا بنانے کے لئے علمی قابلیت کی جانچ ہی موزوں ہو سکتی ہے۔ اور علمی قابلیت کا تعلق سوائے علم یا کلام الٰہی کے کسی اور سے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایسے مفسر بھی ہیں۔ جو کلمۃ سے مفرد لفظ ہی مراد نہیں لیتے۔ کلام کی مراد لیتے ہیں۔ جیسے الکہف آیت ۵ میں ہے۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً۔ اس کے علاوہ اتنی دور جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سورہ بقر آیت ۳۷ میں اس مضمون کے متعلق تمام شکوک کا ازالہ کیا گیا ہے۔ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ۔ یعنی آغاز کے رشیوں نے الیشور سے اس کی رگ۔ یجو۔ سام اور اتھرو نام کی) کلامیں سیکھیں۔ پس جو علوم خدا نے الہام میں دیئے تھے۔ انہی کے علم اور اشاعت کے متعلق امتحان لے کر امام بنانا ضروری تھا۔ اور رب اور کلمات کے دونوں لفظ اس آیت میں دے کر واضح کیا گیا ہے۔ کہ آیت ۳۷ میں جو اصولی علم مذکور تھا۔ اسی کا عملی امتحان یہاں ہے۔

۱۴۸ - خانہ کعبہ

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۖ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ

اور یہ کہ ہم نے خانہ کعبہ کو انسانوں کا مرجع اور جائے امن بنایا۔ اور (حکم دیا) کہ ابراہیم کے مقام کو عبادتگاہ رکھو۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا۔ کہ ہمارے گھر کو طواف۔ اعتکاف۔ رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔ ۱۲۵۔

۱۴۹ - البیت اور مقام ابراہیم

بائبل اور احادیث سے اس آیت کی تفسیر میں خانہ کعبہ کے متعلق مفسرین بہت سی پیشگوئیاں پیش کرتے ہیں۔ اور البیت و مقام ابراہیم کے متعلق مختلف بیان دیتے ہیں۔ لیکن اس بات میں سب متفق ہیں۔ کہ یہ عرب کا قدیم ترین مقدس مقام ہے۔ بیت الحرام یعنی عزت والا گھر۔ بیت الدعا یا دعا مانگنے کا مقام۔ بیت العتیق یا قدیم گھر بیت اللہ یعنی خانۂ خدا سب نام خانۂ کعبہ کے ہیں۔ بائبل میں ابراہیم کے جس بیت ایل کا ذکر ہے۔ اس کے مقام کے متعلق اختلاف ہونے سے بائبل کے بیان کو بعض لوگ ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ حضرت ابراہیم کا عرب والے خانہ کعبہ سے کیا تعلق ہے۔ اس کا جواب بعض مفسرین یہ دیتے ہیں۔ کہ بائبل میں جو یہ قصہ ہے۔ کہ حضرت ابراہیم اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو اس جگہ چھوڑ آئے۔ وہ اس سوال کا جواب شافی ہوا کرتا ہے۔ سورۃ ابراہیم آیت ۳۷ کی شہادت پیش کی جاتی ہے۔ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔ حضرت ابراہیم دعا مانگتے ہیں۔ کہ اے ہمارے رب۔ میں نے اپنی کچھ اولاد تیرے بیت الحرام کے پاس اس غیر مزروعہ وادی میں آباد کی ہے۔ بیان القرآن کہتا ہے۔ کہ بائبل میں جو لکھا ہے۔ کہ ان کو فاران میں چھوڑ آگیا۔ غلط ہے۔ عیسائی فاران کو ملک شام کا کوئی جنگل سمجھتے ہیں۔ مگر قرآن کا بیان اس کے خلاف ہے۔ عرب اسمٰعیل کی اولاد ہے۔ اسمعیل کے بڑے بیٹے کا نام قیدار (پیدائش ۲۵: ۱۳) ہے۔ اس لفظ کا استعمال بائبل میں قوم عرب کی جگہ پایا جاتا ہے۔ (زبور ۱۲۰: ۵ یسعیاہ ۴۲: ۱۱ و ۶۰: ۷ وغیرہ) دوسری طرف عرب کی روایات حضرت عیسےٰ کے یہاں آنے کو یقینی ٹھہراتی ہیں۔ خود کعبہ میں حضرت ابراہیم کی یادگار موجود ہے۔ صفا اور مروہ میں حضرت ہاجرہ کی اور عربوں کے نسب نامے حضرت اسماعیل تک چلتے ہیں۔ ایک بات یہ بھی بتائی گئی ہے۔ کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل

کو جو خانہ کعبہ کو پاک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم و اسماعیل سے پہلے موجود تھا۔ مگر وہاں بت وغیرہ رکھے ہوئے گئے تھے۔ اس لئے اس بدعت سے خانہ کعبہ کو محفوظ رکھنے کے لئے مذکورہ بالا عمارت کا حکم ہوا۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ پہلے شہر نہ تھا۔ صرف خانہ کعبہ تھا۔

۱۵۰۔ ویدک انسٹی ٹیوشن

مذکورہ بالا اور اس قسم کے اور خیالات اپنی اپنی اٹکل کی باتیں ہیں۔ ان کی بنا پر کسی یقینی نتیجہ پر پہنچنا محال بلکہ ناممکن ہے۔ حضرت ابراہیم اگر چھوڑنے آئے تھے۔ تو ایک بیوی اور ایک بیٹے کو۔ لیکن اوپر کے حوالے ہیں وہ اپنی کچھ اولاد کو بیت الحرام کے پاس لا کر آباد کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر ہاجرہ اور اسماعیل کو چھوڑ جانا تو کہاں۔ ابراہیم کا خود یہاں رہنا ثابت ہوتا ہے۔ پس تاویلیں سراسر غلط ہیں۔ خانہ کعبہ کو پاک رکھنے کا یہ مطلب لینا۔ کہ پہلے بت رکھے گئے تھے۔ اور بھی بعیدی تاویل ہے۔ کیا اگر یہ مانا جاوے۔ کہ خانہ کعبہ کو پہلے پہل حضرت ابراہیم نے ہی بنوایا۔ اور آئندہ کے لئے اس کی غور و پرداخت یا اچھے انتظام سے عبادت کے لئے سہولتیں بہم پہنچانے یا بت پرستی وغیرہ سے اسے پاک رکھنے کی ذمہ واری ابراہیم اور اسماعیل پر رہی۔ تو اس میں کوئی بات آیت کے صاف اور سیدھے معنے کے خلاف پائی جاسکتی ہے۔ کیا یہ قابل اعتراض رویہ نہیں۔ کہ ہر اصولی بات کو تاریخی واقعات یا احادیث کے تابع کر کے مختلف تاویلوں سے آیات کے مفہوم کو مشتبہ بنایا جاوے۔ یہاں اصل امر صاف ہے۔ کہ حضرت ابراہیم ویدک برہما ہے۔ اس کا کام عبادت الٰہی کی طرف لوگوں کو مائل کرنا اور یگیہ کرانا نیز علم کی اشاعت کرنا ہے۔ اور ہر شخص جو ویدوں کا عالم اور اوصاف مذکورہ سے متصف ہے۔ برہما ہے۔ ایک ہی برہما ہوا۔ یہ خیال ہی غلط ہے۔ پس البیت سے مراد ویدی ہے۔ یا یگیہ شالا اور برہما کے ٹھہرنے کا مقام صحیح معنوں میں عبادت گاہ ہے۔ برہما کی شاگرد منڈلی اس کی اولاد ہے۔ وید فرماتا ہے۔ (इयं वेदि भुव नस्य नाभिः) یعنی یہ ویدی یا یگیہ شالا سارے سنسار میں بمنزلہ ناف ہے۔ جیسے نابھی سے سب طرفوں کو ناڑیاں جاتیں یا جسم کے ایک ایک اندرونی جوڑ کا تعلق اپنی خوراک وغیرہ کے لئے نابھی سے ہے۔ ویسے ہی کل بنی نوع انسان کا تعلق یگیہ والی ویدی یا فیض عام کے کاموں سے ہے۔ جیسے ہون کنڈ کے ذریعے بلا قید رشتہ وغیرہ کے سب کی صحت وغیرہ کی ترقی کا کام ہوتا ہے۔ یا جیسے مرکز سے محیط تک سارے برابر خطوط جاتے ہیں

اور چونکہ یگیہ والی ویدی یا فیض عام کے کاموں سے وسیع محبت اور خدمت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لئے اس سے عام طور پر امن نصیب ہوتا ہے۔ یگیہ کے موقعہ پر برہما وغیرہ سونتی اور شانتی کا پاٹھ پڑھتے ہیں۔ جیسے کہ ایک منتر میں یہ دعا ہے۔ کہ دیولوک (آسمان) انترکش یعنی درمیانی فضا اور پرتھوی یعنی زمین۔ نیز پانی۔ دوائیں۔ نباتات۔ تمام دیوتا۔ برہم غرضیکہ سب کچھ ہمارے لئے امن اور سکھ کا موجب ہوں۔ پس اس بیت یا مخصوص جگہ کو سب کے مرجع یا عبادت گاہ اور سب کو امن اور سکھ دینے والی جگہ بنانا ویدک یگیہ شالا کا لکھشن ہے۔ جوں جوں زمین سطح آب سے ظاہر ہوتی گئی۔ آریہ لوگ ہر کہیں

پہنچ کر اسے آباد کرتے اور فیض عام کے سامان مہیا کرکے سکھ اور شانتی کی تجویز کرتے رہے۔ تو کیا عرب میں اگر برہما پہنچ کر تعلیم و تدریس اور فیض عام کے لئے کوئی ویدک انسٹی ٹیوشن جاری کرتا ہے۔ اور ویدی و عبادت گاہ بنتی ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات ہو سکتی ہے۔ پھر حوالہ پیش شدہ میں جو دعا مانگی گئی ہے۔ وہ کس عمدگی سے اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ یہاں لفظوں پر غور کرنے سے واضح ہو سکتی ہے۔ "اے پرماتما! تیرے بھروسے رہتے اس غیر مزروعہ دور کے علاقے میں اپنے ان بیٹوں کو لا بسایا ہے۔ تو ہی ان کی پرورش وغیرہ کے لئے لوگوں کے دلوں میں تحریک کرنے والا اور ضروری رزق مہیا کرنے والا ہے"۔ غرضیکہ حضرت محمد صاحب جیسے مبلغ یا رسول سے ظہور یافتہ قرآن کی آیت زیر بحث کا مطلب جو ان کے پختہ اعتقاد کے نکتہ نگاہ سے آغاز عالم والے دھرم کے مطابق ہونا لازمی ہے۔ وہ اس کے الفاظ سے صاف عیاں ہے۔

۱۵۱ - حضرت ابراہیم کی دعا

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ
مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ
فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۵ وَاِذْ
يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً
لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۷ رَبَّنَا
وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸

اور ابراہیم نے دُعا مانگی۔ میرے رب اس جگہ کو شانتی کا کیندر (دارالامان) بنا۔ اور اس کے ساکنین میں سے جو اللہ اور عاقبت کو ماننے والے ہوں۔ انہیں پھلوں کا رزق دے۔ خدا نے فرمایا۔ مگر جو منکر ہوگا۔ اسے محض چند روزہ متاع ہی ملیگا۔ اور پھر وہ آگ کے عذاب یعنی بُرے قالبوں میں مبتلا ہوگا۔ ۵۔ اور ابراہیم اور اسماعیل نے اس بیت المقدس کے انتظام کو بہت اعلےٰ کر دیا۔ اور کہا۔ اے رب ہماری اس خدمت کو قبول فرما۔ بے شک تو سُننے اور جاننے والا ہے۔ ۶۔ اے ہمارے رب! تو ہمیں اپنا فرمانبردار بنا۔ اور ہماری اولاد میں اپنا فرمانبردار گروہ پیدا کر۔ اور ہم کو ہمارے طریقے یعنی فرائض پر عمل کرنا سکھا۔ اور ہم پر نظر عنایت کر۔ تحقیق تو بڑا تواب اور رحیم ہے۔ ۷۔ اور اے ہمارے رب! تو ان میں انہی میں سے رسول بھیجیو۔ جو انہیں تیری آیتیں سنایا اور کتاب اور عقل کی باتیں سمجھایا کرے۔ اور ان کی اصلاح ہوتی رہے۔ بے شک تو ہی سچا حاکم اور صاحب حکمت ہے۔ ۸۔

۱۵۴ ویدک پرارتھنا

اوپر جو دعائیں ابراہیم کی مذکور ہیں۔ وہی ویدک مہما کی وید میں ہیں۔ یگیہ شالا کیا گھر۔ مکان اور شہر سبھا انسانی جماعت کے لئے ارشاد الٰہی کے مطابق نیکی اور فیض عام کی جگہ ہیں۔ اور وید میں ہر کہیں شانتی اور امن کے قائم کرنے کی ہدایت ہے۔ اور دعا مانگی جاتی ہے۔ کہ سب کو شانتی ملے۔ سکھ ملے۔ علم ملے۔ عقل روشن ہو۔ آن اناج وغیرہ ملے۔ پھر ایشور سے ملی ہوئی ان تمام نعمتوں حتےٰ کہ اپنے جسم و جان تک کو بھی خلقِ خدا کی خدمت یعنی یگیہ کے لئے وقف کرنے کی ہدایت ہے۔ اس پر عامل شخص کی یہی دعا ہوتی ہے۔ کہ اے پرمیشور ہماری خدمت یا جو کچھ ہم تیری رعیت پر خرچ کرتے ہیں۔ اسے قبول فرما۔ سام وید کا مشہور منتر ہے۔

अग्न आयाहि वीतये गृणानो हव्य दातये ॥
नि होता सत्सि बर्हिषि ॥

ہے پرمیشور! آپ سے میری یہی التجا ہے۔ کہ جو بھی کارآمد چیز میں نے یگیہ میں دان کی ہے۔ اسے قبول فرما۔ میری دُعا کو اپنی عنایت سے پھل دے کر سپھل کیجئے"۔ ایسے ہی یہ پرارتھنا کی جاتی ہے۔ کہ ہمیں ایسی عقل دو۔ کہ ہم آپ کے حکموں کی تعمیل کر سکیں۔ اور آپ کے فرمانبردار رہیں۔ رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۱۴۱ منتر ۴ میں ایشور اپاسنا کرتے ہوئے یہ دعا مانگی گئی ہے

यथा नः सर्व इज्जनः सङ्गत्यां सुमना असत

کہ ہمارے لوگ سب مل کر رہیں۔ سمن یعنی اچھے پرکار منن کرنے یا ایشور کے حکموں کو ماننے والے ہوں خود آریہ لفظ کے معنے نیک یا قانون الٰہی کا پابند یا ایشور کا آگیا کاری ہے۔ یہی معنے مسلم کے ہیں۔ غرضیکہ ابراہیم کی دُعائیں بھی ویدک پرارتھنا والی ہیں۔ بالخصوص آیت نمبر ۱۲۹ میں جو رسول یا مبلغ کے لئے دعا مانگی گئی ہے۔ وہ بھی رگوید منڈل۔ ۱۰ اشٹک ۱۔ ورگ ۱۹۔ منتر ۴ کا ہی ترجمہ ہے۔

एहि स्तोमां अभिस्वराभि: गृणीहि आरुव ।
ब्रह्मच नो वसो सचेन्द्र यज्ञंच वर्धय ॥

اے پرمیشور! ایسی عنایت کیجئے۔ کہ ہمارے درمیان ایسا عالی شان ہدایت کنندہ آوے۔ جو وید منتروں کو ہمیں سنا دے۔ ان کا مطلب ہمارے ذہن نشین کرا دے۔ اور ہمیں اپنے زیر ہدایت رکھ کر ہمارے علم حکمت اور رفاہ عام کے کاموں کو ترقی دے۔

ثمرات

حضرت ابراہیم کی دعا ہے۔ کہ یہاں کے رہنے والوں کو ثمرات عطا ہوں۔ مفسرین اس کو پھلوں یا پھل پھلاری کے معنوں میں لیتے ہیں۔ اور اگر یہ صحیح ہو۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت محمد صاحب جو حضرت ابراہیم کے مذہب کو ہی صادق اور قابل قبول بتلاتے ہیں۔ وہ کبھی گوشت خوری کی اجازت نہ دے سکتے تھے۔ بلکہ پھل اہار کے لئے ہی لوگوں کو کہہ سکتے تھے۔ لیکن موقعہ ومحل کے لحاظ سے ہمیں یہاں آم۔ سیب وغیرہ پھل نہیں۔ بلکہ دھرم۔ ارتھ۔ کام اور موکش نام چار پھل ہی مقصود معلوم دیتے ہیں۔ یہی اعلے درجہ کی دعا ویدک برہما سے بجا طور پر منسوب ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آم۔ کھجور وغیرہ کے پھل تو سب لوگوں کو مل رہے۔ اور مل سکتے ہیں۔ خواہ وہ خدا اور عاقبت کو نہ ہی مانتے ہوں۔ ویدک دھرم میں سچے دھرماتماؤں کو چار پھل ملنے کا اصول ہے۔ اور وہی قرآن کہہ رہا ہے۔ کہ جو خدا اور عاقبت پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہیں پھل ملیں۔ اور ساتھ ہی اس کے بعد کفر کرنے والوں کے لئے یہ لکھا ہے۔ کہ انہیں محض چند روزہ سامان ملیں گے۔ اس سے بھی نیک لوگوں کے لئے دھرم ارتھ وغیرہ چار پھل ہی ماننا صحیح ہے۔ کیونکہ آم۔ انار وغیرہ پائیدار پھل نہیں۔ یہ چند روزہ سامان ہیں۔ جن کے مقابلہ پر انتم چار پھل ہی مذکور ہو سکتے ہیں۔ جو ایسے اعلے ویدک انسٹی ٹیوشن کے ذریعے سچا علم پانیوالے لوگوں کا لازمی حصہ ہو سکتے ہیں۔

۱۵۴- قواعد

قواعد قاعدہ کی جمع ہے۔ اس کے معنے بنیاد بھی ہو سکتا ہے۔ اور قاعدہ قانون انتظام وغیرہ بھی۔

مفسرین کا خیال ہے۔ یہ دعا حضرت ابراہیم نے اس وقت مانگی تھی۔ جب وہ خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ لیکن ایسا ہو۔ تو یہ ماننا لازمی ہوگا۔ کہ حضرت ابراہیم نے یہاں نئی عمارت قائم کی تھی۔ اور وہ خود بطور معمار کام کرتے تھے۔ یہ دونوں باتیں آسانی سے قبول نہیں کی جا سکتیں۔ آیت نمبر ۱۲۵ میں جو اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ کا لفظ ہے۔ اس میں تعمیر عمارت کا ذکر نہیں۔ بلکہ بیت یا ویدی کا کلپشن بتایا ہے۔ کہ انسانوں کے لئے وہ ویدی رجوع کرنے کے لائق اور شانتی دینے والی جگہ ہے۔ اس کے بعد وہاں کے رہنے والوں کے لئے دعائے خیر بھی مانگی جا چکی ہے۔ یہ کہہ چکنے کے بعد جو لفظ قواعد آیا ہے۔ اس کا ترجمہ بنیادیں اٹھانا نہیں ہو سکتا۔ نہ اور لوگوں کے ہوتے ہوئے ابراہیم اور اسمٰعیل کے خود بنیادیں اٹھانے اور ساتھ کے ساتھ دعا مانگنے کا ذکر آ سکتا ہے۔ بلکہ جن علمی کمالات سے ابراہیم امام بنے۔ انہی کمالات سے انتظام کرایا اعلے

کرنا مقصود ہو سکتا ہے۔ کہ علم اور نیک چلنی وغیرہ کی ترقی سے اس کی شان بڑھے۔ ارفع کے معنے بلند تر کرنا ہے جس سے ظاہر ہے۔ کہ ابراہیم نے اس کی پہلی عزت وعظمت میں اپنے تپ سے چار چاند لگا دئیے۔ اور اطراف وجوانب میں اس کی وہ نیک شہرت پھیلائی۔ کہ اسما پہ جنگل میں منگل کی ضرب المثل صادق آئی۔

۱۵۵ بئس المصیر

مصیر کے معنے ہے۔ پھرنے کی جگہ یا انسان کے انتقال کے بعد کی حالت عذاب النار یا نرک کی تعبیر سوائے بعد کے ادنے قالب کے ہو نہیں سکتی۔ اور بئس کے لفظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اہل کفر کا روح جس مصیر کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ وہ بری یا دکھدائی ہے۔ اس لئے ہم نے ترجمے میں برے قالبوں کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الشعرا کی آخری آیت کے یہ الفاظ بھی اسی بئس المصیر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اور مصیر لفظ کی جگہ قالب کا مفہوم پیش کرتے ہیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

اور گنہگار لوگوں کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہ کس کس پھرنے کی جگہ (قالب یا مصیر) میں پھرتے ہیں۔

۱۵۶۔ ملت ابراہیم

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ
فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ① اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ
اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ
يَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ③ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ
لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ
اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ④

تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون
عما کانوا یعملون ﴿٥﴾ وقالوا کونوا ھودا او نصری تھتدوا قل
بل ملۃ ابرھیم حنیفا وما کان من المشرکین ﴿٦﴾ قولوا امنا باللہ
وما انزل الینا وما انزل الی ابرھیم واسمعیل واسحق ویعقوب والا
سباط وما اوتی موسی وعیسی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق
بین احد منھم ونحن لہ مسلمون ﴿٧﴾ فان امنوا بمثل ما امنتم
بہ فقد اھتدوا وان تولوا فانما ھم فی شقاق فسیکفیکھم اللہ
وھو السمیع العلیم ﴿٨﴾ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ و
نحن لہ عبدون ﴿٩﴾ قل اتحاجوننا فی اللہ وھو ربنا وربکم ولنا اعمالنا
ولکم اعمالکم ونحن لہ مخلصون ﴿١٠﴾ ام تقولون ان ابرھیم واسمعیل
واسحق ویعقوب والاسباط کانوا ھودا او نصری قل ءانتم اعلم
ام اللہ ومن اظلم ممن کتم شھادۃ عندہ من اللہ وما اللہ بغافل
عما تعملون ﴿١١﴾ تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم
ولا تسئلون عما کانوا یعملون ﴿١٢﴾

ہر ابراہیم کے طریق سے انحراف کرہی کون سکتا ہے۔ سوائے اس کے جو اپنے آپ کو احمق ثابت کرے۔ بے شک

ہم نے اس کو دنیا میں بھی برگزیدہ کیا۔ اور آخرت میں بھی۔ وہ صالحین میں سے ہوں گے۔ ۱۔ جب اس کے رب
نے اسے حکم دیا۔ کہ خدا کا فرمانبردار ہونا کہا۔ میں رب العالمین کا ہی ہو چکا۔ ۲۔ اور اس کے متعلق ابراہیم
نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔ اور یعقوب نے بھی۔ کہ بیٹو اللہ نے تمہارے لئے اس دہرم کو ہی چن لیا ہے۔
پس تم نے مرنا تو دہرم پر ہی مرنا۔ ۳۔ کیا تم نے یہ نظارہ دیکھا۔ کہ موت یعقوب کے سامنے آ کھڑی ہے۔ اور
وہ اپنے بیٹوں سے پوچھتا ہے۔ کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔ وہ جواب دیتے ہیں۔ کہ آپ کے معبود
آپ کے باپ دادوں یعنی ابراہیم۔ اسماعیل اور اسحاق کے معبود خدائے واحد کی عبادت کریں گے۔ اور اسی
کا حکم مانیں گے۔ ۴۔ یہ لوگ تھے۔ جو اپنے وقتوں میں ہو گذرے۔ ان کے عمل ان کے ساتھ تھے۔ اور تمہارے
عمل تمہارے ساتھ۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائیگا۔ کہ تمہارے بڑے کیا کرتے تھے۔ ۵۔ یہ کہتے ہیں۔ یہودی ہو جاؤ۔
نصاری ہو جاؤ۔ تو راہِ راست پر آ جاؤ گے۔ ان سے کہہ دو۔ کہ دہرم تو ابراہیم موحد والا ہی ہے۔ وہ مشرک
نہ تھا۔ ۶۔ ان سے کہو۔ کہ ہم تو اللہ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور اس پر جو ہم پر نازل ہوا۔ اور جو ابراہیم۔ اسمٰعیل
اسحاق۔ یعقوب اور آل یعقوب پر نازل ہوا۔ نیز جو موسیٰ۔ عیسےٰ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے پروردگار
سے ملا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں پاتے۔ اور ہم اس خدا کے تسلیم کرنے والے ہیں۔ ۷۔ پس
اگر وہ بھی انہی باتوں کو مان لیں۔ تو بس وہ راہِ راست پر آ گئے۔ اور اگر انحراف کریں۔ تو سمجھو تمہاری
ضد پر ہیں۔ اس صورت میں اللہ تمہارے لئے ان کے مقابلے پر کافی ہوگا۔ وہ سمیع اور علیم ہے۔ ۸۔ رنگ
چاہیئے اللہ کا۔ اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں۔ اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ ۹۔ ان لوگوں سے کہو۔ اللہ کے
متعلق کیا جھگڑا لے بیٹھے ہو۔ وہی تمہارا رب۔ وہی ہمارا رب۔ ہمیں ہمارے عملوں کا پھل دیگا۔ تمہیں تمہارے
عملوں کا۔ ہم تو اسی کے مخلص معتقد ہیں۔ ۱۰۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحاق۔ یعقوب اور اس
کی اولاد یہود یا نصاری تھے۔ ان سے پوچھو۔ کہ تم بہتر جانتے ہو۔ یا اللہ۔ پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا۔
کہ اللہ کی طرف سے شہادت اس کے پاس موجود ہو۔ اور وہ اسے چھپا دے۔ مگر اللہ ان باتوں سے بے خبر
نہیں۔ جو وہ کرتے ہیں۔ ۱۱۔ یہ لوگ تھے۔ جو اپنے وقتوں میں ہو گذرے۔ ان کے عمل ان کے ساتھ گئے۔ تمہارے
عمل تمہارے ساتھ ہیں۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کیا کرتے تھے۔ ۱۲۔

۱۵۷ - ویدک دہرم

اول۔ ان کل آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جس دہرم کو حضرت محمد صاحب مانتے ہیں۔ اور منوانا چاہتے تھے۔ وہ اسے نیا یا اپنا چلایا ہوا۔ مذہب نہیں کہتے۔ بلکہ ابراہیم کا دہرم کہتے ہیں۔ جس کا قدیم ترین زمانہ سے تعلق ہے۔ اور جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ وہ ویدک دھرم ہے۔

دوم:۔ قرآن مجید کا یہ فتویٰ ہے۔ (آیت ۱۳۰) میں کہ ابراہیم کا دہرم کل۔ اہل علم و عقل سے قابل قبول ہے۔ اس کو نہ ماننا محض اپنی ذاتی کمی کا ثبوت دینا ہے۔

سوم - ابراہیم والا دھرم ان کو دنیا میں برگزیدہ اور عاقبت کے لحاظ سے صالح بنانے کا موجب ہوا - یہ گویا ویشیشک درشن میں جو دھرم کی تعریف کی گئی ہے - اسی کی بازگشت ہے کہ

यतो ऽ भ्युदय नि: श्रेयससिद्धि: स धर्म :

یعنی جس سے دنیا اور آخرت یا لوک اور پرلوک دونوں کی سدھی ہو - وہ دھرم ہے -

چہارم - خدایا اس کے حکم کے آگے جھکنا یا اپنے تئیں برہم کے ارپن کر دینا برہما کا واحد فرض ہے - اور وہی ابراہیم سے یہاں منسوب ہو رہا ہے - ویدوں کا ہر عالم انہی کے وچار اور پرچار میں اپنی زندگی کی بازی لگا دیتا ہے - جیسا کہ اس زمانہ میں بھی مہرشی دیانند کے عمل سے ظاہر ہے -

پنجم :- ابراہیم صرف اپنے تئیں ہی برہم کے ارپن نہیں کرتا - اپنے بیٹوں کو بھی ایسا کرنے کی ہدایت دیتا ہے - یہ اسی نصیحت کی بازگشت ہے - جو ویدک گورو اپنے یگیوپویت لینے والے بالک کو کہتا ہے - (प्रजा पतये त्वा परि ददामि) نہ صرف پرجاپتی پرم آتما کے لئے وقف ہونا بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے - کہ تو دنیا میں ویسا بن جیسا جسم میں پران ہے - ارتھات تمام سنسار کی خدمت کے لئے اپنی ہر طاقت کو لگانے کا خیال رکھو !

ششم :- ابراہیم سے یہ نصیحت پانے والا یعقوب اپنی باری پر اپنی اولاد کو یہی نصیحت کرتا ہے - تو یہ اس گورو پرمپرا کا ثبوت ہے - جو برہما سے نسلاً در نسلاً اپدیش کی صورت میں چلی آئی ہے -

ہفتم :- آیت ۱۳۲ میں کہا ہے - خدا نے تمہارے لئے دین یا دھرم کو ہی پسند کیا ہے - اس کا یہ مطلب ہے کہ گو لوگ مکان مال دولت وغیرہ کے خواہاں ہیں یا نفسانی خواہشات کے شکار - جن متبرک ہستیوں کا یہاں ذکر ہے - وہ دھرم کو سب سے مقدم سمجھنے والی ہیں - بہ الفاظ دیگر یہاں یہ ثبوت ملتا ہے - کہ یہ جسمانی اولاد سے خطاب نہیں - علمی یا روحانی یا برہما کے شاگردوں والی اولاد ہے - جو دوسرا جنم پاتی ہے - مفسرین جو یہ مطلب لے رہے ہیں - کہ خدا نے دین اسلام کو تمہارے لئے منتخب کیا - انہیں واضح ہو کہ یہاں دین یا دھرم مذہب کے مقابلے پر نہیں - بلکہ دنیوی سامانوں کے مقابلے پر ہے - جب اس وقت مذہب ہی نہ تھے - حتیٰ کہ یہود اور نصاریٰ کا بھی ابراہیم کے وقت میں وجود نہ تھا - تو یہ مفہوم نکل ہی کیسے سکتا ہے - پس مقصود یہی ہے - کہ دنیوی خواہشات کی بجائے خدا نے تمہارے لئے دین کی دولت کو ترجیح دی ہے - اور یہی اسلام یا خدا کی فرمانبرداری یا سلامتی ہے -

ہشتم :- یہاں چند باتیں اور سمجھنی ضروری ہیں -

ابراہیم لفظ کو ہم برہما کی تبدیل شدہ صورت کہتے ہیں - تو اس کی وجوہات بھی ہم بہت دیتے ہیں - مگر اب وجہ اور بھی زبردست ہے - ابراہیم کی عورت کا نام سرہ ہے - تو برہما کا بھی سرہ سے ہی تعلق ہے - ویدوں کے لئے برہما وقف ہے - سرسوتی کہاتا ہے - اور سرسوتی لفظ دو لفظوں سے مل کر بنا ہے - سرہ اور وتی (सर: + वती) وتی لفظ تو ودیا وتی - کلاوتی - لیلاوتی سب میں عام ہے - خصوصیت یہاں سرہ کی ہے - اور چونکہ برہما کی علمیت کو یہ لفظ ظاہر کرتا ہے - کسی عورت کو نہیں - جس سے برہما کا بیاہ ہوا -

اس لیے جہاں بیانوں کی مطابقت ظاہر ہے۔ وہاں اولاد یا بیٹوں کے متعلق بھی یہی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ وہ علم میں کمال یافتہ شاگرد ہیں۔ بائیبل میں سرہ کے یہاں بڑھاپے میں بیٹا ہونے کا جو ذکر ہے۔ اس کی حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ عمر رسیدہ تجربہ کار گوروسے لائق شاگرد رُوپی بیٹا ہُوا۔ سرہ یا ودیا کے تعلق سے۔

نہم۔ یہ ہدایت کہ مرنا تو دہرم پر ہی مرنا۔ اور بھی اس مدعا کو صاف کرتی ہے۔ کہ سچے دہرم میں اپنی زندگیاں لگانے والے عالموں کا یہاں ذکر چل رہا ہے۔ نام گو بدل چکے ہیں۔ اصل حقیقت نہیں بدلی۔

دہم۔ آیت ۱۳۳ میں یعقوب کی موت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یہ سچے دہرم کے اعلیٰ ترین اصول توحید کی عظمت ظاہر کرتا ہے۔ کہ سوائے اس پاک خدا کے کوئی انسان کا معبود نہیں۔

یازدہم:۔ یعقوب کے بیٹوں نے مرتے ہوئے باپ کو جواب دیا۔ کہ وہ اس خدائے واحد کی عبادت کرتے رہینگے جس کی ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحاق جیسے سب بزرگ کرتے رہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ان سارے بزرگوں کا ایک ہی دہرم تھا کسی نئے مذہب کی ان کے وقت میں ایجاد نہ ہوئی تھی۔

دوازدہم۔ آیت ۱۳۴ میں کہا ہے۔ کہ ہر شخص خود نیک عمل کر کے ہی سکھ پا سکتا ہے۔ بزرگ لوگ اپنے وقت میں ہم سے پہلے کام کر گئے۔ تو انہوں نے اس کا پھل پایا۔ ہم لوگوں سے یہ نہ پوچھا جاویگا۔ کہ تمہارے بڑے کیا کام کرتے تھے۔ بلکہ یہ کہ تم نے خود کیا کیا ہے۔

سیزدہم:۔ آیت ۱۳۵ میں کہا ہے۔ کہ اہل مذاہب لوگوں کو اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ یہود کہتے ہیں یہودی بن جاؤ۔ نصاریٰ کہتے ہیں۔ نصاریٰ بن جاؤ۔ اس کا جواب یہ بتایا گیا۔ کہ دہرم یا دین تو ابراہیم موحد والا ہے۔ وہ تم مشرکوں میں نہ تھا۔ گویا ویدک دہرم اور مذاہب میں جو فرق ہے۔ وہی ملت ابراہیم اور یہود وغیرہ مذاہب میں ہے

چہاردہم۔ آیت ۱۳۶ میں واضح کیا گیا ہے۔ کہ ہم انسانوں پر نہیں۔ اللہ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جو علم ہمیں ملا ہے۔ اس پر چلنا چاہتے ہیں۔ سچا دہرم بمصداق سَتْو سبانے اکومت۔ سب حق پرستوں کو یکساں قبول ہوتا ہے۔ لہٰذا ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحاق۔ یعقوب۔ عیسیٰ۔ موسیٰ سب پر خدا کی عنایت سے ایک ہی قسم کی سچائیاں ظاہر ہوئیں۔ ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں۔ یہ بالکل وہی بات ہے۔ جو مہرشی دیانند نے کہی۔ کہ ہر فرد و بشر کے لئے مفید دہرم وہی ہے۔ جس کو ہمیشہ سے سب مانتے آئے مانتے ہیں۔ اور مانیں گے بھی۔ جس کا کوئی مخالف نہیں ہو سکتا۔ برہما سے لے کر جیمنی تک سب رشی منی کپل پتنجل۔ گوتم۔ ویاس نیز رام۔ کرشن وغیرہ سب بزرگ اسی ویدک سناتن دہرم کے معتقد رہے ہیں۔ اور اسی خالص دہرم کو ماننا سب کا فرض ہے۔

پانزدہم:۔ آیت ۱۳۷ میں کہا ہے۔ کہ یہود نصاریٰ وغیرہ مذاہب کا خیال چھوڑ کر سچے دہرم کے معتقد رہو۔ بلکہ ان مذاہب والوں کو سمجھاؤ۔ اگر وہ تمہارے سچے خدا اور اس کے سچے دہرم کو قبول کر لیں۔ تو وہ راہ راست پر آ گئے۔ ورنہ انہیں اپنا مخالف سمجھو۔ ان کے دم جھانسے میں نہ آؤ۔ ہاں اللہ کے بھروسے پر تبلیغ حق میں کوشاں رہو۔ یہی پوزیشن ویدک دہرم کی سدا مانی گئی اور آریہ سماج کو اب بھی تسلیم ہے۔

شانزدہم۔ آیت ۱۳۶ میں کہا ہے۔ کہ سب پیغمبروں کی تعلیم جو ایک سی ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ

تمام ایک ہی خدا کے معتقد تھے۔ اور اسی خدا کو ہم مانتے ہیں۔ لہذا ہماری تعلیم وہی قدیم کی سچی تعلیم ہے۔

ہفتدہم۔ آیت ۱۳۸ میں کہا ہے۔ اختلافات اور مذہبی تفریق کو چھوڑ کر ایک اللہ کے ہی اصلی اور پختہ رنگ میں رنگے جاؤ۔ گویا انسانی مذاہب کچے اور پھیکے رنگ ہیں۔ اور ویدک دھرم پختہ اور شوخ رنگ ہے۔

ہشدہم :۔ آیت ۱۳۹ میں ہدایت ہے۔ کہ اللہ سب کا ایک ہے۔ اس کے متعلق جھگڑا فضول ہے۔ فرق ہے تو ہماری عقلوں میں ہے۔ اور اسی سے انصاف الہی کے مطابق ہمارے عملوں میں فرق ہے۔ پس ان اعمال کو ایک خدا کے قانون کے سانچے میں ڈھال کر عملی طور پر اختلافات کو مٹانا عالم لوگوں کا فرض ہے۔

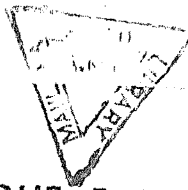
نہدہم۔ آیت ۱۴۰ میں نہایت معقول لکھا ہے۔ کہ مذہب کے طرفدار لوگ قدیم بزرگوں کو اپنے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ گویا ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحاق۔ یعقوب یا اس کے جانشین یہودی یا نصرانی تھے۔ لیکن قرآن اس عمل کی تکذیب بہ ڈانٹ بتاکر کرتا ہے۔ کہ خدا سے انسان بھلا بہتر کس طرح جان سکتا ہے۔ پس ان بڑی بڑی شخصیتوں کو کیا غرض پڑی ہے۔ کہ دین خدا کی بجائے ان انسانی مذاہب سے تعلق رکھیں سچے دھرم میں کسی انسانی مذہب کا ذکر نہیں۔ ہاں نئے مذاہب میں قدیم دھرم ضرور موجود ہے۔ پس قدیم تعلیم کو چھپانا اور سچے دھرم سے لوگوں کو ہٹانا گناہ عظیم ہے۔

بستم :۔ آیت ۱۴۱ میں کہا ہے۔ کہ اہل مذاہب قدیم بزرگوں کے کارنامے سنا کر اپنی بڑائی کرتے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ تم سے پوچھتا ہی کون ہے۔ کہ بزرگوں نے کیا کیا تھا۔ تم تو اپنے عملوں سے ہی فائدہ پا سکتے ہو۔ گویا دھرم نام دھارن کرنے یا عمل میں لانے کا ہے۔ شیخی بگھارنے کا نہیں۔

ان تعلیمات پر دلائل اور حوالہ جات سے بحث ہو۔ تو بہت طویل ہو سکتی ہے۔ لیکن چونکہ غرض محض اس امر کا اشارہ دینا ہے۔ کہ ابراہیم کی ملت ویدک دھرم کو ہی کہا جا رہا ہے۔ اس لئے زیادہ لکھنا ضروری نہیں۔ اور یہ امر کہ احمق لوگوں کے بغیر کوئی ملت ابراہیم سے منحرف نہیں ہو سکتا ظاہر کرتا ہے۔ کہ اہل علم وعقل اسی کو قبول کرتے ہیں۔ یہ منو کے اس اصول کی تائید ہے۔ کہ

यस्तर्केणानुसंधत्ते स धर्मं वेद नेतरः ॥

وید دھرم محض وہ ہے جو ترک پر پورا اترتا ہے۔



DUE DATE

01 APR 70		
20 MAR 76		
14 APR 88		

